سیرۃ الرسول

مُقدّمہ

سیرۃُ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصہ دُوم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحقیق و تدوین

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

مِنھاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	مقدّمہ سیرۃُ الرسول ﷺ (حصہ دُوُم)
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
تخریج	:	محمد ضیاء الحق رازی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اوّل	:	مارچ 2007
تعداد	:	1,100
قیمت پریمئر کاغذ	:	440/- روپے

❁ ❁ ❁

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاج القرآن کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

﴿صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

مشتملات

مشتملات	صفحہ
✿ پیش لفظ	۲۹
باب اوّل	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی شخصیتی و رسالتی اہمیت	۳۱
باب دُوُم	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی ثقافتی اور تہذیبی اہمیت	۹۳
باب سُوُم	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی تاریخی اہمیت	۲۰۵
باب چہارم	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی معاشی اہمیت	۲۳۷
باب پنجم	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اہمیت	۳۸۵
باب ششم	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی نظریاتی و انقلابی اہمیت	۴۲۳

مشتملات	صفحہ
باب ہفتم	
سیرۃ الرسول ﷺ کی اَہمیت حقوق اِنسانی کے تناظر میں	۵۰۷
باب ہشتم	
سیرۃ الرسول ﷺ کی اَہمیت اَقلیتوں کے حقوق کے تناظر میں	۵۸۱
باب نہم	
سیرۃ الرسول ﷺ کی اَہمیت اَمنِ عالم کے تناظر میں	۶۲۳
✿ مآخذ و مراجع	۶۸۹

فہرست

عنوانات	صفحہ
✿ پیش لفظ	۲۹
باب اول	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی شخصیتی و رسالتی اَہمیت	۳۱
۱۔رسالت محمدی ﷺ کی آفاقیت و عالمگیریت	۳۴
۲۔شخصیت محمدی ﷺ کی جامعیت و ہمہ گیریت	۳۵
۳۔دین و شریعت محمدی کا اعجاز	۳۶
اِعجازِ قرآن کے دلائل	۳۸
(۱) عدمِ مثلیت	۳۸
(۲) حفاظت کا اُلوہی اہتمام	۴۰
(۳) عدم اختلاف و تناقض	۴۳
(۴) ندرتِ اُسلوب و نظمِ کلام	۴۵
(۵) فصاحت و بلاغت	۴۷
(الف) مجاز و کنایہ	۴۸
(ب) تشبیہ و استعارہ	۴۸
(۶) صوتی حسن و ترنم	۴۹

عنوانات	صفحہ
(۷) احوالِ غیب کا بیان	۵۱
ا۔ اُمم سابقہ کے اَحوال و واقعات	۵۲
ب۔ مستقبل کی پیشین گوئیاں	۵۲
i. غلبۂ روم کی پیشین گوئی	۵۳
ii. فتح مکہ کی پیشین گوئی	۵۳
iii. فتحِ خیبر کی پیشین گوئی	۵۴
iv. غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی	۵۵
(۸) نتیجہ خیزی کی ضمانت	۵۶
(۹) اُمیتِ صاحبِ قرآن	۵۸
۴۔ شخصی فضائل و خلق محمدی ﷺ کی کاملیت	۶۰
(۱) خلق محمدی ﷺ کا معاشرتی پہلو	۶۱
(۲) خلق محمدی ﷺ میں عفو کا پہلو	۶۲
(۳) خلق محمدی ﷺ میں حلم کا پہلو	۶۳
(۴) خلق محمدی ﷺ میں حیا کا پہلو	۶۴
(۵) خلق محمدی ﷺ میں سخاوت کا پہلو	۶۵
(۶) خلق محمدی ﷺ میں صبر کا پہلو	۶۵
(۷) خلق محمدی ﷺ اور مخلوق پر رحمت و شفقت	۶۷
(۸) خلق محمدی ﷺ میں تواضع کا پہلو	۶۸
۵۔ تعلیماتِ محمدی ﷺ کی حفاظت و دائمیت	۶۹

صفحہ	عنوانات
۸۰	احادیث نبوی ﷺ کی حفاظت و دائمیت
۸۲	احادیث نبوی ﷺ کی حفاظت کا نادر الوجود منہج
۸۳	(۱) راوی حفظ و روایت کی اعلیٰ صلاحیت کا حامل ہو
۸۳	(۲) راوی معروف ہو
۸۳	(۳) راوی مقبولیت کا حامل ہو
۸۳	(۴) راوی کے کردار پر تنقید موجود نہ ہو
۸۴	(۵) سماجی وقار و آداب کا حامل ہو
۸۴	۶۔ رسالتِ محمدی ﷺ کی خاتمیت
۸۸	۷۔ مقاصد بعثت رسالت کی تمامیت
	باب دوم
۹۳	سیرۃُ الرسول ﷺ کی ثقافتی اور تہذیبی اَہمیت
۹۷	ا۔ثقافت اور معاشرتی اَقدار
۱۰۰	۲۔ثقافت اور تہذیب کا باہمی تعلق
۱۰۱	۳۔اسلام سے قبل دنیا کی تہذیبی صورت حال
۱۰۶	۴۔قبل از اسلام معروف تہذیبیں
۱۰۶	(۱) سمیری تہذیب (Sumeric Civilization)
۱۰۶	(۲) مصری تہذیب (Egyptian Civilization)
۱۰۶	(۳) حتی تہذیب (Hittite Civilization)

عنوانات	صفحہ
(۴) فونیقی تہذیب (Phoenician Civilization)	۱۰۷
(۵) یونانی تہذیب (Greek Civilization)	۱۰۷
(۶) ایرانی تہذیب (Iranian Civilization)	۱۰۸
(۷) ہندی تہذیب (Indian Civilization)	۱۰۹
(۸) رومی تہذیب (Roman Civilization)	۱۱۰
(۹) بازنطینی ثقافت (Byzantinian Civilization)	۱۱۱
۵۔ یورپ کی عمومی صورت حال	۱۱۱
۶۔ جزیرہ عرب کی صورت حال	۱۱۵
۷۔ اسلامی تہذیب وتمدن	۱۱۶
۸۔ اسلامی تہذیب کے نمایاں اوصاف	۱۲۲
(۱) عقیدہ توحید	۱۲۳
(۲) عقیدہ رسالت	۱۲۵
(۳) عقیدہ آخرت	۱۲۷
(۴) احترام رسالت مآب ﷺ	۱۲۸
(۵) انسانی مساوات	۱۳۰
(۶) امن وسلامتی	۱۳۱
(۷) اصلاح معاشرہ	۱۳۳
(۸) نظام حکمرانی کی اصلاح	۱۳۵

صفحہ	عنوانات
۱۴۸	(۹) حسن اخلاق اور عدم تشدد
۱۵۰	(۱۰) سادگی
۱۵۳	(۱۱) تواضع اور رواداری
۱۵۵	(۱۲) انسانی اخوت
۱۵۸	(۱۳) خواتین کا احترام
۱۵۹	(۱۴) معاشی مساوات
۱۶۰	(۱۵) علم و حکمت کا فروغ
۱۶۳	(۱۶) تجرباتی سائنس کا آغاز
۱۶۸	(۱۷) مبنی بر حقائق فکری روایت کا آغاز
۱۷۰	(۱۸) تصور کائنات کی اصلاح
۱۷۱	(۱۹) سائنسی علوم کا فروغ
۱۸۰	(۲۰) دین و دنیا کا حسین امتزاج
۱۸۶	(۲۱) تہذیبی شناخت کا تحفظ
۱۸۸	۹۔ یورپ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے اثرات
۱۹۸	۱۰۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کے زوال کے اسباب

عنوانات	صفحہ
باب سوم	
سیرۃ الرسول ﷺ کی تاریخی اہمیت	۲۰۵
۱۔ سیرۃ الرسول ﷺ کی سیاسی و ریاستی اہمیت	۲۰۸
۲۔ سیرۃ الرسول ﷺ کی تنظیمی و انتظامی اہمیت	۲۱۰
۳۔ سیرۃ الرسول ﷺ کی انسانی و اخلاقی اہمیت	۲۱۱
۴۔ سیرۃ الرسول ﷺ کی سماجی و عمرانی اہمیت	۲۱۶
۵۔ سیرۃ الرسول ﷺ کی عسکری و دفاعی اہمیت	۲۲۰
۶۔ سیرۃ الرسول ﷺ کی رہنمائی میں عالمی اسلامی ریاست کا استحکام	۲۲۳
(۱) ۲ھ-۱۰ھ (۶۲۴ء-۶۳۲ء)	۲۲۵
(۲) ۱۲ھ (۶۳۳ء)	۲۲۵
(۳) ۱۳ھ-۱۵ھ (۶۳۴ء-۶۳۶ء)	۲۲۵
(۴) ۱۶ھ (۶۳۷ء)	۲۲۵
(۵) ۱۲ھ-۱۹ھ (۶۳۳ء-۶۴۰ء)	۲۲۶
(۶) مصر اور روم (اسکندریہ) کی فتوحات	۲۲۶
(۷) آرمینیا، آذر بائیجان، طرابلس، قبرص، فارس، ایان اور قابل کی فتوحات: ۲۴ھ-۳۵ھ (۶۴۵ء-۶۵۶ء)	۲۲۷
(۸) بقیہ ایران، ترکستان، وسطی ایشیا، شمالی افریقہ اور روم کی فتوحات: ۴۱ھ-۶۰ھ (۶۶۱ء-۶۸۰ء)	۲۲۷

عنوانات	صفحہ
(۹) وسطی ایشیاء کی آخری فتوحات: ۶۱ھ - ۹۶ھ (۶۸۱ء - ۷۱۴ء)	۲۲۸
(۱۰) مشرق میں ماوراء النہر اور چین کی سرحدی فتوحات: ۹۶ھ (۷۱۴ء)	۲۲۸
(۱۱) مشرق میں سندھ اور ہند کی فتوحات: ۱۵ھ - ۹۶ھ (۶۳۶ء - ۷۱۴ء)	۲۲۸
(۱۲) مغرب، شمالی افریقہ، روم اور بازنطینی ریاستوں کی فتوحات: ۱۸ھ - ۹۲ھ (۶۳۹ء - ۷۱۰ء)	۲۳۰
(۱۳) اندلس، سپین اور یورپ کی فتوحات: ۲۷ھ - ۹۲ھ (۶۴۸ء - ۷۱۱ء)	۲۳۰
(۱۴) فرانس کی جزوی فتوحات: ۹۷ھ - ۱۴۱ھ (۷۱۶ء - ۷۵۸ء)	۲۳۲
باب چہارُم	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی معاشی اہمیت	**۲۳۷**
ا۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت کا تصوراتی پہلو	۲۴۰
(۱) معاشی سرگرمیوں کی اہمیت کا ادراک	۲۴۰
i. تصور معاش کی ہمہ جہتی	۲۴۲
ii. طلب حلال ایک فرض	۲۴۲
iii. جائز اقتصادی سرگرمیوں اور محنت کی تعریف	۲۴۳
iv. زندگی کے معاشی استحکام کا تصور	۲۴۴
v. کسب معاش کی پابندی کا تصور	۲۴۶
(۲) معیشت میں فساد کے اسباب کا تدارک	۲۵۰
ملکیت اموال کا تصور امانت	۲۵۰

صفحہ	عنوانات
۲۵۴	(۳) اِقتصاد فی المعیشت کا تصور
۲۵۴	صرف اور خرچ میں اقتصاد کا حکم
۲۶۱	(۴) معاشی ترجیحات کا منصفانہ تعین
۲۶۱	i. اَفرادِ معاشرہ کی حق معاش میں برابری
۲۶۳	ii. تفاوت رزق اور انسانی وقار
۲۶۴	iii. اجتماعی مفاد کی انفرادی مفادات پر ترجیح
۲۶۶	iv. ارتکاز دولت کی مذمت
۲۶۸	۲۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور فلاحی معیشت کا قیام
۲۶۸	(۱) افرادِ معاشرہ پر وجوبِ کسبِ رزق
۲۶۹	(۲) ذرائع معیشت کی تلاش
۲۷۲	(۳) زمین اور اس کی پیداوار میں حق کی برابری
۲۷۴	(۴) زمین کی تحدید اور تقسیم
۲۷۵	(۵) اقتصادی و معاشی حقوق کا تحفظ
۲۸۱	(۶) ناجائز ذرائع معیشت کا احتساب
۲۸۱	(۷) احتکار و اکتناز کی ممانعت
۲۸۶	(۸) حرام ذرائع معیشت کا انسداد
۲۸۷	(۹) اَسراف کی ممانعت
۲۹۰	۳۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و معاشرت کا تعلق
۲۹۰	(۱) معاشی تعطل ایک معاشرتی المیہ

عنوانات	صفحہ
(۲) معاشی ذمہ داریوں اور معاشرتی مرتبہ کا تعلق	۲۹۳
(۳) معاشرتی اصلاح میں معاشی عنصر کی اہمیت	۲۹۴
۴۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و اخلاق کا تعلق	۲۹۵
(۱) معیشت اور روح عبادات	۲۹۸
(۲) دین معاشی حق کی ادائیگی کا نام ہے	۳۰۰
(۳) غربا کی عزت نفس کا احترام	۳۰۸
(۴) مستحقین کی توقیر وحرمت: تعلیمات نبوی کو روشنی میں	۳۰۹
(۵) معاشی ذمہ داریاں اور تقاضائے ایمان	۳۱۱
۵۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و ریاست کا تعلق	۳۱۲
(۱) ریاست کی ذمہ داریاں	۳۱۲
i. حق معاش کی فراہمی	۳۱۲
ii. سیرت الرسول ﷺ اور بنیادی حق معاش	۳۱۵
iii. حکمران کی اہلیت: معاشی مساوات کا قیام	۳۱۵
iv. حضرت عمرؓ کی اقتصادی اصلاحات	۳۱۷
v. کفالت عامہ کا نظام اور ریاست کی ذمہ داری	۳۱۹
vi. زائد مال کی تقسیم اور حکومت کی ذمہ داری	۳۲۸
vii. اسلامی ریاست میں باہمی معاشی تعاون	۳۳۳
viii. اجتماعی سطح پر کفالت عامہ	۳۳۶
(۲) معاشی کفالت کا دائرہ کار	۳۴۹

عنوانات	صفحہ
i. حق خوراک کی فراہمی	۳۴۹
ii. حق لباس	۳۵۸
iii. حق رہائش	۳۶۱
iv. حق ذریعہ معاش اور مالی کفالت	۳۶۱
(۳) منصفانہ معیشت کے لیے لازمی اقدامات	۳۶۷
i. جملہ اموال میں حاجت مندوں کا حق	۳۶۷
ii. ضرورت سے زائد زمین بحق سرکار ضبط	۳۶۹
iii. مال وراثت میں غرباء کا شرعی حق	۳۶۹
iv. ادائیگی زکوۃ سے حکم انفاق ساقط نہیں ہوتا	۳۷۲
(۴) ریاست کے امتناعی اقدامات	۳۷۵
i. سودی معیشت: ہمہ گیر تباہی	۳۷۷
ii. سودی معیشت: اللہ سے بغاوت	۳۷۸
iii. سود کی ہر نوع کی ممانعت	۳۷۹
iv. سیرۃُ الرسول ﷺ اور سود خوری پر وعید	۳۸۰
(۱) سود خوری باعث تباہی و بربادی	۳۸۰
(۲) سودی لین دین پر حضور اکرم ﷺ کا لعنت بھیجنا	۳۸۰
(۳) سود خور کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا	۳۸۱
(۴) سود کا کم تر درجہ ماں کے ساتھ زنا کی مثل ہے	۳۸۱
(۵) سود کا ایک درھم (روپیہ) کھانا چھتیس دفعہ زنا سے زیادہ سخت ہے	۳۸۲
(۶) سود شرک کے برابر ہے	۳۸۳

عنوانات	صفحہ
(۷) سود خور پر عذاب آخرت	۳۸۳
ماحصل	۳۸۳
باب پنجم	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اَہمیت	**۳۸۵**
ا۔ جدید عالمی نظام کے تناظر میں سیرۃُ الرسول ﷺ کا مطالعہ	۳۸۷
خطبہ حجۃ الوداع اور اسلامک ورلڈ آرڈر کا اعلان	۳۸۸
(۱) نئے عالمی نظام کا آغاز	۳۸۸
(۲) سابقہ جاہلانہ اور ظالمانہ نظام کی منسوخی	۳۸۹
(۳) عالمی امن کے قیام کا اعلان	۳۹۰
(۴) عالمی انسانی مساوات کا قیام	۳۹۱
(۵) معاشی و اقتصادی استحصال کا خاتمہ	۳۹۲
(۶) عورتوں کے حقوق کا تحفظ	۳۹۳
(۷) زیردست اور افلاس زدہ انسانیت کے حقوق کا تحفظ	۳۹۳
۲۔ جدید انسانی مسائل کے تناظر میں سیرۃُ الرسول ﷺ کا مطالعہ	۳۹۴
(۱) آفاقی اقدار کا قیام	۳۹۵
(۲) تصادم کی بجائے مکالمے کی ضرورت	۳۹۸
(۳) اسلام کا بطور نظام حیات ابلاغ	۴۰۳
(۴) عالمی برداشت کے کلچر کا فروغ	۴۰۵

صفحہ	عنوانات
۴۰۷	(۵) وحدت نسل انسانی کا تصور
۴۰۸	(۶) معاشی عدل و احسان کا حکم
۴۰۹	(۷) صدقہ و انفاق اور اطعام الطعام کا وجوبی حکم
۴۱۱	(۸) اصل رزق اور بنیادی ضروریات زندگی میں سب کی برابری کا تصور
۴۱۲	(۹) عورت کی عزت اور حقوق کے تحفظ کا حکم
۴۱۴	(۱۰) جائز جنسی تسکین کے لئے نکاح کا تصور
۴۱۵	(۱۱) نوجوانوں کی پریشان خیالی کا اسلامی علاج
۴۱۷	(۱۲) دماغی اور نفسیاتی دباؤ کا روحانی علاج
۴۱۹	(۱۳) شراب نوشی اور دیگر منشیات کی کلی حرمت
۴۲۰	(۱۴) ماحولیاتی صحت کے لئے صفائی اور شجرکاری وغیرہ کا حکم
	باب ششم
۴۲۳	**سیرۃ الرسول ﷺ کی نظریاتی و اِنقلابی اَہمیت**
۴۲۶	ا۔ قرآن اور سیرتِ محمدی ﷺ ہی ہمہ گیر انقلاب کی فکری و عملی اساس ہیں
۴۲۹	(۱) انفرادی زندگی اور مقصدِ انقلاب
۴۳۲	(۲) اجتماعی زندگی اور مقصدِ انقلاب
۴۳۴	(۳) بین الاقوامی زندگی اور مقصدِ انقلاب
۴۳۶	۲۔ قرآنی ہدایت کی نتیجہ خیزی اور قانونِ مشیتِ الٰہی
۴۴۵	مشیتِ الٰہی اور رضائے الٰہی میں فرق

عنوانات	صفحہ
۳۔ پیغمبرانہ سیرت اور جدوجہد کی نتیجہ خیزی	۴۴۶
۴۔ پیغمبرانہ چیلنج اور نتائج	۴۵۳
(۱) حضرت نوح علیہ السلام	۴۵۴
مقصدِ بعثت اور دعوت	۴۵۴
پیغمبرانہ چیلنج	۴۵۵
نتیجہ	۴۵۶
(۲) حضرت ہود علیہ السلام	۴۵۶
مقصدِ بعثت اور دعوت	۴۵۶
چیلنج	۴۵۸
نتیجہ	۴۵۸
(۳) حضرت صالح علیہ السلام	۴۵۹
مقصد بعثت اور دعوت	۴۵۹
چیلنج	۴۶۱
نتیجہ	۴۶۱
(۴) حضرت لوط علیہ السلام	۴۶۲
مقصدِ بعثت اور دعوت	۴۶۲
نتیجہ	۴۶۳
(۵) حضرت شعیب علیہ السلام	۴۶۳
مقصدِ بعثت اور دعوت	۴۶۳

صفحہ	عنوانات
۴۶۵	چیلنج
۴۶۶	نتیجہ
۴۶۷	(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام
۴۶۷	دعوت و نتیجہ
۴۶۸	(۷) حضور خاتم الانبیاء ﷺ
۴۷۱	۴۔ سیرتِ محمدی ﷺ کی نتیجہ خیزی ختم نبوت کی بنیاد ہے
۴۷۱	(۱) بعثت محمدی ﷺ اور غایتِ نزولِ قرآن
۴۷۲	(۲) صحیح مقصد بعثت اور غایتِ نزولِ قرآن
۴۷۵	(۳) نتیجہ خیزی
۴۷۵	(۴) قابلِ غور امر
۴۷۶	۵۔ سیرتِ محمدی ﷺ ہی پیغام الٰہی کا نتیجہ خیز اور انقلابی ابلاغ ہے
۴۷۷	(۱) البلاغ
۴۸۱	(۲) للناس
۴۸۱	(۳) قرآنی بلاغ اور سیرتِ محمدی ﷺ
۴۸۳	۶۔ سیرتِ محمدی ﷺ اور قرآنی قانونِ عروج و زوال
۴۸۶	سیرتِ نبوی ﷺ اور قرآنی قانونِ عروج وزوال کی روشنی میں حق و باطل کا مفہوم
۴۸۹	(۱) جہاد سے بقاء کی ضمانت ملتی ہے
۴۹۶	(۲) انفاق سے نشوونما کے راستے کھلتے ہیں
۵۰۱	عملِ انفاق میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ہی نمونہ کمال ہے

عنوانات	صفحہ
باب ہفتم	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت حقوقِ اِنسانی کے تناظر میں	۵۰۷
تعلیماتِ نبوی ﷺ کے عطا کردہ بعض بنیادی انسانی حقوق	۵۱۰
(۱) زندگی کے تحفظ کا حق	۵۱۱
حق زندگی اور سزائے موت	۵۱۴
اِضطراری حالت میں زندگی کے تحفظ کا حق	۵۱۷
(۲) اِنسانی جان کی حرمت کا حق	۵۱۹
خودکشی کی ممانعت	۵۲۰
زندگی کا مفہوم اور اُس کے مضمرات	۵۲۱
(۳) رحمِ مادر میں جنین کا حق	۵۲۴
مغربی قانون اور اِمتناعِ جرائمِ نسل کشی	۵۲۷
(۴) عزتِ نفس کا حق	۵۲۸
(۵) عزت کی حفاظت کا حق	۵۲۹
(۶) نجی زندگی کے تحفظ کا حق	۵۳۱
(۷) شخصی رازداری کا حق	۵۳۲
(۸) سلامتی کا حق	۵۳۵
(۹) سماجی مساوات کا حق	۵۳۷

صفحہ	عنوانات
۵۳۸	(۱۰) قانونی مساوات کا حق
۵۴۱	(۱۱) حصولِ اِنصاف کا حق
۵۴۴	(۱۲) آزادانہ سماعت کا حق
۵۴۶	(۱۳) دوسروں کے جرائم سے برات کا حق
۵۴۷	(۱۴) صفائی پیش کرنے کا حق
۵۴۸	(۱۵) آزادی کا حق
۵۵۰	(۱۶) شخصی آزادی کا حق
۵۵۱	مغرب میں شخصی آزادی کا حق
۵۵۲	(۱۷) مذہبی آزادی کا حق
۵۵۷	(۱۸) اِظہارِ رائے کی آزادی کا حق
۵۶۱	(۱۹) مریض کا حق
۵۶۲	(۲۰) طبی سہولیات کی فراہمی کا حق
۵۶۳	مغربی قانون اور طبی سہولیات کا حق
۵۶۵	(۲۱) ملکیت کا حق
۵۶۷	(۲۲) بنیادی ضروریات کی کفالت کا حق
۵۷۰	مغربی قانون میں بنیادی ضروریات کا حق
۵۷۱	(۲۳) تعلیم کا حق
۵۷۲	(۲۴) معاہدہ کرنے کا حق
۵۷۲	(۲۵) اَزدواجی زندگی کا حق

صفحہ	عنوانات
۵۷۳	(۲۶) خاندان کے قیام کا حق
۵۷۴	(۲۷) میت کا حق
	باب ہشتم
۵۸۱	سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت اَقلیتوں کے حقوق کے تناظر میں
۵۸۸	۱۔ اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کا مساوی مقام
۵۹۱	۲۔ اقلیتوں کے لیے مساوات کا حق
۵۹۲	۳۔ اقلیتوں کے لیے شخصی رازداری کا حق
۵۹۳	۴۔ مذہبی آزادی کا حق
۵۹۶	۵۔ فتنہ ارتداد کی قانونی حیثیت
۵۹۸	۶۔ اقلیتوں کے لیے معاشی آزادی کا حق
۵۹۹	۷۔ اِجتماعی کفالت میں اقلیتوں کا حق
۶۰۰	۸۔ روزگار کی آزادی کا حق
۶۰۲	۹۔ تحفظ اور سلامتی کا حق
۶۰۵	۱۰۔ تمدنی اور معاشرتی آزادی کا حق
۶۰۶	۱۱۔ اِسلامی رِیاست میں اَقلیتوں کی حفاظت
۶۱۰	۱۲۔ عسکری خدمات سے اِستثناء کا حق

صفحہ	عنوانات
۶۱۱	۱۳۔ اَقلیتوں سے معاہدے کی پاسداری
۶۱۲	۱۴۔ جنگی قیدیوں کے حقوق
۶۱۲	۱۵۔ معاہدات نبوی اور اقلیتوں کے حقوق
۶۱۴	نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ
۶۱۵	۱۶۔ خلافتِ صدیقی اور اقلیتوں کے حقوق
۶۱۵	(۱) اہلِ عانات سے معاہدہ
۶۱۶	(۲) اہلِ حیرہ سے معاہدہ
۶۱۷	(۳) حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی ہدایات
۶۱۸	۱۷۔ خلافتِ فاروقی اور اقلیتوں کے حقوق
۶۱۸	اہلِ ماہ بہراذان سے معاہدہ
۶۲۰	۱۸۔ خلافتِ عثمانی اور اقلیتوں کے حقوق
۶۲۱	۱۹۔ خلافت مرتضوی اور اقلیتوں کے حقوق
	باب نہم
۶۲۳	**سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت اَمنِ عالم کے تناظر میں**
۶۲۸	۱۔ قانون اسلام اور قیام امن کی اہمیت
۶۲۸	(۱) قیام امن کی تاکید
۶۳۰	(۲) سماجی رویے میں نرم خوئی کی تلقین

عنوانات	صفحہ
(۳) تکبر و غرور کی ممانعت	۶۳۱
(۴) سماجی رویوں میں غصہ کی ممانعت	۶۳۲
(۵) نقص امن اور قتل کی سزا	۶۳۳
(۶) قانون قصاص کی حکمت	۶۳۵
(۷) قیام امن اور حکومت کی ذمہ داریاں	۶۳۶
۲۔ اسلام میں انسانی جان کی حرمت	۶۳۶
(۱) انسانی جان کے احترام پر بیعت	۶۳۷
(۲) اولاد کے سلسلہ میں عورتوں سے بیعت	۶۳۸
(۳) حرمت خون میں مساوات	۶۳۹
(۴) قتل: سب سے بڑا گناہ	۶۴۰
(۵) قتل میں تعاون کی ممانعت	۶۴۲
(۶) اسلام اور امتناع قتل	۶۴۳
(۷) انسانی جان کے قتل کا جواز	۶۴۵
(۸) انسانی جان کے احترام کا انفرادی پہلو	۶۴۶
(۹) انسانی جان کے احترام کا سماجی پہلو	۶۴۸
(۱۰) انسانی جان کے احترام کا اجتماعی پہلو	۶۴۹
(۱۱) انسانی جان کے احترام کا بین الاقوامی پہلو	۶۵۱
(۱۲) امن عالم کے لیے ہدایات	۶۵۴

صفحہ	عنوانات
۶۵۵	۳۔ قیامِ امن کی جہات
۶۵۶	(۱) قیامِ امن کی انفرادی جہت
۶۵۸	(۲) قیامِ امن کی سماجی جہت
۶۵۸	i. انسانی حقوق کی حرمت
۶۵۹	ii. مسلمانوں کا باہمی ربط و تعلق
۶۶۰	iii. قیامِ امن اور باہمی تعاون
۶۶۱	iv. قیامِ امن اور اہل قرابت سے تعلق
۶۶۳	v. کمزور افرادِ معاشرہ سے حسنِ سلوک
۶۶۳	vi. یتیموں کی نگہداشت
۶۶۴	vii. ماتحتوں کے حقوق کا احترام
۶۶۵	viii. مظلوم کی دستگیری کی تلقین
۶۶۶	(۳) قیامِ امن کی قومی جہت
۶۶۶	i. فتنہ گروں اور اہلِ فساد کی مذمت
۶۶۶	ii. فساد انگیزی: اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ
۶۶۷	iii. فتنہ گر کا دوہرا جرم
۶۶۸	iv. فتنہ گروں کی جلا وطنی
۶۶۹	v. قتل اور رہزنی کی سزا
۶۷۲	vi. فتنہ گروں کو سزا کا اصلاحی پہلو
۶۷۳	vii. فتنہ گروں اور رہزنوں کی نمازِ جنازہ نہیں

صفحہ	عنوانات
۶۷۳	viii. فتنہ انگیز گروہ کو سزا
۶۷۴	ix. رہزنوں اور فتنہ گروں کو سزا کی حکمت
۶۷۴	(۴) قیامِ امن کی بین الاقوامی جہت
۶۷۴	i. نسل انسانی سے حسن سلوک
۶۷۷	ii. مردم آزاری کی حرمت
۶۷۷	iii. اِسلام میں جنگ اور انتقام کا تصور
۶۷۹	iv. حضور نبی اکرم ﷺ کا دشمنوں سے سلوک
۶۸۰	v. جنگ کی اجازت صرف استیصال فتنہ کے لیے ہے
۶۸۳	vi. اسلام میں جنگ کا مقصد
۶۸۴	vii. پر امن ممالک سے تعلقات کا حکم
۶۸۴	viii. اسلام کی بین الاقوامی رواداری
۶۸۵	حاصل کلام
۶۸۹	❁ مآخذ و مراجع

پیش لفظ

انسانیت کے لئے رہنمائی کا مثالی سرچشمہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ مشیتِ ایزدی نے یہ امتیاز صرف حضور نبی اکرم ﷺ کو عطا فرمایا کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہے چاہے اس کا تعلق آپ ﷺ کی انفرادی زندگی سے ہو، معاشرتی زندگی سے یا قومی زندگی سے۔ تاریخ انسانی میں آپ کی حیاتِ طیبہ پر سب سے زیادہ لکھا گیا۔ ہر دور اور ہر خطے کے اہل علم نے اپنی بساط کے مطابق آپ کی حیاتِ طیبہ پر لکھنے کی سعادت حاصل کی۔

شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے سیرت نگاری کے میدان میں نادر باب کا اضافہ کیا۔ سیرت نگاری کی روایت ہماری تاریخ کے دورِ اوّل تک پھیلی ہوئی ہے۔ تاہم سیرۃ الرسول ﷺ کا زندگی کے مسائل کے حوالے سے منظم مطالعہ اِس اَمر کا متقاضی تھا کہ اِس میدان میں نئے منہج کو متعارف کروایا جائے۔ حضرت شیخ الاسلام نے مقدمہ سیرت الرسول ﷺ اس تقاضے کے پیش نظر تصنیف فرمایا۔ حضرت شیخ الاسلام کی یہ تصنیف عرب و عجم اور مسلم و غیر مسلم دنیا میں سیرت پر لکھی جانے والی کتب میں اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ اس سے قبل اسلامی دنیا میں تفسیر، حدیث اور تاریخ کی کتب کے مقدمے لکھے گئے جن میں ان علوم کے اصول و مبادی اور بنیادی حکمتوں کو بیان کیا گیا۔ تاہم سیرت نگاری کی تاریخ میں کسی بھی مصنف نے اصول سیرت پر مشتمل مقدمہ تصنیف نہیں کیا۔ یہ امتیاز حضرت شیخ الاسلام کو حاصل ہے کہ آپ نے علمی دنیا میں اس نئے باب کا اضافہ کیا۔ مقدمہ سیرت الرسول ﷺ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول میں سیرۃ الرسول کے درج ذیل پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے:

- مطالعہ سیرت کا منہاج
- قرآن کا جمالیاتی اُسلوب اور بیان سیرت
- صحابہ کرام ﷺ کا طرزِ عمل اور تشکیلِ اُسلوبِ سیرت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی دینی اَہمیت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی آئینی و دستوری اَہمیت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی ریاستی اَہمیت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی اِنتظامی اَہمیت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی علمی و سائنسی اَہمیت

جب کہ مقدمہ سیرۃُ الرسول ﷺ کی دوسری جلد میں، جو زیرِ نظر کتاب پر مشتمل ہے، سیرت کے درج ذیل پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے:

- سیرۃُ الرسول ﷺ کی شخصیتی و رسالتی اہمیت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی ثقافتی اور تہذیبی اہمیت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی تاریخی اہمیت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی معاشی اہمیت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اہمیت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی نظریاتی و انقلابی اہمیت
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی اہمیت حقوق انسانی کے تناظر میں
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی اہمیت اقلیتوں کے حقوق کے تناظر میں
- سیرۃُ الرسول ﷺ کی اہمیت امن عالم کے تناظر میں

مقدمہ سیرۃُ الرسول ﷺ کے محتویات و مندرجات کی یہ تفصیل اس امر کو واضح کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ صرف اہل ایمان کے لئے ہی نہیں بلکہ عالم انسانیت کے لئے مینارۂ نور اور انسانی معاشرے کی تہذیبی و معاشرتی لحاظ سے مثالی تشکیل دینے کا سرچشمہ ہے۔ سیرت کی روشنی میں ہی ایک ایسا انسانی معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے جہاں آج کا انسان امن و سلامتی سے رہ سکے ۔ کیونکہ سیرۃُ الرسول ﷺ اپنی ظاہری و باطنی وسعت کے لحاظ سے محض شخصی سیرت نہیں بلکہ ایک عالم گیر اور بین الاقوامی سیرت ہے۔ جو کسی فرد واحد کا دستور زندگی نہیں بلکہ جہانوں کے لئے مکمل دستورِ حیات ہے۔ الغرض جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جائے گا انسانی زندگی کی استواری اور ہمواری کے لئے سیرت کی ضرورت و اہمیت شدید سے شدید تر ہوتی جائے گی۔

حضرت شیخ الاسلام کی یہ تصنیف جہاں علمی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے وہاں یہ فہم سیرت کی نئی جہات کے تعارف اور دورِ نو کے نوع بہ نوع مسائل کے حل کے لئے سیرت سے علمی و عملی رہنمائی کے حصول کا ذریعہ بھی بنے گی۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

ناظمِ تحقیق، تحریکِ منہاجُ القرآن

یکم ربیع الاول، ۱۴۲۸ھ، ۲۱۔ مارچ ۲۰۰۷ء

بابِ اوّل

سیرۃُ الرسول ﷺ کی شخصیتی و رِسالتی اہمیت

تاریخ انسانیت کے تناظر میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ اور آپ کی شخصیت کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ نہ صرف امت مسلمہ بلکہ انسانیت کو درپیش ابدی تقاضوں کے پیش نظر حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ رب العزت نے زمین پر سیدنا آدم علیہ السلام کو اتارتے ہی انسانیت کے لیے ہدایت کا سلسلہ جاری فرما دیا تھا۔ یعنی کرہ ارض پر پہلا انسان ہی اپنے آنے والی نسل کے لئے زندگی گزارنے کے رہنما اصول بھی واضح کر رہا تھا۔ جوں جوں انسانی معاشرہ آگے بڑھتا گیا اللہ کی ہدایت کا سلسلہ بھی فروغ پذیر رہا اور نوع بہ نوع پیدا ہونے والے مسائل اور تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ تا آنکہ اللہ رب العزت کا قائم کردہ یہ سلسلہ وحی اور رشد و ہدایت حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر آ کر درجہ کمال کو پہنچ گیا۔ بقول اقبال:

آتش او صد ابراهیم سوخت
تا چراغ یک محمد برفروخت

آپ کی شخصیت اور رسالت اس تناظر میں سلسلہ انبیاء علیہم السلام کے تکمیلی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا:

مثلي ومثل الأنبياء كمثل رجل بنى بنيانا فأحسنه وأجمله فجعل الناس يطيفون به يقولون ما رأينا بنيانا أحسن من هذا إلا هذه اللبنة فكنت أنا تلك اللبنة۔[1]

”میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان بنایا اور کیا ہی حسین وجمیل مکان بنایا لوگ اس مکان کے گرد گھوم کر کہنے لگے ہم نے اس مکان سے اچھا کوئی مکان نہیں دیکھا مگر اس میں ایک اینٹ نہیں ہے سو میں وہ اینٹ ہوں۔“

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب ذكر كونه خاتم النبيين، ۴: ۱۷۹۰، رقم: ۲۲۸۶

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۶، رقم: ۷۴۷۹

منصب نبوت و رسالت کے علاوہ آپ کی ذات مبارکہ کو شخصی حوالے سے بھی دیکھا جائے تو اس حوالے سے بھی آپ کی سیرت کا مطالعہ انسانیت کے لیے واضح رہنمائی کا سامان رکھتا ہے۔ وہ عظیم پیغام جو حضور نبی اکرم ﷺ انسانیت کے لیے لے کر آئے اس کے ابلاغ کے جتنے بھی پہلو یا جہات ہو سکتی تھیں ان پر آپ نے وحی کا ابلاغ فرمایا۔ تاہم آپ نے ابلاغ کی دو معروف اور ضروری جہات کا کماحقہ احاطہ فرمایا۔ ایک اللہ کے نظام ہدایت کا بطور ایک علمی، فکری اور دیرپا رہنے والی روایت کی صورت میں مستقل ابلاغ ہے۔ اللہ کے پیغام ہدایت کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف آج ہمارے سامنے مکمل طور پر محفوظ ہے۔ یہ علمی روایت نہ صرف دستاویزی صورت میں محفوظ ہے بلکہ اسے صدیوں کی سینہ بہ سینہ چلنے والی شخصی اور ذاتی و روایاتی تسلسل کی تائید اور توثیق بھی میسر ہے۔ یہ ابلاغ اس وقت تک نامکمل رہتا اگر اس کا عملی نمونہ موجود نہ ہوتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اللہ کی طرف سے ملنے والے اس نظام ہدایت کا ابلاغ علمی وفکری سطح پر ایک ثقہ روایت کی شکل میں ہی نہیں کیا بلکہ اپنے عمل اور شخصیت و کردار سے بھی اس کو ایک کامل نمونہ کے طور پر بھی پیش فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے انسان سے لے کر آج تک شاید ہی کوئی ایسی شخصیت موجود ہو جس کی سیرت کے مطالعہ سے، نشست و برخاست اور خلوت و جلوت سے لیکر انفرادی قومی اور بین الاقوامی معاملات تک رہنمائی میسر آتی ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ اللہ رب العزت کے عطا کردہ پیغام کا عملی نمونہ اور انسانی زندگی کے اندازِ فکر سے لے کر عمل تک جملہ سوالات کا ایسا جامع اور شافی جواب ہے جس کی کوئی نظیر تاریخ انسان سے پیش نہیں کی جا سکتی۔ اس باب میں ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی اسی شخصی اور رسالتی جہت کے حوالے سے کچھ پہلوؤں کا احاطہ کر رہے ہیں۔

۱۔ رسالتِ محمدی ﷺ کی آفاقیت اور عالم گیریت

حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کو آفاقی اور عالمگیر بنایا گیا جب کہ آپ ﷺ سے قبل جماعت انبیاء میں سے کسی کی نبوت کا دائرہ اس قدر وسیع نہ تھا ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی خاص علاقے، ملک، قوم، آبادی، شہر یا قریہ کی طرف مبعوث کیا جاتا اور وہی لوگ اس کے مخاطب ہوتے۔ مزید یہ کہ ان کی بعثت ایک خاص زمانے کے لئے ہوتی ان کے وصال کے بعد اگلی نسلوں کے لئے اور پیغمبران گرامی مبعوث کر دیئے جاتے۔ مگر حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ زمان و مکان کی جملہ حدود سے آگے بڑھ گئی۔ نہ تو آپ کی نبوت و رسالت خاص خطہ عرب کے لئے تھی اور نہ صرف آپ کی حیات ظاہری یا اس کے بعد ایک مخصوص زمانے تک کے لئے بلکہ آپ ﷺ کی بعثت تمام عالم

انسانیت کے لئے ہوئی جس میں شرق تا غرب جملہ اقوام عالم شامل ہیں۔ اسی طرح نبوت و رسالت محمدی ﷺ کا زمانہ بلاشرکت غیرے روز قیامت تک عملاً برقرار رہے، بلکہ آپ ﷺ کی رسالت کی فرمانروائی روز محشر بھی جاری وساری ہوگی۔ مقام محمود آپ کا تخت ہوگا، شفاعت آپ کا نظام سلطنت ہوگا، لواء الحمد آپ کا علم عظمت ہوگا، تمام کائنات انسانی آپ ﷺ کے در پر سائل اور آپ ﷺ کے تابع احسان ہوگی اور آپ ﷺ تمام اقوام و امم کے محسن اور قائد و شفیع ہوں گے حتی کہ اختتام حشر پر جنت کا افتتاح بھی آپ ﷺ ہی کے دست مبارک سے کروایا جائے گا۔ اور آپ ﷺ سے قبل اولین و آخرین میں سے کسی کو جنت میں داخلے کی اجازت بھی نہ ہوگی۔

۲۔ شخصیتِ محمدی ﷺ کی جامعیت و ہمہ گیریت

حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت و سیرت کو ہر لحاظ سے جامع اور ہمہ گیر بنایا گیا ہے تاکہ انسانی زندگی کی انفرادی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک ہر گوشے اور ہر پہلو کے لئے مطلوبہ ہدایت اور نمونہ کامل آپ ﷺ ہی کی ذت گرامی سے میسر آسکے۔ مزید براں زندگی کے نجی و عائلی معاملات سے لے کر سیاسی و ریاستی معاملات تک کی رہنمائی کے لئے امت کو اپنا دامن طلب کسی اور کے سامنے نہ پھیلانا پڑے۔

دنیا میں جتنی شخصیات بھی تاریخ عالم کے نقشہ پر نمایاں طور پر ابھری ہیں وہ اپنی انفرادیت میں یک حیثیتی ہیں مثلاً سکندر اعظم، نپولین اور ہٹلر وغیرہ بڑے نام ور فاتح اور سپہ سالار تھے۔ گوتم بدھ اور مہاویر سوامی خصوصی عبادات و ریاضات اور مراقبات و مجاہدات میں نمایاں تھے اشوک ایک نامور حکمران تھا۔ کنفیوشس ایک بڑا سماجی مصلح تھا، افلاطون اور ارسطو بڑے فلسفی اور صاحبان حکمت تھے اور نیوٹن اور گلیلیو عظیم سائنس دان تھے۔ الغرض ان تمام تاریخی شخصیات کی زندگیاں کسی نہ کسی ایک شعبہ و میدان میں نمایاں ہوتی ہیں اور صرف اس شعبہ سے شغف رکھنے والوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوتی۔ ہیں لوگوں کو دیگر شعبہ ہائے زندگی میں ان سے کوئی خاص رہنمائی نہیں مل سکتی اور نہ ہی ان کے سوانح و حالات تمام جہات حیات میں سبق آموز ہوتے ہیں بلکہ ان کے کئی شعبہ جات زندگی رہنمائی حاصل کرنے والوں کے لئے بالکل خاموش اور خالی دکھائی دیتے ہیں۔ مگر حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارک ان سے یکسر مختلف نہایت جامع و مانع، ہمہ جہت اور ہمہ گیر حیثیت کی حامل دکھائی دیتی ہے وہ ہر شعبہ حیات میں فلک عظمت پر آفتاب کی طرح چمک رہی ہے اور ہر میدان سے شغف رکھنے والوں کے لئے برابر مینارۂ نور ہے۔

ایک عام شہری ہو یا کسی خاندان کا سربراہ، کوئی شوہر یا کسی کا باپ، مذہبی روحانی رہنما ہو یا کوئی تاجر ہو یا رفاہی کارکن، سیاسی رہنما ہو یا ریاستی سربراہ، عالم وخطیب ہو یا مربی و مرشد، مقنن اور جج ہو یا سپاہی اور جرنیل، حکیم وفلسفی ہو یا کوئی مبلغ اخلاق، الغرض ہر ایک شخص اپنی زندگی کے مخصوص حالات ومقتضیات کے مطابق جس نوعیت کی بھی ہدایت اور نمونہ اطاعت کا طلبگار ہوتا ہے اسے اسی ایک ہی سیرت طیبہ سے نصیب ہوجاتا ہے۔ کسی کو بھی کہیں اور جانے کی حاجت نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ مرد و زن، بچے، بوڑھے اور جوان اپنے اپنے طرز عمل کو درست کرنے اور اپنے مسائل حیات کو حل کروانے کے لئے اسی دروازے پر آتے ہیں۔ ہر ضرورت مند کو اپنی تمام ضرورت کا سارا سامان اسی ایک ہی در سے میسر آتا ہے۔ باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کی سیرت اور تعلیمات میں اس قدر جامعیت اور ہمہ گیریت پیدا فرمادی ہے جو اول کائنات سے آخر کائنات تک نہ کسی کو عطا کی گئی اور نہ میسر آسکے گی۔ اسی ہمہ گیر اثر انگیزی کا ذکر کرتے ہوئے ایک مغربی مفکر یوں لکھتا ہے:

The essential significance of the appearance of Muhammad is the crystallization of a new experience of the divine, which welded all those who shared it into a new kind of community. The effect of this experience on contemporary relationships is evident and unmistakable in both languages and art.(1)

”محمد (ﷺ) کے ظہور کی خصوصیت و اہمیت اس الوہی واردات کی تشکیل میں مضمر ہے جس سے اس عمل میں شریک ہونے والوں کی شیرازہ بندی ایک نئی قوم کی شکل میں ہوئی۔ اس تجربے کا اثر ونفوذ جو عصری روابط کی صورت میں ظاہر ہوا اس کی چھاپ زبانوں اور فنون لطیفہ پر نمایاں نظر آتی ہے۔“

۳۔ دین وشریعتِ محمدی کا اِعجاز

حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیتی اور رسالتی اہمیت کے باب میں ایک اہم پہلو آپ کا عطا کردہ دین اور شریعت کا معجزانہ پہلو ہے۔ پہلے تمام انبیاء کے ذریعے انسانیت کو جو نظام زندگی اور دین دیا گیا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیلی اور تحریف کی وجہ سے اسکی اصل شکل محو ہوگئی۔ اسلام کی اہمیت یہ ہے کہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس کے بنیادی سرچشمے اپنی اصل صورت میں انسانیت کی رہنمائی کے لئے موجود ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو جو معجزات عطا کیے گئے ان میں شریعت اور بنیادی سرچشمہ یعنی قرآن مجید صدیاں گزرنے کے باوجود حرف بہ حرف اسی حالت میں موجود ہے جس

(1) Gustave Edmund Von Grunebaum, *Classical Islam: A History, 600-1258.*

حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ نے امت کو عطا کیا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ما من الأنبياء من نبي إلا قد أعطي من الأيات ما مثله أمن عليه البشر و إنما كان الذي أوتيت وحيا أوحى الله إلىّ فأرجو أن أكون أكثرهم تابعاً يوم القيامة۔(۱)

''پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اِس قدر معجزات عطا کیے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے، لیکن جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے وہ وحی (یعنی قرآن) ہے جس کو باری تعالیٰ نے مجھ پر اُتارا۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے سابقہ اَنبیاء اور رسولوں کو معجزات عطا فرمائے تا کہ لوگ ان معجزات کو دیکھ کر ان انبیاء کی حقانیت پر ایمان لاسکیں اور وہ اللہ رب العزت کے وجود کا اقرار کریں۔ لیکن یہ معجزات دائمی حیثیت کے حامل نہ تھے۔ قوانین، ضابطہ ہائے حیات اور شریعتیں بھی ہمیشہ کے لیے نہ تھیں۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ پر سلسہ نبوت و رسالت کا اختتام ہوگیا تو آپ ﷺ کو قرآن حکیم کی صورت میں ایک ایسا معجزہ عطا کیا گیا جس کی حیثیت دائمی ہے۔ نتیجتاً آپ کی شریعت نے قیامت تک موجود اور انسانیت کے لیے راہنما رہنا ہے۔ اب چونکہ قیامت کا دن طلوع ہونے تک انسانیت نے راہنمائی آپ کے عطا کردہ سرچشمہ ہدایت سے لینی ہے لہذا قیامت کے دن تک لوگ اسی ہدایت کی طرف متوجہ اور راغب ہوں گے اور قیامت کے دن آپ کے لوگوں اور پیروکاروں ہی کی کثرت ہوگی۔

اب ہم کلامِ مجید کے اعجاز پر مشتمل چند نکات پیش کرتے ہیں جس سے قرآن کی معجزانہ شان بطریق احسن ظاہر ہوتی ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام، باب،قول النبی ﷺ: بعثت بجوامع الکلم،۶: ۲۶۵۴، رقم: ۶۸۴۶

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی، ۴: ۱۹۰۵، رقم: ۴۶۹۶

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان ، باب وجوب الایمان، ۱: ۱۳۴، رقم: ۱۵۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۱، رقم: ۹۸۲۷

اِعجازِ قرآن کے دلائل

اِعجازِ قرآن کے دلائل میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ عدمِ مثلیت
۲۔ حفاظت کا اُلوہی اِہتمام
۳۔ عدمِ اختلاف و تناقض
۴۔ ندرتِ اسلوب و نظمِ کلام
۵۔ فصاحت و بلاغت
۶۔ صوتی حسن و ترنم
۷۔ احوالِ غیب کا بیان
۸۔ نتیجہ خیزی کی ضمانت
۹۔ اُمیّتِ صاحبِ قرآن ﷺ

(۱) عدمِ مثلیت

قرآن نے جملہ اِنس و جاں کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ ساری مخلوقات اپنی اجتماعی کوششوں کے باوجود اس کا مثل لانے سے قاصر ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا○ (۱)

”فرما دیجئے! اگر تمام انسان اور جنات اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کے مثل (کوئی دوسرا کلام بنا) لائیں گے تو (بھی) وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں○“

دوسرے مقام پر مخالفین کو چیلنج دیا گیا کہ پورے قرآن کا مثل تو درکنار قرآن کے بارے میں نبی اکرم ا پر افتراء پردازی کرنے والے اپنے قول کی تائید میں صرف دس سورتوں کی ہی مثل لے آئیں:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ط قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ۔ (۲)

”کیا کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر (ﷺ) نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے؟ فرما دیجئے: تم (بھی) اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ۔“

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۸۸
(۲) ہود، ۱۱: ۱۳

لیکن اس پر بھی معترضین بے بس رہے تو باری تعالیٰ نے ایک اور چیلنج کیا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝(۱)

”اور اگر تم اس (کلام) کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور (اس کام کے لئے پیشک) اللہ کے سوا اپنے سب حمائتیوں کو بلا لو اگر تم (اپنے شک اور انکار میں) سچے ہو۝“

اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دے سکا اور ابدالآباد تک منکرین حق کا ناکامی سے دوچار ہونا مقدر کر دیا گیا ہے، جس کی شہادت چودہ سو سال کی تاریخ دے رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۝(۲)

”پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی (یعنی کافر) اور پتھر (یعنی اُن کے بت) ہیں، جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۝“

اس قرآنی دلیل کی صداقت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ عالمِ یہودیت اور عالمِ عیسائیت اسلام کے خلاف کس حد تک برسرِ پیکار رہے ہیں۔ تاریخ کا ہر طالبِ علم اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہے اور آج بھی اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے اور اسلامیانِ عالم کو گمراہ کرنے کے لئے نہ صرف پرنٹ میڈیا بلکہ انٹرنیٹ تک پر کتنی کوششیں یہود و نصاریٰ کے ذریعے دنیا بھر میں ہو رہی ہیں، جو اہلِ بصیرت سے مخفی نہیں، لیکن ان بھرپور مخاصمانہ کاوشوں کے باوجود آج تک قرآن کی کسی ایک سورت یا آیت کی مثل نہیں بنائی جا سکی اگر اس کے اِلہامی ہونے کا دعویٰ غلط ہوتا تو اس کے مماثل کئی نسخے معرضِ وجود میں آ چکے ہوتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عالمِ عیسائیت میں انجیل کے ۱۳۳ نسخے رواج پا چکے تھے جن میں سے بالآخر ۱۲۹ کو رد کر کے بقیہ چار کو سندِ صحت عطا کر دی گئی۔

آج بھی انجیلِ یوحنا، انجیلِ مرقس، انجیلِ لوقا، انجیلِ متی کے نام سے چار مختلف نسخے موجود ہیں۔ ایک پانچواں نسخہ انجیلِ برناباس کا بھی ہے اور پوری دنیائے عیسائیت ان میں سے کسی ایک پر بھی

---

(۱) البقرہ، ۲:۲۳

(۲) البقرہ، ۲:۲۴

متفق نہیں ہوسکی۔ اس کے برعکس اسلام کے خلاف اندرونی اور بیرونی سطح پر لاکھوں سازشیں ہوئیں لیکن قرآنِ مجید کا عدمِ مثلیت کا وصف اسی طرح برقرار رہا اور آج بھی تقریباً ایک ارب افراد پر مشتمل ملّتِ اسلامیہ صرف ایک ہی متن کو قرآن مانتی ہے اور اس امر میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا بلکہ صفحۂ ہستی پر آج تک قرآن کا کوئی متبادل نسخہ پیش نہیں کیا جاسکا۔ بعض جھوٹے مُدعیانِ نبوت نے جزوی طور پر ایسی جسارت کرنا چاہی لیکن ہمیشہ خاسر و خائب ہوئے۔ اسی طرح اگر کسی اور نے بھی قرآن کی عظمت و اِعجاز کو نہ سمجھتے ہوئے ایسا اِقدام کیا تو وہ بھی ناکام و نامراد ہی رہا۔

ابنِ جوزیؒ ''الوفاء بأحوال المصطفیٰ'' میں امام ابنِ عقیلؒ کے حوالے سے ابو محمد نحویؒ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ اِعجازِ قرآن پر گفتگو کر رہے تھے۔ وہاں فاضل شیخ بھی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ قرآن میں ایسی کون سی ندرت و کمال ہے جس سے فضلاء و بلغاء عاجز آجائیں۔ پھر وہ کاغذ قلم لے کر بالا خانے پر چڑھ گیا اور وعدہ کیا کہ تین دن کے بعد قرآنِ مجید کی مِثل کچھ لکھ کر لاؤں گا۔ جب تین دن گزر گئے اور نیچے نہ اترا تو ایک شخص بالا خانے پر چڑھا۔ اس نے اسے اس حال میں پایا کہ اس کا ہاتھ قلم پر سوکھ چکا تھا۔ ایسے واقعات ''فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا'' (پس اگر تم ایسا نہ کرسکو اور تم ہرگز ایسا نہ کرسکو گے) کی زندہ شہادت ہیں۔

(۲) حفاظت کا اُلوہی اِہتمام

قرآن حکیم کا دوسرا اعجاز یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ بھی خود ہی فرمایا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝(۱)

''بیشک یہ ذکرِ عظیم (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

چنانچہ وعدۂ الٰہی کے مطابق قرآن آج تک ہر قسم کی کمی وبیشی اور حذف و اضافہ سے محفوظ رہا ہے، اس لئے یہ کامل بھی ہے اور تمام بھی۔ عہدِ رسالت میں قرآنی آیات متعدد اشیاء پر معرضِ تحریر میں لائی جاتی تھیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں بھی جب بہت کم لوگ لکھنے کے فن سے آشنا تھے پورا قرآن تحریری طور پر موجود و محفوظ تھا، اور اس پر مستزاد خود حضور نبی اکرم ﷺ اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قرآن کے حافظ تھے لیکن باقاعدہ طور پر عہدِ صدیقی میں 'مصحف' کے نام سے ایک جامع

(۱) الحجر، ۱۵: ۹

نسخہ مرتب کیا گیا جسے طویل اور مختصر سورتوں کے اعتبار سے 'سبع طوال'، 'مئین'، 'مثانی' اور 'مفصل' میں تقسیم کر دیا گیا لیکن سورتوں اور آیات کی ترتیب بلاکم و کاست وہی رہی جو خود رسول اکرم ﷺ نے بذریعہ وحی مقرر فرما دی تھی۔

عہدِ عثمانی میں پھر تمام صحابہ و اہل بیت اور حفاظ کرام رضی اللہ عنہم کے مکمل اتفاق سے سرکاری طور پر ایک نسخہ تیار کیا گیا جو 'مصحفِ عثمانی' کے نام سے معروف ہوا۔ قرآن کی جمع و تدوین کا یہ کام جو سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچا، دراصل خود اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور حفاظت میں ہوا کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ (۱)

"بے شک اسے (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور اسے (آپ کی زبان سے) پڑھانا ہمارا ذِمّہ ہے ۝"

اس پہلو کا جائزہ لینا بیعتِ رضوان کے حوالے سے نہایت ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے قرآن کی جمع و تدوین کا آخری کام متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء کے باوجود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی سے کیوں لیا؟ اس کی وضاحت صلحِ حدیبیہ کے واقعہ سے ہوتی ہے جب حضور نبی اکرم ﷺ نے چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بمقام حدیبیہ پڑاؤ کیا اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔ اس اثناء میں اطلاع ملی کہ کفار و مشرکین مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ اندریں صورت حضور نبی اکرم ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جہاد پر آمادگی کی بیعت لی، جسے 'بیعتِ رضوان' کہا جاتا ہے۔

اِس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللهَ ط يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ (۲)

"(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔"

حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ اور آپ اسے بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا۔ جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت ہو چکی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) القیامہ، ۷۵: ۱۷

(۲) الفتح، ۴۸: ۱۰

إن عثمان فی حاجة اللہ تعالیٰ و حاجة رسوله، فضرب بأحدی یدیه علی الأخری، فکانت ید رسول اللہ لعثمان خیرا من أیدیهم لأنفسهم۔ (۱)

''(اے اللہ!) عثمان تیرے اور تیرے رسول کے کام میں مصروف ہے پس آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا اور اپنے ہی ہاتھ کو عثمان ﷛ کا ہاتھ قرار دیتے ہوئے ان کی طرف سے بیعت لی۔ پس حضرت عثمان ﷛ کے لیے حضور ﷺ کا ہاتھ دیگر تمام صحابہ کرام ﷡ کے لیے ان کے اپنے ہاتھوں سے بہتر تھا۔''

یہ پہلو قابلِ غور ہے کہ اِدھر حضور رحمتِ عالم ﷺ نے حضرت عثمان غنی ﷛ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا جبکہ دوسری طرف ﴿یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ''(گویا) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے''﴾ کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا گویا بالواسطہ عثمان غنی ﷛ کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت قرار دیا، لہٰذا اس ہاتھ سے جمع و تدوینِ قرآن کے کام کا انجام پانا وعدہ الٰہی۔ ﴿اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ''بے شک اِس (قرآن) کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے''﴾۔ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت سے ہی انجام پانا ہے۔

باری تعالیٰ نے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○ ''بیشک ہم نے اِس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اِس کی حفاظت فرمانے والے ہیں''﴾ کے اَلفاظ کی صورت میں وعدہ ء حفاظت قرآن کے سوا کسی اور الہامی کتاب یا صحیفے کے حق میں نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ بائبل کی جمع و تدوین کی پوری تاریخ رد و بدل، حذف و اضافہ اور تحریف و ترمیم کی تاریخ ہے۔ دوسری صدی عیسوی سے لے کر سترھویں صدی عیسوی تک عہد نامہ جدید (New Testament) میں کئی حصوں کو پادریوں کے حسبِ منشاء اور مختلف کونسلز (Councils) کے فیصلوں کے مطابق کبھی داخل کیا جاتا رہا اور کبھی نکالا جاتا رہا۔ برنباس اور کئی کتابیں جن کا مجموعہ ۱۶۷۲ء میں اپوسٹالک فادرز (Apostolic Fathers) کے نام سے شائع ہوا تھا، ایسی تھیں جنہیں عیسائیت کے اوائل دور میں نہایت مقبولیت حاصل رہی لیکن بعد میں انہیں بائبل میں سے محض اِس لئے خارج کر دیا گیا کہ ان کی تعلیمات سینٹ پال کی خودساختہ عیسائیت کے باطل عقائد کے خلاف تھیں۔ اِسی طرح اپوکریفا (Apocrypha) اس عیسائی لٹریچر کا مجموعہ ہے جسے عیسائی پادریوں نے اپنے مذہبی مفادات کے خلاف تصور کرتے ہوئے چھپا دیا لیکن اِن کا وجود دنیا سے اب تک ختم نہیں ہو سکا۔

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب فی مناقب عثمان بن عفان، ۵:۶۲۶، رقم: ۳۷۰۲

سب سے پہلی مکمل بائبل گوٹن برگ (Guten Burg) کے مطبع سے ۱۴۵۵ء میں ولگیٹ (Vulgate) کے نام سے چھپی جس کے خلاف ۱۶ ویں صدی کے اوائل میں پروٹسٹینٹ اِصلاحی تحریک کے ساتھ اِعتراضات و تنقیدات کا دروازہ کھل گیا۔ الغرض ۱۵۴۶ء میں Council of Trent کے ذریعے اسے حتمی شکل دی گئی اور بالآخر رومن چرچ نے اسے بائبل کے مستند نسخے کے طور پر اپنا لیا لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس میں پھر ردّ و بدل کی ضرورت محسوس کی گئی اور Pope Sixtus V نے ضروری ترمیمات و تصحیحات کے ذریعے یونیورسٹی آف پیرس کے متن کی صورت میں ۱۵۹۰ء میں شائع کیا۔

یہ مختصر تاریخی خاکہ تمثیلاً اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ اس کے تناظر میں قرآن کی حفاظت اور کاملیت و تمامیت کا جائزہ لیا جا سکے کہ دوسری الہامی کتابوں کے اِرتقائی اَحوال کیا ہیں اور وہ کس طرح ہمیشہ ناقص و نا تمام رہی ہیں اور ان کے برعکس قرآن کا عالم کیا ہے کہ وہ ابتدائی دور سے لے کر آج تک اپنے متن اور عبارت کے لحاظ سے کامل و مکمل رہا ہے۔ اس میں آج تک کسی لفظ یا آیت کی کمی کی گئی اور نہ کسی شے کا اضافہ۔ یہ جس حالت میں پیغمبرِ اِسلام ﷺ نے اُمت کو عطا کیا تھا آج تک اُسی حالت میں بغیر کسی تغیر و تبدّل کے محفوظ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور شریعتِ محمدی ﷺ قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے رسولِ آخر ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کو بھی قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ اِعجازِ قرآن کا تسلسل قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ شریعتِ محمدی ﷺ کے نفاذ کے بعد تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا گیا تھا اس لئے انبیائے سابق پر نازل ہونے والے اِلہامی صحیفوں کی حفاظت کی ضرورت بھی نہ تھی۔

یہ اسی حفاظتِ الٰہیہ کا کرشمہ ہے کہ ۱۴۰۰ سال گزر جانے کے باوجود آج تک قرآن میں ایک آیت، ایک لفظ یا ایک حرف کی حد تک بھی کمی بیشی نہیں ہو سکی۔ آج بھی بعض علاقوں میں ہزار بارہ سو سال پرانے کلامِ مجید کے نسخے موجود و محفوظ ہیں لیکن ان میں اور آج کے مطبوعہ نسخوں میں زیر زبر تک کا فرق نظر نہیں آتا۔

(۳) عدمِ اِختلاف و تناقض

قرآن اپنی معجز بیانی پر ایک دلیل یہ بھی پیش کرتا ہے کہ وہ اختلاف و تناقض سے مبرا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○(1)

(۱) النساء، ۴: ۸۲

''اور اگر یہ (قرآن) غیرِ خدا کی طرف سے آیا (ہوتا) تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتےO''

عام مصنفین کی تالیفات سے قطع نظر دیگر مذاہب کی الہامی کتابوں پر بھی نظر ڈالیں تو آپ کو لاتعداد تضادات ملیں گے جن میں تطبیق کرنا ممکن نہیں۔ مضامین کا اختلاف، ناموں اور نسبوں کا اختلاف، واقعات کا اختلاف، لشکر کی تعداد کا اختلاف، بیانات کا اختلاف، سنین و اوقات کا اختلاف، الغرض اجمال و تفصیل میں ہر جگہ مضحکہ خیز حد تک تضادات اور تناقضات ہیں جن کا جواب آج تک اس مذہب کے پیروکار نہیں دے سکے اور نہ ایسی کتابوں کو موضوع یا محرف ماننے کو ہی تیار ہیں۔ مذکورہ بالا حقیقت کا مشاہدہ بائبل کے تنقیدی و تقابلی مطالعہ سے بآسانی ہو سکتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا امیریکانا (Encyclopaedia Americana) میں بائبل (Bible) کے مضمون کے تحت اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اس کے مختلف نسخہ جات میں کم و بیش تیس ۳۰ ہزار اغلاط موجود ہیں۔ اسی طرح Fred Glad Stonb Bratton نے History of Bible (مطبوعہ بوسٹن USA) کے صفحہ ۵ پر اس حقیقت کو بصراحت تسلیم کر لیا ہے کہ بائبل کے اندر واقعاتی اغلاط، غیر سائنسی نظریات، خدا اور انسان کی نسبت ناپاک تصورات، تضادات و تناقضات، نامعقول بیانات، مبالغہ آمیزیاں اور ناپختہ خیالات کثرت کے ساتھ موجود ہیں لیکن اس کے برعکس قرآن اول سے آخر تک ہر قسم کے اختلاف اور تناقض سے پاک ہے بلکہ ہر آیت دوسری کی مؤید اور ہر مقام دوسرے کا مصدِّق ہے:

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلے بایدت از وی رو متاب

قرآن حکیم میں ایک واقعہ بعض اوقات متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔ ہر مقام پر اندازِ بیان اور سیاق و سباق مختلف ہونے کے باوجود اس کی واقعیت میں کوئی خفیف سا اختلاف اور تضاد نظر نہیں آتا۔ اس امر کی صحیح اہمیت کا اندازہ اس صورت حال کو سامنے رکھ کر ہو سکتا ہے کہ قرآن دیگر کتابوں کی طرح تصنیف نہیں ہوا بلکہ ۲۳ سال کے عرصہ میں اس کا نزول کبھی دن کو، کبھی رات کو، کبھی سفر میں، کبھی حضر میں، کبھی گھر اور کبھی میدان جنگ میں ہوتا رہا اور ہمیشہ حسب ضرورت اس کی چند آیات جن کی تعداد بالعموم تین سے دس تک ہوتی تھی نازل ہوتیں۔ آپ ذرا غور فرمائیے کہ اس طرح آیات کا تدریجی نزول تقریباً ۲۳ سال کے عرصہ کو محیط ہے۔ اس عرصہ میں متغیر حالات وقوع پذیر ہوتے رہے اور قرآن کبھی اس دوران ایک جلد کی صورت میں مرتب بھی نہ ہو سکا بلکہ لوگ اپنے طور پر

کاغذوں، کپڑوں، پتھروں اور ہڈیوں کے ٹکڑوں پر لکھ کر محفوظ کرتے رہے۔ اس انداز سے اس کا نزول اور جمع وتدوین عمل میں آیا پھر بھی یہ ہر قسم کے اختلاف سے یکسر پاک رہا جو اس کے منزل من اللہ اور مبنی برحق ہونے کی دلیل ہے!

(۴) ندرتِ اُسلوب ونظمِ کلام

عہدِ نزولِ قرآن تک عربوں میں قصائد، مکتوبات، خطابات اور محاورات کے صرف چار معروف اسالیب متداول تھے، وہ کسی اور اسلوبِ بیان سے واقف ہی نہ تھے۔ ان معینہ اور معلومہ اسالیب سے مختلف ایک نیا اسلوب بیان پیدا کر لینا قرآن حکیم ہی کا ایک اعجاز تھا۔

قرآن کی ندرت کا اسلوب اور منفرد انداز آج تک کسی اور ادب میں پیدا نہیں ہو سکا۔ عام کتابیں ابواب وفصول پر مشتمل ہوتی ہیں لیکن قرآن ایسی کسی تبویب وتفصیل سے پاک ہے اور نہ اس کے مختلف مضامین کو الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کے اسلوبِ بیان اور نظمِ کلام میں ایک جُوئے آبِ رو کا سا تسلسل اور روانی ہے، کسی جگہ پر انقطاع نظر نہیں آتا۔ قرآن نے اپنی بعض سورتوں کو حمد وثنا سے شروع کیا اور بیان کی وضاحت کی غرض سے، بعض کا اختتام جامع کلمات پر کیا اور بعض کا نصیحتوں پر، کبھی وعدہ اور کبھی تبشیر کا انداز اپنایا، کبھی تہدید کی، کبھی تاکید، کبھی مخلوق کا بیان کیا، کبھی خالق کا، کبھی کائنات کی نشانیاں بیان کیں، کبھی انبیاء اور اُممِ سابقہ کے قصص اور واقعات، کبھی حلت وحرمت کے احکام دیئے کبھی استثناء و رخصت کے، کبھی احقاقِ حق کیا کبھی ابطالِ باطل، کہیں مخاصمہ کا رنگ اپنایا کہیں موعظت کا، کہیں انبیاء ومرسلین کی تعلیمات و خدمات بیان کیں، کہیں ان کی عظمتوں اور رفعتوں کا ذکر کیا، کہیں خطاب ہے کہیں غیاب اور کہیں تکلم، اندازِ کلام بغیر تکلف کے بڑی بے ساختگی سے بدلتا رہتا ہے لیکن حلاوت اور دلکشی برقرار رہتی ہے اور آیات کا ربط کہیں متاثر نہیں ہوتا۔ قرآن کے اُسلوبِ بیان اور نظمِ کلام کے سلسلے میں مزید دو اُمور قابلِ توجہ ہیں:

الف۔ انتشارِ مطالب

ب۔ تکرارِ مضامین

قرآنی علوم اور معارف ومطالب عام طور پر پانچ انواع پر مشتمل ہیں:

علم الأحكام، علم المخاصمة، علم التذكير بآلاء الله، علم التذكير بأيام

اللہ وعلم التذکیر بالموت۔ (۱)

الف۔ قرآنی اسلوب میں انتشارِ مطالب کا معنی یہ ہے کہ قرآن اس امر کی رعایت نہیں کرتا کہ اس سورت میں صرف فلاں نوع کا علم ذکر کیا جائے گا اور دوسری سورت میں فلاں نوع کا بلکہ اس کی ایک ہی سورت میں متعدد انواع کے مطالب و معارف بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک علم کے ساتھ متصلاً دوسرا علم بیان کرنا کسی دوسری کتاب میں تو یقیناً مذاقِ لطیف پر گراں گزرتا ہوگا لیکن قرآنی اعجاز کا یہ عالم ہے کہ بدلتے ہوئے مضامین و مطالب کے باوجود بیان اور تفہیم میں بے ساختہ روانی اور لطافت برقرار رہتی ہے۔ یہاں تک کہ کسی کو یہ محسوس بھی نہیں ہوتا کہ اب روئے سخن بدل گیا ہے۔ بات بغیر کسی تکلیف اور تکلف کے دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔

جیسے سورۃ الکوثر پر نظر ڈالیے:

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ○ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَرْ○ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ○ (۲)

”بیشک ہم نے آپ کو (ہر خیر و فضیلت میں) بے انتہاء کثرت بخشی ہے○ پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھا کریں اور قربانی دیا کریں (یہ ہدیۂ تشکر ہے)○ بیشک آپ کا دشمن ہی بے نسل اور بے نام و نشان ہوگا○“

اس مختصر سی سورت کی تین آیتوں میں چار جملے ہیں۔ تینوں آیتوں میں احکام مختلف ہیں، لیکن ایک دوسرے سے معنوی اعتبار سے پیوست اور مربوط معلوم ہوتے ہیں۔ چاروں جملوں میں الگ الگ اور اپنی اپنی جگہ مستقل معانی و مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے عطائے نعمت کا بیان ہے پھر حکمِ عبادت ہے، آخر میں مخالفوں کے لیے چیلنج ہے بلکہ پیشین گوئی بھی ہے گویا انتشارِ مطالب میں بھی معنوی اتحاد اور تسلسل کی کیفیت ابھرتی نظر آتی ہے۔

ب۔ تکرارِ مضامین میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ بعض اوقات صرف ایک حقیقت سے دوسرے کو آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے، اور بعض اوقات اسے سامع کے دل میں جاگزیں کرنا مطلوب ہوتا ہے: پہلے مقصد کے لیے تو صرف ایک مرتبہ کا بیان کافی رہتا ہے لیکن دوسرے مقصد کے لیے بات کو بار بار مختلف انداز سے بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس نوع کے مضامین کے لیے قرآن کے پیش نظر

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر: ۱

(۲) الکوثر، ۱۰۸: ۱۔۳

ایک خاص مقصدِ تخاطب ہوتا ہے چنانچہ ایک ہی مضمون بار بار بیان ہوا لیکن ہر دفعہ نئی حکمت و موعظت کے ساتھ اس کی کئی پرتیں کھلتی چلی گئیں؛ مثلاً سورۃ الشعراء میں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ○﴾ (۱) آٹھ بار آیا ہے، سورۃ القمر میں ﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ○﴾ (۲) چار مرتبہ آیا ہے، سورۃ المرسلات میں ﴿وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ○﴾ (۳) دس بار آیا ہے، سورۃ الرحمان میں ﴿فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○﴾ (۴) اکتیس مرتبہ آیا ہے لیکن ہر جگہ نہ صرف ایک نیا لطف اور منفرد کیفیت نصیب ہوتی ہے بلکہ اس تکرار سے دل و دماغ پر اکتاہٹ کی بجائے ہر بار نئے معانی و غوامض اور اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں۔

(۵) فصاحت و بلاغت

قرآن کا اسلوب سادگی اور سلاست کے علاوہ فصاحت و بلاغت کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہے جس کا معارضہ آج تک بڑے بڑے فصحاء و بلغاء نہیں کر سکے۔ اس میں مقتضائے حال کی رعایت، استعارہ و کنایہ اور صنائع و بدائع کا استعمال ناقابل بیان حسن اور ادبی چاشنی پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔

علامہ کرمانی اپنی کتاب ''العجائب'' میں لکھتے ہیں کہ معاندینِ اسلام نے عرب وعجم کے تمام کلام ڈھونڈ مارے مگر کوئی کلام بھی حسنِ نظم، جودتِ معانی، فصاحتِ الفاظ اور ایجاز میں اس کی مثل نہ ملا اور انہیں بالآخر اس امر پر متفق ہونا پڑا کہ انسانی طاقت قرآن کی آیت کی مثل لانے سے قاصر ہے۔

قرآن کی فصاحت وبلاغت کا یہ اعجاز ہے کہ دنیائے عرب کے ادبی شاہکار 'سبع معلقات' - سات اساتذہ کے لاجواب قصائد وغزلات - جو خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں تھے، نزولِ قرآن

---

(۱) الشعراء، ۲۶: ۹، ۶۸، ۱۰۴، ۱۲۲، ۱۴۰، ۱۵۹، ۱۷۵، ۱۹۱

(۲) القمر، ۵۴: ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰

(۳) المرسلات، ۷۷: ۱۵، ۱۹، ۲۴، ۲۸، ۳۴، ۳۷، ۴۰، ۴۵، ۴۷، ۴۹

(۴) الرحمن، ۵۵: ۱۳، ۱۶، ۱۸، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۲، ۴۵، ۴۷، ۴۹، ۵۱، ۵۳، ۵۵، ۵۷، ۵۹، ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۶۷، ۶۹، ۷۱، ۷۳، ۷۵، ۷۷

کے بعد اس لئے اتار لیے گئے کہ قرآنی فصاحت و بلاغت کا کوئی شے بھی معارضہ نہیں کر سکتی۔
فصاحت قرآنی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ا۔ مجاز و کنایہ

۱۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ۔[۱]

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ۔''

۲۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ أَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔[۲]

''وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔''

۳۔ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ۔[۳]

''یا تم نے (اپنی) عورتوں سے مباشرت کی ہو۔''

مذکورہ بالا آیات میں بیان کی بے ساختگی اور اظہار کی بے تکلفی بھی ہے اور کمال درجہ حیاء و شرافت کی آئینہ داری بھی۔ اشاروں کنایوں میں نہایت حسن وخوبی کے ساتھ ایسے مضامین اور احکام و مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا ادیب اشارت اور صراحت کے ایسے خوبصورت امتزاج سے بیان نہیں کر سکتا۔

ب۔ تشبیہ و استعارہ

۱۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔[۴]

''اس کے نور کی مثال (جو نورِ محمدی کی شکل میں دنیا میں روشن ہوا) اس طاق (نما سینۂ اقدس) جیسی ہے جس میں چراغ (نبوت روشن) ہے۔''

---

(۱) البقرہ، ۲: ۲۲۳
(۲) البقرہ، ۲: ۱۸۷
(۳) النساء، ۴: ۴۳
(۴) النور، ۲۴: ۳۵

۲۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔[1]

''گدھے کی مثل ہے جو پیٹھ پر بڑی بڑی کتابیں لادے ہوئے ہو۔''

یہاں علم سے صحیح فائدہ نہ اٹھانے والوں کی کیفیت کس قدر خوبصورت انداز میں بیان کی گئی ہے۔

۳۔ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ○ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ○[2]

''اور رات کی قسم جب اس کی تاریکی جانے لگے ○ اور صبح کی قسم جب اس کی روشنی آنے لگے ○''

ان دو آیات میں رات کے دھیرے دھیرے رخصت ہونے اور صبح کے رفتہ رفتہ آنے کا ذکر جس دلکش جمالیاتی انداز میں کیا گیا ہے وہ ادبی چاشنی میں اپنی مثال آپ ہے۔

اسی طرح ایجاز کی مثال ملاحظہ ہو:

۴۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔[3]

''تمہارے لئے قصاص (یعنی خون کا بدلہ لینے) میں ہی زندگی (کی ضمانت) ہے۔''

امام سیوطی نے ''الاتقان'' میں لکھا ہے کہ اس آیت میں ۲۰ صنعتیں بیان ہوئی ہیں۔

(۶) صوتی حسن و ترنم

قرآن حکیم کی ہر آیت اور اس کے مطلع و مقطع میں ایک خاص قسم کا صوتی حسن و جمال پایا جاتا ہے۔ یہ معنوی نغمگی اور باطنی موسیقیت شعری اوزان و قوافی سے مبرا ہونے کے باوجود جمالیاتی اہتزاز و بالیدگی کا احساس دلاتی ہے۔ قرآن کی سحر بیانی کافی حد تک اس حسن صوتی پر منحصر ہے۔ اس اعتبار سے قرآنی سورتیں تین (۳) اَقسام پر منقسم ہیں: 'طویل' مثلاً سورۃ النساء، 'متوسط' مثلاً سورۃ الاعراف اور الانعام، اور 'قصیر' مثلاً سورۃ الشعراء اور الدخان۔ صوتی ترنم کی یہ کیفیت ہر شخص کے لئے عجیب لطف و شگفتگی کا سامان پیدا کر دیتی ہے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

---

(۱) الجمعہ، ۶۲: ۵

(۲) التکویر، ۸۱: ۱۷، ۱۸

(۳) البقرہ، ۲: ۱۷۹

۱۔ نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ۔[۱]

۲۔ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًاo فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًاo وَّالنَّاشِرَاتِ نَشْرًاo فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًاo فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًاo عُذْرًا اَوْ نُذْرًاo[۲]

۳۔ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْo وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْo وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْo وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ oلِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْo[۳]

۴۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌo لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌo فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍo لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةًo فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌo[۴]

۵۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَاo وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَاo وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَاo وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَاo وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنَاهَاo وَالْاَرْضِ وَمَا طَحَاهَاo وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَاo فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَاo قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاo وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاo[۵]

۶۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَاo وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَاo وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَاo[۶]

۷۔ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًاo فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًاo[۷]

مذکورہ بالا آیات میں سے ہر ایک کا اختتامی لفظ ایک خاص صوتی نغمگی پیدا کر رہا ہے۔ الفاظ کا چناؤ اور وزن، ان کا آپس میں ربط، جوڑ اور ترکیب، پھر ان میں تلفظ کی سلاست اور بہاؤ ایک عجیب موسیقیت اور موزونیت کی فضا پیدا کرتا ہے۔ ان آیات کو بار بار پڑھیں، سادگی سے پڑھیں یا مترنم انداز میں زبان میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی اور ہر لحہ عجیب سی حلاوت کا یک گونہ

(۱) القلم، ۶۸: ۱

(۲) المرسلات، ۷۷: ۱۔۶

(۳) المرسلات، ۷۷: ۸۔ ۱۲

(۴) الغاشیہ، ۸۸: ۸۔ ۱۲

(۵) الشمس، ۹۱: ۱۔ ۱۰

(۶) الزلزال، ۹۹: ۱۔ ۳

(۷) العادیات، ۱۰۰: ۴، ۵

احساس ہونے لگتا ہے۔ مستزاد یہ کہ اگر مذاقِ سلیم اور حسِ لطیف ہو تو ان آیات کے صوتی آہنگ سے ہی کسی حد تک معنی و مفہوم کی ترجمانی ہونے لگتی ہے مثلاً سورۃ الناس کو بار بار پڑھیں تو ہر آیت کا آخری حرف 'س' نرمی، پستی، سیٹی کی آواز کثرت استعمال کے باعث سرگوشی کی فضا پیدا کر دیتا ہے۔ یہی سرگوشی اور وسوسہ اندازی اس سورت کا بنیادی موضوع ہے۔

(۷) اَحوالِ غیب کا بیان

قرآن حکیم کے اعجازِ بیان کا ایک بہت بڑا ثبوت اس میں احوال غیبی کا بیان ہے۔ قرآن مجید نے اپنی اس حیثیت کو خود اپنے لفظوں میں اس طرح واضح کیا ہے:

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡکَ۔ (۱)

''(اے محبوب!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر اس کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا:

تِلۡکَ مِنۡ اَنۡبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهَاۤ اِلَیۡکَج مَا کُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُکَ مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا۔ (۲)

''یہ (بیان ان) غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اس سے قبل نہ آپ انہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔''

قرآنی اعجاز کا یہ پہلو خود نبی اکرم ﷺ کے معجزات سے نمایاں ہوا۔ حضور ﷺ کبھی علومِ غیب کے بیان میں بخل نہیں کرتے تھے۔ سائل جس قسم کا بھی سوال لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا، تسلی بخش جواب پا کر جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے ہمہ جہت علم کے اس گوشے کا ذکر قرآن حکیم یوں کرتا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ۝ (۳)

''اور وہ (نبی مکرم ﷺ) غیب (کے بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہیں (مالکِ عرش نے ان

---

(۱) آل عمران، ۳: ۴۴

(۲) ہود، ۱۱: ۴۹

(۳) التکویر، ۸۱: ۲۴

کے لئے کوئی کمی نہیں چھوڑی)o"

قرآن حکیم میں احوالِ غیب کا بیان کئی اعتبارات سے آیا ہے لیکن یہاں وضاحت کے لئے صرف دو کا ذکر کیا جاتا ہے:

الف۔ اُمم سابقہ کے احوال و واقعات

ب۔ مستقبل کی پیشین گوئیاں

ا۔ اُمم سابقہ کے اَحوال و واقعات

قرآنِ حکیم نے اُممِ سابقہ اور گزشتہ انبیاء کے حوالے سے بہت سے واقعات وحالات بیان کئے ہیں جن میں سے کئی ایک کا ذکر پہلی کتابوں میں سرے سے موجود ہی نہ تھا اور بعض کا ذکر پہلی کتابوں میں ہے لیکن وہ اس قدر محرف ومتبدل صورت میں ہے کہ اس کی صحت کے بارے میں کسی کے پاس کوئی یقینی شہادت موجود نہیں۔ قرآن نے ان احوال وواقعات اور انبیاء کی تعلیمات وخدمات کو سندِ تصدیق عطا کر دی اس لئے اس کا لقب مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ (اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والا) قرار پایا۔

قرآن مجید نے کئی مقامات پر حضرت آدم وحوا علیہما السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، خضر علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ذوالکفل علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، عیسیٰ و مریم علیہما السلام اور اَصحابِ کہف وغیرہم کے حالات کا بیان ہے۔ یہ سب علوم غیبیہ ہیں۔

ان کے علاوہ قومِ ہود، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط اور دیگر اقوام وملل کا ذکر تذکیر بایام اللہ کے انداز میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح فرعون، نمرود، قارون اور ہامان وغیرہم کے احوال کا عبرت انگیز بیان ہے۔ ان کے علاوہ بھی قرآن حکیم میں اسی قبیل کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

ب۔ مستقبل کی پیشین گوئیاں

اعجازِ قرآن کے داخلی دلائل میں سے یہ دلیل بھی بہت مؤثر اور فیصلہ کن ہے کہ قرآن نے بعض پیشین گوئیاں ایسے حالات میں کیں جن میں ظاہراً ان کے وقوع پذیر ہونے کا کوئی امکان دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ مخالفینِ قرآن وہ پیشین گوئیاں سن کر حیران وششدر رہ گئے لیکن تاریخ

شاہد ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پیشین گوئیاں اپنے اپنے وقت پر حقائق و وقائع کے قالب میں ڈھلتی چلی گئیں۔ یہ سب کچھ اب تاریخ کا ناقابلِ تردید حصہ بن چکا ہے جو زبانِ حال سے قرآن کی صداقت وحقانیت کا اعلان کر رہا ہے۔ ذیل میں چند قرآنی پیشین گوئیاں بیان کی جاتی ہیں:

i. غلبۂ روم کی پیشین گوئی

یہ پیشین گوئی سب سے نمایاں اور حیرت انگیز ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

الٓمّٓ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ○ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْم بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ط لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْم بَعْدُ۔ (۱)

’الف لام میم (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)○ اہلِ روم (فارس سے) مغلوب ہوگئے○ نزدیک کے ملک میں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے○ چند ہی سال میں (یعنی دس سال سے کم عرصہ میں)، امر تو اللہ ہی کا ہے پہلے (غلبۂ فارس میں) بھی اور بعد (کے غلبۂ روم میں) بھی۔‘‘

اس پیشین گوئی کے اعلان یعنی رومیوں کے آغاز شکست سے ٹھیک آٹھ برس بعد ۶۲۲ء میں رومیوں کے تن مردہ میں پھر حیاتِ نو پیدا ہوگئی۔ وہ اسی کاہل وعشرت پرست کمانڈر ہرقل کے زیرقیادت منظم ہوکر ایرانیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ۶۲۳ء میں یعنی پیشین گوئی کے ٹھیک نویں برس رومی فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ بالآخر یہ فتح اس شان سے پایۂ تکمیل کو پہنچی کہ انہوں نے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ وفرات کے ساحلوں تک دھکیل دیا۔ اس طرح قرآن کی پیشین گوئی کے حرف بہ حرف سچ ثابت ہونے پر بے شمار کافر مسلمان ہو گئے۔

ii. فتح مکہ کی پیشین گوئی

۶ھ میں جب مسلمان صلح حدیبیہ سے واپس لوٹے تو ان میں قدرے مایوسی پائی جاتی تھی۔ وہ اس صلح اور اس کی شرائط کو اپنے لئے شکست کا اعتراف سمجھ رہے تھے یہاں تک کہ بعض نے صاف لفظوں میں اس خیال کا اظہار بھی کر دیا تھا لیکن حضور ﷺ نے ان کے اطمینانِ قلب کے لئے قرآن

(۱) الروم، ۳۰: ۱-۴

مجید کی اس پیشین گوئی کا اعلان فرمایا:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًاo[۱]

''(اے حبیبِ مکرم!) بیشک ہم نے آپ کے لئے (اسلام کی) روشن فتح (اور غلبہ) کا فیصلہ فرما دیا (اس لئے کہ آپ کی عظیم جدّ و جہد کامیابی کے ساتھ مکمل ہو جائے)o''

اس آیت میں یہ اشارہ تھا کہ حدیبیہ کی صلح کو شکست نہ سمجھو بلکہ یہ درحقیقت پیش خیمہ ہے ایک عظیم الشان فتح کا، جو فتح مکہ کی صورت میں اہلِ ایمان کو حاصل ہونے والی ہے چنانچہ اسی سورت میں فرمایا گیا:

لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیۡنَ مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ وَمُقَصِّرِیۡنَ لَا تَخَافُوۡنَ۔[۲]

''بیشک اللہ نے اپنے رسول (ﷺ) کو حقیقت کے عین مطابق سچا خواب دکھایا تھا کہ تم لوگ، اگر اللہ نے چاہا تو ضرور بالضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے امن و امان کے ساتھ، (کچھ) اپنے سر منڈوائے ہوئے اور (کچھ) بال کتروائے ہوئے (اس حال میں کہ) تم خوفزدہ نہیں ہو گے۔''

بالآخر اس پیشین گوئی کا ظہور فتحِ مکہ کی صورت میں ۸ھ میں ہوا۔ اس طرح وہ جو صلحِ حدیبیہ کی بظاہر مایوس کن شرائط سے دل گرفتہ تھے اُنہوں نے اس صلح نامے سے حاصل ہونے والی کامیابی کو بدل و جاں تسلیم کر لیا۔ کفارِ مکہ اس معاہدے سے روگرداں ہو گئے جس کا خمیازہ انہیں کئی صورتوں میں بھگتنا پڑا۔

iii. فتحِ خیبر کی پیشین گوئی

غزوۂ خیبر کی فتح کے بارے میں بھی سورہ الفتح میں پیشین گوئی کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

سَیَقُوۡلُ الۡمُخَلَّفُوۡنَ اِذَا انۡطَلَقۡتُمۡ اِلٰی مَغَانِمَ لِتَاۡخُذُوۡهَا ذَرُوۡنَا نَتَّبِعۡکُمۡ۔[۳]

(۱) الفتح، ۴۸: ۱

(۲) الفتح، ۴۸:۲۷

(۳) الفتح، ۴۸: ۱۵

''جب تم (خیبر کے) اموالِ غنیمت کو حاصل کرنے کی طرف چلو گے تو (سفرِ حدیبیہ میں) پیچھے رہ جانے والے لوگ کہیں گے ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے پیچھے ہو کر چلیں۔''

یہاں جو لوگ حدیبیہ میں نبی اکرم ا کے ساتھ نہیں آئے تھے ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ صلحِ حدیبیہ سے واپس لوٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے از راہِ بشارت فتح خیبر کی پیشین گوئی بھی کر دی اور صراحت کے ساتھ مسلمانوں کو یہ بھی بتا دیا کہ غزوۂ خیبر میں تمہارے ہاتھ بہت سا مال غنیمت بھی آئے گا لیکن ہم نے وہ مالِ غنیمت صرف ان مجاہدین کے لئے مخصوص کر دیا ہے جو حدیبیہ کے موقع پر حضور ں کے ہمراہ ہیں۔ اس وقت ساتھ نہ دینے والے اس مالِ غنیمت سے بھی محروم رہیں گے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کی صداقت بھی تاریخِ عالم کے صفحات پر جلی حروف میں رقم ہوئی، خیبر فتح بھی ہوا اور بے شمار مالِ غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

iv. غلبۂ اِسلام کی پیشین گوئی

سب سے بڑھ کر حیرت انگیز وہ پیشین گوئی ہے جس میں مسلمانوں کو روئے زمین پر عظیم الشان تمکن واستخلاف اور اقتدار واستحکام کی خوشخبری سنائی گئی تھی، حالانکہ اس وقت روم وایران کی دو عظیم عالمی طاقتیں مشرق ومغرب پر اس طرح قابض ومتصرف تھیں، جس طرح بعد کی دُنیا میں امریکہ اور روس دو سپر طاقتوں کی شکل میں مسلط تھے، جزیرہ نمائے عرب کے ان صحرانشینوں کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اپنی بے سروسامانی کے عالم میں وہ بین الاقوامی سطح پر ایک عظیم اور مؤثر طاقت بن کر ابھرنے کا سوچ بھی سکتے تھے کیونکہ اس وقت یہ دونوں عالمی طاقتیں اس انقلابی قوم کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ اندریں حالات قرآن نے اس بشارت کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ (۱)

''اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے (جس کا ایفا اور تعمیل اُمت پر لازم ہے) جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ضرور انہی کو زمین میں خلافت (یعنی

(۱) النور، ۲۴: ۵۵

امانتِ اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو (حق) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لئے ان کے دین (اسلام) کو جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (غلبہ و اقتدار کے ذریعہ) مظبوط و مستحکم فرما دے گا اور وہ ضرور (اس تمکن کے باعث) ان کے پچھلے خوف کو (جو ان کی سیاسی، معاشی اور سماجی کمزوری کی وجہ سے تھا) ان کے لئے امن وحفاظت کی حالت سے بدل دے گا۔"

چشمِ فلک نے اس پیشین گوئی کا عملی ظہور بھی مستقبل قریب میں دیکھ لیا۔ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں اسلامی فتوحات کے جس سلسلے کا آغاز ہوا تھا، وہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں اس قدر وسعت پکڑ گیا کہ روم اور ایران سمیت قریباً ۱۰ لاکھ مربع میل سے زائد رقبہ اسلامی سلطنت کے زیرِ نگین آ گیا۔ عہدِ فاروقی میں مسلمان اسلام کا آفاقی پیغام لے کر بلوچستان کی سرحدوں تک پہنچ چکے تھے، ابھی اسلام کی پہلی صدی ختم نہ ہوئی تھی کہ اسلامی سرحدیں سپین سے آگے فرانس تک پھیل چکی تھیں، مشرق میں سندھ اور ملتان تک، ماوراء النہر سے آگے چین، وسطی ایشیا، شمالی افریقہ تک اسلام کی روشنی پہنچ گئی اور دنیا کے کثیر ترین حصے پر پرچم اسلام لہرانے لگا۔ سطوت اسلام کا یہ پرشکوہ نظارہ قرآنی وعدے کے مطابق تقریباً چھ سو سال تک قائم ودائم رہا۔ زوالِ بغداد کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد پھر ترکوں کی زیرِ قیادت ملت اسلامیہ کی سیاسی قوت مجتمع ہوئی اور بالآخر بین الاقوامی سطح پر غلبہ اسلام کا دور پھر چھ سو سال تک منصہ عالم پر شہود پذیر رہا۔

اس طرح کی پیشین گوئیاں جو قرآن نے بیان کیں وہ اپنے وقت پر عالمِ خارج میں واقعہ بن کر حقانیتِ قرآن کی حتمی دلیلیں بنیں، وہ تعداد میں اتنی ہیں کہ ان کا شمار آسانی سے نہیں کیا جا سکتا۔

(۸) نتیجہ خیزی کی ضمانت

قرآنی اعجاز کی دلیلِ ناطق اس کی ہدایت کا نتیجہ خیز ہونا ہے۔ قرآن مجید نے نہ صرف اپنی ہر دعوت کو حتمی، قطعی اور یقینی طور پر فیصلہ کن قرار دیا بلکہ معیارِ صداقت وحقانیت بھی نتیجہ خیزی ہی کو قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم نے کامل یقین کے میسر آنے کی جس جس تدبیر کا ذکر کیا ہے وہ بہر صورت تجربی توثیق، مشاہدۂ حقیقت اور نتیجہ خیزی کے تصور پر مبنی ہے۔

قرآن میں نتیجہ خیزی کی ضمانت کا مفہوم یہی ہے کہ اس کے سلسلۂ علم وہدایت کا ہر دعویٰ تجربی توثیق کی بنا پر معروضی نتائج پیدا کرنے کا ضامن ہے جو فی نفسہٖ قرآن ہی کا اعجاز ہے۔ اس سلسلے میں چند ارشادات قرآنی ملاحظہ ہوں:

۱۔ قرآنی ہدایت کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت کو دنیا وآخرت میں خوف وغم کی مہیب کیفیت سے نجات دلا دی جائے۔ چنانچہ قرآن نے اپنے اس دعویٰ کی نتیجہ خیزی کا بیان اس طرح کیا:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۝ (۱)

’’پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۝‘‘

۲۔ اسی طرح قرآن ﴿فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ’’بیشک اللہ کی جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہونے والے ہیں﴾ (۲) کا اعلان کر کے اس دنیا میں باطل کے مقابلے میں غلبۂ دین کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ دعویٰ محض اس پر موقوف نہیں کہ مسلمان اس کی آرزو تو کرسکیں لیکن انہیں اس کی عملی اور واقعاتی نتیجہ خیزی کا مشاہدہ نہ ہو سکے چنانچہ اس امر کی ضمانت بھی ساتھ ہی مہیا کر دی گئی:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۝ (۳)

’’اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۝‘‘

۳۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ۝ (۴)

’’(اے مومنو!) پس تم ہمت نہ ہارو اور ان (متحارب کافروں) سے صلح کی درخواست نہ

(۱) البقرہ، ۲: ۳۸

(۲) المائدۃ، ۵: ۵۶

(۳) آل عمران، ۳: ۱۳۹

(۴) محمد، ۴۷: ۳۵

کرو (کہیں تمہاری کمزوری ظاہر نہ ہو)، اور تم ہی غالب رہو گے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال (کا ثواب) ہرگز کم نہ کرے گا○''

۴۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ○(۱)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور ایمان والوں کو دوست بنائے گا تو (وہی اللہ کی جماعت ہے اور) اللہ کی جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہونے والے ہیں○''

۵۔ اس امر کی مزید وضاحت درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ○(۲)

''اور بے شک ہمارا فرمان ہمارے بھیجے ہوئے بندوں (یعنی رسولوں) کے حق میں پہلے صادر ہوچکا ہے۔ کہ بے شک وہی مدد یافتہ لوگ ہیں○ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہونے والا ہے○''

اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ خدا کا وعدہ محض خالی دعویٰ نہیں بلکہ فی الواقع اس کارگہِ حیات میں حق و باطل کے درمیان ہونے والی کشمکش میں اہلِ حق کو غالب اور فتح یاب کر دینے کا مژدۂ جانفزا ہے اور یہی دعوی قرآن کی نتیجہ خیزی پر دلالت کرتا ہے۔

(۹) اُمیّتِ صاحبِ قرآن

حضور نبی اکرم ﷺ کی اُمیّت ایک زندہ جاوید حقیقت ہے۔ نبی اُمی ﷺ نے جب تبلیغِ دین کا علم بلند کیا اور مکہ کے کفار و مشرکین کو دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے کی دعوت دی تو باطل کے ایوان لرز اُٹھے، حضور ﷺ کو امین اور صادق کہنے والے آپ ﷺ کی جان کے دُشمن ہو گئے، سازشوں کے ایک لامتناہی سلسلے کا آغاز ہوا۔ وہ کون سا افتراء و بہتان تھا جو ان لوگوں نے پیغمبرِ اسلام کے خلاف نہیں باندھا۔ آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) ساحر، کاہن مجنون اور جانے کیا کیا نہ کہا، ایذا

(۱) المائدہ، ۵: ۵۶

(۲) الصّٰفّٰت، ۳۷: ۱۷۱۔۱۷۳

رسانی میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن سب کچھ کہنے اور کرنے کے باوجود پورے عالم کفر میں سے کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو سکی کہ آپ امی نہیں ہیں اور یہ قرآن آپ ﷺ کا اپنا تحریر کردہ ہے، گویا آپ پر اتہامِ کذب کوئی نہیں لگا سکا۔ آج تک مخالفین اسلام میں سے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اعلانِ نبوت سے قبل یا بعد کسی مکتب میں تعلیم حاصل کی اور کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے ہیں۔ کوئی یہ دعویٰ نہ کر سکا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کسی فاضل سے علوم و معارف، عربی ادب کی فصاحت و بلاغت، شعر و سخن کے اصول اور حکمت و دانائی کے خزانے حاصل کئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے معاشرے میں اُمّی اور صادق و امین کی حیثیت سے معروف تھے۔ قرآن جیسے علم و معرفت سے معمور کلام کا آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہونا ہی اس کی مُنَزَّل مِنَ اللهِ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اسی لئے ارشاد ربانی ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ○ (۱)

”اور (اے حبیب!) اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھا کرتے تھے اور نہ ہی آپ اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ اہلِ باطل اسی وقت ضرور شک میں پڑ جاتے○“

پھر اسی سورہ میں آگے چل کر فرمایا گیا ہے:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ۔ (۲)

”کیا ان کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر (وہ) کتاب نازل فرمائی ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے (یا ہمیشہ پڑھی جاتی رہے گی)۔“

اس سے پتہ چلا کہ آپ ﷺ پر ایسی کتاب کا نزول ہوا کہ آپ ﷺ کا اسے تلاوت کرنا ہی اس وحی کی صداقت و حقانیت کی روشن دلیل بن گیا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی مکتب و مدرسہ یا استاد سے پڑھے بغیر زمانہ گزشتہ و آئندہ کے احوال بیان کرے، عقائدِ صحیحہ کا مدلل اِحقاق اور عقائدِ باطلہ کا قوی اِبطال کرے، انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی زندگی کے اصول و ضوابط بیان

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۴۸

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۵۱

کرے، اعلیٰ اخلاق اور مذہبی تعلیمات کا پرچار کرے، طبیعی اور مابعد الطبیعی حقائق کا تفصیلی ذکر کرے، سیاست و معاشرت، اقتصاد و معیشت اور تہذیب و ثقافت کے اصولوں کی تعلیم دے اور ان پر کامیابی سے عمل پیرا بھی ہو، صلح و جنگ اور قومی و بین الاقوامی امور سے متعلق قوانین بنائے، حکمت و دانائی، تدبر و بصیرت اور ضابطۂ اِصلاحِ اَحوال پر مبنی اس اعلیٰ فلسفہ حیات کی بات کرے جو ابد الآباد تک قابلِ عمل اور انقلاب آفریں ہو، لیکن پھر بھی اس کا کلام حق تصور نہ کیا جائے، ایسی کوئی بات کہنا بڑی ناانصافی ہوگا۔ بلاشک و شبہ حضور نبی اکرم ﷺ کا اُمّی ہونا قرآن کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اُمّی ہونے کے باوجود مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ کے جمیع علوم خود ربِ ذو الجلال سے حاصل کر لئے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا○ (1)

”اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا فرمایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے○“

۴۔ شخصی فضائل وخلقِ محمدی ﷺ کی کاملیت

جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے عرب کے معاشرے میں جہاں اَخلاقی قدریں پامال ہو چکی تھیں اور انسانی معاشرہ اس اخلاقی گراوٹ اور نکبت کا شکار تھا جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے نہ صرف اخلاقی اقدار کو بحال کیا بلکہ ایسے افراد تیار کیے جو اخلاقی کردار اور شخصی فضائل کے حوالے سے پوری دنیا کے لیے رہنما اور قابل تقلید مثالی نمونے قرار پائے۔ ایسی مثالی شخصیات کا وجود میں آنا دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کے شخصی فضائل اور آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ہی نتیجہ تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ سے جب پوچھا گیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ خلق کیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن حکیم ہے یعنی قرآن حکیم کی بیان کردہ اخلاقی تعلیمات اور شخصی فضائل کا چلتا پھرتا اور زندہ اور عملی نمونہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ تھی۔ آپ کی ذات مبارکہ کی سینکڑوں ایسی جہات موجود ہیں جو اخلاقیات کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہیں تاہم یہاں ہم ان چند جہتوں کا ذکر کر رہے ہیں:

(1) النساء، ۴:۱۱۳

(۱) خلقِ محمدی ﷺ کا معاشرتی پہلو

قرآن حکیم میں حضور نبی اکرم ﷺ کے حسنِ معاشرت کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْلَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔[1]

''(اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تُندخُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے، سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لئے بخشش مانگا کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں۔''

عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی آیت مبارکہ۔ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ○ ''(اے حبیبِ مکرّم!) آپ درگزر فرمانا اختیار کریں، اور بھلائی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں○''﴾[2] نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا:

ما هذا يا جبريل؟

''اے جبرئیل! اس آیت سے کیا مراد ہے؟''

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: میں اس وقت تک نہیں بتا سکتا جب تک عالم کل (اللہ تعالیٰ) سے نہ پوچھ لوں۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام (آسمان پر) چلے گئے۔ پھر کچھ دیر (بعد) واپس تشریف لائے اور عرض کیا:

إن الله تعالى يأمرك أن تعفو عمن ظلمك و تعطي من حرمك وتصل من قطعك۔[3]

---

(۱) آل عمران، ۳:۱۵۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۹۹

(۳) ۱۔ قرطبی، تفسیر قرطبی، ۷: ۳۰۱
۲۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ۲:۳۶۸
۳۔ آلوسی، روح المعانی، ۹: ۱۴۷

’’(یا رسول اللہ!) اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اس شخص کو جو آپ پر زیادتی کرے معاف فرما دیں اور جو شخص آپ کو محروم رکھے آپ اس کو عطا فرمائیں۔ جو شخص آپ سے رشتہ منقطع کرے آپ اس سے صلہ رحمی فرمائیں۔‘‘

(۲) خلقِ محمدی ﷺ میں عفو کا پہلو

حضور نبی اکرم ﷺ کا ہمیشہ یہی کردار اور رویہ رہا کہ آپ نے ہمیشہ اپنے دشمنوں کو معاف فرمایا:

أن جابر بن عبداللہ أخبر أنه غزا مع رسول اللہ قبل نجد فلما قفل رسول اللہ قفل معه فأدركتهم القائلة في واد كثير العضاة فنزل رسول اللہ وتفرق الناس يستظلون بالشجر فنزل رسول اللہ ﷺ تحت سمرة وعلق بها سيفه ونمنا نومة فإذا رسول اللہ ﷺ يدعونا وإذا عنده اعرابي فقال: إن هذا اخترط على سيفي وأنا نائم فاستيقظت وهو في يده صلتا فقال: من يمنعك مني فقلت اللہ ثلاثا ولم يعاقبه وجلس۔[1]

’’حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جنگ کے لیے گئے، جب حضور نبی اکرم ﷺ واپس تشریف لائے تو وہ بھی واپس آئے، راستے میں ایک وادی میں انہیں دوپہر ہوگئی جہاں کثرت سے خاردار درخت تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے وہاں آرام کرنے کے ارادے سے پڑاؤ کیا، تو لوگ ادھر ادھر درختوں کے سایوں میں چلے گئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ بھی ایک کیکر کے درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ آپ نے اپنی تلوار درخت پر لٹکادی، ہم نے ابھی ایک اونگھ ہی لی تھی کہ ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے بلانے کی آواز آئی۔ ہم جب آپ ﷺ کے پاس گئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس ایک بدو بیٹھا ہے، آپ نے فرمایا: اس شخص نے میرے سوتے ہوئے میری تلوار اچک لی، میری آنکھ کھلی تو یہ تلوار لہرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا ’’اللہ...... تین مرتبہ‘‘ پھر اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور اب یہ بیٹھا ہے۔ پھر آپ نے

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب، من علق سيفه، بالشجر في السفر عند القائلة ۳: ۱۰۶۵، رقم: ۲۷۵۳

اس کو معاف فرما دیا۔‘‘

عن انس: أن ثمانين هبطوا على رسول الله ﷺ وأصحابه من جبل التنعيم عند صلاة الصبح و هم يريدون ان يقتلوه فأخذوا أخذاً فأعتقهم رسول الله ﷺ فأنزل الله (وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ)۔(۱)

’’حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں، کہ اسی (۸۰) افراد نے نماز فجر کے وقت جبل تنعیم پر سے حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام پر، آپ کے قتل کی نیت سے حملہ کر دیا، مگر وہ سب پکڑ لیے گئے۔ بعد میں آپ ﷺ نے ان سب کو رہا فرما دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور وہی ہے جس نے سرحدِ مکّہ پر (حدیبیہ کے قریب) ان (کافروں) کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے۔‘‘

ایک مرتبہ (جنگ خیبر میں، زینب نامی) ایک یہودی عورت نے حضور نبی اکرم ﷺ (کی دعوت کی اور آپ کے کھانے کے لیے) ایک مسموم (زہر آلود) بکری بھیجی، آپ نے اس سے ابھی ایک ہی لقمہ لیا تھا کہ آپ کو پتہ چل گیا اور آپ معجزانہ طور پر بچ گئے۔ اس یہودی عورت کو آپ کے پاس لایا گیا، مگر آپ نے اسے معاف کر دیا۔(۲)

اس قسم کے واقعات احادیث میں بکثرت ملتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔

(۳) خلقِ محمدی ﷺ میں حلم کا پہلو

ایک یہودی کے حضور نبی اکرم ﷺ پر کچھ دینار قرض تھے، اس روایت میں یہ الفاظ ہیں: اس نے نبی اکرم ﷺ سے اپنے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ میں آپ کا پیچھا اس وقت تک

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ۴۹: ومن سورة الفتح ۵:۳۸۶، رقم: ۳۲۶۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد والسير، باب قول الله تعالى وهو الذى كف ايدى، ۳: ۱۴۴۲، رقم: ۱۸۰۸

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب الشاة التی سمت النبی ﷺ بخیبر، ۴: ۱۵۵۱، رقم: ۴۰۰۳

نہ چھوڑوں گا جب تک آپ میرا قرض ادا نہ کریں گے، آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس ادائیگی کے لیے کچھ نہیں ہے، مگر وہ یہودی مہلت دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ تب آپ نے فرمایا کہ پھر تو یہاں بیٹھ جا اور آپ بھی اس کے پاس مسجد نبوی میں بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے اسی حالت میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہے تھے اور دھمکیاں دے رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات کو محسوس کرلیا، جو صحابہ اس کے ساتھ روا رکھے ہوئے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ایک یہودی نے آپ کو روک رکھا ہے، آپ نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھے کسی غیر مسلم پر ظلم کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ پھر جب دن روشن ہوگیا تو اس یہودی نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔ اس نے کہا بخدا میں نے آپ ﷺ کے ساتھ جو سلوک کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ میں توریت کی اس پیش گوئی کو آزمانا چاہتا تھا جس میں ہے کہ محمد بن عبداللہ ان کا مولد مکہ مکرمہ میں اور ہجرت گاہ مدینہ طیبہ میں ہے۔ اس کی بادشاہی شام تک ہوگی، وہ نہ تو ترش رو ہے اور نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں چلانے والا اور نہ فحش گوئی اختیار کرنے والا ہے اور نہ بیہودہ بات کرنے والا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ میرا تمام مال حاضر ہے اس کے متعلق آپ جو چاہیں حکم دیں۔ (۱)

(۴) خلقِ محمدی ﷺ میں حیا کا پہلو

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ حیا کا پیکر تھی:

كان النبی ﷺ أشد حياء من العذراء فی خدرها فإذا رأى شيئا يكرهه، عرفناه فی وجهه۔ (۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ پردہ دار کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیاء والے تھے اور جب کوئی بات آپ ﷺ کو ناپسند ہوتی تو ہم آپ ﷺ کی ناپسندیدگی آپ ﷺ کے چہرے پر دیکھ لیا کرتے تھے۔''

(۱) تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، ۳: ۲۶۸، ۵۸۳۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب من لم یواجه الناس، ۵: ۲۲۶۳، رقم: ۵۷۵۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب کثرة حیائه، ۴: ۱۸۰۹، رقم: ۲۳۲۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الذهد، باب الحیاء، ۲: ۱۳۹۹، رقم: ۴۱۸۰

(۵) خلقِ محمدی ﷺ میں سخاوت کا پہلو

حضور نبی اکرم ﷺ میں اس ابر رواں کی طرح تھے جو اپنے اور پرائے کی تمیز کے بغیر سب پر برستا اور اسے سیراب کرتا ہے۔

كان النبي ﷺ أحسن الناس وأشجع الناس وأجود الناس۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی سخاوت اور فیاضی پر محدثین نے بہت سی روایات جمع کی ہیں۔

عن أنس ﷺ أن رجلاً ما سأل رسول الله ﷺ علی الإسلام شيئًا إلا أعطاه قال فجاءه رجل فأعطاه غنمًا بين جبلين فرجع إلی قومه فقال يا قوم أسلموا فإن محمدًا ليعطي عطاء لا يخشی الفاقة۔(۲)

’’حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ جو بھی شخص حضور نبی اکرم ﷺ سے اسلام کے نام پر جو بھی چیز مانگتا آپ ﷺ اس کو عطا فرما دیتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ سے دو پہاڑوں کے مابین ریوڑ مانگا آپ نے اسے مرحمت فرما دیا وہ شخص اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا اے میری قوم کے لوگو مسلمان ہو جاؤ اس لیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ محتاجی کا اندیشہ نہیں رہتا۔‘‘

(۶) خلقِ محمدی ﷺ میں صبر کا پہلو

کائنات انسانی کی عظیم ترین ذمہ داری کا حامل ہونے اور سب سے زیادہ مشکلات، مصائب اور آلام کا سامنا کرنے کے باوجود آپ ﷺ سراپا صبر و استقلال تھے۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب الشجاعة، ۳: ۱۰۳۸، رقم: ۲۶۶۵

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الجهاد، باب ما جاء في الخروج، ۴: ۱۹۹، رقم: ۱۶۸۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب، ماسئل رسول الله ﷺ شيئاً قط، ۴: ۱۸۰۶، رقم: ۲۳۱۲

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۲۸۸، رقم: ۶۳۷۳

كان أصبر الناس على اقذار الناس۔[1]

''رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف سے آنے والی مصیبتوں پر سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے۔''

حضرت انس ﷺ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ لقد أخفت في الله وما يخاف أحد و لقد أوذيت في الله وما يؤذى أحد ولقد أتت علي ثلاثون من بين ليلة و يوم و مالي ولبلال طعام يأكله ذو كبد إلاشئي يواريه أبط بلال۔[2]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اتنا ڈرایا گیا ہوں کہ میرے سوا اور کوئی اتنا نہیں ڈرایا گیا اور مجھے اس کے بارے میں اتنی اذیت دی گئی جو کسی اور شخص کو نہیں دی گئی، مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں ایسی گذر چکی ہیں کہ میرے اور بلال کے پاس کھانے کے لئے کوئی اور شے نہیں ہوتی تھی بجز اس (معمولی سی) خوراک کے جو بلال کی بغل میں ہوتی۔''

امام ترمذی فرماتے ہیں:

و معنى هذا الحديث حين خرج النبي ﷺ هارباً من مكة و معه بلال انما كان مع بلال من الطعام ما يحمله تحت إبطه۔[3]

''یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے ارادہ سے نکلے تھے اور آپ کے ہمراہ حضرت بلال ﷺ تھے اس وقت آپ دونوں کے پاس کھانے

---

(۱) ۱۔ ہندی، كنزالعمال، ۷:۵۳ رقم:۱۷۸۱۸

۲۔ مناوی، فيض القدير،۵:۷۲

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب صفة القيامة، باب منه، ۴:۶۴۵ ۳۴، رقم: ۲۴۷۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمه، باب في فضائل أصحاب رسول الله ﷺ، ۱:۵۴، رقم: ۱۵۱

۳۔ أحمد بن حنبل، مسند، ۳:۲۸۶،رقم:۱۴۰۸۷

(۳) ترمذی، السنن، كتاب صفة القيامة، باب منه ۴:۶۴۵ ۳۴، رقم: ۲۴۷۲

کے لئے معمولی سی خوراک بلال کی بغل میں ہوتی تھی۔‘‘

اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں:

إن كنا يئول محمد نمكت شهراً مانستوقد بنار إن هو إلا الماء والتمر۔ (۱)

’’ہم خاندان محمد والے ایک ایک ماہ تک اس حال میں گزارتے تھے کہ ہمارے ہاں آگ نہیں جلتی تھی سوائے پانی اور کھجور کے (کچھ گھر میں نہیں ہوتا تھا)۔‘‘

(۷) خلقِ محمدی ﷺ اور مخلوق پر رحمت وشفقت

حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی اور آپ کا اخلاق حسنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مجسم اور کامل نمونہ تھے۔

حضرت انس ﷺ سے مروی حدیث مبارکہ ہے:

ما رایت احداً كان أرحم بالعيال من رسول الله ﷺ۔ (۲)

’’میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے زیادہ کسی شخص کو اپنے گھر والوں پر مہربان اور شفیق نہیں دیکھا۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ٥ (۳)

’’اور (اے رسول محتشم) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔‘‘

نیز ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ٥ (۴)

(۱) ترمذی، السنن، کتاب صفة القيامة، باب منه، ۴: ۶۴۵، ۲۴۷۱، رقم: ۲۴۷۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب رحمة الصبيان، ۴: ۱۸۰۸، رقم: ۲۳۱۶

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۱۲، رقم: ۱۲۱۲۳

(۳) الانبياء، ۲۱: ۱۰۷

(۴) التوبہ، ۹: ۱۲۸

’’بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔‘‘

(۸) خلقِ محمدی ﷺ میں تواضع کا پہلو

حضور نبی اکرم ﷺ نرم خو، مہربان طبیعت، خوش صحبت، خندہ رُو اور بہت زیادہ تبسم کرنے والے تھے، مگر ایسا کہ اونچی آواز میں قہقہہ بلند نہیں کرتے تھے۔ آپ خوفِ خدا سے غمگین اور متفکر رہتے تھے اور جب اسلام کی حمیت میں غصہ آتا تو سخت غصہ آتا تھا، مگر اس میں بھی گالی گلوچ اور دوسروں کو برا بھلا کہنا یا اخلاق سے گرا ہوا طرزِ عمل شامل نہیں ہوتا تھا۔ آپ بہت زیادہ تواضع پسند تھے، مگر تواضع وقار سے خالی نہ تھا۔ آپ بہت زیادہ سخی اور فیاض تھے، مگر فضول خرچ ہرگز نہیں تھے۔ آپ اپنے رشتہ داروں اور تمام مسلمانوں سے صلہ رحمی فرماتے تھے، آپ بے حد نرم دل تھے۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ ننگے پاؤں گلیوں میں چلتے پھرتے، کبھی شکم سیری سے پیٹ میں گرانی نہیں ہوئی اور کبھی کسی قسم کا لالچ یا طمع نہیں کیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے یہی اعلیٰ شخصی اور اعلیٰ اخلاق تھے جس نے ایک ایسی تہذیب کو جنم دیا جو کلیتًا الوہی اقدار پر مبنی تھی:

....This is the greatest divergence of traditions. There may be unbelievers and half believers among Muslims, but Islamic civilization is essentially a believing civilization and Europe essentially unbelieving.(1)

’’(اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب میں) روایات کا عظیم ترین انحراف وانتشار موجود ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ مسلمانوں میں کچھ ملحدین اور نیم دروں نیم بروں بھی ہوں گے لیکن اسلامی تہذیب لازمی طور پر ایک ایمانی تہذیب اور یورپ لازماً غیر ایمانی تہذیب ہے۔‘‘

(1) Murad Wahbah, *Islam and Civilization: Proceedings of the First International Islamic Philosophy Conference*, Ain Shams University Press, 1982, p. 5.

۵۔ تعلیماتِ محمدی ﷺ کی حفاظت و دائمیت

حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات جو قرآن و سنت پر مشتمل ہیں اور ان کی مزید عملی تفصیلات جو سیرت پر مشتمل ہیں آج تک لفظاً اور معناً دونوں صحت کے ساتھ محفوظ ہیں اور یہ تحریری حفاظت قیامت تک قائم رہے گی۔ اس طرح پہلے انبیاء کرام میں سے کسی کی تعلیمات بھی اس طرح کاملاً محفوظ نہ رہ سکیں۔

آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب ''قرآن مجید'' کی حفاظت کی ذمہ داری اس وعدے کے ساتھ خود باری تعالیٰ نے اٹھائی تھی۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۝(۱)

''بیشک یہ ذکرِ عظیم (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۝''

نتیجتاً قرآن مجید پوری روئے زمین پر ایک لفظ کے بھی اختلاف کے بغیر تحریراً اور مطبوعاً محفوظ ہے، شرق سے غرب تک قرآن مجید کے کروڑوں نسخے آج تک چھپے ہیں اور چھپ رہے ہیں مگر بخلاف بائبل یا اناجیل کے کسی نسخے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے جبکہ بائبل یا اناجیل کا کوئی ایک نسخہ بھی دوسرے نسخے سے لفظاً مکمل مطابقت نہیں رکھتا۔

مزید یہ کہ قرآن مجید آج تک اپنی اصل زبان میں محفوظ ہے، اور اس کی زبان (عربی) کو بھی باری تعالیٰ نے زندہ زبان کے طور پر محفوظ فرما دیا ہے۔ بخلاف سنسکرت، عبرانی، سریانی، یونانی یا دیگر زبانوں کے، جن میں دوسرے انبیاء و رسل یا بانیان مذاہب کی اصل کتابیں مرتب کی گئیں۔ ان میں سے کوئی زبان بھی آج زندہ نہیں ہے اور نہ اس علاقے کے لوگ اور موجودہ نسلیں ہی ان زبانوں کو سمجھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کتابیں اب صرف تراجم کی صورت میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے اصل متن دنیا سے بالعموم ناپید ہوگئے ہیں۔ مگر قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا اور سنت و سیرت محمدی ﷺ جس زبان میں صادر اور مرتب ہوئی وہ زبان آج تک زندہ ہے، کروڑوں انسانوں میں بولی لکھی اور سمجھی جاتی ہے، ڈیڑھ ہزار سال بیت جانے کے باوجود وہ متروک یا ناقابل فہم نہیں ہوئی

(۱) الحجر، ۱۵: ۹

اور اس کی زندگی و تابندگی کی موجودہ صورت حال بتا رہی ہے کہ وہ قیامت تک مروج و متداول رہے گی۔ لہٰذا تعلیمات محمدی ﷺ کی حفاظت فقط تراجم ہی کے ذریعے نہیں بلکہ اصل زبان کی صورت میں بھی ہو رہی ہے پھر قرآن کے علاوہ جس طرح حضور ﷺ کی لاکھوں احادیث اور فرمودات کو سینکڑوں کتب کی صورت میں جمع اور مرتب کیا گیا، اور ان کی چھان بین کے لئے اصول وضوابط پر مبنی کئی تفصیلی فنون معرض وجود میں آئے دنیا کی تاریخ میں کسی اور پیغمبر یا بانی مذہب کی تعلیمات کی حفاظت کے لئے یہ اہتمام نہ کیا جا سکا یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات کو وہ دائمیت کی شان نصیب ہوگئی ہے کہ ان کے ذریعے صورت و سیرت محمدی ﷺ کا سراپائے جمیل آج بھی اہل ایمان کی نگاہوں کے سامنے رہتا ہے اور آپ ﷺ کی ذات اقدس کے جس بھی گوشہ و پہلو کی زیارت و معرفت مطلوب ہو اوراقِ صحائف پلٹ کر آج بھی اس کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

نزول قرآن کے ساتھ ہی حضور اکرم ﷺ نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا، کتابت کا طریق کار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے:

كنت اكتب الوحي لرسول الله ﷺ وكان إذ انزل عليه الوحي أخذته برحاء شديدة وعرق عرقا شديدا مثل الجُمان ثم سري عنه، فكنت ادخل عليه بقطعة الكتف او كسوة فاكتب وهو يُملي عليّ فما افرغ حتى تكاد رجلي تنكسر من نقل القرآن حتى أقول لا أمشي على رجلي أبدا فإذا فرغت قال اقرأه فأقره فان كان فيه سقط اقامه ثم اخرج به الى الناس۔ (1)

”میں رسول اللہ ﷺ کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی تھی، اور آپ ﷺ کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، پھر آپ ﷺ سے یہ کیفیت ختم ہوجاتی، تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی (یا کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا آپ ﷺ لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا، یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے، اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا،

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الاوسط، ۲: ۲۵۷

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۲۵۷

بہر حال! جب میں فارغ ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے: پڑھو میں پڑھ کر سناتا، اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپ ﷺ اس کی اصلاح فرما دیتے، اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔"

کتابتِ وحی کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ ﷺ نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی مقرر فرمایا ہوا تھا، جو حسب ضرورت کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے۔ لیکن ان میں سے زیادہ مشہور یہ حضرات ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت حنظلہ ابن الربیع رضی اللہ عنہ، حضرت معقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن ارقم الزہری رضی اللہ عنہ، حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ ﷺ کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے، چنانچہ اسے آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق لکھ لیا جاتا تھا، قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، اور چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ (۱)

اس طرح عہدِ رسالت ﷺ میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ کتابی شکل میں نہ تھا بلکہ متفرق حصوں پر مشتمل تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنی یادداشت کے لئے قرآن کریم کی آیات اپنے پاس لکھ لیتے تھے، اور یہ سلسلہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے جاری تھا جس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت الخطاب اور بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر غصہ میں بھرے ہوئے گھر میں

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۱۸

داخل ہوئے تو ان کے سامنے ایک صحیفہ رکھا ہوا تھا، جس میں سورۂ طٰہٰ کی آیات درج تھیں، اور حضرت خباب بن حارث رضی اللہ عنہ انہیں پڑھا رہے تھے۔(1)

اس کے علاوہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انفرادی طور پر اپنے پاس قرآن کریم کے مکمل یا نامکمل نسخے لکھ رکھے تھے، مثلاً صحیح بخاریؒ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

أن رسول اللہ ﷺ نهی ان يسافر بالقرآن الی ارض العدوّ۔(2)

”رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو لے کر دشمن کی زمین میں سفر کرنے سے منع فرمایا۔“

نیز معجم طبرانی میں ایک روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قرأة الرجل فی غير المصحف الف درجة وقرأءته فی المصحف تضاعف علی ذلک ألفي درجة۔(3)

”کوئی شخص قرآن کریم کے نسخہ کو دیکھے بغیر تلاوت کرے تو اس کا ثواب ایک ہزار درجہ ہے، اور اگر قرآن کے نسخہ کو دیکھ کر تلاوت کرے تو دو ہزار درجے ہے۔“

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظت قرآن کا عمل نزول قرآن کے ساتھ ہی مختلف سطحات پر شروع ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس عہدِ رسالت ہی میں قرآن کریم کے لکھے ہوئے صحیفے موجود تھے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیۃ چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، زیادہ مکمل نسخے نہیں تھے، کسی صحابی کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس پانچ سورتیں، اور کسی کے پاس

---

(1) ۱۔ دار قطني، السنن، ۱: ۱۲۳

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۹: ۶۱

(2) بخاري، الصحيح كتاب الجهاد، باب كراهية السفر بالمصاحف، ۳: ۱۰۹۰، رقم: ۲۸۲۸

(3) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱: ۲۲۱

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۱۶۵

صرف چند آیات لکھی ہوئی تھیں۔

اس بناء پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ فیصلہ کیا کہ قرآن کریم کے ان منتشر حصوں کو یک جا کر کے محفوظ کر دیا جائے، جن اسباب کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یوں بیان فرمائی کہ جنگ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک روز مجھے پیغام بھیج کر بلوایا، میں ان کے پاس پہنچا، تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابھی آ کر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، اور اگر مختلف مقامات پر قرآن کریم کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کر دیں میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ جو کام حضور اکرم ﷺ نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے، اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرح صدر ہوگیا، اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نوجوان اور سمجھدار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہٰذا تم قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کر کے انہیں جمع کرو۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا، جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا، میں نے ان سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی، چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا، اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کیا۔ (۱)

جمع قران کے سلسلہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بہت ہی محتاط طریق کار اختیار

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۹:۸، ۱۳

فرمایا۔ وہ خود حافظ قرآن تھے، لہٰذا وہ اپنی یادداشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے، ان کے علاوہ بھی سینکڑوں حفاظ اس وقت موجود تھے، ان کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآن کریم لکھا جاسکتا تھا، نیز قرآن کریم کے جو مکمل نسخے حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں لکھ لئے گئے تھے، حضرت زید رضی اللہ عنہ ان سے بھی قرآن کریم نقل فرماسکتے تھے، لیکن انہوں نے احتیاط کے پیش نظر ان میں سے صرف کسی ایک طریقہ پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لیا اور اس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفوں میں درج نہیں کی جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں وہ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس محفوظ تھیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں یک جا فرمایا تاکہ نیا نسخہ ان سے ہی نقل کیا جائے، چنانچہ یہ اعلان عام کردیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن کریم کی کوئی آیات لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے، اور جب کوئی شخص ان کے پاس قرآن کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے:

۱۔ سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے تھے۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حافظ قرآن تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے تحت وہ بھی اس کام میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، لہٰذا جب کوئی شخص کوئی آیت لے کر آتا تھا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں مشترک طور پر اسے وصول کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے حافظہ سے اس کی توثیق فرماتے تھے۔[۱]

۳۔ کوئی لکھی ہوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کی جاتی تھی جب تک دو قابل اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دیدی ہو کہ یہ آیت حضور اکرم ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی، یہ گواہیاں اس بات پر بھی لی جاتی تھیں کہ یہ لکھی ہوئی آیت حضور اکرم ﷺ کی وفات کے سال آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردی گئی تھیں، اور آپ ﷺ نے اس بات کی تصدیق فرمادی تھی کہ یہ ان حروف سبعہ کے مطابق ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہے۔[۲]

۴۔ اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم نے تیار کر رکھے تھے، اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کی کتابت میں زیادہ سے

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۸، ۱۳

(۲) سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱: ۶۰

زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے اور صرف حافظہ پر اکتفاء کرنے کے بجائے بعینہ ان آیات سے نقل کیا جائے جو حضور اکرم ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھیں۔ (۱)

جمع قرآن کا یہی طریق کار تھا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب سورہ براءۃ کی آخری آیات لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ مجھے صرف حضرت ابوخزیمہ کے پاس ملیں، تو آپ نے انہیں اس وقت تک قبول نہیں کیا جب تک ان کی طرف سے انہیں حضور اکرم ﷺ کا ذوالشہادتین کا منصب عطا کیے جانے کا ثبوت میسر نہیں آ گیا۔ مزید برآں گو جو لوگ حضور اکرم ﷺ کی لکھوائی ہوئی قرآن کریم کی متفرق آیتیں لے لے کر آ رہے تھے ان میں سے یہ آیتیں سوائے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے کسی کے پاس نہیں ملیں، مگر جہاں تک ان آیات کے جزو قرآن ہونے کا تعلق ہے یہ بات تواتر کے ساتھ سب کو معلوم تھی، اول تو جن سینکڑوں حفاظ کو پورا قرآن کریم یاد تھا، انہیں یہ آیات بھی یاد تھیں، دوسرے آیات قرآنی کے جو مکمل مجموعے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تیار کر رکھے تھے ان میں بھی یہ آیت لکھی ہوئی تھی، لیکن چونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مزید احتیاط کے لئے مذکورہ بالا ذرائع پر اکتفاء کرنے کے بجائے متفرق طور سے لکھی ہوئی آیتوں کو جمع کرنے کا بیڑا بھی اٹھایا تھا، اس لئے انہوں نے یہ آیت اس وقت تک اس نئے مجموعہ میں درج نہیں کی، جب تک اس تیسرے طریقہ سے بھی وہ آپ کو دستیاب نہیں ہوگئی، دوسری آیات کا معاملہ تو یہ تھا کہ وہ حفاظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یاد ہونے اور عہد رسالت ﷺ کے مکمل مجموعوں میں محفوظ ہونے کے علاوہ کئی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس الگ سے لکھی ہوئی بھی تھیں، چنانچہ ایک ایک آیت کئی کئی صحابہ رضی اللہ عنہم لے کر آ رہے تھے، اس کے برعکس سورۂ براءت کی یہ آخری آیات سینکڑوں صحابہ کو یاد تو تھیں، اور جن حضرات کے پاس آیات قرآنی کے مکمل مجموعے تھے ان کے پاس لکھی ہوئی بھی تھیں، لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کی نگرانی میں الگ لکھی ہوئی صرف حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملیں، کسی اور کے پاس نہیں۔ (۲)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کمال احتیاط کے ساتھ آیاتِ قرآنی کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا۔ (۳)

---

(۱) ۱۔ زرکشی، البرهان فی علوم القران، ۱: ۲۳۸

۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱: ۶۰

(۲) زرکشی، البرهان فی علوم القرآن: ۲۳۴، ۲۳۵

(۳) سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱: ۶۰

اس طرح ہر سورۃ علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی، اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں میں مشتمل تھا، اصطلاح میں اس نسخہ کو ''ام'' کہا جاتا ہے، اور اس کی خصوصیات یہ تھیں:

۱۔ اس نسخہ میں آیات قرآنی تو حضور اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھیں، لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں، ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی۔[۱]

۲۔ اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے۔[۲]

۳۔ یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔

۴۔ اس میں صرف وہ آیتیں درج کی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

۵۔ اس کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتب نسخہ تمام امت کی اجماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے، تا کہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

حضرت ابوبکر ؓ کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہے، پھر حضرت عمر ؓ کے پاس رہے، حضرت عمر ؓ کی شہادت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق انہیں ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل کر دیا گیا۔[۳]

جب حضرت عثمان ؓ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقہ کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدین اسلام یا ان تاجروں سے قران کریم سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی، چوں کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا تھا، اور مختلف صحابہ کرام ؓ نے اسے حضور اکرم ﷺ سے مختلف قراتوں کے مطابق سیکھا تھا، اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قرأت کے مطابق قرآن پڑھایا، جس کے مطابق خود اس نے حضور ﷺ سے پڑھا تھا، اس طرح قراتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا، جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، اس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی، لیکن جب یہ اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا، اور یہ بات ان میں پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، تو اس وقت

---

(۱) سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱: ۶۰

(۲) زرقانی، مناھل العرفان، ۱: ۲۴۶، ۲۴۷

(۳) عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۱۲، ۱۳

لوگوں میں یہ جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قرات کو غلط قرار دینے لگے، ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قران کریم کی متواتر قراتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے، دوسرے سوائے حضرت زید ؓ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کے جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا، پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لئے حجت بن سکے، کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی کوئی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر درست اور غلط قرات کا فیصلہ کیا جاسکے۔ یہ عظیم کارنامہ حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں انجام پایا۔

حضرت حذیفہ بن یمان ؓ آرمینیا اور آذر بائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قراتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، چنانچہ مدینہ طیبہ واپس آتے ہی وہ حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین! قبل اس کے کہ یہ امت اللہ کی کتاب کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کا شکار ہو آپ اس کا تدارک کیجئے، حضرت عثمان ؓ نے پوچھا بات کیا ہے؟ حضرت حذیفہ ؓ نے جواب میں کہا کہ میں آرمینیا کے محاذ پر جہاد میں شامل تھا، وہاں میں دیکھا کہ شام کے لوگ ابی بن کعب ؓ کی قرات پڑھتے ہیں جو اہل عراق نے نہیں سنی ہوتی، اور اہل عراق عبداللہ بن مسعود ؓ کی قرات پڑھتے ہیں جو اہل شام نے نہیں سنی ہوتی اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عثمان ؓ خود بھی اس ضرورت کو محسوس کر چکے تھے، انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیبہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ قرآن کریم کے ایک معلم نے اپنے شاگردوں کو ایک قرات کے مطابق قرآن پڑھایا اور دوسرے معلم نے دوسری قرات کے مطابق، اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد جب باہم ملتے تو ان میں اختلاف ہوتا اور بعض مرتبہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا، اور وہ بھی ایک دوسرے کی قرات کو غلط قرار دیتے، جب حضرت حذیفہ بن یمان ؓ نے بھی اس خطرے کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عثمان ؓ نے جلیل القدر صحابہ ؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا۔ حضرت عثمان ؓ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کردیں، تاکہ کوئی اختلاف اور افتراق پیش نہ آئے صحابہ ؓ نے اس رائے کو پسند کر کے حضرت عثمان ؓ کی تائید فرمائی۔

چنانچہ حضرت عثمان ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم لوگ مدینہ طیبہ میں میرے قریب ہوتے ہوئے قرآن کریم کی قراتوں کے بارے میں ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو، اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مجھ سے دور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب اور اختلاف کرتے ہوں گے، لہٰذا تمام لوگ مل کر قرآن کریم کا ایسا نسخہ تیار کریں جو سب کے لئے واجب الاقتداء ہو۔

اس غرض کے لئے حضرت عثمان غنی ﷺ نے حضرت حفصہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکر ﷺ کے زمانے کے) جو صحیفے موجود ہیں وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم ان کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے، حضرت حفصہ ﷺ نے وہ صحیفے حضرت عثمان ﷺ کے پاس بھیج دیئے، حضرت عثمان ﷺ نے چار صحابہ ﷺ کی ایک جماعت بنائی، جو حضرت زید بن ثابت ﷺ، حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ حضرت سعید بن العاص ﷺ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام ﷺ پر مشتمل تھی، اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکر ﷺ کے صحیفوں سے نقل کر کے کئی ایسی مصاحف تیار کرے جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں، ان صحابہ میں سے چار حضرت زید ﷺ انصاری تھے، اور باقی تینوں حضرات قریشی تھے، اس لئے حضرت عثمان ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارا اور زید ﷺ کا قرآن کے کسی حصہ کے طرز تحریر میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، اس لئے کہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

بنیادی طور پر یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دوسرے صحابہ کو بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ لگا دیا گیا، یہاں تک کہ ابن ابی داود کی روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد بارہ تک پہنچ گئی جن میں حضرت ابی بن کعب ﷺ، حضرت کثیر بن افلح ﷺ، حضرت مالک بن ابی عامر ﷺ حضرت انس بن مالک ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ بھی شامل تھے۔[1]

ان حضرات نے کتابت قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے۔

۱۔ حضرت ابوبکر ﷺ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔[2]

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۱۳، ۱۵

(۲) حاکم، المستدرک، ۲: ۲۲۹

۲۔ قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراتیں سما جائیں، اسی لئے ان پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زیر، زبر، پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قراتوں کے مطابق پڑھا جاسکے، مثلاً ننشرھا لکھا، تاکہ اسے نَنشُرُھَا اور نُنشِزُھَا دونوں طرح پڑھا جاسکے، کیونکہ یہ دونوں قراتیں درست ہیں۔[۱]

۳۔ اب تک قرآن کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں۔ ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے سات نسخے تیار کروائے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔

۴۔ اس کے لئے ان حضرات نے بنیادی طور پر تو انہی صحیفوں کو سامنے رکھا جو حضرت ابوبکر ؓ کے زمانے میں لکھے گئے تھے، اس کے ساتھ ہی مزید احتیاط کے لئے وہی طریق کار اختیار فرمایا، جو حضرت ابوبکر ؓ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا، چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے کی جو متفرق تحریریں مختلف صحابہ ؓ کے پاس محفوظ تھیں، انہیں دوبارہ طلب کیا گیا اور ان کے ساتھ از سر نو مقابلہ کر کے یہ نئے نسخے تیار کئے گئے، اس مرتبہ سورۂ احزاب کی ایک آیت ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُو اللهَ عَلَيْهِ﴾ علیحدہ لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری ؓ کے پاس ملی، حضرت زید بن ثابت ؓ فرماتے ہیں:

فقدت آية من الاحزاب حين نسخنا المصحف كنت أسمع رسول الله ﷺ يقرأبها، فالتمسناها فوجدناها مع خزيمة بن ثابت الانصاري ؓ۔[۲]

”مجھے مصحف لکھتے وقت سورہ احزاب کی آیت نہ ملی جو میں رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا ہم نے اسے تلاش کیا تو وہ خزیمہ بن ثابت انصاری ؓ کے پاس ملی۔“

گویا یہ آیت حضرت زید ؓ اور دوسرے صحابہ ؓ کو اچھی طرح یاد تھی، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے زمانے میں جو صحیفے لکھے گئے ظاہر ہے کہ یہ آیت ان میں موجود تھی، نیز دوسرے صحابہ

(۱) زرقانی، مناهل العرفان، ۱: ۲۸۹

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المغازي، باب غزوة أحد، ۴: ۱۴۸۸، رقم: ۳۸۲۳

۲۔ عسقلاني، فتح الباري، ۹: ۱۵

کے پاس قرآن کریم کے جو انفرادی طور پر لکھے ہوئے نسخے موجود تھے ان میں یہ آیت بھی شامل تھی، لیکن چونکہ حضرت ابوبکر ؓ کے زمانے کی طرح اس مرتبہ بھی ان تمام متفرق تحریروں کو جمع کیا گیا تھا جو صحابہ کرام ؓ کے پاس لکھی ہوئی تھیں، اس لئے کوئی آیت ان مصاحف میں اس وقت تک نہیں لکھی گئے جب تک وہ ان تحریروں میں بھی نہ مل گئی۔ اس طرح دوسری آیتیں تو متعدد صحابہ کرام ؓ کے پاس علیحدہ لکھی ہوئی بھی ملیں، لیکن سورۂ احزاب کی یہ آیت سوائے حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ کے کسی اور کے پاس الگ لکھی ہوئی دستیاب نہیں ہوئی۔

۵۔ قران کریم کے یہ متعدد معیاری نسخے تیار فرمانے کے بعد حضرت عثمان غنی ؓ نے وہ تمام انفرادی نسخے نذر آتش کر دیئے جو مختلف صحابہ کرام ؓ کے پاس موجود تھے تاکہ رسم الخط، مسلمہ قراتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہوجائیں، اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے، اس کے لیے حضرت عثمان غنی ؓ کی تمام صحابہ نے تائید اور حمایت فرمائی، حضرت علی ؓ فرماتے ہیں:

لا تقولوا فی عثمان ؓ الا خیراً فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملامنا۔(۱)

"عثمان ؓ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو، کیونکہ اللہ کی قسم انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں اور مشورے سے کیا۔"

احادیثِ نبوی ﷺ کی حفاظت و دائمیت

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۝(۲)

"بیشک یہ ذکرِ عظیم (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۝"

قران کی حفاظت اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک حدیث کی حفاظت نہ ہو اس لیے

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۱۸

(۲) الحجر، ۱۵: ۹

جب قرآن یہ کہتا ہے کہ قرآن کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے تو فی الحقیقت اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن اور حدیث دونوں کی حفاظت اللہ کے ذمے ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں الذکر سے مراد قرآن ہے قرآن صرف الفاظ کا نام نہیں بلکہ الفاظ اور معانی کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔ فقہا جب فقہ کے ماخذ بیان کرتے ہوئے قرآن پر بطور ماخذ فقہ بحث کرتے ہیں تو قرآن کی تعریف بتلاتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ قرآن نظم اور معنی دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ مسائل فقہ کا استنباط کرنے کے لیے قران کے نظم اور معنی یعنی قرآن کے الفاظ اور ان کے معانی دونوں کا لحاظ رکھنا لازمی ہے اس کے بغیر مسائل کا استنباط ممکن ہی نہیں۔

حفاظت قرانی کو اپنی ذمہ داری میں لے کر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ قرآن کے الفاظ اور اس کے معانی دونوں من جانب اللہ ہیں، جس طرح حضور اکرم ﷺ الفاظ قرآنی کو بیان کرنے والے ہیں اسی طرح معانی قرانی کو بھی صرف آپ ہی بیان فرماتے ہیں۔ نہ قرآن کے الفاظ آپ کے اپنے ہیں نہ ان الفاظ کے معانی آپ نے اپنی طرف سے متعین کر لیے، الفاظ کا نزول بھی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہوا اور معانی و مطالب کا تعین بھی اللہ تعالیٰ ہی نے فرمائی۔ یہ سب کچھ وحی الٰہی کی مدد سے ہوا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔) سے تعبیر کرتا ہے۔

اگر یہ امر مسلمہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی بھی شخص قرآنی آیات کا صحیح مفہوم متعین کرنے کا اہل نہیں تو پھر احادیث نبوی کی حفاظت کے بغیر قرآن کی حفاظت کا تصور بے معنی ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے ساتھ ساتھ قرآن کی شرح و تفسیر یعنی حدیث کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا ہے۔ یہ آیات دوبارہ پڑھیے:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۝ (۱)

”بے شک اسے (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور اسے (آپ کی زبان سے) پڑھانا ہمارا ذِمّہ ہے۝ پھر جب ہم اسے (زبانِ جبریل سے) پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیا کریں۝“

(۱) القیامۃ، ۷۵: ۱۷، ۱۸

قرآن کے جمع و بیان کا اللہ کے ذمہ کرم پر ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح متن قرآنی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا اسی طرح اس کے بیان کو اپنی حفاظت میں لے کر اس کے بیان اور توضیح کے واحد مستند سرچشمے یعنی حدیث نبوی کی حفاظت کی ضمانت بھی عطا فرما دی۔

احادیثِ نبوی ﷺ کی حفاظت کا نادر الوجود منہج

احادیث نبوی کی حفاظت کا جو منہج محدثین کرام نے اختیار کیا اس کی کوئی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ اس باب میں نہ صرف متن حدیث کو مرکز توجہ بنایا گیا بلکہ متن حدیث تک رسائی کے ذرائع کو بھی کمال اہمیت دی گئی۔ حدیث کے متن روایت کرنے والے کے بارے میں یہ قرار دیا گیا کہ اس کی یادداشت اچھی ہو وہ قوی حافظہ رکھتا ہو۔ وہ دیانت دار ہو۔ مخلصانہ سچائی پر رہتا ہو یہ قوی حفظ اور مخلصانہ سچائی ہی وہ بنیادی اصول ہیں جنہیں فن حدیث میں تعدیل کا محور قرار دیا گیا۔ بقیہ اصول انہی اصولوں کی تفصیل ہیں۔ مثلاً یہ کہ (۱) راوی حفظ و روایت کی اعلیٰ ملکیت کا حامل ہو۔ (۲) وہ معروف ہو۔ (۳) راوی مقبولیت کا حامل ہو۔ (۴) راوی کے کردار پر تنقید نہ کی گئی ہو۔ (۵) راوی سماجی آداب و وقار کا حامل ہو۔ روایت کی یہی اہمیت ہے کہ ثقہ طرز روایت کو صرف متن حدیث کی قابل اعتماد روایت کے لیے ہی ضروری نہیں سمجھا گیا بلکہ محدثین نے اسے من حیث الکل انسانی شخصیت کی شعوری صحت و سلامتی کے لیے بھی ناگزیر قرار دیا:

عَنْ عَبْدِ السَّلَامِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ أَبِي الصَّلْتِ الْهَرَوِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى الرِّضَا، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: الْإِيْمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ وَ قَوْلٌ بِاللِّسَانِ وَ عَمَلٌ بِالْأَرْكَانِ. قَالَ أَبُو الصَّلْتِ: لَوْ قُرِئَ هٰذَا الْإِسْنَادُ عَلَى مَجْنُوْنٍ لَبَرَأَ۔ (۱)

”حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایمان نام

---

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب المقدمة، باب: في الإيمان، ۱: ۲۵، رقم: ۶۵

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۶: ۲۲۶، رقم: ۶۲۵۴

۳۔ بيهقي في شعب الإيمان، ۱: ۴۷، رقم: ۱۶

ہے دل سے پہچاننے، زبان سے اقرار کرنے اور ارکان پر عمل کرنے کا۔ (راوی) ابو صلت ہروی فرماتے ہیں: اگر یہ سند پاگل پر پڑھ کر دم کی جائے تو وہ ٹھیک ہو جائے۔"

روایت کے باب میں اختیار کردہ اصولوں کی مختصر تفصیل یوں ہے:

(۱) راوی حفظ و روایت کی اعلیٰ صلاحیت کا حامل ہو

راوی میں بات سننے، یاد رکھنے اور درستگی کے ساتھ بیان کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ کئی روایت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں جو خود بات کی تہہ تک نہیں پہنچتے۔ لیکن جن کے پاس روایت کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ اس بات کو پا لیتے ہیں۔ سو راوی کمزور ہونے سے مراد سننے، یاد رکھنے اور روایت کرنے میں کمزور ہونا ہے۔ اس کے لیے سمجھنے میں فقیہ ہونا ضروری نہیں۔

(۲) راوی معروف ہو

حدیث کا راوی جن سے روایت لے رہا ہے اور جو اس سے روایت لے رہے ہیں ان میں جانا پہچانا ہو اور راویوں میں قابل اعتماد سمجھا جائے۔ اپنے شیخ کی مجلس میں کم موجود رہنے والے سے اس شخص کی روایت کہیں زیادہ لائق اعتماد ہوگی جس نے ان سے روایت سنی اور اسے اپنے شیخ روایت کے ہاں کبھی اٹھنے بیٹھنے کا اور زیادہ موقع ملا۔ وہ راوی زیادہ قابل اعتماد سمجھا جائے جو سچا بھی ہو اور اپنے شیخ کی مجلس میں اچھی جگہ پائے ہوئے ہو۔

(۳) راوی مقبولیت کا حامل ہو

راوی کی ثقاہت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے وہ بات سنی، ان کا اس سے اتفاق رہا ہو۔ کسی نے اس کی بات سے انکار نہ کیا ہو۔ ایک شخص سے چار آدمی ایک بات سن کر گئے۔ ان میں سے ایک اس بات کو اسی طرح روایت کرتا ہے کہ باقی تین اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ تو وہ شخص شاذ کا راوی یا منکر الروایۃ سمجھا جائے گا۔ کہ اس کی روایت کا انکار ثابت ہو چکا قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی روایت کا کہیں انکار نہ کیا گیا ہو وہ ہمیشہ کے لیے اپنی بات میں مطاع اور قابل قبول رہے۔

(۴) راوی کے کردار پر تنقید موجود نہ ہو

راوی غلط کار اور فسق فی العمل نہ ہو بلکہ امین ہو۔ فاسق کی روایت کمزور ہوگی اور مزید

تبیین کی محتاج ہوگی۔ اسی طرح فسق فی القول اور کذاب راوی بھی نہ ہی لائق تذکرہ ہے اور نہ اس کی روایت کسی درجہ میں لائق قبول ہوگی۔

(۵) سماجی وقار و آداب کا حامل ہو

راوی روایت کے باب میں بھی سماجی آداب و وقار کو ملحوظ رکھتا ہو۔ وہ ہر کس و ناکس سے روایت کرنے کی بجائے انہی سے روایت کرے جو حفظ و ضبط میں پختہ ہوں اور امانت و دیانت کے اہل ہوں اور انہی کو روایت کرے جو اس کی بات میں کمی بیشی کرنے والے نہ ہوں۔ ایسا شخص اگر کبھی کسی غیر معروف شخص سے بھی روایت لے لے تو اس کی عام عادت کے سبب اس غیر معروف راوی کی بھی جہالۃ العین اٹھ جائے گی۔

روایت حدیث کے اصولوں کا یہ مختصر تذکرہ تاریخ علوم میں حدیث کی تدوین و روایت کے منہج کی عدیم المثلیت کو بیان کرتا ہے۔

۶۔ رسالتِ محمدی ﷺ کی خاتمیت

نبوت محمدی ﷺ کی خاتمیت نے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو کائنات انسانی کی آخری پیغمبرانہ سیرت بنا دیا ہے۔ باری تعالیٰ نے ہر چند آپ ﷺ کو خلقاً اول الانبیاء بنایا مگر آپ ﷺ بعثاً آخر الانبیاء قرار دیئے گئے گویا آپ ﷺ نبوت کے ملنے میں سب سے مقدم کیے گئے مگر نبوت کے ظاہر کرنے میں سب سے موخر کیے گئے تاکہ اولین و آخرین کے تمام فضائل و کمالات آپ کے دامن نبوت میں سمیٹے جائیں۔ چونکہ آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا گیا اس لئے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو وہ کمال و دوام اور حسن و مقام عطا کیا گیا کہ خود سیرت کو آپ ﷺ سے منسوب ہونے پر فخر ہے۔ انسانیت کو آپ ﷺ کی شان ہونے پر فخر ہے، محبوبیت کو آپ ﷺ کی زینت ہونے پر فخر ہے، عبدیت کو آپ ﷺ کا مقام ہونے پر فخر ہے، نبوت کو آپ ﷺ کا منصب ہونے پر فخر ہے اور رسالت کو آپ ﷺ کی فضیلت ہونے پر فخر ہے۔ انسانیت ہزار ہا سال سے اپنے بلوغ و ارتقاء کا سفر طے کرتی رہی اور نبوت و رسالت اپنے فضائل و کمالات کے مراحل سے گزرتی رہی جب انسان ذہنی، فکری اور شعوری طور پر حد بلوغ کو پہنچ گیا اور نبوت و رسالت جملہ محاسن کے ساتھ اپنی وسعت ابلاغ کے لحاظ سے عالمگیر ہونے کے قریب پہنچ گئی تو سلسلہ انبیاء کے خاتم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو ساری کائنات بلکہ ہر زمان و مکان کے لئے دائمی و ابدی نبوت و رسالت کے شاہکار کے طور پر مبعوث فرما

دیا گیا، آپ ﷺ کی آمد سے نظام نبوت کے برپا کئے جانے کا مقصد پورا ہوگیا، آپ ﷺ کی بعثت سے سلسلہ رسالت کے قیام کی غرض و غایت مکمل ہوگئی سو ضروری تھا کہ اب باب رسالت کسی بھی نئی بعثت کے لئے بند کر دیا جائے اور ختم نبوت کا دائمی اعلان کر دیا جائے تا کہ قیامت کے تک جملہ ادوار و زمن نبوت و رسالت محمدی ﷺ کے زیر سایہ رہیں اور آئندہ تمام انسانی نسلیں فیضان سیرت محمدی ﷺ سے پرورش پائیں۔ ختم نبوت کے الوہی اعلان کے بعد اب کسی شخص کا مدعی نبوت ہونا حقیقت میں قرآن و حدیث کا منکر اور دین اسلام سے مرتد ہونے کے علاوہ باری تعالیٰ کے عظیم منصوبہ ہدایت کا کھلا باغی ہونا بھی تصور کیا جائے گا کیونکہ اس نے اپنے ''اعلان'' سے فی الواقع نبوت و رسالت محمدی ﷺ کی خاتمیت کی الوہی حکمت اور حقیقی عظمت کو بزعم خویش رد کر دیا ہے اور معاذ اللہ تکمیل سلسلہ ہدایت کے الوہی منصوبہ کو ناکافی و ناقص سمجھتے ہوئے اسے اپنے تئیں مکمل کرنے کی گمراہانہ کوشش کی ہے۔ اور یہ حقیقت فراموش کردی ہے کہ اگر علم الٰہی میں آپ ﷺ کے بعد کسی نئے نبی یا رسول کی بعثت کی ضرورت و گنجائش ہوتی تو حضور ﷺ کی تعلیمات (قرآن و سنت) کو حرفاً حرفاً محفوظ رکھنے کا اس قدر غیر معمولی اور عدیم المثال اہتمام نہ کیا جاتا اور باری تعالیٰ ان کی حفاظت کا خود ذمہ دار نہ بنتا۔ جب یکے بعد دیگرے انبیاء و رسل کے مبعوث ہونے کا دور تھا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا رسول کی الہامی کتب، وحی اور تعلیمات کی اس طرح حفاظت کا انتظام نہیں فرمایا۔ کیونکہ ہر زمانے میں حسب ضرورت انبیاء مبعوث ہو رہے تھے، اگر پہلی وحی اور تعلیمات محفوظ نہ رہ سکیں تو نئے نبی اور رسول نے آ کر انہی بنیادی تعلیمات کی پھر تجدید کردی، انہیں دوبارہ یاد کروا دیا، پھر ایک زمانے کے لئے انسانی سینوں میں محفوظ کردیا اور یوں یکے بعد دیگرے یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی تو حفاظتِ تعلیمات کا جو نظام ہزار ہا سال سے چلا آرہا تھا کلیتاً بدل دیا گیا اور تعلیمات محمدی ﷺ کو سینوں کے ساتھ ساتھ سفینوں میں بھی لفظاً و حرفاً اس طرح محفوظ کروا دیا گیا کہ کوئی تبدیلی نہ کی جاسکے۔ اس کا مقصد واضح طور پر انسانوں کو یہ باور کروانا تھا کہ اب اس نبی آخر الزمان ﷺ کے بعد حسب سابق کوئی نبی یا رسول مبعوث نہیں ہوگا اب قیامت تک یہی کتاب اور سیرت تمہارے کام آئے گی، اسے محفوظ رکھو۔ چنانچہ قرآن مجید نے بعثت محمدی ﷺ کے جملہ مقاصد کی تکمیل کا اعلان ان الفاظ میں کیا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (۱)

---

(۱) المائدہ، ۵: ۳

’’آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کرلیا۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی خاتمیت کا تذکرہ صرف قرآن مجید یا اسلامی ذرائع و مآخذ ہی نہیں کرتے بلکہ اس کی حیثیت آفاقی ہونے کی بنا پر ہے۔ تمام سابقہ صحف سماوی اس تذکرے سے مملو ہیں۔ بائبل کی کتاب استثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہے:

’’اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں، میں اُن کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا، اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے تو میں ان کا حساب اُس سے لوں گا، لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا، یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے، اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہے اسے ہم کیونکر پہچانیں؟ تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے، اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے تو اس سے خوف نہ کرنا۔‘‘(۱)

اس عبارت میں بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے یہ صراحت کی گئی ہے کہ جس نبی کی بشارت دی گئی ہے، وہ ان میں سے نہیں بلکہ ان کے بھائیوں یعنی بن اسمٰعیل میں مبعوث ہوگا، اور حضرت شعیاء علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجودہ بائبل میں منقول ہے کہ:

’’دیکھو! میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں، میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے، میں نے اپنی روح اس پر ڈالی، وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا، وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا، اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی، وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا، اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ راستی سے عدالت کرے گا، اور ماندہ نہ ہوگا، اور ہمت نہ ہارے گا، جب تک عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے، جزیری اس کی شریعت کا انتظار کریں گے.......

(۱) استثناء، ۱۸: ۱۷، ۲۲

''میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا، اور تیری حفاظت کروں گا، اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا، کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے، اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑالے، یہوواہ میں ہی ہوں، یہی میرا نام ہے، میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کے لئے روانہ رکھوں گا......۔

''اے سمندر پر گزرنے والو! اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو! اور ان کے باشندو! خداوند کے لیے نیا گیت گاؤ، زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو، بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباڈ گاؤں اپنی آوازیں بلند کریں، تسلع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں، اور جزیروں میں اس کی ثناء خوانی کریں، خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا...... جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے۔''(۱)

اس عبارت میں یہ واضح کردیا گیا ہے کہ جس نبی ﷺ کی بشارت دی جارہی ہے وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے (کیونکہ قیدار انہی کے صاحبزادے کا نام ہے اور سلع (مدینہ طیبہ کے مشہور پہاڑ) کے بسنے والے اس کی آمد پر خوشیاں منائیں گے، اس کا خاص مقابلہ بت پرستوں سے ہوگا، اور وہ اپنے حلقہ اثر میں بت پرستی کا خاتمہ کردے گا، اسے متعدد اقوام سے جنگیں بھی پیش آئیں گی، اور بالآخر وہ غالب آکر ان اقوام میں نظام عدل نافذ کرے گا۔

موجودہ بائبل کے عہد نامہ قدیم میں اس قسم کی اور بھی بہت سی بشارتیں اب تک موجود ہیں اور انہی کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے وقت تک لوگوں میں یہ بات مشہور و معروف تھی کہ مسیح علیہ السلام کے علاوہ ایک اور عظیم الشان نبی ﷺ دنیا میں تشریف لانے والے ہیں، چنانچہ انجیل یوحنا میں مذکور ہے کہ جب حضرت یحیٰی علیہ السلام تشریف لائے تو لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ وہی نبی ﷺ ہیں جن کی بشارت پچھلے انبیاء علیہم السلام دیتے آرہے ہیں؟ حضرت یحیٰی علیہ السلام نے اس کا انکار کیا انجیل یوحنا کی عبارت یہ ہے:

---

(۱) یسعیاہ ۴۲: ۱۔۱۷

’’اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کے لئے اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور اس نے انکار نہ کیا، بلکہ یہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انہوں نے اس سے پوچھا پھر تو کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں......۔‘‘(۱)

اس سے واضح ہے کہ حضرت یحیی علیہ السلام کے زمانے میں بھی لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ ایک اور نبی ﷺ کے منتظر تھے اور وہ نبی ﷺ اُن کے درمیان اس قدر مشہور و معروف تھے کہ اُن کے نام لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی، بلکہ وہ نبی ﷺ کہنا کافی ہوتا تھا۔

پھر جب حضرت عیسی علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے بھی حضور اکرم ﷺ کا صریح اسمِ گرامی لوگوں کو بتا کر آپ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی، انجیل یوحنا میں مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

’’میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ (فارقلیط) تمہارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔‘‘(۲)

۷۔ مقاصد بعثت رسالت کی تمامیت

حضور نبی اکرم ﷺ نے جس عظیم اور عالمی پیغمبرانہ مشن کا مکہ معظمہ سے آغاز فرمایا تھا وہ آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں ہی بتمام و کمال کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوگیا۔ اس پیغمبرانہ جدوجہد کی کامیابی کا پہلا مرحلہ ۱ھ میں اسلامی ریاست مدینہ کا قیام تھا دوسرا ۸ھ میں فتح مکہ، تیسرا ۱۰ھ میں خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعے نیو ورلڈ آرڈر کا اعلان تھا اور چوتھا مشرق سے مغرب تک عالمی سطح پر اسلامی دعوت کی تحریک کو بپا کر دینا تھا۔ اس کی تفصیلات آگے متعلقہ مقامات پر آرہی ہیں مگر یہ اعزاز و امتیاز تاریخ میں صرف رسالت و سیرت محمدی ﷺ کو ہی نصیب ہوا کہ اپنی ظاہری حیات مبارکہ کے اندر ہی اپنے مشن کو ہر جہت اور ہر اعتبار سے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا اور ’’**لیظهره علی الدین کله**‘‘ کا وہ تاریخ ساز انقلابی اعلان جو آپ ﷺ کے مقصد بعثت کے طور پر کیا گیا تھا اس کی

(۱) انجیل، یوحنا، ۱: ۱۹ تا ۲۶

(۲) یوحنا، ۱۶: ۷

حتمی کامیابی کے نتائج صحیفہ ارضی پر مرتسم ہوگئے۔ پھر کامیابی اور نتیجہ خیزی کا یہ عمل تسلسل کے ساتھ حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی صدیوں تک جاری رہا۔ بالآخر فروغ دعوت حق کا یہ سلسلہ روئے زمین کی ان حدود تک جا پہنچا جن کا مشاہدہ حضور ﷺ کو کروایا گیا تھا۔

یہاں فقط ایک حوالہ ہی اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔ دور حاضر کے ایک غیر مسلم مؤرخ اور محقق Michael H. Hart نے اپنی معروف تصنیف The 100, A Ranking of the Most Influential persons in History میں کائنات انسانی کی تاریخ میں عظیم، نامور اور تاریخی کارہائے نمایاں کی حامل شخصیات کی فہرست میں حضور نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی سب سے پہلے نام کے طور پر لکھا ہے وہ خود اس کی وجہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levelsdespite of humble origins, Muhammad founded and promulgated one of the workdgreat religions and became immensely effective political leader. Today, thirteen centuries after his death, his inflence is still powerful and pervasive.

It may initially seem strange that Muhammad has been ranked higher than Jesus. There are two principal reasons for that decision. First, Muhammad played a far more important role in the development ofislam than that done by Jesus for Christianity Furthermore, Muhammad (unlike Jesus) was a secular as well as a religious leader. In fact, as the driving force behind the Arab conquests, he may well rank as the most inflential political leader of all time.

It is this unparalleed combination of secular and religious inflence which I feel entitles Muhammad to be considerd the most influential single figure in human history

”دنیا کی سب ذی اثر شخصیات میں سے محمد ﷺ کا میرا پہلا انتخاب، کچھ قارئین کو حیران کر دے گا اور ہوسکتا ہے بعض حلقوں کی طرف سے اس پر سوال کیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ذات محمد ﷺ ہی وہ ذات اقدس ہے جو دنیوی و مادی اور مذہبی و روحانی دونوں

سطحوں پر سب سے بڑھ کر کامیاب رہی۔ ایک انتہائی متوسط خاندان سے تعلق رکھنے والے محمد ﷺ نے نہ صرف دنیا کے ایک عظیم مذہب کی بنیاد رکھی بلکہ اس کی اشاعت بھی کی اور ایک انتہائی سحر انگیز سیاسی موثر راہنما بن گئے۔ ان کی وفات کے تیرہ سو سال بعد ان کا اثر آج بھی پائدار، مضبوط اور اسی طرح جاری و ساری ہے۔‘‘

ابتدائی طور پر یہ بات حیرت انگیز ہوسکتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا رتبہ و مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بلند تر ہے۔ اس فیصلے کی دو بنیادی وجوہات ہیں: اول یہ کہ حضرت محمد ﷺ نے اشاعت اسلام اور اس کی ترویج و ترقی میں جو کچھ کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

علاوہ ازیں حضرت محمد ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے برعکس مذہبی و لادین سبھی لوگوں کے راہنما تھے۔ فی الحقیقت عربوں کی فتوحات کے پیچھے انہی کی زبردست قوت کام کر رہی تھی۔ انہیں بلا تامل تاریخ کی ایسی اثر انگیز اور موثر شخصیت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جن کی مثال نہیں ملتی اور نہ ہی مل سکتی ہے۔

مذہب و دنیاوی زندگی پر ان کے وہ عظیم اور گہرے اثرات ہیں جن کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ محمد ﷺ تاریخ انسانی کی واحد مثال ہیں۔‘‘

اس امر کا بیان A.J. Arberry نے ان الفاظ میں کیا ہے:

When he (Muhammad) died in 634, Islam was secure as the paramount religion and political system of all Arabia.[1]

’’جب ۶۳۴ء میں حضرت محمد ﷺ کا وصال ہوا اس وقت اسلام پورے خطہ عرب میں ایک غالب دین اور سیاسی نظام کے طور پر مستحکم ہو چکا تھا۔‘‘

وہ مزید لکھتے ہیں:

From the Atlantic coast, to the borders of China the call to prayer, in the tongue of Macca, rang out from minaret, summoning the faithful to prostrate themselves to the Lord of the world. The rapidity spread of Islam, through extensive provinces which had long been Christian, is a crucial fact of

(1) A.J. Arberry, *Aspects of Islamic Civilization*, p. 11.

history which has naturally engaged the speculative allousion of many critical investigator.(1)

''وادی مکہ سے اٹھنے والی حق کی یہ آواز ہر طرف پھیل چکی تھی۔ بحر اوقیانوس کے ساحل سے لے کر چین کی سرحدوں تک مساجد کے میناروں سے بلند ہونے والی صدائے دلنواز اہل ایمان کو رب کائنات کے حضور سربسجود ہونے کی دعوت دے رہی تھی۔ اسلام کی اس درجہ تیزی سے اشاعت خصوصاً ان دور دراز علاقوں میں جو عرصہ دراز سے عیسائی رہ چکے تھے ایک ایسی اٹل تاریخی حقیقت ہے جس نے بہت سے نقاد تاریخ نگاروں کی توجہ کو بدیہی طور پر اپنی طرف مبذول کرلیا ہے۔''

اس باب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیتی اور رسالتی جہت سے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا جو اس حقیقت کو واضح اور الم نشرح کر دیتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ صرف ایک دینی اور مذہبی یا الوہی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک معاشرتی ، سماجی ،انسانی اور شخصیتی ضرورت بھی ہے۔یعنی ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے مثالی شخصیات کا ہونا بہت ضروری ہے۔ جب تک معاشرے کے افراد مثالی نہیں ہوں گے معاشرے کی ہیئت اجتماعیہ مثالی حیثیت اختیار نہیں کرسکتی اور اگر افراد کو حامل کردار بنانا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے سامنے ایک ایسا رول ماڈل ہو جس کی پیروی کر کے وہ اس معیار کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں اور معاشرے کے اہم اجزائے ترکیبی بن سکیں۔ اس حوالے سے اگر کوئی مثالی شخصیت کامل نمونہ ہوسکتی ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔

وہ دانائے سبل ختم رسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسین وہی طٰہٰ

(1) A.J. Arberry, *Aspect of Islamic Civilization*, p. 12.

باب دوم

سیرۃُ الرسول ﷺ کی ثقافتی اور تہذیبی اَہمیت

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ نے ملتِ اسلامیہ کی زندگی کے ہر پہلو کے لئے راہنمائی فراہم کی۔ ان میں ایک پہلو ثقافتی اور تہذیبی بھی ہے۔ دنیا کی تمام تہذیبوں اور ثقافتوں کے مقابل اسلام کی تہذیب وثقافت بالکل منفرد اور امتیازی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کی بنیادی وجہ وہ اُصول وضوابط اور افکار ونظریات ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اُسوۂ حسنہ کے ذریعے اُمتِ مسلمہ کو عطا فرمائے۔ ثقافت کی تمام ترجہات میں اُسوۂ حسنہ سے ہمیں ایسی جامع راہنمائی میسر آتی ہے جس سے بہ یک وقت نظری، فکری اور عملی گوشوں کا احاطہ ہوتا ہے۔ ایسی جامعیت دنیا کی کسی دوسری تہذیب یا ثقافت میں موجود نہیں ہے۔

قبل اس کے کہ سیرت مبارکہ کی ثقافتی وتہذیبی اہمیت پر روشنی ڈالیں، اس امر کی وضاحت کی جاتی ہے کہ ثقافت فی نفسہٖ کیا ہے؟ ماہرین کے مطابق ثقافت معاشرتی وراثت کے مختلف عناصر میں سے ایک عنصر ہے۔ اس کا تعلق ان افکار ونظریات کے ساتھ ہے جنہیں معاشرے کے افراد اختیار کرتے ہیں اور یہ افکار ونظریات ان کی عملی زندگی میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ انسانی معاشرے میں آنے والی سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں میں ایک محرک ثقافت بھی رہا ہے۔ ثقافت معاشرتی اور سماجی تبدیلی کا موجب ہوتی ہے، اگر وسیع تر تناظر میں ثقافت کے مفہوم ومعنی کا تعین کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ثقافت معاشرے کا ایک ایسا پہلو ہے جس کا تعلق ان انسانی سرگرمیوں کے ساتھ ہے جو انسانی معاشرے میں انجام پاتی ہیں اس طرح ثقافت میں علوم، فنون اور عقائد سب شامل ہو جاتے ہیں اور اس میں معاشرے کے مختلف افراد کے وہ اسباب زندگی بھی شامل ہیں جن کے تحت وہ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ یعنی ثقافت معاشرے کے اعتقادی، فکری اور معاشرتی پہلوؤں سے عبارت ہے۔ تاہم ثقافت کے محتویات کے باب میں ماہرین کی آراء مختلف ہیں:

> The term culture is often used to cover the whole range of man's activities when these are viewed psychologically. The anthropologist applies the term to the work of primitive man in making tools, baskets, boats and the like; these are referred to as forms of material culture. The popular mind thinks of culture in terms of polite society, where it connotes

good manners and grammatical speech. The crude person who lacks these, even though he be far superior to the savage with his "culture", is referred to as "uncultured", meaning unrefined. Just as the term animal is used to cover various fauna from a tiny insect to a large mammal, so the term culture is often extended to the glimmerings of intelligence in primitive men and the graces of those who move in the best circles of urban society. It will be seen at once that we cannot make headway in the analysis of cultural types among modern nations if we apply the term so indiscriminately(1)

''ثقافت کی اصطلاح انسانی زندگی کی تمام سرگرمیوں کا احاطہ کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے، جب انہیں نفسیاتی طور پر دیکھا جائے۔علم البشریات کے ماہرین اس اصطلاح کو ابتدائی انسان کے کام مثلاً اوزار بنانا، ٹوکریاں، کشتیاں اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو مادی ثقافت کی مختلف شکلیں ہیں، کی اصطلاح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ عام ذہن ثقافت کو مہذب معاشرہ کی اصطلاح سمجھتا ہے جہاں یہ اچھے آداب واطوار اور مہذب علمی گفتگو کا مظہر ہوتی ہے۔ ایک غیر مہذب فرد کو جو ان اوصاف سے محروم ہو اور چاہے وہ اپنی صحرائی اور وحشی ثقافت میں فائق تر ہی کیوں نہ ہو اسے غیر تہذیب یافتہ یعنی غیر شائستہ سمجھا جاتا ہے بالکل اس طرح جیسے لفظ، جانور ایک معمولی کیڑے مکوڑے سے بڑے جانوروں تک تمام نوع حیوانات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس طرح لفظ ثقافت میں ابتدائی انسان کی ذہانت کی معمولی جھلملاہٹ سے لے کر جدید شہری آبادی کے شکوہ تک سب شامل ہیں۔''

بعض ان میں صرف معرفت ،عقائد، فنون اور اخلاق کو شامل کرتے ہیں، جبکہ بعض کے نزدیک اس میں دین، خاندان، جنگ، امن جیسے ضابطے بھی شامل ہیں جو انسانی نفسیات اور حیاتیات تک کا احاطہ کیے ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ہم مشرق اور مغرب کے تصورِ ثقافت کو دیکھیں تو اسلام اور غیر اسلامی دنیا کے تصورِ ثقافت میں بنیادی فرق تصورِ دین کا ثقافت کا عنصر ہونا ہے۔ کیونکہ مغربی نظریات میں دین سے مراد ایک مابعد الطبیعاتی نکتہ نظر ہے جس کا تعلق علوم وفنون سے ہوسکتا ہے۔لیکن یہ زندگی کی زندہ اور عملی قدر نہیں جبکہ اسلامی نکتہ نظر میں دین مابعد الطبیعاتی اور فلسفیانہ حقیقت نہیں ہے بلکہ زندگی کی ایک ایسی زندہ حقیقت ہے جس سے زندگی کا کوئی گوشہ خارج اور باہر نہیں ہے کیونکہ

(1) Charles Gray Shaw, *Trends of Civilization and Culture*, p. 75.

جب دین کو محض ایک فلسفیانہ مسئلہ سمجھ لیا جائے تو اس سے عقیدہ اخلاقی اقدار اور زندگی کے عملی معاملات سے بالاتر ہو کر ایک مجرد تصور رہ جاتا ہے۔ جس کا زندگی پر کوئی اثر نہیں رہتا۔ زندگی اخلاقی اقدار سے محروم ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس کا مظہر آج کا مغربی معاشرہ ہے۔ جبکہ اسلام کے معاشرتی نظام میں دین کو زندہ قدر قرار دیا گیا ہے۔ زندگی کی کوئی بھی حقیقت اور کوئی بھی معاملہ چاہے اس کا تعلق سماجیات سے ہو، معاشرتی اُمور، سیاسیات یا اقتصادیات سے ہو، قومی، ملکی یا بین الاقوامی اُمور سے ہو، یہ سب کے سب دین میں داخل ہیں۔ دین کے فراہم کردہ اُصولوں کی روشنی میں ان اُمور کو چلایا جا سکتا ہے۔ جبکہ دنیوی مقاصد اور مفادات کبھی بھی کسی بھی صورت میں دینی اقدار اور معیارات سے آزاد، الگ اور خود مختار نہیں رہتے۔

ا۔ ثقافت اور معاشرتی اَقدار

ثقافت معاشرتی اقدار کے تعین میں بنیادی اور کلیدی کردار ادا کرتی ہے:

Wherever human beings form communities, a culture comes into existence. Cultures may be constructed on a number of levels: in village or city locations, or across family, clan, ethnic, and national groups. All communities produce a linguistic, literary, and artistic genre, as well as beliefs and practices that characterize social life and indicate how society should be run. Culture transcends ideology, and is about the substance of identity for individuals in a society. An awareness of a common language, ethnicity, history, religion, and landscape represent the building blocks of culture.(1)

''جہاں کہیں بنی نوع انسان کوئی بستی تشکیل دیتے ہیں کلچر وجود میں آ جاتا ہے۔ کلچر کئی سطحوں پر تشکیل پاتا ہے مثلاً گاؤں یا شہر میں یا خاندان، قبیلہ، نسلی اور قومی گروہوں میں تمام گروہ ایک لسانیاتی، ادبی اور فنی صنف تخلیق کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ عقیدے اور اعمال بھی جو اس کی سماجی زندگی کے مظہر ہوتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ معاشرے کو کیسے چلانا ہے۔ کلچر (اپنی جامعیت کے لحاظ سے) نظریئے پر فائق ہوتا ہے اور معاشرے میں افراد کی شناخت کا

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs* in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics, p457.

باعث بھی ایک مشترک زبان، نسلیت، تاریخ، مذہب اور معاشرے کا زمینی منظر کلچر کے تشکیلی عناصر ہیں۔"

کسی بھی قوم کی ثقافت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی اقدار پر قائم ہو جس کا تعلق عقیدہ، فکر، طرزِ زندگی اور زندگی کے مقصد کے تعین کے ساتھ ہو، اس طرح ثقافت روحانی، نفسیاتی اور معاشرتی اثاثہ قرار پاتی ہے جو تاریخ کا ایک ایسا مرکز ومحور ہوتی ہے جس سے کسی بھی قوم کی تاریخ کے مختلف پہلو اور گوشے جنم لے رہے ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ثقافت مثبت معاشرتی اقدار کو جنم نہ دے یا وہ اپنی اساس کے لحاظ سے مستقل اور آفاقی اُصولوں سے محروم ہو تو ایسی ثقافت کھوکھلی اور اُدھوری ثقافت قرار پائے گی۔ جو کوئی بھی بڑی تہذیب تشکیل دینے میں ایک فعال کردار ادا نہیں کر سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ثقافت معاشرے میں ایسی بنیادی اقدار کی صحیح اور موثر تعبیر اور ترجمانی کرے جو اقدار معاشرے کے مثبت اور اہم خدوخال کا تعین کریں اور معاشرے کی ترقی اور نشوونما کی حرکت کو منظم کریں اور اس کے لیے ایک جامع فکر کا تعین کریں۔

کیونکہ کلچر کسی بھی معاشرے کے اجتماعی طرزِ عمل کا مظہر ہوتا ہے:

Culture can help us understand why humans act in the way they do, and what similarities and differences exist amongst them. The world is divided into distinct communities, and a taxonomy of belonging and exclusion is the vital job that cultural analysis can undertake.(1)

"کلچر ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ لوگ ایک مخصوص طرزِ عمل کا اظہار کیوں کرتے ہیں۔ اور ان میں کیا مشابہتیں اور اختلافات پائے جاتے ہیں۔ دنیا واضح آبادیوں میں تقسیم ہے اور متعلق اور غیر متعلق کی تقسیم کرنا وہ اہم کام ہے جو ثقافتی تجزیہ سے کیا جا سکتا ہے۔"

اگر ثقافت مذکورہ صفات کی حامل بنیادی اقدار سے خالی ہے تو اس کے اثرات معاشرے پر ہوں گے۔ نتیجتاً معاشرہ مختلف قسم کے بحرانوں کا شکار ہو جائے گا اور اس میں کسی بھی قسم کا تحرک پیدا نہیں ہو سکے گا۔ بالآخر مختلف انواع اور مسائل کے معاشرے میں در آنے سے معاشرہ افتراق اور انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

کسی معاشرے کی ثقافت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قدر موثر ہو کہ اقدار کا دائرہ کار

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs* in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics, p457.

متعین کرے اور انہیں مضبوط بنائے۔ کیونکہ کسی بھی معاشرے میں اقدار ہی وہ معیار ہیں جو معاشرے کو مضبوط بناتی ہیں اور اسے زندہ رکھتی ہیں۔ اقدار ہی معاشرے میں اچھی روایات کو فروغ دیتی ہیں۔ اس طرح معاشرہ مستقبل کی ایک ایسی مثالی تصویر پیش کرتا ہے جس کی بنیاد دیرپا اور آفاقی انسانی اقدار پر مبنی ہوتی ہے۔

اقدار اور ثقافت کا باہمی تعلق اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اپنی اقدار کا بنظر غائر جائزہ لیں۔ وہ اسلامی اقدار جن سے ہماری ثقافت موثر اور فعال رہتی ہے، ہمارے معاشرے کو امتیازی خدوخال فراہم کرتی ہیں۔ معاشرے میں خیر وشر کے مابین فرق وامتیاز کا تعین کرتی ہیں۔ اسلامی اقدار کا مرکز ومحور واقعاتی معیارات نہیں یعنی ایسے معیارات نہیں جو کسی رنگ، نسل، عصبیت، دولت یا دنیوی برتری سے متعلق ہوں کیونکہ یہ وہ معیارات ہیں جو انسان کو فکری اور شعوری اعتبار سے اقدار کی طرف لے جاتے ہیں جو دورِ جاہلیت میں رائج تھیں ۔ اس کے نتیجے میں انسان اسلام کے اصلی اور حقیقی منہاج سے دور ہوتا چلا گیااور مختلف معاشرتی مسائل کا شکار ہوا۔ جبکہ اسلام انسانیت کی فلاح وخیر کی بات کرتا ہے۔ اسلام کے اسی تصور ثقافت سے ایسی اسلامی اقدار جنم لیتی ہیں جو انسانی بھلائی اور عزت وتکریم کی ضامن ہیں۔

دعوت وتبلیغ اسلامی معاشرے کا ایک لازمی خاصا رہا ہے۔ اگر ہم اسلام کے نظام دعوت و تبلیغ کا جائزہ لیں تو یہ محض دین یا مذہب کے مابعد الطبیعاتی عقائد کے ابلاغ کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اسلامی اقدار معاشرے میں متعارف کروانا ہے۔ اسلام کی دعوت وتبلیغ کا بنیادی مقصد اسلامی اقدار کو معاشرے کے افراد کے قلب و روح میں اس طرح جاں گزیں کرنا ہے کہ وہ تمام رسوم و رواج جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں معاشرے سے ختم کر دی جائیں اور ان اسلامی اقدار کو عام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے افراد ایمان، استقامت اور صبر جیسی صفات حسنہ سے اپنے آپ کو مزین کریں۔ تاکہ افرادِ معاشرہ ان اقدار کی حقیقی تصویر پیش کریں۔ قرآن حکیم جہاں ہمیں دنیا و آخرت کے حوالے سے کامیاب زندگی کا نقشہ دکھاتا ہے ان میں بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ یہ اللہ کا طے کردہ ایک آفاقی اصول ہے کہ دنیا کی کوئی بھی کامیابی ضبط اور انقیاد کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتی۔ اسلامی معاشرے میں ضبط و انقیاد کا اصول عبادات، عقائد اور معاملات میں جاری و ساری نظر آتا ہے۔ یہ ضابطہ جہاں اقدار کی ہیئت اور نوعیت کو متعین کرتا ہے وہاں انسانی معاشرے کی ان مستقل جہات کا تعین بھی کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرے کی ہیئت، اس کی شکل وصورت اور خدوخال دنیا کے کسی بھی تہذیبی اور ثقافتی تصادم سے دوچار ہوتے ہوئے مسخ نہیں ہوسکتے۔

۲۔ ثقافت اور تہذیب کا باہمی تعلق

ثقافت اور تہذیب باہم متعلق حقیقتیں ہیں:

The confusion in the use of the term culture is that which arises when it is closely associated with civilization, so closely associated as to be identified with it. The term when it is used in its most general sense is often made to include both culture and civilization.(1)

''لفظ کلچر کی وضاحت اس وقت مشکل ہو جاتی ہے جب یہ تہذیب کے ساتھ بہت گہرا وابستہ ہوتا ہے گویا کہ اسے تہذیب کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ جب کلچر کی اصطلاح کو عمومی معنی میں استعمال کیا جائے تو اس میں تہذیب اور ثقافت دونوں شامل ہوتی ہیں۔''

جبکہ بعض محققین کے نزدیک تہذیب اور ثقافت دو مختلف حقیقتیں ہیں ان کے نزدیک ثقافت کا تعلق معنوی اُمور سے ہے جبکہ تہذیب کا تعلق مادی اُمور سے ہے۔ تاہم صفات کے اس فرق کے باوجود جہاں تک بنیادی نوعیت کا تعلق ہے تہذیب اور ثقافت ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔ ثقافت کا تعلق صرف معنوی اور روحانی اُمور سے ہے جبکہ تہذیب کا تعلق وسائل اور جدید چیزوں سے ہے، جن سے معاشرے میں ترقی اور آسانیاں پیدا ہو رہی ہیں اور اس طرح اس سے مراد وہ نظام حیات ہے جو ایک معاشرہ اپنی معاشرتی ساخت کو مضبوط کرنے اور اس کو ترقی پذیر کرنے کیلئے وضع کرتا ہے۔ اگر لغوی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس سے مراد شہروں اور گاؤں میں سکونت پذیر لوگوں کی مختلف معاشرتی وملکی سرگرمیاں ہیں۔ چونکہ اسلامی تمدن کے مختلف مادی و معنوی پہلو ہیں جن کے معرض وجود میں آنے کا سبب انسان کی یہی وہ بنیادی سرگرمیاں ہیں جو اس کرۂ ارض پر اس کی بقاء کے تسلسل اور حصول رزق سے متعلق ہیں۔ یعنی ثقافت انسانی اذہان کی معرفت سے عبارت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انسانی اذہان کی ترقی و معرفت اور ان کے افکار و نظریات کی اسی وقت نشوونما ہو سکتی ہے جب کسی خطہ ارضی پر شہروں کی شکل میں سکونت اور استقامت میسر ہو۔

اس ساری بحث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ثقافت اور تہذیب باہم لازم و ملزوم ہیں، تہذیب یعنی معاشرہ اور اس کی ثقافت یعنی اقدار، افکار و نظریات اور نظام حیات سے عبارت ہے۔

(1) Charles Gray Shaw, *Trends of Civilization and Culture*, American Book, 1931, p-76

بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ خصوصیات جن سے اُمت کو امتیازی حیثیت ملتی ہے وہ تہذیب یا ثقافت کی خصوصیات ہی ہیں۔ ماہرین کے نزدیک تہذیب کے مفہوم کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو انسان سرانجام دیتا ہے اور ان کا تعلق انسان کے عقلی، مادی، روحانی، دینی اور دنیاوی تمام پہلوؤں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی تہذیب ایک طویل انسانی تاریخ سے عبارت ہے جو انسان مختلف زمانوں میں تخلیق کرتا رہتا ہے، اس کا تعلق کسی گروہ یا قوم کے ساتھ ہوسکتا ہے یا وہ اس گروہ یا قوم کی میراث ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ قوم دیگر قوموں پر امتیازی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ پس اس معنی و مفہوم کے اعتبار سے تہذیب ثقافت سے زیادہ عموم کی حامل ہے اس کا اطلاق روحانی اور فکری پہلو پر کیا جاتا ہے۔ جبکہ تہذیب معنوی و مادی دونوں پہلوؤں پر محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امر کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ تہذیب وتمدن کا گہوارہ قرار دیئے جانے والے شہروں میں سرگرمیاں نسبتاً زیادہ رہتی ہیں۔ یعنی تہذیب انسانی تقدم وتطور، سائنسی علوم، دینی علوم ادب اور علماء و محققین کی ان کاوشوں کا مظہر ہے جن کو وہ مختلف زمانوں میں سرانجام دیتے رہے ہیں۔ جہاں تک اسلامی تہذیب کا تعلق ہے اس نے بھی اپنے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے مگر یہ تعین صرف ایک مرتبہ وجود میں آیا ہے۔ اس تعین کے بعد قرآنِ حکیم کی روشنی میں اس کے خدوخال متعین کیے گئے ہیں جنہوں نے دورِ جاہلیت کے تمام نظریات کی نفی کردی اور اسلامی معاشرہ کے افکار ونظریات کا منہاج متعین کیا جو ایجابی طریقہ کار کے مطابق مستقبل کی جانب پیش قدمی کرتا ہے اور یہی طریقہ کار ملت کے تشخص کے تحفظ و سلامتی کا ضامن ہے۔

۳۔ اِسلام سے قبل دنیا کی تہذیبی صورتِ حال

بعثتِ محمدی ﷺ سے قبل دنیا میں تصوراتِ تہذیب اور آدابِ معاشرت مکمل طور پر مسخ ہو چکے تھے۔ ہر طرف ظلم وستم، جبر وتشدد اور وحشت وبربریت نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ کفر و الحاد اور ظلم و جہالت کی تاریکی نے عالم انسانیت کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ عرب کی حالت دنیا کے دوسرے خطوں سے زیادہ دگرگوں تھی۔ جاہلیت اور نفس پرستی کی وجہ سے ان کی اخلاقی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ شراب نوشی، عورتوں کا عریاں رقص، لڑکیوں کو زندہ دفن کردینا، لاتعداد بیویاں رکھنا اور والد کے مرنے کے بعد دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ اپنی ماؤں کو بھی آپس میں بانٹ لینا اور بیویاں بنا کر رکھنا یا فروخت کر دینا عام تھا۔ بعض قبیلوں کا پیشہ ہی چوری، لوٹ مار اور قتل و غارت گری تھا۔ (۱)

(۱) حسن إبراهيم حسن، تاريخ الإسلام، ۱: ۶۵، ۶۶

جو عورت بیوہ ہو جاتی اسے ایک سال کی عدت گزارنا پڑتی اور اسے نہایت منحوس سمجھا جاتا ایک سال تک اسے غسل اور منہ ہاتھ دھونے کے لئے پانی تک نہ دیا جاتا اور نہ پہننے کے لئے لباس ہی فراہم کیا جاتا جیسے کہ حدیث پاک میں ہے:

كانت امرأة إذا توفي زوجها دخلت حفشا و لبست شر ثيابها ولم تمس الطيب حتى تمر بها سنة۔[(۱)]

''جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو وہ ایک کوٹھڑی میں داخل ہو جاتی خراب کپڑے پہن لیتی اور خوشبو کو ہاتھ تک نہ لگاتی یہاں تک کہ سال گزر جاتا۔''

بے حیائی اس حد تک عام ہو چکی تھی کہ حج کے موقع پر ہزاروں لوگ جمع ہوتے لیکن قریش کے سوا سب مرد اور عورتیں برہنہ حالت میں طواف کرتے۔ حشرات الارض یعنی چھپکلی، بچھو، چھچھوندر، چوہے اور سانپ تک کھا جاتے، یتیموں کا مال کھانا اور غریبوں کو ستانا عام تھا۔ معاشی زندگی میں سود کا نظام رائج تھا۔ عورتوں اور بچوں تک کو گروی رکھ دیا جاتا۔ لوگ بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔

دفن البنت وهي حي۔[(۲)]

''لوگ بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔''

ان تمام نقائص و عیوب کے باوجود اہل عرب میں کچھ ایسی خصوصیات بھی تھیں جو آج کے مہذب اور ترقی یافتہ دور میں بھی ہمیں نظر نہیں آتیں مثلاً ایفائے عہد حجاز کا عرب نہ کسی کا محکوم تھا اور نہ ہوس ملک گیری رکھتا تھا۔ شروع سے لے کے اس وقت تک کسی غیر نے ان پر حکومت نہیں کی تھی۔

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الطلاق، باب تحد المتوفى عنها زوجها، ۵: ۲۰۴۲، رقم: ۵۰۲۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الطلاق، باب وجوب الإحداد، ۲: ۱۱۲۴، رقم: ۱۴۸۹

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الطلاق، باب ما جاء في عدة المتوفى، ۶: ۲۰۱، رقم: ۳۵۳۳

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الطلاق، باب إحداد المتوفى، ۱: ۷۰۰، رقم: ۲۲۹۹

(۲) ۱۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۰: ۱۷

۲۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۷: ۹۱

اہل عرب کی مہمان نوازی اپنے اور بیگانوں سب کے لئے عام تھی۔[۱]

لیکن ان سب خوبیوں کو ان کی بدکرداری، ظلم وعیاشی نے اپنے ناپاک دامن میں چھپا رکھا تھا کیونکہ بے شمار برائیوں میں چند خوبیاں دب کر رہ جاتی ہیں۔ مزید یہ کہ ان کے نزدیک اچھائی اور برائی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ ہر کام عادتاً کرتے تھے۔

یہی کیفیت ان کی مذہبی دنیا میں بھی تھی۔ مذہبی ذوق کی تسکین کے لئے انہوں نے بت تراش رکھے تھے مگر پرستش کے باوجود وہ اپنے معبودوں کے تابع نہیں تھے۔[۲]

جو من میں آتا کر ڈالتے تھے۔ نسلی تفاخر اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا وہ ہر غیر عرب کو عجم (گونگا) کہا کرتے تھے۔[۳]

الغرض اس وقت پورا عرب ظلم و جہالت اور اندھیر نگری کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ جس وقت اسلام دنیا میں آیا، مشرق ومغرب دونوں جہانوں پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آج ان ممالک میں بسنے والی قومیں اپنے اپنے ثقافتی ماضی کی عظمت کے بارے میں جو کچھ بھی کہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ظہور اسلام سے بہت پہلے ان اقوام کی علمی وثقافتی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں اور وہ جمود و اضمحلال کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔

عالمی منظر نامہ

انسانیت، آمریت اور شہنشاہیت کے ظلم کا شکار تھی۔ شرفِ انسانی کی ہر قدر پامال ہو چکی تھی۔ جزیرہ نمائے عرب ہی نہیں پوری دنیا ظلم و جبر کا منظر پیش کر رہی تھی۔ انسانی حقوق کا ہر تصور حکمرانوں کی انا کی گرد میں گم ہو چکا تھا۔ قبل از بعثت محمدی روم اور ایران اپنے وقت کی سپر پاور کی حیثیت رکھتے تھے۔ اپنے وقت کی یہ سپر پاورز تہذیبِ نسلِ انسانی کے ارتقاء کی بجائے چھوٹے اور کمزور ممالک پر غلامی کی سیاہ رات مسلط کر کے ایک غیر فطری احساسِ برتری کے لا علاج مرض میں مبتلا تھیں۔ طبقاتی کشمکش تمام تر قباحتوں کے ساتھ ابن آدم کا مقدر بنی ہوئی تھی۔ سماجی برائیوں کا چنگل ذہنِ انسانی تک محیط ہو چکا تھا۔

---

(۱) حسن ابراھیم حسن، تاریخ الاسلام، ۱: ۶۵، ۶۶

(۲) حسن إبراھیم حسن، تاریخ الإسلام، ۱: ۶۵، ۶۶

(۳) حسن إبراھیم حسن، تاریخ الإسلام، ۱: ۶۵، ۶۶

تاریخ کا سفر جاری رہا اور سیاسی، سماجی، روحانی اور اقتصادی زنجیروں کی گرفت سے بچنے کی ہر سعی ناکام ہونے لگی۔ ایرانیوں اور رومیوں کے حکمران طبقے پُرآسائش زندگی گزار رہے تھے۔ حکمرانوں کے گرد خوشامدیوں کا ٹولہ جمع ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں اہلِ ہنر بھی ان حکمرانوں کی دہلیز پر کھنچے چلے آ رہے تھے۔ یہ اہلِ کمال بھی اپنا کمال ان حکمرانوں کی پر آسائش زندگیوں کو مزید پر آسائش بنانے کے لئے استعمال کرتے۔ شاہی خزانے سے انعام پاتے اور حکمران عوام کے خون پسینے کی کمائی سے اپنے عشرت کدے سجاتے، عوام کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا۔ حکمران اور محکوم طبقوں کے درمیان نفرت کی ایک وسیع خلیج حائل تھی، ظلم کا بازار گرم تھا اور سلطانی جمہور کے کہیں بھی آثار نظر نہ آتے تھے۔

عیسائی دنیا بھی عجیب فکری اور نظری تضادات کا شکار تھی۔ آسمانی ہدایت تحریفات کی زد میں تھی۔ چوتھی صدی عیسوی میں نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے بہت دور ہو چکے تھے۔ یونانی خرافات سے لے کر رومی بت پرستی تک ہر برائی کو عیسائی دنیا نے اپنے گلے سے لگا رکھا تھا۔ عیسائی مذہب چند بے جان عقائد اور بے کیف مراسم تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بدنظمی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی تھی۔ مجبور اور مقہور عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور بڑے پیمانے پر فسادات شروع ہو چکے تھے۔ اخلاق و کردار کی باتیں قصۂ پارینہ بن چکی تھیں۔ ہر چیز پر شیطنت غالب تھی۔

غلامی کے ادارے کو امراء نے اپنی ضرورت بنا لیا تھا۔ رومیوں کے اعلیٰ طبقات نے زمینوں پر قبضہ جما کر غلاموں کی کثیر تعداد کو کھیتی باڑی پر لگا رکھا تھا۔ ان غلاموں کی اولاد بھی خون پسینہ ایک کر کے زمین کا رزق بنتی رہتی۔ رومی غلاموں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرتے۔ پہلی صدی عیسوی میں رومیوں کی فتوحات کا سلسلہ ختم ہوا تو غلاموں کی آبادی میں بھی کمی واقع ہونے لگی جس کے نتیجہ میں محنت کش افراد کی نفری بھی کم ہوگئی بہت سے جاگیردار جزوی طور پر اپنی زمینیں مزارعوں میں تقسیم کرنے پر مجبور ہوگئے۔

حقیقت یہ ہے کہ رومی معاشرہ وحشت، درندگی اور بربریت کی علامت بن چکا تھا۔ حاکم اور محکوم کے دو طبقے وجود میں آ چکے تھے۔ ایک طبقہ امراء کا تھا جس کا مقصد عوام پر حکومت کرنا تھا اور دوسرا عوام کا محکوم طبقہ تھا جو نسل در نسل حکمران طبقے کی خدمت بجا لا رہا تھا۔

یورپ میں ابھی تک تہذیب و تمدن اور علم و اخلاق کی صبح نمودار نہیں ہوئی تھی۔ یہ قومیں

جہالت و ناخواندگی اور جنگ و جدل میں ڈوبی ہوئی تھیں اور ظلم و جہالت کی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں۔ مگر بار بار مصائب و حوادث میں گرنے کے باوجود بھی یہ عقل کے ناخن نہیں لے رہی تھیں دوسری طرف یہ قومیں مہذب اور متمدن معاشرہ سے بالکل الگ تھلگ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھیں اور ترقی یافتہ تمام قومیں ان سے تقریباً ناآشنا تھیں۔ مشرق و مغرب کے ممالک میں جو انقلاب انگیز واقعات سے تغیرات پیش آ رہے تھے ان سے ان قوموں کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ نہ دینی حوالے سے ان کے پاس کوئی طریق تھا اور نہ سیاسی دنیا میں ان کا کوئی مقام رابرٹ بریفالٹ(Robert Briffault) لکھتا ہے:

> ''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی ہوئی تھی ...... اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس وغیرہ میں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔''(1)

براعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ میں بسنے والے یہودی دنیا کی دیگر تمام اقوام سے اس لحاظ سے ممتاز تھے کہ ان کے پاس آسمانی دین کا بہت زیادہ علم تھا لیکن یہ یہودی دیگر وجوہات کی بنا پر مذہب و سیاست اور تہذیب وتمدن میں وہ مقام نہیں رکھتے تھے کہ دوسروں پر زیادہ اثر انداز ہوسکیں۔ دولت کی ہوس، غرور، تکبر، ہوس پرستی، نسبی تکبر اور قومی غرور کی وجہ سے ان کے اندر مخصوص ذہنیت پیدا ہوگئی تھی۔ جو انہیں عوامی سطح پر آنے سے روکتی تھی۔ راہِ حق سے لوگوں کو منع کرنا ان کی فطرتِ ثانیہ تھی قرآن نے ان کی اخلاقی پستی، مسخ شدہ ذہنیت اور اجتماعی فساد کی بڑی احسن انداز میں نقشہ کشی کی ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی باہمی رقابت چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں اپنی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ ایک دوسرے کو ذلیل و رسوا کرنے، خون بہانے اور مفتوح اقوام کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا تھا۔ اس سفاکی، جبر و تشدد اور وحشت و بربریت کے اس ماحول میں جس کا مظاہرہ یہ دونوں مذاہب وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے ان سے کیا توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے دورِ حکومت میں انسانیت کے پاسبان ہوں گے اور حق و انصاف اور

(1) Robert Briffault, *The Making of Humanity*, p. 164.

عدل و مساوات کی اقدار کی پاسداری کریں گے۔

۴۔قبل از اِسلام معروف تہذیبیں

اسلام کی آمد سے قبل دنیا میں بے شمار تہذیبیں عروج و زوال سے دوچار ہوئیں۔لیکن آج چند ایک کے سوا سب اپنا تشخص کھو چکی ہیں۔ ذیل میں بعثت نبوی سے قبل کی چند تہذیبوں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) سمیری تہذیب (Sumeric Civilization)

جنوبی عراق میں شمال کی طرف سے ایک نئی قوم کے لوگ آ کر آباد ہوئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ دھات کے استعمال کی ترقی یافتہ صنعت اور کمہار کے چاک کی ایجاد لے کر آئے تھے۔ ۳۰۰۰ قبل مسیح سے کچھ عرصہ قبل جنوبی عراق پر اس اجنبی قوم کا قبضہ ہو گیا جو ایک متمدن قوم تھی اور یوں سمیری تہذیب وجود میں آئی۔ (۱)

(۲) مصری تہذیب (Egyptian Civilization)

اہلِ مصر بھی شاندار تہذیبی روایات کے حامل تھے۔سمیری تہذیب، مصری تہذیب سے قدیم تھی۔ اہلِ مصر ایک ترقی یافتہ قوم تھے۔ ان کا کلچر سمیری کلچر سے مختلف تھا اور انفرادیت کا حامل تھا۔ مصری قوم میں لیبیا، مغربی ایشیا، سامی، سوڈانی اور توبیائی لوگ بھی شامل تھے اور یوں ایک مخلوط تہذیب وجود میں آئی جو ثقافتی اعتبار سے بھی توانا روایات کی حامل تھی۔حکمران فرعون کہلاتے اور ملک کے سیاہ و سفید کے مالک ہوتے۔عوام سے بیگار لی جاتی اور ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا جاتا۔عوام حکمرانوں کے لئے عالی شان عمارتیں تعمیر کرنے اور ان کی ہوسِ ملک گیری کے لئے اپنی جانیں تک قربان کر دیتے۔ (۲)

(۳) حِتّی تہذیب (Hittite Civilization)

حتی آریائی نسل سے تعلق رکھنے والے مختلف قبائل کو کہتے تھے۔ یہ لوگ ۳,۰۰۰ قبل مسیح کے

(1) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.27.

(2) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.68.

وسط تک اپنے اصل وطن بحیرہ کیسپین میں آباد تھے۔ بوجوہ یہ قبائل شام سے ہوتے ہوئے اناطولیہ جا پہنچے۔ وہاں انہوں نے مقامی لوگوں سے ابتدائی اصول وضوابط سیکھے اور پھر شاہراہ ترقی پر گامزن ہو کر ۱۶۰۰ قبل مسیح انہوں نے ایشیائے کوچک میں ایک منظم اور طاقتور حکومت قائم کی۔ حتی تہذیب سمیری اور مصری تہذیب کے بعد وجود میں آئی اس لئے ان دو بڑی تہذیبوں سے اس نے بھرپور استفادہ کیا۔(۱)

(۴) فونیقی تہذیب (Phoenician Civilization)

فونیقی دراصل سامی النسل لوگ تھے۔ ان کے آباؤ اجداد ۲۸۰۰ قبل مسیح کے قریب خلیج فارس کے علاقے سے ساحل شام کے علاقے میں منتقل ہوئے۔ یہاں انہوں نے شہر آباد کئے جو مختلف دستکاریوں کے مراکز تھے۔ تجارت ان کا واحد ذریعہ معاش تھا۔ یہی تجارت ان کی منفرد تہذیب کی بنیاد بنی۔ انہوں نے لسانی اعتبار سے بھی کمال ترقی کی۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زبان کی تمام آوازوں کو ۲۲ حروف تہجی میں لکھنے کا آغاز کیا۔ ان کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسپین کے ساحلوں تک رسائی حاصل کی اور رفتہ رفتہ وہاں اپنی نوآبادیاں قائم کرلیں۔(۲)

(۵) یونانی تہذیب (Greek Civilization)

یونان ۱۶۰۰ قبل مسیح ایک نیم وحشی ملک تھا۔ ۲۰۰۰ قبل مسیح آریانسل کے جو لوگ یونان میں آئے تھے وہ تہذیب سے اتنے ہی نابلد تھے جتنے مقامی لوگ۔ آٹھویں صدی کے وسط سے یونانی قوم میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور ترقی کے آثار نظر آنے لگے۔ سابقہ چار صدیوں کے دور کے یونانی لوگ مشترکہ تہذیب وتمدن کی بعض مخصوص اور منفرد خصوصیات قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ شہری ریاست اگرچہ یونان سے قبل سمیری تہذیب میں معرض وجود میں آچکی تھی لیکن جتنا انہماک اور شوق یونانیوں نے ظاہر کیا اور شہری ریاستوں کے تصور کو اپنی تہذیب کا حصہ بنا لیا اتنا جوش وخروش خود سمیری تہذیب میں بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ یونانی تہذیب وتمدن کے دو بنیادی رجحان فلسفہ اور سائنس تھے جو بعد میں یورپی اقوام کی مادی ترقی کا باعث بنے۔(۳)

(1) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.29.

(2) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.92.

(3) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.52.

(۶) ایرانی تہذیب (Iranian Civilization)

تہذیب و تمدن کے ابتدائی مراکز میں سے جنوب مغربی ایران کا علاقہ خاص اہمیت کا حامل تھا۔ خلیج فارس سے ملا ہوا یہ علاقہ قدیم زمانے میں ''علام'' کے نام سے مشہور تھا۔ آثارِ قدیمہ کی دریافتوں سے یہ چیز ثابت ہوچکی ہے کہ سمیری تہذیب کے ابتدائی زمانے سے علام کے مرکزی شہر سوسا میں ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا۔ ظہورِ اسلام کے وقت ایران ایک طاقتور ملک گردانا جاتا تھا۔ عسکری حوالے سے بھی اور تہذیبی حوالے سے بھی اس لئے ایران کو اس عہد کی سپر پاور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عرب کے مشرق میں ایران ہمیشہ سے اس بات کا مدعی تھا کہ فلسفہ وحکمت نے وہاں نشو و نما پائی اور بعد میں یونان پہنچے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ازمنہ قدیمہ میں حکمائے یونان ''مغانِ پارس'' ہی سے ریاضت ومجاہدہ کے آداب سیکھنے جاتے تھے۔

مگر ظہورِ اسلام سے کچھ پہلے جہالت کی جو آندھی دنیا میں چل رہی تھی، ایران بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ فارس کا قدیمی علمی وحکمی سرمایہ سکندر لوٹ کر لے گیا تھا۔ ساسانی عہد میں اس نقصان کی تلافی کی کوشش کی گئی مگر وہ علمی اعتبار سے اتنی غیر اہم تھی کہ تاریخ نے اس کی تفصیل یاد رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی حالانکہ ایران کی سیاسی فتوحات اور ملکی عظمت کی جزئیات تک محفوظ ہیں۔[1]

اسلام سے پہلے ایران کی اخلاقی بنیادیں زمانہ دراز سے متزلزل ہوچکی تھیں۔ فکری اور نظری زوال و انحطاط ایرانیوں کی سوچوں پر غالب تھا۔ بہرام نے، جو چھٹی صدی عیسوی میں ایران کا حکمران تھا، اپنی بہن سے ازدواجی تعلقات قائم کر رکھے تھے۔

چنانچہ ابن جریر طبری رقم طراز ہیں کہ:

وكانت لبهرام أخت يقال لها كردية من أتم النساء وأكملهن وكان تزوجها۔[2]

''شاہ بہرام کی کردیہ نامی ایک بہن تھی جو تمام عورتوں سے بڑھ کر نہایت خوبصورت اور

(1) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.15, 112.

(۲) طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۱: ۳۶۵

کامل ترین تھی اس نے اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کر رکھے تھے۔"

وکان مزدک ینھی النّاس عن المخالفة والمباغضة والقتال ولما کان أکثر ذلک إنّما یقع بسبب النساء والأموال، أحل النساء وأباح الأموال۔[۱]

"مزدک لوگوں کو آپس کے اختلافات غصہ اور جھگڑوں سے منع کرتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ سب کچھ عورتوں اور مال و زر کی وجہ سے ہو رہا ہے تو اس نے عورتوں اور مال و زر کو تمام لوگوں کے لئے حلال قرار دے دیا۔"

چنانچہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

حتّی کانوا یدخلون علی الرجل في داره فیغلبونه علی منزله ونسائه وأمواله لا یستطیع لامتناع منهم۔[۲]

"یہاں تک کہ وہ کسی بھی آدمی کے گھر میں گھس جاتے تھے اور مال و زن پر قبضہ کر لیتے اور صاحبِ مکان ان کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکتا۔"

عیاش اور بدمست لوگوں نے مزدک کی تحریک کو ابھارا۔ اس تحریک کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل تھی۔

(۷) ہندی تہذیب (Indian Civilization)

ہندوستان بھی عالمی منظر نامے میں ثقافتی اور تہذیبی سطح پر زوال کا شکار تھا۔ ہندوستان میں ہندومت نے بدھ مت کو اپنے اندر ضم کر لیا اور اپنی جنم بھومی سے بدھ مت کا نام و نشان مٹ گیا۔ بدھ مت پر ہندومت اس حد تک غالب آ چکا تھا کہ بدھ کے ملک کی صورتحال بھی چنداں قابل رشک نہ تھی۔ مغل، ترک اور جاپانی مشرق اور وسط ایشیاء میں آباد تھے۔ یہ اقوام اپنے عبوری دور میں سے گزر رہی تھیں۔ ان کے پاس نہ کوئی سیاسی نظام تھا اور نہ کوئی علمی روایت۔ یہ لوگ بت پرستی کی طرف مائل تھے۔ ہندوستان اس وقت اگرچہ ایک سیاسی وحدت نہیں تھا بلکہ ان گنت سیاسی اکائیوں میں منقسم

(۱) شهرستاني، الملل والنحل، ۱: ۲۴۸

(۲) طبري، تاریخ الامم والملوك ۱: ۴۱۹

تھا۔ تاہم ہندومت اپنا ایک ثقافتی پس منظر رکھتا تھا۔ اسی ثقافتی توانائی کی بدولت اس نے بدھ مت اور جین مت کو اپنے اندر ضم کر لیا۔ ہندوستان ذات پات کی حد بندیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ غیر انسانی بنیادوں پر انسانوں کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا گیا۔ برہمن کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے ہر ناجائز فعل کو جائز قرار دے دیا گیا تھا اور برہمنی سامراج کی گرفت سماج پر اتنی مضبوط تھی کہ برہمنوں کی مرضی کے بغیر حکمران بھی کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ جنسی خواہشات اور شہوانی جذبات کو ابھارنے والے عناصر جس قدر ہندوستان کے قدیم تہذیب وتمدن میں تھے کسی دوسرے ملک میں نہیں پائے جاتے تھے۔ منوشاستر کے مطابق کتے، بلی، مینڈک، کوے، الو اور شودر کو مارنے کا کفارہ قرار دیا گیا۔ برہمنی سامراج میں عورت انتہائی کسمپرسی کے دن بسر کر رہی تھی۔ مرنے والے شوہر کے ساتھ اسے بھی جل مرنا ہوتا یا ساری عمر بیوگی کی زندگی بسر کرتی اور اسے سماج کے طعنوں کا ہدف بننا پڑتا۔ سرزمین ہند غیر انسانی روایات کی آماجگاہ بن چکی تھی۔ جہالت اور توہم پرستی نے ذہن انسانی کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔(1)

ہندوستان کا علمی و ثقافتی ماضی کتنا ہی تابناک کیوں نہ رہا ہو، مگر ظہور اسلام کے زمانے میں جب بدھ مت کے مقابلے میں ''برہمنیت'' کو عروج ہوا تو موخر الذکر کے تعصب و تنگ نظری نے اپنے حریفوں کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ ان کی علمی سرگرمیوں کو بھی مٹا ڈالا۔ چنانچہ اگر ان کے علمی و حکمی کارنامے کچھ محفوظ ہیں تو صرف غیر ملکی مثلاً چینی، تبتی یا عرب مصنفین کے یہاں ملتے ہیں۔ شروع میں ان کی طب اور ہیئت کی طرف مسلمانوں نے توجہ کی مگر جلد ہی انہیں اس کی محدودیت کا اندازہ ہو گیا۔ چنانچہ البیرونی نے ۔ جو ہندوؤں کے قدیم علوم کو زندہ رکھنے کے لیے مشہور ہے ۔ ایک مستقل کتاب بعنوان **إن رأى العرب في مراتب العدد أصوب من رأى الهند فيها** (اس باب میں کہ مراتب اعداد کے بارے میں ہندوؤں کے مقابلے میں عربوں کی رائے زیادہ صحیح ہے) لکھی اور یہ ثابت کیا کہ علم الحساب میں بھی ۔ جو ہندوؤں کا عظیم کارنامہ ہے ۔ عرب فائق تھے۔

(۸) رُومی تہذیب (Roman Civilization)

رومی سلطنت اپنے زمانے کی دوسری سپر پاور تھی۔ یہ اپنے وقت میں دنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی جو بحیرہ روم کے چاروں طرف تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ رومی ایک جاندار اور شاندار تہذیب کے وارث تھے۔ صنعت وحرفت میں بھی رومی اپنی مثال آپ تھے اور صحیح معنوں میں

(1) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.389, 425.

ایک سپر پاور تھے۔ رومی تہذیب یونانی کلچر سے متاثر تھی۔ رومیوں نے مقامی تہذیبوں کے ملاپ سے ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی۔ مگر اخلاقی اور قومی سطح پر رومی تہذیب بتدریج زوال کا شکار تھی گو جزیرہ نمائے عرب کو رومی کسی خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کے مکی دور کے بعد جب ریاست مدینہ کی داغ بیل پڑی اور اسے داخلی اور خارجی استحکام کے بعد جب اسکا سامنا رومی تہذیب سے ہوا تو انجام کا اسلام کو اس پر غلبہ نصیب ہوا۔ (۱)

(۹) بازنطینی ثقافت (Byzantinian Civilization)

ظہور اسلام کے وقت بازنطینی تہذیب ارتقائے نسلِ انسانی کے مختلف نشیب و فراز طے کرنے کے بعد شعوری اور لاشعوری سطح پر اپنے زمینی حوالوں کو مضبوط بنا رہی تھی۔ عسکری، تجارتی اور علمی رابطوں اور واسطوں کو مستحکم بنایا جا رہا تھا۔ لیکن اسلام جن عظیم ثقافتی اقدار کا امین تھا اس کی کوئی نظیر اس تہذیب میں نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بازنطینی تہذیب بھی مسلم ثقافت کی فکری توانائی کا مقابلہ نہ کر سکی اگرچہ یورپ کے مقابلے میں ہر لحاظ سے یہ ایک زندہ تہذیب تھی۔ مگر یورپ اس وقت جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا البتہ بازنطینی ادب اور فنون لطیفہ کے اثرات مغرب نے بہت کم قبول کئے۔ کیونکہ وہ لاشعوری طور پر مسلم تہذیب و تمدن سے متاثر تھے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ افلاطون اور ارسطو تک مغرب کی رسائی ان تراجم کے ذریعے ہوئی تھی جو عربی زبان میں ترجمہ کر کے مسلم اسپین کی درسگاہوں میں لائے گئے تھے اور یہ تراجم براہ راست نصرانی دانشوروں کے زیر مطالعہ رہے۔ آئندہ صدیوں میں جو جغرافیائی اور تاریخی تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کی بنیاد عہدِ رسالت مآب ﷺ میں رکھ دی گئی تھی اور دعوتِ حق کا کام علمی سطح پر منظم کرنے کے لئے عملی اقدامات حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارکہ ہی میں کر لئے گئے تھے جو آگے چل کر بہتر نتائج کی صورت میں برآمد ہوئے۔ (۲)

۵۔ یورپ کی عمومی صورت حال

یورپ کے مشرقی حصے میں جو شام و مصر سے ملحق تھا، بازنطینی حکومت قائم تھی جس نے

(1) Arnold J, Toynbee, *A Study of History*, Abridgement by D.C. Somervell, 1947, p.118.

(2) Dimitri Gutas, *Greek Thought-Arabic Culture*, The Graeco-Arabic translation movement in Baghdad and early Abbasid society, Routledge, London, 1999, p.185-188.

یونانی تہذیب و مدنیت کو ورثے میں پایا تھا، مگر رومن جباریت نے جلد ان کی علمی و ثقافتی روایات کو فراموش کر دیا۔ چنانچہ ابنِ خلدون لکھتا ہے:

ولما انقرض أمر اليونان وصار الأمر للقياصرة وأخذوا بدين النصرانية هجروا تلك العلوم ...... وبقيت في صحفها ودواوينها مخلّدة باقية في خزائنهم۔(۱)

''اور جب یونانیوں کا دور ختم ہوگیا، قیصرانِ روم کے اقتدار کا دور آیا اور انہوں نے مسیحی مذہب اختیار کرلیا تو پھر ان علوم کو بالکل ہی چھوڑ دیا ...... اور یہ علوم کتابوں اور رسالوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کتب خانوں کے اندر پڑے رہے۔''

دراصل اس علاقے کی علمی و فکری سرگرمیوں میں بہت پہلے سے جمود و اضمحلال کا گھن لگ چکا تھا۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ کی ولادت باسعادت ۵۶۹ء میں ہوئی اور اس کے چالیس سال قبل ایتھنز کا مدرسہ فلسفہ جو یونانی فلسفہ وحکمت کے شکستہ آثار میں سے تھا، بند کیا جا چکا تھا۔ اس کی وجہ مسیحی تعصب و تنگ نظری سمجھی جاتی ہے۔ مگر اصل وجہ یہ ہے کہ یونانی تہذیب مضمحل ہو چکی تھی اور اس میں بدلے ہوئے زمانہ کی ثقافتی قیادت کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔

یونانی ثقافت حکمائے یونان کی ہزار سالہ فکری مساعی کا نام ہے۔ اس کی ابتداء ثالیس الملطی سے ہوتی ہے جس کا زمانہ ۶۲۴ سے ۵۴۸ قبل مسیح ہے۔ جبکہ ایتھنز کا مدرسہ فلسفہ قیصر جسٹینین کے حکم سے بند کردیا گیا۔ اس طویل مدت میں یونانی عبقریت نے متعدد حکماء و فلاسفہ پیدا کیے جنہوں نے منطق و فلسفہ، ریاضی و ہیئت اور طب کے علوم کو سائنٹیفک بنیادوں میں مدون کیا۔

ارسطو سکندرِ اعظم کا ہم عصر تھا اور اس نے موخر الذکر کے سال بھر بعد انتقال کیا۔ اُدھر سکندر کے مرنے پر اس کی وسیع سلطنت اس کے جرنلوں میں تقسیم ہوگئی۔ مصر بطلیموسی خاندان کے حصے میں آیا اور وہ اپنے ہمراہ یونانی علم و حکمت کو بھی اس ملک میں لے گئے چنانچہ ان کے عہد حکومت میں اسکندریہ جو اس زمانہ میں مصر کا پایہ تخت تھا، یونانی ثقافت اور یونانی علوم کا گہوارہ بن گیا۔ اس خاندان کی آخری تاجدار کلیوپطرا تھی جس پر ۳۰ ق م میں قیصر آگسٹس نے حملہ کر کے مصر کو فتح کر لیا۔

---

(۱) ابن خلدون، تاریخ، ۱: ۶۲۹

کچھ ہی دن بعد مسیحیت کا ظہور ہوا جو اپنی روز افزوں مقبولیت کی وجہ سے سلطنتِ روما کے لیے خطرہ سمجھی جانے لگی۔ بنابریں عیسائیوں پر ظلم وستم کا آغاز ہوا اس ظلم وستم کے دوران میں فلاسفہ نے بھی عیسائی مذہب کو تنقید کا نشانہ بنایا اور پہلے رواقیوں نے اور بعد میں نوفلاطونی فلاسفہ نے عیسائیت کے خلاف اعتراضات کا انبار لگادیا۔

مگر فلاسفہ عہد کی فکری سرگرمیاں اس تنگ نظری تک محدود نہ رہیں۔ یونانی عبقریت کے جمود و اضمحلال نے اس تنگ نظری کے ساتھ توہم پرستی کو بھی اپنا شعار بنالیا اور ترقی پسندی کے بجائے رجعت پسندی ان کا طرۂ امتیاز بن گئی۔ چنانچہ یہ حکماء محض قومی مذہب کی عصبیت اور مسیحیت بیزاری کی بناء پر پھر شرک وکثرت پرستی کی طرف مائل ہوگئے۔

ایک عرصہ تک مسیحی لوگ رومن امپائر میں معتوب رہے مگر ۳۲۳ء میں قسطنطین اعظم تخت نشین ہوا تو اس نے کچھ دن بعد عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ اس طرح مسیحیت رومن امپائر کا سرکاری مذہب بن گئی لیکن سیاسی اقتدار ملتے ہی یہ مظلوم اور ستم رسیدہ مسیحیت اپنے آزار رسانوں سے کہیں زیادہ ظالم اور ستم شعار ثابت ہوئی۔ رومن امپائر کی اگلی دو سو سال کی تاریخ مذہبی تشدد، تنگ نظری اور فرقہ وارانہ کشمکش کی مسلسل داستان ہے۔

چنانچہ قیصر تھاؤ دوسیوس (Theodocius زمانہ ۳۷۹۔۳۹۵ء) کے تخت نشین ہونے پر رومی مملکت کے تمام باشندوں کو جبراً عیسائی بنانے کی کاروائی پر سختی سے عمل کیا گیا۔ پادریوں نے بلا اِستثناء کے تمام مندروں کو برباد کرنا شروع کیا۔ مگر سرافیس کے مندر کے معاملے میں بلوہ ہوگیا۔ بڑی خوں ریزی کے بعد عیسائیوں نے اسے منہدم کر کے گرجا بنالیا۔ اس مذہبی جنون کا افسوسناک پہلو یہ تھا کہ سرافیون کی لائبریری، جو بطلیموس فیلاڈلفیوس کی لائبریری (مشہور کتب خانہ اسکندریہ) کے جل جانے پر قائم ہوئی تھی، ۳۹۱ء میں اس تعصب وتنگ نظری کا شکار ہوگئی۔

تھاؤ دوسیوس کے آخر عہد میں سائرل (Cyril) مصر کا اسقف اعظم بنا۔ اس نے فلسفے کے مدارس کو بھی اپنے تعصب وتنگ نظری کا شکار بنایا، کیونکہ اس کے خیال میں یہی مدارس فلسفہ، جاہلیت و وثنیت کے مرکز تھے۔ اس کے ایماء سے فلاسفہ پر حملہ ہوا۔ اس تعصب وتنگ نظری کا تاریک ترین پہلو عقیل وفہیم ہائی پیشیہ (Hypatia) کا دردناک قتل تھا جو اسکندریہ کی نو فلاطونی جماعت کی صدر تھی۔ تاریخ فکر انسانی کا یہ گھناؤنا سانحہ ۴۱۵ء میں پیش آیا۔

پادریوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ انہوں نے علم وحکمت کی ترقی کو بھی قانوناً بند کردیا۔

اس سلسلے میں ان کی تنگ نظری کا شدید ترین حملہ منطق پر ہوا۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے فارابی سے نقل کیا ہے:

جاءت النصرانية فبطل التعليم من رومية وبقي بالإسكندرية إلى أن نظر ملک النصرانية في ذلک واجتمعت الأساقفة وتشاوروا فيما يترک من هذا التعليم وما يبطل فرأوا أن يعلم من كتب المنطق إلٰى آخر الأشكال الوجودية، ولا يعلم ما بعده لأنّهم رأوا أن في ذلک ضرراً علَى النصرانية وأن فيما أطلقوا تعليمه ما يستعان به على نصرة دينهم. فبقي الظاهر من التعليم هذا المقدار وما ينظر فيه من الباقي مستوراً إلى أن كان الإسلام بعده بمدة طويلة ...... وكان الّذي يتعلم في ذلک الوقت إلى آخر الأشكال الوجودية۔ (۱)

''مسیحیت کا زمانہ آیا اور شہر روم میں فلسفہ کی تعلیم ختم کر دی گئی۔ صرف اسکندریہ میں باقی رہی۔ یہاں تک کہ عیسائیوں کے بادشاہ نے اس مسئلہ پر غور کیا اور پادری لوگوں نے جمع ہوکر باہم مشورہ کیا کہ اس میں سے کتنی تعلیم باقی رہنے دی جائے اور کتنی ختم کر دی جائے تو ان کی یہ رائے ہوئی کہ منطق کی آٹھ کتابوں میں سے ''اشکالِ وجودیہ'' کے آخر تک پڑھایا جائے اور اس کے بعد کی پانچ کتابیں نہ پڑھائی جائیں کیونکہ ان کی رائے میں اس سے عیسائی مذہب کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جس حصے کے پڑھنے پڑھانے کی اجازت دی تھی، اس سے لوگ اپنے مذہب کی تائید میں مدد لے سکتے تھے۔ پس تعلیم کی اتنی ہی مقدار کا رواج رہا اور باقی حصہ مستور رہا، یہاں تک کہ عرصۂ دراز کے بعد اسلام مبعوث ہوا ...... اور اس زمانہ میں جو پڑھایا جاتا تھا وہ اشکال وجودیہ کے آخر تک تھا۔''

بہرحال مشرقی یورپ میں جہاں بازنطینی حکومت قائم تھی، ایتھنز کے مدرسہ کی قفل بندی کے بعد کوئی برائے نام عالم پیدا نہیں ہوا۔ مشرق کے مسیحی شہنشاہوں نے فلسفہ کا مدرسہ جاری کرنے کی کئی بار کوشش کی تاکہ نیا دار السلطنت ایتھنز اور اسکندریہ کا حریف بن جائے۔ ۶۱۸ء میں شہنشاہ ہرقل نے اسکندریہ کے ایک استاد کو قسطنطنیہ بلایا تاکہ اس کی تعلیم سے بازنطینی ذہانت و فطانت اپنے جمود سے بیدار ہو جائے، مگر یہ سعی، سعی لاحاصل ہی ثابت ہوئی۔ متوقع بیداری کو ظہور میں آنے کے لیے

(۱) ابن ابی أصیبعة، عيون الأنباء في طبقات الأطباء، ۱: ۲۰۴۔ ۲۰۵

ابھی کئی نسلیں درکار تھیں۔ غرض اس عہد تاریک کا یورپ جہالت و پسماندگی کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ چنانچہ ڈریپر لکھتا ہے:

''یورپ کے ان قدیم باشندوں کے بارے میں مشکل ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بربریت و وحشت کی منزل سے آگے ترقی کر چکے تھے۔ ان کے بدن ناپاک تھے، دماغ توہمات سے بھرے ہوئے تھے، یہ لوگ مزاروں کی کرامات اور جھوٹے ادعائی تبرکات کے متعلق ہر قسم کے بے سروپا افسانوں پر اعتقادِ کامل رکھتے تھے۔''(۱)

۶۔ جزیرۂ عرب کی صورت حال

خود جزیرہ نمائے عرب جہاں آفتاب ہدایت کی پہلی کرن چمکی اس منزل سے گزر رہا تھا جو تاریخ میں ''عہدِ جاہلیت'' کے نام سے مشہور ہے۔ علم جو تہذیب کی اساس ہے، ان کے یہاں مفقود تھا۔ اس کے برعکس جہل اور اکھڑ پن ان کا سرمایا فخر و مباہات تھا۔ اسی اکھڑ پن اور جہالت پر فخر کرتے ہوئے ایک جاہلی شاعر عمرو بن کلثوم کہتا ہے:

ألا لا يجهلن أحد علينا
فنجهل فوق جهل الجاهلينا(۲)

(خبردار! ہم سے کوئی اکھڑ پن (جہالت) نہیں کرسکتا۔ اگر کرے گا تو ہم جاہلوں سے بھی زیادہ جہالت دکھا سکتے ہیں۔)

ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ایک مستقل فصل اس بارے میں قائم کی ہے کہ عربوں کی طبعی و نسلی خصوصیات ہی علوم و حکمت کے لیے سازگار نہیں تھیں۔ اس فصل کا عنوان اپنے مضمون کا آئینہ دار ہے:

فصل في أن العرب بعد الناس عن الصنائع والسبب في ذلك أنهم أعرق

---

(1) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 42.

(۲) ۱۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۱: ۲۵۳
۲۔ ابن جوزی، زاد المسیر، ۱: ۳۶
۳۔ آلوسی، روح المعانی، ۴: ۲۳۸

في البدو وأبعد عن العمران الحضري وما يدعو إليه من الصنائع۔[1]

''فصل اس بات میں کہ عرب نوع انسان میں علم و ہنر سے سب سے زیادہ بے بہرہ ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ وہ سب جنگلی پن میں راسخ ہیں اور شہری تمدن اور اس کے لوازم سے سب سے زیادہ دور ہیں۔''

خطہ عرب کے ہمسایہ ممالک خواہ مشرقی سرحد پر بسنے والے ہوں یا مغربی سرحد پر انہیں بڑی نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اہلِ ایران تو انہیں قابلِ التفات ہی نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ فردوسی (جو اپنی ایران پرستی اور عرب دشمنی کے لیے مشہور ہے) عربوں کی فتح ایران سے مشتعل ہو کر ''شاہ نامہ'' میں کہتا ہے:

ز شیر شتر خوردن وسوسمار
عرب را به جائي رسیده است کار
که تاج کیاني کنند آرزو
تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

گو یہ فردوسی کا مغالطہ تھا کہ اس نے اس عرب کو جو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جنگ قادسیہ میں مصروف جہاد تھا، اسی عرب کے طرح سمجھتا تھا جو کبھی کسریٰ کے دربار میں ہاتھ باندھے کھڑا رہتا تھا۔ اسی طرح عربوں کے مغربی پڑوسی انہیں ''سراسین'' یعنی خانہ بدوش کے حقارت آمیز لقب سے یاد کرتے تھے مگر یہ اسلام کی برکت تھی کہ جس نے اسی ''سراسین'' قوم کے ملک کو کچھ ہی دنوں میں علم و حکمت کی روشنی کا مطلع انوار بنا دیا۔

الغرض جزیرہ نمائے عرب میں بھی ظلم، بربریت اور درندگی کا راج تھا۔ تاریخ کا سفر جاری تھا، کرہ ارضی پر وسیع و عریض خطے سیاسی اور جغرافیائی اکائیوں میں تقسیم ہو چکے اور ان کی تقسیم در تقسیم کا عمل جاری تھا۔ یہ اکائیاں سیاسی، معاشی اور ثقافتی بالادستی کے لئے باہم دست و گریباں تھیں۔

۷۔ اِسلامی تہذیب و تمدن

حضور نبی اکرم ﷺ اسلام نے اس دنیائے آب و گل کو ایک نیا تمدن اور نئی تہذیب عطا کی۔ دنیا کا گھسا پٹا نظام یکسر بدل کر رکھ دیا۔ اس میں نظم و نسق قائم کیا۔ دستور زندگی کی بنیاد رکھی۔

(۱) ابن خلدون، تاریخ، ۱: ۵۰۶

انسانوں کے اندر ایک ایسا بھائی چارہ قائم کیا جس نے فرد اور جماعت کے درمیان الفت و محبت، اخوت و تعاون اور اتحاد و اتفاق کے اوصاف کو نشو و نما بخشی، شورائی نظام پر نظامِ مملکت استوار کیا۔ دین میں جبر و اکراہ کا خاتمہ کر دیا۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کہہ کر واضح کر دیا کہ قصرِ اسلام میں داخل ہونے کے لئے ہر شخص کو آزادی حاصل ہے۔ محض کافر ہونے کی وجہ سے وہ باعثِ نفرت نہیں ہو سکتا بلکہ اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات استوار کرنے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ الغرض اسلام رواداری، تحمل اور بردباری کا حامل ہے اور یہ ایسی دنیا بسانا چاہتا ہے جو ظلم و ستم، بغض و کینہ اور حسد و تنگ نظری کے جذبات سے پاک ہو اور نوعِ بشر کے لئے امن و سلامتی اور پیار و محبت کا گہوارہ ہو۔ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں ہر عظمت اور ہر رفعت نقوشِ کفِ پائے مصطفیٰ ﷺ کے پیرہن میں سج دھج کر تہذیبِ انسانی کی آبرو قرار پاتی دکھائی دیتی ہے۔

اسلام کا یہ آفتاب جہاں آراء اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشنیاں بکھیرتا ہوا نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی نورانی شعاعوں سے پوری دنیا کو منور کرنے لگا۔ اسلام کے لائے ہوئے روحانی و اَخلاقی اِنقلاب کے نتیجہ میں عربوں کی صدیوں کی مجتمع قوت نے رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صرف چند سال کے اندر اندر عربوں کو مغربی ایشیاء کا مالک و مختار بنا دیا۔ عرب کے اجڈ اور شریدہ سر لوگوں کے دل اور احوال بدل گئے، فکر و نظر میں انقلابی تبدیلی آ گئی۔ الغرض غصب و قزاقی کے خوگر عرب نظامِ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی نہ صرف انسان بلکہ ایسے نمونۂ انسانیت بن گئے کہ ساری کائنات کے ہادی و راہنما دکھائی دینے لگے۔

قرونِ وسطیٰ کے یورپ کی ظلمت و جہالت کے مقابلے میں اس عہد کی اسلامی دنیا کی علمی و ثقافتی عظمت و رفعت کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈریپر لکھتا ہے:

> ’’(اس کے مقابلے میں اندلس کی اسلامی تہذیب کس قدر خوش آئند معلوم ہوتی ہے) جب کہ ہم یورپ کے جنوب مغربی گوشہ اسپین پر نظر ڈالتے ہیں، جہاں بالکل ہی مختلف حالات کے تحت علم و حکمت کے انوارِ تاباں کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ مغرب میں ہلال (اسلامی تہذیب) بدرِ کامل بن کر مشرق (وسطی یورپ) کی طرف جانے والا تھا۔‘‘[1]

دوسرے مقام پر یہ مصنف اندلس (اسپین) کے مسلمان حکمرانوں کی علمی سرپرستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

(1) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 42.

''جونہی عربوں کو اسپین میں مضبوطی سے قدم جمانے کا موقع ملا، انہوں نے ایک روشن دور کا آغاز کیا ...... قرطبہ کے امیروں نے خود کو علم و ادب کا سرپرست بنا کر ممتاز کر لیا اور ذوق سلیم کی ایک ایسی مثال قائم کر دی جو یورپ کے دیسی حکمرانوں کی حالت کے بالکل برعکس تھی۔''(۱)

اس کے بعد مسلمانوں کے علمی کارناموں کا اجمالی جائزہ پیش کرتا ہے:

''انہوں نے بڑے بڑے شہروں میں لائبریریاں قائم کیں۔ کہا جاتا ہے کہ ستر سے زیادہ لائبریریاں اس زمانے میں موجود تھیں۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک عوامی مکتب ہوتا تھا، جہاں غریبوں کے بچوں کو نوشت و خواند اور قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ صاحب استطاعت لوگوں کے لیے علمی مجامع (اعلیٰ مدارس) تھے، جہاں ایک بڑا عالم صدر ہوتا تھا۔ قرطبہ، غرناطہ اور دوسرے بڑے شہروں میں یونیورسٹیاں تھیں۔ ان یونیورسٹیوں میں بعض پروفیسر ...... ریاضی و ہیئت کی تعلیم دیتے تھے ...... ان کے علاوہ مخصوص فنون کے واسطے خصوصی مدارس تھے، بالخصوص طب کے لیے۔''(۲)

آرنلڈ (Arnold) مسلم دنیا کے مرکز علم ہونے کی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''عربوں (مسلمانوں) نے اس زمانہ میں اعلیٰ تعلیم اور علم و حکمت کے مطالعہ کو زندہ رکھا۔ جبکہ مسیحی مغرب (یورپ) بربریت و جہالت کے ساتھ جان توڑ لڑائی لڑ رہا تھا۔ ان کی علمی سرگرمیوں کا عہد نویں دسویں صدی میں متعین کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی یہ سرگرمیاں پندرھویں صدی تک جاری رہیں۔ بارھویں صدی کے بعد ہر وہ شخص جسے علم و حکمت کا ذرا سا بھی شوق ہوتا یا حصول علم کی تھوڑی سی بھی خواہش ہوتی تو وہ یا مشرق (بغداد) کا سفر کرتا یا اسپین کا۔''(۳)

آج اہل مشرق یورپی ومغربی جامعات میں جا کر حصول تعلیم کو فضل و کمال کا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں۔ لیکن ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ یورپی فضلاء عالم اسلام کے علمی سفر کو تمغائے فضل و

(1) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 30.

(2) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 34.

(3) Arnold, *Legacy of Islam*, p. 377.

کمال اور سرمایہ فخر و مباہات سمجھتے تھے، چنانچہ ڈریپر لکھتا ہے کہ تحصیلِ علم کے لیے اسپین کا سفر شائقین علم و حکمت نے دسویں صدی مسیح ہی سے شروع کر دیا تھا:

’’دسویں صدی مسیح ہی سے جن لوگوں کو حصول علم کا شوق ہوتا، یا تہذیب و ثقافت کا ذوق رکھتے، وہ ہمسایہ ممالک سے اسپین پہنچتے اور بعد کے زمانے میں تو اس رسم پر لوگوں کا عمل بہت زیادہ بڑھ گیا، بالخصوص جبکہ گربرٹ نے اپنی غیر معمولی ترقی سے ایک شاندار مثال قائم کر دی۔ کیونکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، وہ قرطبہ کی اسلامی یونیورسٹی ہی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پوپ کے عہدہ پر فائز ہوا۔‘‘(۱)

مگر قرون وسطی کے یورپی فضلا میں گربرٹ (جو آگے چل کر سلوسٹر دوم کے نام سے پاپائے روم بنا) ہی اکیلا شخص نہیں ہے، جس نے اسلامی اسپین کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی ہو۔ قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیاں اس زمانے میں یورپی فضلا سے بھری رہتی تھیں اور یہیں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ مغربی تہذیب و ثقافت کے رہنما بنتے تھے۔ ڈریپر لکھتا ہے:

’’اسپین کی یونیورسٹیاں خطہ یورپ کے علمائے دینیات سے بھری رہتی تھیں۔ پیٹر دی ویزیبل جو ایبلارڈ کا دوست اور مربی تھا، جس نے قرطبہ میں کافی وقت گزرا تھا اور جو نہ صرف روانی سے عربی بول سکتا تھا، بلکہ جس نے قرآن کریم کا لاطینی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا، بیان کرتا ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ اسپین پہنچا تو اس نے دیکھا کہ یورپ حتی کہ انگلستان کے بہت سے تعلیم یافتہ اشخاص وہاں ہیئت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔‘‘(۲)

اسلام کی تہذیبی روایات نے مغرب کو بھی دقیانوسیت اور تہذیبی فرسودگی سے نکلنے اور تہذیبی ترقی کی سمت عطا کی:

On Western Christendom the effect of this impact was wholly good, and Western culture in the Middle Ages owed much to Muslim Iberia. On Byzantine Christendom the impact was excessive and evoked a crushing re-erection of the Roman Empire under Leo the Syrian. The case of Abyssinia, a Christian 'fossil' in a fastness encircled by the Muslim World,

(1) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 36.

(2) Draper, *History of Intellectual Development of Europe*, vol. II, p. 37.

is also noticed[1]

''مغرب کی عیسائی دنیا پر اسلام کے اثرات مکمل طور پر مثبت تھے اور قرونِ وسطیٰ کے دوران مغرب کا کلچر مسلمانوں ہی کا مرہون منت تھا۔ بازنطینی عیسائی دنیا پر بھی اسلام کا اثر بہت زیادہ تھا اور اس کے زیرِ اثر ہی شامی لیو کے تحت رومی سلطنت کا ردعمل پیدا ہوا۔ حبشہ بھی جو دنیائے عیسائیت کا ایک متحجر حصہ تھا، قابلِ غور حد تک مسلم دنیا کے اثرات کے ماتحت تھا۔''

اسلام مغرب کے لئے ان اعلیٰ اقدار کی تکمیل کا پیغام لے کر آیا جن کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور مغرب انہیں فراموش کر چکا تھا۔ ایک مغربی مفکر اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

In the creative soul of Muhammad the radiation of Judaism and Christianity was transmuted into a spiritual force which discharged itself in the new 'higher religion' of Islam.[2]

''یہودیت اور عیسائیت کی روشنی محمد ﷺ کی خلاق روح میں یوں جمع ہوگئی کہ یہ ایک روحانی قوت میں بدل گئی۔ جو ایک بلند تر مذہب یعنی اسلام کی صورت میں ظاہر ہوئی۔''

انسانی تہذیب کی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ یونان کا ہیلینیائی طرز فکر تھا۔ اسلام نے انسانیت کو اس سے چھٹکارا عطا کیا:

..... the Syriac Society had to wait for the emergence of Islam in order to lay its hand upon a religion which was capable of serving as an effective instrument for casting Hellenism out...[3]

''شام کے معاشرے کو اسلام کے طلوع کا انتظار کرنا تھا کہ وہ ایک ایسے مذہب کی دستگیری حاصل کر سکے جو اس قابل تھا کہ اس کے موثر ذریعے سے یہ معاشرہ ہیلینیائی اثرات سے باہر نکل سکے۔''

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 574.
(2) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 411.
(3) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 391.

ٹوائن بی مزید لکھتا ہے:

The Arab onslaught upon the infant civilization of the West was an incident in the final Syriac reaction against the long Hellenic intrusion upon the Syriac domain; for when the Arabs took up the task in the strength of Islam they did not rest until they had recovered for the Syriac Society the whole of its former domain at its widest extension.(1)

’’مغرب کی ابتدائی مرحلوں سے گزرنے والی تہذیب پر عربوں کی یلغار ایک ایسا واقعہ تھی جو شام کے علاقے پر ہیلینیائی مداخلت کے خلاف شام کے آخری ردعمل کا حصہ تھی۔ کیونکہ جب عربوں نے اسلام کی طاقت کے ساتھ اس کام کو شروع کیا تو وہ اس وقت تک نہیں رکے، جب تک انہوں نے شامی معاشرے میں کاملاً اور وسیع بنیادوں پر اپنی روایات کو قائم نہیں کر دیا۔‘‘

اور پھر اسلام کے یہ اثرات پورے یورپ تک پھیلتے چلے گئے:

The Emperor Heraclius himself was condemned not to taste of death until he had seen 'Umar the Successor of Muhammad the Prophet coming into his kingdom to undo, utterly and for ever, the work of all the Hellenizers of Syriac domains from Alexander onwards. For Islam succeeded where its predecessors had failed. It completed the eviction of Hellenism from the Syriac World.(2)

’’شہنشاہ ہرکولیس اس وقت تک موت سے دو چار نہیں ہوا جب تک اس نے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے جانشین عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں دیکھ لیا۔ جس نے ہمیشہ کے لیے اس کی سلطنت کو تہ و بالا کر دیا اور شام کے علاقوں میں دورِ سکندر سے شروع ہونیوالے ہیلینیائی اثرات کا قلع قمع کر دیا۔ کیونکہ اسلام ہی اس معاملے میں کامیاب رہا جس میں اس کے پیش رو ناکام رہے، اس نے شامی دنیا سے ہیلینیائی اثرات کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا۔‘‘

اسلامی تہذیب کے اثرات کے مغرب پہنچنے میں سپین کا کردار بھی کلیدی ہے:

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p 124.

(2) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p 144.

The scholars of Muslim Spain contributed unintentionally to the philosophical edifice erected by the medieval Western Christian schoolmen, and some of the works of the Hellenic philosopher Aristotle first reached the Western Christian World through Arabic translations. It is also true that many 'Oriental' influences on Western culture which have been attributed to infiltration through the Crusaders' principalities in Syria really came from Muslim Iberia.[1]

''مسلم اسپین کے اہل علم نے غیر ارادی طور پر اس فلسفیانہ روایت میں اضافہ کیا جو قرون وسطی کے مغربی عیسائی اہل دانش نے قائم کی تھی اور معروف ہیلینیائی فلاسفر ارسطو کی اکثر تصنیفات سب سے پہلے مغربی عیسائی دنیا میں عربی تراجم کے ذریعے ہی پہنچیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ بہت سے مشرقی اثرات جو مغربی کلچر پر ہیں وہ صلیبی جنگ لڑنے والوں کے ذریعے وہاں منتقل ہوئے یہ اثرات بڑی حد تک شامی تھے اور فی الاصل مسلم آئبیریا سے آئے تھے۔''

اسلام کے دیئے ہوئے شعور کے تحت مسلمانوں نے روزِ اول سے ہی اپنی قومی زندگی کے استحکام کی بنیاد علمی اور فکری ترقی پر رکھی۔ یہی سبب تھا کہ معاصر اقوام مسلمانوں کی اس روایت کی تقلید پر مجبور تھیں:

۸۔ اِسلامی تہذیب کے نمایاں اَوصاف

اسلام کے ظہور کے وقت عالمی منظر نامے کو گھٹا ٹوپ اندھیروں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ تہذیبی اور ثقافتی انحطاط ابنِ آدم کا مقدر بن چکا تھا۔ مجلسی زندگی شائستگی اور سنجیدگی کے اوصاف حمیدہ سے یکسر محروم ہو چکی تھی۔ زوال آمادہ تہذیبیں قعر مذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں دفن ہو رہی تھیں، مصطفوی انقلاب کا سورج طلوع ہوا تو تہذیبی، ثقافتی اور مجلسی سطح پر بھی انقلاب آفریں تہذیب کا آغاز ہوا کیونکہ صدیوں کی انسانی تہذیبی آرزو اب تعبیر آشنا ہو رہی تھی:

In the creative soul of Muhammad the radiation of Judaism and Christianity was transmuted into a spiritual force which discharged itself in the new 'higher religion' of Islam.[2]

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p 160-1.

(2) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p 411.

''یہودیت اور عیسائیت کی روشنی محمد ﷺ کی خلاق روح میں یوں جمع ہوگئی کہ یہ ایک روحانی قوت میں بدل گئی۔ جو ایک بلند تر مذہب یعنی اسلام کی صورت میں ظاہر ہوئی۔''

آنے والے زمانے میں مسلمانوں نے بھی دعوت کے کام کو آگے بڑھایا اور دنیا کے دور دراز گوشوں میں ہدایت آسمانی کے نور کو پھیلایا اور پوری دنیا میں دعوت کا یہ کام انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر مطلوبہ نتائج حاصل کرنے لگا۔ دنیا کے کچلے ہوئے انسانوں کے لئے اسلامی تعلیمات میں بڑی کشش تھی، وہ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے، مسلمان جہاں گئے اپنی توانا ثقافتی روایات اپنے ساتھ لے کر گئے۔ جہاں بھی تہذیبوں کا آمنا سامنا ہوا، اسلامی تہذیب اپنی تخلیقی توانائیوں کی بدولت قدیم تہذیبوں پر نہ صرف غالب رہی بلکہ واحد عالمی تہذیب کے طور پر سامنے آئی:

> The next living society that we have to examine is Islam; and when we scan the background of the Islamic Society we discern there a universal state, a universal church and a Völkerwanderung(1)

''دوسرا زندہ معاشرہ جس کا ہم نے مطالعہ کرنا ہے وہ اسلام ہے اور جب ہم اسلامی معاشرے کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم بڑے واضح طور پر ایک بین الاقوامی اور آفاقی ریاست اور ایک بین الاقوامی اور آفاقی مذہبی ادارے اور ہمہ گیر نظریہ حیات کو موجود پاتے ہیں۔''

اب یہاں اسلامی تہذیب کے ان خصائص کو بیان کیا جاتا ہے جو سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں مرتب ہوئے اور آئندہ ایک نئی اور بے مثل تہذیب کی بنیاد بنے۔

(۱) عقیدۂ توحید

اسلامی تہذیب و ثقافت کا اولین عنصر ترکیبی توحید ہے۔ توحید ہی وہ بنیادی تعلیم ہے جس کا ابلاغ اسلام کا اولین مقصد تھا۔ اگر اسلامی ثقافت کی ہمہ جہت نشو و نما اور عالمگیر ارتقاء کا جائزہ لیا جائے تو باوجود علاقائی، جغرافیائی، نسلی اور لسانیاتی تنوع کے جو عنصر ایک قدر مشترک کے موجود ہے وہ توحید ہے۔ توحید ہی اسلامی تہذیب و ثقافت کی وہ قوت ہے جس کا مقابلہ کوئی بھی عقیدہ آئیڈیالوجی یا

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History,* Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p. 15.

نظام زندگی نہیں کر سکا۔

اسلام میں توحید مجرد عقیدہ یا ایک تصور نہیں بلکہ یہ ایک زندہ اور حرکی تصور حیات ہے۔ یہ اسلامی تہذیب کے شجر طیبہ کی اصل ہے۔ یہ فرد اور ملت کی پیکر حیات کی روح ہے۔ جس طرح روح کے بغیر کوئی جسم زندگی کا حامل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح توحید کے بغیر اسلامی معاشرے میں فرد وملت بے جان ہو جاتے ہیں۔ توحید غیر اللہ کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی وحدانیت کے اقرار سے عبارت ہے۔ یہی ''لَا'' اور ''اِلَّا'' اسلامی معاشرے کے افراد کے قلوب و اذہان سے ہر غیر اللہ کا نقش مٹاتے ہوئے اطاعت الٰہی کا داعیہ پیدا کرتے ہیں۔ جس سے انہیں وہ ایمانی قوت نصیب ہوتی ہے جس سے دل میں زندگی اور زندگی میں معنویت، وسعت اور آفاقیت جگہ پاتی ہے۔ اسلام سے قبل عقیدۂ توحید شرک کی گوناں گوں صورتوں کی وجہ سے بگاڑ کا شکار ہو گیا۔ اسلام نے عقیدۂ توحید کی ان تمام خرابیوں کا خاتمہ کیا جو اسلام سے پہلے کے مذاہب اور ملل کے مابین پیدا ہو چکی تھیں۔ قرآنِ حکیم نے عقیدۂ توحید کی مختلف جہات کو پوری شرح و بسط سے بیان کر دیا ہے۔ تاہم سورۂ اخلاص عقیدۂ توحید کا ایسا جامع بیان ہے کہ اس میں عقیدۂ توحید کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ ان مغالطوں کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے۔ جن کا شکار انسانی شعور آغاز اسلام کے وقت تھا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (1)

''(اے نبی مکرّم!) آپ فرما دیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے ۝ اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے ۝ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے ۝ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے ۝''

توحید کے اسلامی معاشرے پر اثرات اتنے عالمگیر اور گہرے ہیں کہ اغیار بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکے:

There were two features in the social life of the Roman Empire in Muhammad's day that would make a particularly deep impression on the mind of an Arabian observer because, in Arabia, they were both conspicuous by their absence. The first of these features was monotheism in religion. The second was law and order in government. Muhammad's life-work consisted in translating each of these

(1) الاخلاص، ۱۱۲: ۱۔۴

elements in the social fabric of 'R?m' into an Arabian vernacular version and incorporating both his Arabianized monotheism and his Arabianized imperium into a single master? institution-the all-embracing institution of Islam-to which he succeeded in imparting such titanic driving-force that the new dispensation, which had been designed by its author to meet the needs of the barbarians of Arabia, burst the bounds of the peninsula and captivated the entire Syriac World from the shores of the Atlantic to the coasts of the Eurasian Steppe.(1)

''محمد ﷺ کے زمانے میں رومی سلطنت کی زندگی کی دو خصوصیات بہت ہی اہم ہیں جن سے ایک عام عربی ذہن بہت گہرا اثر لے سکتا تھا۔ کیونکہ عرب میں یہ دو خصوصیات موجود نہ ہونے کی وجہ سے بہت ہی زیادہ قابلِ توجہ تھیں ان خصوصیات میں سے پہلی توحید پر مبنی مذہب تھا اور دوسری قانون اور حکومت کا نظم ونسق تھا۔ محمد ﷺ کی زندگی بھر کی جدوجہد ان عناصر کو جو روم کی سماجی زندگی کے بنیادی عناصر تھے انہیں عرب کے مقامی حالات میں ڈھالنے اور انہیں عرب کے توحید پر مبنی مذہب اور ایک ہی آقا کے ماتحت عرب کی سلطنت کی تشکیل میں استعمال کرنے پر مبنی ہے۔ یعنی ایسا ادارہ جو ہمہ گیر ادارے اسلام پر مبنی تھا جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے کہ انہوں ایک نئی عظیم الشان قوت محرکہ فراہم کردی جسے ان وحشی اور بدوی مزاج رکھنے والے عرب کی ضروریات کے لئے تشکیل دیا گیا تھا اور پھر یہ نظام اس جزیرہ نما کی سرحدوں سے باہر نکل گیا اور اس نے پوری عرب دنیا اور شامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جو اوقیانوس کے ساحلوں سے لے کر یوریشیا کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔''

(۲) عقیدۂ رِسالت

اسلامی معاشرے اور تہذیب کی تشکیل میں رسالت کو مرکزی اور محوری حیثیت حاصل ہے۔ دین کی پوری عمارت کی بنیاد ایمان، اسلام اور احسان پر استوار ہے۔ اگر دین کے ان عناصر ترکیبی کے اجتماعی اور سماجی سطح پر اثرات کو دیکھیں تو ایمان دین کے مذہبی پہلو کا احاطہ کرتا ہے جو عقائد پر مشتمل

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, pp. 227-8.

ہے جبکہ اسلام ان عقائد کی روشنی میں عملی زندگی بسر کرنے کا نام ہے یعنی زندگی کا وہ ضابطہ عمل اور نظام قانون جو دین کے بنیادی عقائد کے خلاف نہ ہو بلکہ انہی عقائد کی تائید و توثیق کرے اسلام ہے۔اسی طرح احسان معاشرے کی اخلاقی او روحانی بالیدگی کا ایسا منہج ہے جس سے معاشرے کا جسد روحانی زندہ اور بحال رہتا ہے۔دین کے یہ تینوں شعبے اس وقت ہی موثر اور معاشرے کے لیے نتیجہ خیز ہو سکتے ہیں جب ان کا کامل اور قابل تقلید نمونہ موجود ہو۔حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہی وہ کامل نمونہ ہے جوایک مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے ان تینوں جہات کا کامل و اکمل نمونہ ہیں۔

تاریخ میں اُلوہی ضابطہ یہی رہا ہے کہ جب بھی کوئی معاشرہ انحطاط کا شکار ہواتو اس کے زوال اور انحطاط کا ازالہ وحی سے کیا گیا۔یعنی اس زوال زدہ معاشرے میں انبیائے کرام مبعوث ہوئے جنہوں نے اللہ کی تائید اور اپنے یقین وعمل کی قوت سے معاشرے کے تن مردہ میں پھر سے روح پھونک دی۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ہر خطے اورنسل انسانی کے ہر طبقے کی طرف اپنے رسول اور پیغمبر بھیجے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (۱)

”اور کوئی اُمت (ایسی) نہیں مگر اُس میں کوئی (نہ کوئی) ڈر سنانے والا (ضرور) گزرا ہے۝“

قرآن کریم کی یہ آیت عمومیت رسالت پر دلالت کرتی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ کرہ ارض کا ہر وہ خطہ جہاں چند انسانوں نے مل کر معاشرہ (society) تشکیل دیا ہے، اللہ کی طرف سے آنے والے انبیاء کے فیضان سے خالی نہیں رہا۔ اِنذار وتبشیر اور دعوت وتبلیغ کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ انسان انبیاء کی تعلیمات کے اثر سے تہذیب وتمدن کے اوصاف سے متصف ہوتا گیا تو آہستہ آہستہ نبوت ورسالت کے اس نظام میں وسعت و آفاقیت پیدا ہوتی چلی گئی اور ایسے انبیاء جن کا دائرہ تبلیغ صرف کرۂ ارضی کو محیط تھا' تشریف لا چکے تو کائنات ارضی وسماوی اور قیامت تک کے تمام ادوار کے لیے خاتم الانبیاء سرورکون ومکان' فخر موجودات ﷺ کو مبعوث کردیا گیا۔ اور وہ دنیا کے سب سے عظیم انقلاب اور سب سے بڑے دین کے داعی اور مبلغ اعظم قرار پائے۔ قرآن مجید نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اس شان کو یوں بیان فرمایا ہے۔

(۱) فاطر، ۳۵: ۲۴

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا۔ (۱)

''اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ (آپ) پوری انسانیت کے لئے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں۔''

یعنی اب قیامت تک امت مسلمہ کی معاشرتی، سماجی، تہذیبی اور ثقافتی شناخت کا واحد معتبر حوالہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی رسالت ہی ہوگی:

بمصطفی برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
گر بہ او نرسیدی تمام بو لہبی است

(۳) عقیدۂ آخرت

کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک صحت مند روایات کا امین نہیں بن سکتا جب تک اس میں جوابدہی کا تصور موجود نہ ہو۔ اسلام کی تہذیب اس حوالے سے امتیاز کی حامل ہے کہ دنیاوی زندگی کے بعد آخرت میں دنیاوی زندگی میں انجام دیے جانے والے اعمال کے احتساب اور جوابدہی کا تصور اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے، جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ قادر مطلق اور خالق کائنات کے سامنے جوابدہی کا یہ تصور جب سماجی اور عملی رویے میں ڈھلتا ہی تو ایسا تمدن وجود میں آتا ہے جس میں خیر کے فروغ کے امکانات برائی کے فروغ کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ایمان پر استحکام اور کفر کے انکار کی بنیاد اسی تصور کو قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم ایمان بالآخرت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے واضح کرتا ہے:

کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَکُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ (۲)

''تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندگی بخشی، پھر تمہیں موت سے ہمکنار کرے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۝''

جواب دہی اور جرم وسزا کا یہ تصور قرآن مجید میں اِس طرح مذکور ہے:

---

(۱) السبا، ۳۴: ۲۸

(۲) البقرہ، ۲: ۲۸

وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(۱)

’’اور تمہارے اجر پورے کے پورے تو قیامت کے دن ہی دیئے جائیں گے۔‘‘

مزید اِرشاد فرمایا گیا:

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝(۲)

’’پھر ہر شخص کو اُس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۝‘‘

اِس اَمر کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ۝(۳)

’’اور ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کے ترازو رکھ دیں گے، سو کسی جان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا (تو) ہم اُسے (بھی) حاضر کر دیں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۝‘‘

بالآخر جزا و سزا کی آخری صورت یوں دکھائی جائے گی کہ:

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ۝(۴)

’’اور (اُس دن) جنت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی۝ اور دوزخ گمراہوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۝‘‘

عقیدۂ آخرت کے سلسلے میں اِن بنیادی اَجزاء پر کامل یقین رکھنا ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ جس سے انسان کی سماجی اور معاشرتی زندگی براہ راست متاثر ہوتی ہے۔ اگر افراد معاشرہ اس عقیدہ کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر مستحضر رکھیں۔

(۴) اِحترام رسالت مآب ﷺ

اسلامی معاشرے کا نمایاں ترین وصف یہ ہے کہ اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کو مرکز و محور

(۱) آل عمران، ۳: ۱۸۵

(۲) آل عمران، ۳: ۱۶۱

(۳) الأنبياء، ۲۱: ۴۷

(۴) الشعراء، ۲۶: ۹۰، ۹۱

کی حیثیت حاصل ہے۔ اُمتِ مسلمہ کی شناخت نسبت رسالت مآب سے ہی وابستہ ہے۔ قرآن حکیم میں اس پہلو پر کئی مقامات پر زور دیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ [1]

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیِ مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہوجائیں اور تمہیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہوجانے کا) شعور تک بھی نہ ہو۝''

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۝ [2]

''بیشک جو لوگ رسول (ﷺ) کی بارگاہ میں (ادب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چُن کر خالص کر لیا ہے۔ ان ہی کے لئے بخشش ہے اور اجرِ عظیم ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ [3]

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کہا کرو یہ تمہارے لئے بہتر (نصیحت) ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کرو۝''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ط اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ

---

(۱) الحجرات، ۴۹: ۲

(۲) الحجرات، ۴۹: ۳

(۳) النور، ۲۴: ۲۷

الْحَقِّ ط وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ط وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ط اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللهِ عَظِيْمًا ○ (۱)

”اے ایمان والو! نبیِ (مکرم ﷺ) کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کے لئے اجازت دی جائے (پھر وقت سے پہلے پہنچ کر) کھانا پکنے کا انتظار کرنے والے نہ بنا کرو، ہاں جب تم بلائے جاؤ تو (اس وقت) اندر آیا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو (وہاں سے اُٹھ کر) فوراً منتشر ہو جایا کرو اور وہاں باتوں میں دل لگا کر بیٹھے رہنے والے نہ بنو۔ یقیناً تمہارا ایسے (دیر تک بیٹھے) رہنا نبیِ (اکرم) کو تکلیف دیتا ہے اور وہ تم سے (اُٹھ جانے کا کہتے ہوئے) شرماتے ہیں اور اللہ حق (بات کہنے) سے نہیں شرماتا، اور جب تم اُن (ازواجِ مطہرات) سے کوئی سامان مانگو تو اُن سے پسِ پردہ پوچھا کرو، یہ (ادب) تمہارے دلوں کے لئے اور ان کے دلوں کے لئے بڑی طہارت کا سبب ہے، اور تمہارے لِئے (ہرگز جائز) نہیں کہ تم رسول اللہ (ﷺ) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ (جائز) ہے کہ تم اُن کے بعد ابد تک اُن کی ازواجِ (مطہرات) سے نکاح کرو، بیشک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے ○“

(۵) اِنسانی مساوات

مساوات اسلامی معاشرے کی ایک لازمی قدر ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا دور مبارک تاریخ انسانی کے روشن دنوں کا امین ہے۔ زمین پر عدل کی حکمرانی قائم ہوئی۔ ارشاد ہوا: اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیئے جائیں گے۔ (۲)

عدل و انصاف اور مساوات کا یہ حال تھا کہ حکمرانِ وقت امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے

---

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۵۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب وقال اللیث حدثنی، ۴: ۱۵۶۶، رقم: ۴۰۵۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحدود، باب قطع السارق، ۳: ۱۳۱۱، رقم: ۱۶۸۸

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الحدود، باب فی الحد، ۲: ۵۳۷، رقم: ۴۳۷۳

شریف و نجیب اور قریشی النسل ایک غلام کے بیٹے اُسامہ کے گھوڑے کی رکاب تھامے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔(۱) عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے نڈر و بے باک خلیفہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو سیدنا کہہ کر پکارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔(۲)

حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات کا ذکر تھا کہ آپ ﷺ کی صحبت، اخلاق حسنہ، نشست و برخاست، بود و باش اور شب و روز نے ایک ایسا انقلاب بپا کیا کہ آپ ﷺ کی ہم نشینی کا اعزاز حاصل کرنے والا شخص شرف انسانیت کا مظہر تھا۔

(۶) اَمن و سلامتی

حضور نبی اکرم ﷺ پیغمبر امن بن کر دنیا میں مبعوث ہوئے۔ عہد رسالتمآب ﷺ کا کسی بھی حوالے سے جائزہ لیا جائے۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں ہی امن قائم نہیں ہوا بلکہ پوری نسل انسانی کو سکون اور اطمینان کی چادر عطا ہوئی۔

یہ ایک ایسا انقلاب تھا جس میں نسلی عصبیت کا پیکر انسان دوسروں کی جان و مال کا محافظ بن گیا۔ ظلم و استبداد سے اقوام کے گلے میں غلامی کا طوق ڈالنے والا دوسروں کی آزادی کا علمبردار بن گیا۔ دوسروں کی عزت و آبرو سے کھیلنے والا انہیں کی عفت و عصمت کا رکھوالا بن گیا۔ الغرض قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات کے نور سے سارے کا سارا معاشرہ امن کا گہوارہ بن گیا اور دیگر اقوام امن کی خیرات لینے کے لئے اسلام کی طرف رجوع کرنے لگیں۔ آخر کار اسلامی تہذیب و تمدن اور نظام حیات کی برکات سے اندھیرے چھٹنے لگے۔

اسلام نے اقلیتوں کو بھی سلامتی عطا کی اور اپنے دور عروج میں باوجود ایک غالب تہذیب ہونے کے ان پر کسی بھی نوعیت کے جبر کی اجازت نہ دی:

Contrary to widespread Christian notions, Islam normally did

(۱) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۶: ۳۰۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب بلال بن رباح، ۳: ۱۳۷۱، رقم: ۳۵۴۴

۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۳۲۰، رقم: ۵۲۳۹

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۳۳۸، رقم: ۱۰۱۵

not force conversion![1]

’’عیسائیت میں پھیلے ہوئی خیالات کے بالکل برعکس اسلام مذہب کی تبدیلی کے لئے جبر نہیں کرتا۔‘‘

مزید برآں اسلام نے انسانی وقار پر کسی دوسری وابستگی کی برتری کی نفی کی:

Society in the Muslim world formed a definite social pyramid. During the Umayyad period, descendents of the old Bedouin clans were on top, followed by mawali converts from other religions. Once the Abbasides took power, this distinction ceased to exist![2]

’’مسلم دنیا میں معاشرہ ایک متعین سماجی ڈھانچے کی تشکیل کا نام ہے۔ بنو امیہ کے زمانے میں قدیم بدوی قبائل کے جانشین سرفہرست تھے جن کی جگہ دوسرے مذاہب کے اسلام قبول کرنے والے موالی نے لی۔ جب عباسیوں نے اقتدار سنبھالا تو یہ امتیاز بھی ختم ہوگیا۔‘‘

اسلام کی اسی عالی ظرفی اور انسانیت نوازی نے اسے تمام طبقات کے لئے قابل قبول بنا دیا:

These non-Arab converts to Islam made it into a highly cosmopolitan, multiethnic religion and civilization.[3]

’’ان غیر عرب لوگوں کے اسلام قبول کرنے نے اسلام کو ایک بلند تر آفاقی اور کثیر النسلی مذہب اور تہذیب میں بدل دیا۔‘‘

امن و سلامتی کے سلسلے میں کہ مسلمانوں کا نصب العین فقط یہ نہیں تھا کہ وہ طاقتور قوم اور سب سے مضبوط گروہ ہوں۔ کیونکہ یہ بات انسان کے ذہن میں گھمنڈ اور نخوت و تکبر پیدا کرتی ہے اور انسانیت کی امن و سلامتی اور مساوات و اخوت کے منافی ہے۔ بلکہ مسلمانوں کا مقصد اخلاقی اور معنوی محاسن کا حصول ہے۔ جس جماعت کا نصب العین یہ ہوگا وہ سب سے اچھی اور نیک جماعت ہوگی اور وہ طاقت کے غرور اور قومی تفاخر کے مفاسد سے آلودہ نہیں ہوسکتی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے

(1) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, p. 194.
(2) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, p. 195.
(3) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, p. 194.

یہ امر مسلمانوں کے کردار کے لازمی جزو کے طور پر بیان فرمایا کہ وہ سراپا امن و سلامتی ہوتا ہے:

۱۔ **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔**(۱)

’’مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔‘‘

۲۔ **عَنِ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، أَنَّهُمُ اصْطَلَحُوا عَلَى وَضْعِ الْحَرْبِ، عَشْرَ سِنِينَ، يَأْمَنُ فِيهِنَّ النَّاسُ، وَعَلَى أَنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَكْفُوفَةً وَأَنَّهُ لَا إِسْلَالَ، وَلَا إِغْلَالَ۔**(۲)

’’حضرت مروان بن الحکم ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں (قریش) نے دس سال تک لڑائی بند رکھنے پر صلح کی، لوگ اس مدت میں امن سے رہیں گے اور فریقین کے دل صاف رہیں گے نہ چھپ کر بدخواہی کی جائی گی اور نہ ہی علی الاعلان کی جائے گی۔‘‘

(۷) اِصلاحِ معاشرہ

تیرہ سالہ مکی زندگی اور پھر دس سالہ مدنی زندگی میں عزم و عمل کے جو چراغ روشن ہوئے ان کی روشنی نے زندگی کے ہر گوشے کو بقعۂ نور بنا دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں جو مثالی معاشرہ قائم ہوا اس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل کوئی خرابی ایسی نہ تھی جو دنیا میں پائی نہ جاتی ہو۔ سارا معاشرہ کلی بگاڑ کا شکار تھا ہر طرف فتنہ و فساد اور افراتفری تھی۔ چین اور سکون لٹ چکا تھا۔ آخر کار اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے معاشرے کی صلاح و تطہیر کے لئے اپنا آخری نبی ﷺ دنیا میں بھیجا۔ جس نے بہت قلیل عرصے میں اس بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، ۱: ۱۳، رقم: ۱۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام، ۱: ۶۵، رقم: ۴۱

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب الهجرة هل انقطعت، ۳: ۴، رقم: ۲۴۸۱

(۲) أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب في صلح العدو، ۳: ۸۶، رقم: ۲۷۶۶

احسن طریقے سے فرمائی۔ زندگی کے ہر شعبے کی خرابیوں کو درست کیا اور معاشرے کا کوئی پہلو ایسا نہ رہا جس تک آپ ﷺ کی نگاہ نہ پہنچی ہو۔ نتیجۂ آپ کی جہد مسلسل اور سعی پیہم کی وجہ سے تیئیس سال کے مختصر عرصے میں وہ مثالی معاشرہ وجود میں آ گیا جو آج تک اپنی مثال آپ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی معاشرے کی بنیاد خوفِ خدا پر رکھی۔ کیونکہ جس معاشرے کی بنیاد خوفِ خدا پر نہ ہو اس کی اصلاح قطعی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے خوف خدا کو اپنے معاشرے کی اصلاح کے لئے بنیادی ستون قرار دیا ہے۔ آج معاشرے میں جتنی بھی خرابیاں اور کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں وہ اسلامی تہذیب و ثقافت سے دوری کی وجہ سے ہیں۔ اگر ہم نے اسلامی نظام حیات سے انحراف کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا تو معاشرتی بگاڑ روز بروز بڑھتا ہی چلا جائے گا اور آخر وہ دِن بھی آجائے گا جب اس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی۔ لہٰذا اس دن کے آنے سے پہلے پہلے ہمیں اس کی اصلاح کی طرف سنجیدگی سے توجہ کرنی چاہیۓ۔

اسلام سوسائٹی کی تقسیم، نسلی امتیاز یا مال و دولت کے اصول پر نہیں کرتا۔ وہ صرف دانائی اور نادانی ہی کی اساس پر معاشرہ کی طبقہ بندی کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (۱)

''فرما دیجئے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہو سکتے ہیں؟''

اسلامی سوسائٹی میں بلند ترین مقام اشراف یا امراء کو حاصل نہیں ہے، بلکہ صرف ''خدا سے ڈرنے والوں کو'' ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (۲)

''بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔''

اور تقویٰ اور خوف وخشیت الٰہی اہل علم ہی کا حصہ ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (۳)

(۱) الزمر، ۳۹: ۹

(۲) الحجرات، ۴۹: ۱۳

(۳) فاطر، ۳۵: ۲۸

’’بس اللہ کے بندوں میں سے اس سے وہی ڈرتے ہیں جو (ان حقائق کا بصیرت کے ساتھ) علم رکھنے والے ہیں۔‘‘

قرآن حکیم خود حضور نبی اکرم ﷺ کا تعارف ’’معلم کتاب وحکمت‘‘ کی حیثیت سے کراتا ہے اور اس ’’معلم کتاب وسنت‘‘ کی بعثت کو مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت بتاتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ۝‘‘

لہٰذا اسلام نے اقدار حیات کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس میں علم وحکمت ہی کو زندگی کی قدر اعلیٰ (خیر کثیر) قرار دیا ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (۲)

’’اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہوگئی۔‘‘

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ (۳)

’’اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ۝‘‘

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (۴)

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۶۴

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۶۹

(۳) الأعراف، ۷: ۳۱

(۴) لقمان، ۳۱: ۶

’’اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بیہودہ کلام خریدتے ہیں تاکہ بغیر سوجھ بوجھ کے لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں اور اس (راہ) کا مذاق اڑائیں، ان ہی لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے○‘‘

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ○(۱)

’’اور آپ ان لوگوں کو چھوڑے رکھیے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی نے فریب دے رکھا ہے اور اس (قرآن) کے ذریعے (ان کی آگاہی کی خاطر) نصیحت فرماتے رہیے تاکہ کوئی جان اپنے کئے کے بدلے سپردِ ہلاکت نہ کر دی جائے (پھر) اس کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارشی اور اگر وہ (جان اپنے گناہوں کا) پورا پورا بدلہ (یعنی معاوضہ) بھی دے تو (بھی) اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے کے بدلے ہلاکت میں ڈال دیئے گئے ان کے لئے کھولتے ہوئے پانی کا پینا ہے اور دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے○‘‘

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ○(۲)

’’جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور ظاہری آرائش ہے اور آپس میں فخر اور خود ستائی ہے اور ایک دوسرے پر مال و اولاد میں زیادتی کی طلب ہے، اس کی مثال بارش کی سی ہے کہ جس کی پیداوار کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر تم

(۱) الأنعام، ۶: ۷۰

(۲) الحدید، ۵۷: ۲۰

اسے پک کر زرد ہوتا دیکھتے ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، اور آخرت میں (نافرمانوں کے لئے) سخت عذاب ہے اور (فرمانبرداروں کے لئے) اللہ کی جانب سے مغفرت اور عظیم خوشنودی ہے، اور دنیا کی زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا کچھ نہیں ہے○‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے کارہائے منصب کو بیان کرتے ہوئے جب فرمایا کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے تو آپ ﷺ نے معاشرے کی عملی اصلاح کی اہمیت اجاگر فرما دی۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اللہ کی عطا کردہ رہنمائی سے معاشرے کو ذہنی، فکری اور علمی روشنی عطا فرمائی بلکہ عملاً افراد معاشرہ کے احوال کو بھی سدھارا۔ اگر اس تناظر میں تعلیمات نبوی کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے انفرادی رویوں، عادات و اطوار سے لے کر اجتماعی طرز عمل تک ہر پہلو کی اصلاح فرمائی۔ اس کا اندازہ آپ کے درج ذیل فرامین مبارکہ سے ہوتا ہے:

۱۔ قال: الطهارة أربع: قص الشارب، وحلق العانة، وتقليم الأظفار، والسواک۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پاکیزگی چار چیزوں میں ہے: مونچھیں کٹوانا، موئے عانہ صاف کرنا، ناخن تراشنا اور مسواک کرنا۔‘‘

۲۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

قال ﷺ: خمس من سنن المرسلين: الحياء، والحلم، والحجامة، والتعطر، والنكاح۔(۲)

’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزیں سنتِ انبیاء علیہم السلام ہیں، حیاء، حلم، حجامت، خوشبو اور نکاح۔‘‘

۳۔ قال ﷺ: خير طيب الرجال ما ظهر ريحه وخفي لونه، وخير طيب النساء

(۱) هيثمي، مجمع الزوائد، ۵: ۱۶۸

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب النكاح، باب ماجاء في فضل التزويج والحث عليه، ۳: ۳۹۱، رقم: ۱۰۸۰

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۱۳۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۲۱، رقم: ۲۳۶۲۸

ما ظهر لونه وخفي ريحه۔(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مردوں کی بہترین خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو ہو مگر رنگ نہ ہو اور عورتوں کی بہترین خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ہو مگر خوشبو نہ ہو۔''

۴۔ **قال ﷺ: اقبلوا الكرامة، وأفضل الكرامة الطيب، أخفه محملًا وأطيبه رائحة۔**(۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عزت (تحفہ) قبول کرو اور سب سے افضل عزت (تحفہ) خوشبو ہے۔ جو اٹھانے میں ہلکی اور اس کی خوشبو میں پاکیزہ ہے۔''

۵۔ **قال ﷺ: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبس حريرًا ولا ذهبًا۔**(۳)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے پس وہ ریشم اور سونا نہ پہنے۔''

۶۔ **قال ﷺ: من لبس ثوب حرير ألبسه الله ثوباً من النار يوم القيامة۔**(۴)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ریشم کا لباس پہنے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے آگ کا لباس پہنائے گا۔

۷۔ **قال ﷺ: من أسبل إزاره في صلاته خيلاء فليس من الله في حل ولا حرام۔**(۵)

---

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۴: ۳۲۱، رقم: ۷۹۳۸

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۴۲۸، رقم: ۹۴۰۸

۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۲۱۵، رقم: ۶۹۸

(۲) طبرانی، المعجم الأوسط، ۶: ۲۳۹، رقم: ۶۲۸۹

(۳) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۳: ۲۸۶، رقم: ۱۸۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۱، رقم: ۲۲۳۰۲

(۴) أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۲۴، رقم: ۲۶۸۰۰

(۵) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاۃ، باب الإسبال فی الصلاۃ، ۱: ۱۷۲، رقم: ۶۳۷

۲۔ منذری، الترغیب والترھیب، ۳: ۶۷، رقم: ۳۱۰۴

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز میں تکبر کی خاطر اپنی ازار کو لٹکائے گا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں۔‘‘

۸۔ **عن معاوية بن حيدة قلت: يا رسول الله، عوراتنا ما نأتي وما نذر؟ قال: احفظ عورتک إلا من زوجتک أو ما ملكت يمينک۔**[۱]

’’حضرت معاویہ بن حیدہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اپنے ستر کو کس سے چھپائیں اور کس سے نہ چھپائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی بیوی اور اپنی لونڈی کے سوا سب سے چھپاؤ۔‘‘

۹۔ **قال ﷺ: من لبس ثوبًا جديدًا فقال: الحمد لله الذي كساني ما أواري به عورتي وأتجمل به في حياتي، ثم عمد إلى الثوب الّذي أخلق فتصدق به، كان في كنف الله، وفي حفظ الله، وفي ستر الله حيًّا وميتًا۔**[۲]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نیا لباس پہن کر یہ دعا پڑھے ’’تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے لباس پہنایا کہ میں اس سے اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور زندگی میں اس سے زینت حاصل کرتا ہوں اور پرانے کپڑے صدقہ کر دے وہ زندگی بھر اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی حمایت حفاظت اور پردے میں رہے گا۔‘‘

۱۰۔ **قال ﷺ: البسوا من ثيابكم البياض، فإنها من خير ثيابكم، وكفنوا فيها**

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الادب عن رسول اللہ، ۵: ۲۸۹۴، رقم ۲۷۹۴
۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الحمام، باب ما جاء في التعري، ۴: ۴۰، رقم: ۴۰۱۷
۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۱: ۱۹۹، رقم: ۹۱۰
۴۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱۹: ۴۱۲، رقم: ۹۸۹

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب في دعا النبی ﷺ، ۵: ۵۵۸، رقم: ۳۵۶۰
۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب اللباس، باب ما یقول الرجل إذا لبس ثوبا جدیدا، ۲: ۱۱۷۸، رقم: ۳۵۵۷
۳۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۵: ۱۸۹، رقم: ۲۵۸۹

موتاکم، وإن من خیر أکحالکم الإثمد، إنّہ یجلو البصر وینبت الشعر۔[1]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ وہ تمہارے تمام کپڑوں میں سب سے بہتر ہے اور اسی کا اپنے مردے کو کفن دیا کرو اور تمہارے سرموں میں سب سے بہتر اثمد ہے جو بینائی کو چمکاتا اور پلکوں کو اگاتا ہے۔''

۱۱۔ نهی النبي ﷺ عن لبستین: المشهورة في حسنها، والمشهورة في قبحها۔[2]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے دو لباسوں سے منع فرمایا: جو خوبصورتی میں مشہور ہوں اور جو بد صورتی میں مشہور ہوں۔''

۱۲۔ قال ﷺ: لعن الله الرجل یلبس لبسة المرأة، والمرأة تلبس لبسة الرجل۔[3]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عورتوں کا لباس پہننے والے مرد اور مردوں کا لباس پہننے والی عورت پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے۔''

۱۳۔ قال ﷺ: لیس مِنّا من تشبّہ بالرّجال من النساء ولا من تشبّہ بالنّساء من الرّجال۔[4]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ عورتیں ہم میں سے نہیں جو مردوں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور نہ وہ مرد ہم میں سے ہیں جو عورتوں کے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔''

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الطب، باب في الأمر، ۴: ۸، رقم: ۳۸۷۸
۲۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۲۰۵، رقم: ۷۳۷۸

(۲) ہیثمي، مجمع الزوائد، ۵: ۱۳۵

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب اللباس، باب في لباس النساء، ۲: ۶۰، رقم: ۴۰۹۸
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۶۲، رقم: ۵۷۵۱
۳۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۲۱۵، رقم: ۷۴۱۵
۴۔ ہیثمي، موارد الظمآن، ۱: ۳۵۱، رقم: ۱۴۵۵

(۴) ہیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۰۳

۱۴۔ قال ﷺ: من أوى إلى فراشه طاهرًا يذكر الله تعالى حتّى يدركه النعاس، لم يتقلب ساعة من الليل يسأل الله شيئًا من خير الدنيا والآخرة إلّا أعطاه الله إياه۔(1)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص باوضو ہو کر سونے کے لئے اپنے بستر پر جاتا ہے اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے نیند آجاتی ہے پھر رات کی کسی گھڑی میں جب وہ کروٹ بدلتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی کوئی بھلائی یا بہتری مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرما دیتا ہے۔''

۱۵۔ قال ﷺ: خمروا الآنية، وأوكوا الأسقية، وأجيفوا الأبواب، واكفتوا صبيانكم عند العشاء، فإن للجن انتشارًا وخطفة، وأطفئوا المصابيح عند الرقاد۔(2)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: رات کے وقت برتنوں کو ڈھانپ دو، پانی کے برتنوں کے منہ بند کر دو، دروازوں کو بند کر دو اور اپنے بچوں کو عشاء کے وقت باہر جانے سے روکو۔ کیونکہ وہ جنات کے پھیل جانے اور دست درازی کرنے کا وقت ہے اور سوتے وقت چراغ بجھا دیا کرو۔''

۱۶۔ قال ﷺ: غطّوا الإناء، وأوكوا السقاء، فإنّ في السنة ليلة ينزل فيها وباء، لا يمر بإناء ليس عليه غطاء أو سقاء۔(3)

---

(1) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الدعوات، باب منه، ۵: ۵۴۰، رقم: ۳۵۲۶

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۸: ۱۲۵، رقم: ۷۵۶۸

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۲۳۱، رقم: ۸۸۰

(2) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب بدء الخلق، باب خمس من دواب، ۳: ۱۲۰۵، رقم: ۳۱۳۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۸۸، رقم: ۱۵۲۰۶

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۴: ۹۸، رقم: ۲۱۳۰

(3) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب الأمر، ۳: ۱۵۹۶، رقم: ۲۰۱۴

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۵۵، رقم: ۱۴۸۷۱

۳۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۱۲: ۱۸۰

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو اور مشکوں کا منہ بند رکھو کیونکہ سال میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے اور وہ اس برتن اور مشک میں سرایت کر جاتی ہے جو ڈھکا ہوا نہ ہو۔''

۱۷۔ قال ﷺ: إنّ اللہ تعالی طیب یحب الطیب، نظیف یحب النظافة، کریم یحب الکرم، جواد یحب الجود، فنظفوا أفنیتکم، ولا تشبهوا بالیهود۔[۱]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیزوں کو پسند فرماتا ہے، وہ صاف ہے اور صفائی کو پسند فرماتا ہے، کرم والا ہے اور اسے کرم محبوب ہے، سخی ہے اور سخاوت سے محبت فرماتا ہے پس اپنے گھر کے صحن صاف رکھا کرو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔''

۱۸۔ قال ﷺ: إذا خرجتم من بیوتکم باللیل فأغلقوا أبوابها۔[۲]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم رات کو اپنے گھروں سے نکلو تو دروازے بند کر دیا کرو۔''

۱۹۔ عن رجل من أصحاب النبي ﷺ أنّ رسول اللہ ﷺ قال: لیت شعري کیف أمّتي بعدي حین تتبختر رجالهم وتمرح نساؤهم ولیت شعري حین تصیرون صنفین صنفًا ناصبي نحورهم في سبیل اللہ وصنفًا عمالًا لغیر اللہ۔[۳]

''حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الأدب عن رسول اللہ، باب ما جاء ۵: ۱۱۱، رقم: ۲۷۹۹

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۲: ۱۲۱، رقم: ۷۹۰

(۲) هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۱۲

(۳) ۱۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۲۰: ۲۰۱

۲۔ مناوي، فیض القدیر، ۵: ۳۵۰

۳۔ هندي، کنز العمال، ۷: ۱۷۵

فرمایا: ہائے افسوس! میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا (اور ان کو کیا کچھ دیکھنا پڑے گا) جب ان کے مرد اکڑ کر چلا کریں گے اور ان کی عورتیں (سربازار) اتراتی پھریں گی اور جب میری امت کی دو قسمیں ہو جائیں گی ایک قسم تو وہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سینہ سپر ہونگے اور ایک قسم وہ ہوگی جو غیر اللہ ہی کے لئے سب کچھ کریں گے۔‘‘

۲۰۔ عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: صنفان من أهل النّارِ لم أرهما: قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها النّاس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإنّ ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا۔[1]

’’حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: دو جہنمی گروہ ایسے ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا (بعد میں پیدا ہوں گے) ایک وہ گروہ جن کے ہاتھوں میں بیل کی دم کی مانند کوڑے ہوں گے وہ ان کو لوگوں کے منہ پر (ناحق) ماریں گے۔ دوم وہ عورتیں جو (کہنے کو تو) لباس پہنے ہوئے ہوں گی لیکن درحقیقت برہنہ ہوں گی۔ (لوگوں کو اپنے جسم کی نمائش اور لباس کی زیبائش سے اپنی طرف) مائل کریں گی۔ (اور خود بھی مردوں سے اختلاط کی طرف) مائل ہوں گی، ان کے سر (فیشن کی وجہ سے) بختی اونٹ کی کوہان جیسے ہوں گے، یہ عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی نہ جنت کی خوشبو ہی ان کو نصیب ہوگی۔ حالانکہ جنت کی خوشبو دور دور سے آ رہی ہوگی۔‘‘

۲۱۔ عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ يمسخ قوم من أمتي في آخر

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، ۳: ۱۶۸۰، رقم: ۲۱۲۸

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۶: ۵۰۰، ۵۰۱، رقم: ۷۴۶۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۵، رقم: ۸۶۵۰

۴۔ أبويعلی، المسند، ۱۲: ۴۶، رقم: ۶۶۹۰

۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۶: ۸۰، رقم: ۵۸۵۴

۶۔ بيهقي، السنن الكبریٰ، ۲: ۲۳۴، رقم: ۳۰۷۷

۷۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۰۱، رقم: ۳۷۸۳

الزمان قردة وخنازير قيل: يا رسول الله، ويشهدون أن لا إله إلّا الله وأنّک رسول الله ويصومون؟ قال: نعم، قيل: فما بالهم يا رسول الله؟ قال: يتخذون المعازف والقينات والدفوف ويشربون الأشربة فباتوا على شربهم ولهوهم فأصبحوا قد مسخوا قردة وخنازير۔(۱)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں میری اُمت کے کچھ لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوں گے اور روزے بھی رکھتے ہوں گے؟ فرمایا: ہاں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا: وہ آلاتِ موسیقی، رقاصہ عورتوں اور طبلہ اور سارنگی وغیرہ کے رسیا ہوں گے اور شرابیں پیا کریں گے۔ بالآخر وہ ایک رات مصروفِ لہو ولعب رہیں گے اور جب صبح ہوگی تو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔‘‘

۲۲۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنّ النبي ﷺ قال: إنّ الله عزوجل إذا أراد أن يهلک عبداً نزع منه الحياء فإذا نزع منه الحياء لم تلقه إلّا مقيتاً ممقتاً، فإذا لم تلقه إلّا مقيتاً ممقتاً نزعت منه الأمانة فإذا نزعت منه الأمانة لم تلقه إلّا خائناً مخوناً فإذا لم تلقه إلّا خائناً مخوناً نزعت منه الرّحمة فإذا نزعت منه الرحمة لم تلقه إلّا رجيماً ملعناً فإذا لم تلقه إلّا رجيماً ملعناً نزعت منه ربقة الإسلام۔(۲)

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی ہلاکت کا فیصلہ فرماتا ہے تو (سب سے پہلے) اس سے شرم و حیا چھین لیتا ہے اور جب اس سے حیاء جاتی رہی تو تم (اس کی بے حیائیوں کی وجہ سے) اسے شدید مبغوض اور قابلِ نفرت پاؤ گے اور جب اس کی یہ حالت ہو جائے تو اس سے امانت (بھی) چھین لی جاتی ہے اور جب اس سے امانت چھن جائے تو تم (اس کی بددیانتی کی وجہ سے) اسے نرا خائن اور دھوکے باز پاؤ گے اور جب اس کی حالت یہاں تک پہنچ جائے

(۱) أبونعيم، حلية الأولياء، ۳: ۱۱۹، ۱۲۰

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب ذهاب الأمانة، ۲: ۱۳۴۷، رقم: ۴۰۵۴

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۷۰، رقم: ۴۰۰۰

تو اس سے رحمت بھی چھین لی جاتی ہے اور جب رحمت چھن جائے تو تم اسے (بے رحمی کی وجہ سے) مردود و ملعون پاؤ گے اور جب وہ اس مقام پر پہنچ جائے تو اس کی گردن سے اسلام کا پٹہ نکال لیا جاتا ہے (اور اسے اسلام سے عار آنے لگتی ہے)۔“

(۸) نظامِ حکمرانی کی اِصلاح

ریاست مدینہ ایک نظریاتی مملکت تھی اور اس مملکت کی بنیاد ہجرت مدینہ کے فوراً بعد رکھ دی گئی تھی۔ یہ گویا مصطفوی انقلاب کی تکمیل کی طرف سفر رحمت کا آغاز تھا۔ تحریک اسلامی مرحلہ انقلاب میں داخل ہو رہی تھی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کی مختصر ریاست میں اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کی اور نبوی حکمت سے اسلامی نظام حکومت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے بین الاقوامی اصولوں کے مطابق باہمی زندگی گزارنے کا معاہدہ کیا۔ صلح و جنگ کے اعلیٰ اصول قائم کیے اور ان کے مطابق عمل کیا۔ یہ اُصول اور تعلیمات ایسی ہیں کہ آج بھی دنیا کی مشکلات کا مداوا کر سکتی ہیں۔ جو سیاست اور حکمت عملی آپ ﷺ نے اپنائی تھی اس کے بنیادی اُصول آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح وہ دورِ نبوی اور مسلمانوں کے ابتدائی دور میں عملی طور پر کامیاب ثابت ہوئے تھے۔

شروع شروع میں جب اسلامی حکومت مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح تک محدود تھی تمام انتظامی اور سیاسی معاملات آپ ﷺ خود طے کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب تمام اہل عرب مسلمان ہوگئے اور اسلامی ریاست کی حدود پھیل گئیں تو آپ ﷺ نے ہر علاقے کے الگ الگ حاکم مقرر کیے۔ جیسا کہ مکہ معظمہ، عمان، بحرین، تیماء اور یمن کے مختلف حصوں کے لئے حکام مقرر کیے گئے۔ جزیرہ نمائے عرب چونکہ سب سے زیادہ آباد اور وسیع علاقہ تھا اور اس کا قدیم تہذیب و تمدن بھی مشہور تھا۔ اس کے علاوہ تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کا تجارتی کاروبار بھی ترقی پذیر تھا، زراعت اور صنعت و حرفت کے لحاظ سے بھی اس کی اہمیت تھی اس لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کے نظم و نسق، نظام سلطنت اور حکام کے تقرر پر خاص توجہ فرمائی۔

مدینہ منورہ کے نظام تہذیب و ثقافت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشرے کے منتشر اجزاء کو مرتب اور مربوط کیا اور اسے سماجی اور معاشرتی ہم آہنگی سے آشنا کیا آپ ﷺ نے جوانوں سے کہا کہ بوڑھوں کا احترام کریں، بوڑھوں سے کہا کہ بچوں پر شفقت کریں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ویوقّر کبیرنا۔(۱)

''(وہ شخص) ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا۔''

امیروں سے کہا کہ غریبوں کا خیال رکھیں، غریبوں کو کہا کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھیں۔ الغرض آپ ﷺ نے تمام طبقات کو معاشرے کی فلاح و بہبود پر لگا دیا۔ نتیجتاً آپ ﷺ کی حکمتِ عملی اور نظم و ضبط کی وجہ سے بغیر کسی جبر و تشدد کے متمول لوگ معاشرے کی فلاح و بہبود پر بے دریغ خرچ کرنے لگے اور یوں حضور ﷺ نے معاشرے کے مختلف طبقات کو باہم متحد اور منظم کردیا اور حق کی حمایت میں باطل کے خلاف سب کو صف آراء کردیا۔ آپ نے ان تمام عوامل سے احتراز کی تعلیم دی جو معاشرے یا مملکت کو عدم استحکام، اختلال اور جور و تظلم کا شکار کر سکتے ہیں۔

۱۔ **عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: سيأتي على الناس سنوات خدّاعات يصدق فيها الكاذب ويكذب فيها الصادق ويؤتمن فيها الخائن ويخون فيها الأمين وينطق فيها الرويبضة قيل وما الرويبضة؟ قال الرجل التّافه يتكلم في أمر العامة۔**(۲)

''حضرت ابوہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر بہت سے سال ایسے آئیں گے جن میں دھوکہ ہی دھوکہ ہوگا۔ اس وقت جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا۔ بددیانت کو امانت دار تصور کیا جائے گا اور امانت دار کو بددیانت اور ''رویبضہ'' یعنی گرے پڑے، نااہل لوگ قوم کی طرف سے نمائندگی کریں گے۔ عرض کیا گیا: ''رویبضہ'' سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ نااہل اور بے قیمت آدمی جو قوم کے اہم

(۱) ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الصبیان، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۹

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب شدة الزمان، ۲: ۱۳۳۹، رقم: ۴۰۳۶

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۹۱، رقم: ۷۸۹۹

۳۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۴: ۵۱۲، رقم: ۸۴۳۹

۴۔ أبویعلی، المسند، ۶: ۳۷۸، رقم: ۳۷۱۵

معاملات میں رائے زنی کرے۔"

۲۔ عن أم سلمة أنّها سمعت النبي ﷺ يقول: ليأتين على الناس زمان يكذب فيه الصادق ويصدق فيه الكاذب ويخون فيه الأمين ويؤتمن فيه الخؤون ويشهد فيه المرء ولم يستشهد ويحلف وأن لم يستحلف ويكون أسعد الناس في الدنيا لكع بن لكع لا يؤمن بالله ورسوله۔[1]

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ سچوں کو جھوٹا اور جھوٹوں کو سچا کہا جائے گا اور خیانت پیشہ لوگوں کو امانت دار اور امانت دار لوگوں کو خیانت پیشہ بتلایا جائے گا۔ بغیر طلب کئے لوگ گواہیاں دیں گے اور بغیر حلف اٹھوائے حلف اٹھائیں گے۔ اور کمینہ ابن کمینہ دنیاوی اعتبار سے سب سے زیادہ خوش نصیب ہوگا۔ جس کا نہ اللہ پر ایمان ہوگا نہ اس کے رسول ﷺ پر۔"

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات اور عملی اقدامات کے ذریعے اسلامی تہذیب کو فروغ پذیری کا منہج اور سمت عطا کی جس پر چل کر آنے والے زمانے میں وہ تہذیب وجود میں آئی جو دوسری تہذیبوں میں ہر لحاظ سے شوکت و تمکنت کی حامل تھی ۔ اس امر کا اعتراف ایک مغربی مفکر یوں کرتا ہے:

Aside from their military merits, their strength included extraordinary artistic sensitivity in literature, architecture and symbolic imagery: a commitment to justice for all, no matter how weak, a tolerance for non-believers that was unusual for its time .... In economic and administrative affairs, the Ottomans had a far more efficient tax system

(۱) ۱۔ بخاري، التاريخ الكبير، ۸: ۲۷۸، رقم: ۲۹۹۳
۲۔ طحاوي، شرح معاني الأثار، ۴: ۱۵۱
۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۳: ۳۱۴، رقم: ۷۱۱
۴۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۲۸۲، رقم: ۸۶۴۳
۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۲۸۳
۶۔ مناوي، فيض القدير شرح جامع الصغير، ۵: ۳۴۵

and better control of their provincial authorities than any European government of the fourteenth through sixteenth centuries.[1]

’’عسکری خوبیوں کے علاوہ ان کی طاقت ادب میں غیر معمولی فنی احساسات، فنِ تعمیر و علامتی تصویر کشی، سب کے لئے انصاف کے قیام چاہے کوئی کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، غیر مسلموں کے لئے رواداری اور برداشت جو کہ اس زمانے میں نہ ہونے کے برابر تھیں، پر مشتمل تھی۔ معاشی اور انتظامی معاملات میں عثمانیوں کا ٹیکسوں کا نظام بہت زیادہ کامیاب تھا اور انہیں چودھویں سے سولہویں صدی تک کی یورپی حکومتوں کی نسبت اپنے صوبوں پر بہتر کنٹرول حاصل تھا۔‘‘

(۹) حسنِ اَخلاق اور عدمِ تشدد

حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل ایمان کو خوش اخلاقی اور نرمی کی تعلیم دی اور انہیں تشدد اور ظلم سے منع فرمایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی کو حاکم بنا کر بھیجتے تو انہیں نصیحت فرماتے:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا۔(۲)

’’لوگوں کے لئے سہولت فراہم کرو اور مشکلات پیدا نہ کرو۔ لوگوں کو بشارت دو انہیں وحشت زدہ نہ کرو۔ اتفاق باہمی سے رہو اختلافات پیدا نہ کرو۔‘‘

آپ ﷺ حکام اور دیگر مسلمانوں کو یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اپنے ماتحت ملازموں اور عام لوگوں پر سختی نہ کریں حتی کہ حکومت ٹیکس اور واجبات بھی تشدد کے ذریعے وصول نہ کرے۔ آپ ﷺ ہر حالت میں نرمی، خوش اخلاقی اور سہولت کا رویہ اختیار کرنے کا حکم فرماتے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے تمام عمال کو یہ قطعی حکم دے رکھا تھا کہ غیر مسلم رعایا سے بھی جزیہ کی وصولی کے وقت ہرگز تشدد نہ کیا جائے بلکہ انہیں جزیہ اور دیگر واجبات کی ادائیگی میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

---

(1) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels *World Civilizations*, p. 495.

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب ما یکرہ، ۳: ۱۱۰۴، رقم: ۲۸۷۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب فی الأمر، ۳: ۱۳۵۸، رقم: ۱۷۳۲

إنّ الله يعذّب الذين يعذّبون النّاس في الدّنيا۔[۱]

''اللہ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں (لوگوں کو) عذاب دیتے ہیں۔''

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: يأتي على النّاس زمان يخيّر الرّجل فيه بين العجز والفجور فمن أدرک ذالک الزمان فليختر العجز على الفجور۔[۲]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں آدمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ یا تو احمق کہلانے کو اختیار کرے یا بدکاری کو اختیار کرے۔ پس جو شخص یہ زمانہ پائے اسے چاہئے بدکاری اختیار کرنے کی بجائے احمق کہلانے کو اختیار کرے۔''

آپ نے اخلاق حسنہ کے انفرادی اور معاشرتی پہلوؤں کو کئی مواقع پر بیان فرمایا اور ان پر عمل کی تلقین فرمائی:

عن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہما عن رسول الله ﷺ قال: إنّ الله لا يحبّ الفاحش ولا التفحش والّذي نفس محمد بيده لا تقوم السّاعة حتّى يظهر الفحش والتفحش وقطيعة الرحم وسوء المجاورة ويخون الأمين ويؤتمن الخائن۔[۳]

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر، باب الوعيد الشديد، ۴: ۲۰۱۷، رقم: ۲۶۱۳
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج، باب في التشديد، ۲: ۱۸۵، رقم: ۳۰۴۵
(۲) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۴۸۴، رقم: ۸۳۵۲
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۴۷، رقم: ۹۷۶۶
۳۔ أبو يعلى، المسند، ۱۱: ۲۸۷، رقم: ۶۴۰۳
۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۳۲۰، رقم: ۸۳۳۲
(۳) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۱۴۷، رقم: ۲۵۳
۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۵۵۸، رقم: ۸۵۶۶
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۹۹، رقم: ۶۸۷۲
۴۔ بزار، المسند، ۶: ۴۱۰

''حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بدکاری اور بدکلامی کو ناپسند فرماتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ بدکاری، بد زبانی، قطع رحمی اور برے ہمسائے عام نہ ہو جائیں۔ امانت دار کو خیانت کار اور خائن کو امانت دار نہ قرار دیا جانے لگے گا۔''

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: یأتي علی الناس زمان الصابر فیهم علی دینه کالقابض علی الجمر۔[1]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جس میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والے کی مثال ایسے ہو گی جیسے کوئی شخص آگ کے انگاروں سے مٹھی بھرے۔''

(۱۰) سادگی

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو سادہ زندگی گزارنے کی تلقین کی ہے اس سے معاشرے میں طبقاتی تقسیم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مادہ پرستی اور نفسانفسی کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سادہ زندگی ہمارے سامنے نمونۂ عمل ہے۔ آپ ﷺ بہت سادہ لباس زیب تن فرماتے حتی کہ اس وقت جب یمن سے لے کر شام تک اسلام کی سیادت کا پرچم لہرا رہا تھا پیغمبر اسلام ﷺ کے گھر میں صرف ایک معمولی سا پلنگ اور چمڑے کی ایک چھاگل تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے گھر میں تھوڑے سے جو کے علاوہ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ ﷺ گھر کا زیادہ تر کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے تھے، کپڑے خود دھو لیتے اپنے جوتے اپنے ہاتھ سے خود سی لیتے تھے، اونٹ خود باندھتے اور اپنے ہاتھ سے اس کے آگے چارہ ڈالتے۔ آپ ﷺ نے اہل ایمان کو زندگی میں سادگی کو شعار بنانے کی تلقین فرمائی:

۵۔ معمر بن راشد، الجامع، ۱۱: ۴۰۵

۶۔ ابن مبارک، الزهد، ۱: ۵۶۱، رقم: ۱۶۱۰

۷۔ هندي، کنز العمال، ۷: ۱۷۶

(۱) ترمذی، السنن، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في النهي عن سب الریاح، ۴: ۵۲۶، رقم: ۲۲۶۰

۱۔ قال ﷺ: من كرامة المؤمن على الله نقاء ثوبه ورضاء باليسير۔(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مومن کے اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہونے والی چیزوں میں سے ایک اس کے کپڑوں کا صاف ستھرا ہونا اور قناعت پر راضی رہنا ہے۔''

۲۔ قال ﷺ: كلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا من غير مخيلة ولا تسرفوا فإن الله يحب أن يرى أثر نعمته على عبده۔(۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کھاؤ پیو اور صدقہ کرو اور لباس پہنو جس میں تکبر نہ ہو اور فضول خرچی نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے پر نعمت کا اثر نظر آئے۔''

۳۔ قال ﷺ: لا ألبس القميص المكفّف بالحرير۔(۳)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں وہ قمیص نہیں پہنتا جس میں ریشمی کف لگے ہوئے ہوں۔''

۴۔ قال ﷺ: من لبس ثوب شهرة في الدنيا؛ ألبسه الله تعالى ثوب مذلة يوم القيامة۔(۴)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے کپڑے پہنے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ذلت کا لباس پہنائے گا۔''

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۳۹۵، رقم: ۱۳۴۵۸
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۵: ۱۳۲

(۲) ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۲۴۱

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الحمام، باب من كرهه، ۴: ۴۸، رقم، ۴۰۴۸
۲۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۲۱۱، رقم: ۷۴۰۰
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۳: ۲۴۶، رقم: ۵۷۶۸
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۴۴۲

(۴) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۹۲، رقم: ۵۶۶۴
۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۴۶۰، رقم: ۹۵۶۰

۵۔ قال ﷺ: إن كنتم تحبون حلية الجنة وحريرها فلا تلبسوها في الدنيا۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم جنت کی زینت اور ریشم پسند کرتے ہو تو دنیا میں اسے نہ پہنو۔''

۶۔ قال ﷺ: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبس حريرًا ولا ذهبًا۔ (۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ سونا اور ریشم نہ پہنے۔''

۷۔ عن عقبة بن عامر قال: أهدي لرسول الله ﷺ فروج حرير فلبسه ثم نزعه قال: لا ينبغي هذا للمتّقين۔ (۳)

''حضور نبی اکرم ﷺ کو ریشم کی قبا ہدیہ میں دی گئی آپ نے اسے پہن کر نماز پڑھی پھر کراہت کے ساتھ اسے زور سے کھینچ کر اُتارا پھر فرمایا: متقیوں کے لئے یہ لباس مناسب نہیں۔''

۸۔ قال ﷺ: لا يستمتع بالحرير من يرجو أيام الله۔ (۴)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۴۵

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۳۱۴، رقم: ۱۱۵۷

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۲: ۲۹۷، رقم: ۵۴۸۶

۴۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۴۳۴، رقم: ۹۴۳۶

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۱، رقم: ۲۲۳۰۲

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳: ۲۸۶، رقم: ۳۱۶۸

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصلاة، باب من صلى في فروج، ۱: ۱۴۷، رقم: ۳۶۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللباس، باب تحريم استعمال، ۳: ۱۰۴۶، رقم: ۲۰۷۴

(۴) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۷، رقم: ۲۲۳۵۶

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۸: ۱۰۶، رقم: ۷۵۱۰

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۷۱، رقم: ۱۳۲۱

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ریشمی لباس سے تمتع کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے (اُخروی) انعامات کی اُمید نہ رکھے۔‘‘

۹۔ **أنّ علیاً کان یلبس القمیص ثم یمد الکم حتّی إذا بلغ الأصابع قطع ما فضل ویقول: لا فضل للکمین علی الید۔**(۱)

’’حضرت علی ؓ قمیض پہنا کرتے تھے اور آستین کو کھینچتے یہاں تک کہ جب وہ انگلیوں تک پہنچ جاتی تو اس سے فالتو کو کاٹ دیتے اور فرماتے: آستین کو ہاتھ سے بڑھا ہوا نہیں ہونا چاہیے۔‘‘

۱۰۔ **قال ﷺ: إنّه لیس لنبي أن یدخل بیتًا مزوقًا۔**(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی نبی کے لیے اچھا نہیں کہ وہ نقش و نگار والے گھر میں داخل ہو۔‘‘

(۱۱) تواضع اور رواداری

حضور نبی اکرم ﷺ اسلام غرباء و مساکین اور فقراء کے ساتھ حسن سلوک اور مساوایانہ طرز عمل کی تعلیم دی حضور رحمت عالم ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھم! أحیینی مسکیناً وأمتنی مسکیناً واحشرني في زمرۃ المساکین۔(۳)

---

(۱) بیھقی، شعب الإیمان، ۵: ۱۳۸، رقم: ۶۱۸۳

(۲) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الأطعمۃ، باب إجابۃ الدعوۃ، ۳: ۳۴۴، رقم: ۳۷۵۵

۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الأطعمۃ، باب إذا رأی، ۲: ۱۱۱۵، رقم: ۳۳۶۰

۳۔ بیھقي، السنن الکبری، ۷: ۲۶۷، رقم: ۱۴۳۳۷

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الزھد، باب ما جاء أن الفقراء، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الزھد، باب مجالسۃ الفقراء، ۲: ۱۳۸۱، رقم: ۴۱۲۶

۳۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۳۵۸، رقم: ۷۹۱۱

"اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ، حالت مسکینی میں ہی موت دے اور قیامت کے دن مساکین کی ہی جماعت سے اٹھانا۔"

آپ ﷺ کی مجلس میں اکثر نادار، مساکین، فقراء اور معمولی حیثیت لوگوں ہجوم رہتا تھا۔ آپ ﷺ جس طرح صاحب ثروت لوگوں کے ساتھ پیش آتے تھے اس سے بھی زیادہ شفقت سے ان لوگوں سے سلوک فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی رواداری اور حسن سلوک کا اندازہ اس سے لگا لیں کہ فتح کہ روز آپ ﷺ نے اپنے خون کے پیاسوں کو **لا تثریب علیکم الیوم** کا مژدہ جانفزا سنا کر معاف فرما دیا۔[1]

الغرض اسلام انسانیت کو پیار، محبت، الفت، حسن سلوک اور ایک دوسرے سے تعاون کی تعلیم دیتا ہے۔ تواضع اور رواداری کی تلقین ہمیں سیرت الرسول ﷺ کے ہر ہر نقش سے نمایاں نظر آتی ہے:

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ: لا تقوم السّاعة حتّی یتباهی النّاس في المساجد۔[2]

"حضرت انس بن مالک ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت

---

(۱) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحکام القرآن، ۷: ۳۵۱
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۴۹۰
۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۹: ۱۱۸

(۲) ۱۔ نسائي، السنن، کتاب المساجد، باب المباهاة في المساجد، ۲: ۳۲، رقم: ۶۸۹
۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب في بناء المساجد، ۱: ۱۲۳، رقم: ۴۴۹
۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب المساجد والجماعات، باب تشیید المساجد، ۱: ۲۴۴، رقم: ۷۳۹
۴۔ دارمي، السنن، کتاب الصلاة، باب في تزویق المساجد، ۱: ۳۸۳، رقم: ۱۴۰۸
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۴: ۴۹۳، رقم: ۱۶۱۴
۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۳۴، رقم: ۱۲۴۰۲

قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگ مسجدوں میں (بیٹھ کر یا مساجد کے بارے میں) فخر کرنے لگیں گے۔"

اسلام کے اس اعلیٰ وصف کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مغربی مفکر لکھتا ہے:

Muhammad prescribed the religious toleration of Jews and Christians who had made political submission to the secular arm of Islam, and he gave this ruling expressly on the ground that these two non-Muslim religious communities, like the Muslims themselves, were 'People of the Book'. It is significant of the tolerant spirit which animated Primitive Islam that, without express sanction from the Prophet himself, a similar toleration was afterwards extended in practice to the Zoroastrians who came under Muslim rule.(1)

"محمد ﷺ نے مذہبی رواداری کا درس دیا یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے جنہوں نے بھی ان کے سامنے سیاسی طور پر اتحاد کو قبول کیا۔ اور انہوں نے یہ حکم واضح طور پر اس بنیاد پر جاری کیا کہ یہ دونوں غیر مسلم طبقات مسلمانوں ہی کی طرح اہل کتاب ہیں۔ یہ رواداری والی روح کی ہی اہمیت تھی جس نے ابتدائی اسلام کو بہت زندگی عطا کی ۔گو کہ پیغمبر ﷺ کے طرف سے خود بہت واضح طور پر اس کے لئے ہدایات موجود نہ تھیں، بعد میں اس طرح کی رواداری کا طرزِ عمل مسلم حکمرانوں کے ماتحت زرتشتیوں کے لئے بھی روا رکھا گیا۔"

(۱۲) اِنسانی اُخوت

اسلام نے اپنی آمد کے بعد انسانیت کی منتشر صفوں میں اتحاد و الفت اور اخوت کی روح پیدا کریں۔ ایک دوسرے کے جانی دشمنوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ عداوت، حسد، کینہ اور بغض کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن تو ساری دنیا کے اہلِ کتاب کو دعوت اتحاد دیتے ہوئے کہتا ہے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔(۲)

"آپ فرما دیں: اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p 300.

(۲) آل عمران، ۳: ۶۴

درمیان یکساں ہے۔''

دوسری طرف اُخوتِ اسلامی کی بنیاد اللہ تعالی کے اس حکم پر ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○(۱)

''بات یہی ہے کہ (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔ سوتم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہوتا کہ تم پر رحم کیا جائے○''

ان آیاتِ مقدسہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام دنیا میں امن و آشتی کا دین ہے جو چہار دانگ عالم میں اتحاد و اتفاق کے پرچم بلند کر کے پوری دنیائے انسانیت کو وحدت کی لڑی میں پیرونا چاہتا ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○(۲)

''اور زمین میں اکڑ کر مت چل، بیشک تو زمین کو (اپنی رعونت کے زور سے) ہرگز چیر نہیں سکتا اور نہ ہی ہرگز تو بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے (تو جو کچھ ہے وہی رہے گا)○''

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے فرامینِ مبارکہ کے ساتھ بھی اس امر کی تلقین فرمائی:

۱۔ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ آخَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَسَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ. قَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ: إِنِّي أَكْثَرُ الْأَنْصَارِ مَالًا، فَأَقْسِمُ مَالِي نِصْفَيْنِ، وَلِي امْرَأَتَانِ، فَانْظُرْ أَعْجَبَهُمَا إِلَيْكَ فَسَمِّهَا لِي أُطَلِّقْهَا، فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا. قَالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ، أَيْنَ سُوْقُكُمْ؟ فَدَلُّوْهُ عَلَى سُوْقِ بَنِي قَيْنُقَاعَ، فَمَا انْقَلَبَ إِلَّا وَمَعَهُ فَضْلٌ مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ......(۳)

---

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱۰

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۷

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب: المناقب، باب: إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار، ۳: ۱۳۷۸، رقم: ۳۵۶۹

’’ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں: جب صحابہ کرام مدینہ تشریف لائے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن الربیع کے درمیان اخوت قائم کر دی۔ سعد بن الربیع نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں سو میں اپنا مال نصف نصف (اپنے اور تمہارے درمیان) تقسیم کرتا ہوں، اور میری دو بیویاں ہیں۔ تمہیں ان میں سے جو زیادہ پسند ہو مجھے اس کا نام بتا دینا تو میں اسے طلاق دے دوں گا، پھر جب اس کی عدت پوری ہوجائے تو تم اس سے شادی کرلینا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے اہلِ خانہ اور مال میں آپ کے لئے برکت فرمائے، (آپ مجھے یہ بتا دیں کہ) آپ کا بازار کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن کو بنو قینقاع کے بازار کا راستہ سمجھا دیا، پھر جب وہ (بازار سے) واپس لوٹے تو ان کے پاس کچھ گھی اور پنیر تھا......۔‘‘

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تُمَارِ أَخَاکَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدَةً فَتُخْلِفَهُ۔(۱)

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تُو اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرنا اور (عزتِ نفس کو مجروح کرنے والا) اس کے ساتھ مزاح نہ کرنا اور اس کے ساتھ کوئی ایسا وعدہ نہ کرنا جس کو تو نبھا نہ سکے۔

عَنْ أَبِي مُوْسَی ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب: البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب: ما جاء في مواساة الأخ، ۴: ۳۲۸، رقم: ۱۹۳۳

۳۔ شافعي، المسند، ۱: ۲۴۶

۴۔ بیهقي، السنن الکبری، ۷: ۲۳۶، رقم: ۱۴۱۴۰

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب البر و الصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في المراء، ۴: ۳۵۹، رقم: ۱۹۹۵

۲۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۶: ۳۴۰، رقم: ۸۴۳۱

۳۔ بخاري، الأدب المفرد، ۱: ۱۴۲، رقم: ۳۹۴

۴۔ أصبهاني، حلیة الأولیاء، ۳: ۳۴۴

بَعْضُهُ بَعْضًا، وَشَبَّکَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ۔[۱]

’’حضرت ابو موسیٰ (اشعری) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک (مضبوط) دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے، اور (اس بات کی وضاحت کے طور پر) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں۔‘‘

(۱۳) خواتین کا احترام

قبل از اسلام عورت کو مال و جائیداد میں حصہ دار نہیں بنایا جاتا تھا۔ اسلام نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ عورت کو وراثت میں شامل کیا قرآن میں ارشاد ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِی عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔[۲]

’’اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔‘‘

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: استوصوا بالنّساء خيراً۔[۳]

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم، ۲: ۸۶۳، رقم: ۲۳۱۴

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب البر والصلة والآدب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۵

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في شفقة المسلم على المسلم، ۴: ۳۲۵، رقم: ۱۹۲۸

۴۔ نسائي، السنن، کتاب الزکاة، باب أجر الخازن إذا تصدق بإذن مولاه، ۵: ۷۹، رقم: ۲۵۶۰

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۷، رقم: ۲۳۱

(۲) البقرة، ۲: ۲۲۸

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم، ۳: ۱۲۱۲، رقم: ۳۱۵۳

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الرضاع، باب الوصية بالنساء، ۲: ۱۰۹۰، رقم: ۱۴۶۸

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

موجودہ دنیا اس بات پر نازاں ہے کہ اس نے عورت کو مساوی حقوق دلوائے حالانکہ اگر حقائق کو مسخ نہ کیا جائے اور حقیقت پسندانہ انداز میں تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور سیرت مبارکہ نے سب سے پہلے عورت کو مظلومیت کی زنجیروں سے آزاد کرایا اور معاشرے میں باوقار زندگی گزارنے کا حق دیا۔

(۱۴) معاشی مساوات

اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات اور اسلام کے معاشی نظام کو دیکھا جائے تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اسلام معاشی مساوات کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم کا سخت مخالف اور دولت کو چند ہاتھوں میں جمع کرنے کی نفی کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (۱)

''جو (اموالِ فَے) اللہ نے (قُرَیظہ، نَضِیر، فِدَک، خَیبر، عُرَینہ سمیت دیگر بغیر جنگ کے مفتوحہ) بستیوں والوں سے (نکال کر) اپنے رسول (ﷺ) پر لوٹائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے ہیں اور (رسول ﷺ کے) قرابت داروں (یعنی بنو ہاشم اور بنو المطّلب) کے لئے اور (معاشرے کے عام) یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہیں (یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے) اور جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی رسول ﷺ کی تقسیم و عطا پر کبھی زبانِ طعن نہ کھولو)، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۝''

(۱) الحشر، ۵۹: ۷

دوسرے مقام پر قرآن میں ارتکاز کی مذمت یوں بیان کی گئی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo(۱)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیںo''

حضور نبی اکرم ﷺ نے ضرورت سے زائد مال کو ضرورت مندوں تک پہنچانے کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إنّ رسول الله ﷺ نظر إلى رجل يصرف راحلته في نواحي القوم فقال النبيّ ﷺ: من كان عنده فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له حتّى رأينا أن لا حق لأحد منّا في فضل۔(۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنی سواری کو ایک آبادی کی طرف موڑ رہا تھا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس زائد سواری کو اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس خوراک کا ذخیرہ ہے وہ ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس کھانے کو نہیں حتیٰ کہ ہم یہ خیال کرنے لگے کہ ہم میں سے کسی کو زائد مال پر کوئی اختیار نہیں۔''

(۱۵) علم و حکمت کا فروغ

اسلامی تہذیب کے بنیادی عناصر تشکیلی کی رو سے خلاق کائنات نے انسان کو نعمت وجود (تخلیق) سے نوازنے کے بعد سب سے پہلے ''علم الاسماء'' کی دولت سے مالا مال کیا اور یہ وہ دولت تھی جس سے ملائکہ بھی تہی دامن تھے۔ قرآن کہتا ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ

---

(۱) التوبة، ۹: ۳۴

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴، رقم: ۱۱۳۱۱

هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ○[۱]

''اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا، اور فرمایا: مجھے ان اشیاء کے نام بتا دو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہو○ فرشتوں نے عرض کیا: تیری ذات (ہر نقص سے) پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر اسی قدر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بیشک تو ہی (سب کچھ) جاننے والا حکمت والا ہے○''

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ اسلام نے پہلے ہی دن سے ''عقلیت'' کی اہمیت پر زور دیا۔ قرآن اپنے مخاطبین سے عقل و خرد اور فہم و تدبر کے استعمال کا بار بار مطالبہ کرتا ہے۔ ''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ،''[۲] ''اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ،''[۳] اور ''اَفَلَا يَتَفَكَّرُوْنَ''[۴] اس کی دعوت کا عام جز ہے۔ اسی معقولیت پسند تعلیم کا نتیجہ ہے کہ وہ کورانہ تقلید کو جو اُمم ماضیہ میں عام تھی، شرک سے تعبیر کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن پچھلی اُمتوں کے بارے میں کہتا ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ۔[۵]

''انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا۔''

ان مدعیان علم و حکمت نے خدا کے بندوں کو اوہام باطل کا شکار بنا رکھا تھا جن کے بارِ گراں سے ان کی مضطرب انسانیت کچلی جا رہی تھی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا انسانیت پر بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے اس کو اپنے ہی نبی کی ذہنی غلامی سے آزاد کیا۔ قرآن کہتا ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔[۶]

''اور ان سے ان کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔''

(۱) البقرۃ، ۲: ۳۱، ۳۲

(۲) البقرۃ، ۲: ۴۴

(۳) النساء، ۴: ۸۲

(۴) آل عمران، ۳: ۱۹۱

(۵) التوبۃ، ۹: ۳۱

(۶) الاعراف، ۷: ۱۵۷

حضور نبی اکرم ﷺ عطا کردہ تہذیب کی اساس ہی یہ تھی کہ وحی اِلٰہی کا آغاز ہی ''اقراء'' کے ایجابی امر سے ہوا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَo[1]

''(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایاo''

اور انسان پر معبود برحق کی سب سے بڑی نعمت یہ بتائی گئی کہ اس نے اس نادان کو دانائی سکھائی:

اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُo الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِo عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْo[2]

''پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہےo جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایاo جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھاo''

حضور نبی اکرم ﷺ نے جس روایت علم وحکمت کی بنیادیں رکھیں اس نے پوری انسانیت کو متاثر کیا:

The Arabic culture is of a singular interest to the student of human traditions in general, to those whose greatest task it seems to them is the rebuilding of human integrity in the face of national and international disasters, because it was, and to some extent still is, a bridge, the main bridge between East and West. It is through that bridge that the Hindu numerals, sines and chess, and the Chinese silk, paper, and porcelain reached Europe. Latin culture was Western, Chinese culture was Eastern, but Arabic culture was both, for it extended all the way from the Maghrib al-aqsa' to the Mashriq al-aqsa. Latin culture was Mediterranean and Atlantic, Hindu culture was bathed in the Indian Ocean, Far Eastern culture in the Pacific; the Arabic sailors, however, were as ubiquitous in all the oceans of the Middle Ages as the English are in those of to-day. The Latin

(۱) العلق، ۹۶: ۱

(۲) العلق، ۹۶: ۳، ۴، ۵

and Greek cultures were Christian, Hebrew culture was Jewish, Eastern Asia was Buddhist; the Arabic culture was primarily but not exclusively Islamic; it was stretched out between the Christianism of the West and the Buddhism of the East and touched both.[1]

’’عربی کلچر کا مطالعہ انسانی روایات کے طالب علم کے لیے بالعموم اور ان کے لیے بالخصوص اہمیت کا حامل ہے جن کا سب سے بڑا کام قومی اور بین الاقوامی انتشار کے ماحول میں انسانی وحدت کی تشکیل کرنا ہے، کیونکہ عربی کلچر ماضی میں اور آج بھی مشرق اور مغرب میں رابطے کا بہت بڑا پل ہے۔ یہ وہ ہی پل تھا جس سے ہندو اعداد، جیبی تفاعل اور شطرنج اور چائنہ کا ریشم، کاغذ اور چینی مٹی یورپ پہنچے۔ لاطینی کلچر مغربی تھا، چینی کلچر مشرقی تھا لیکن عربی کلچر میں دونوں جمع تھے کیونکہ یہ مغرب الاقصیٰ سے مشرق الاقصیٰ دونوں تک پھیلا ہوا تھا۔ لاطینی کلچر بحیرۂ روم اور بحر اوقیانوس، ہندو کلچر، بحر ہند، مشرق بعید کا کلچر، بحر الکاہل تک محدود تھا۔ مگر عرب ملاحوں نے قرونِ وسطیٰ کے تمام سمندروں میں اپنے ڈیرے ڈالے جیسا کہ انگریز آج کے دور میں کر رہے ہیں۔ لاطینی اور یونانی کلچر عیسائی، عبرانی، کلچر یہودی، مشرق ایشیا، بدھ مت تھا، جبکہ عربی کلچر بنیادی طور پر نہ کہ کلی طور پر اسلامی تھا۔ یہ مغرب کی عیسائیت سے لے کر مشرق کے بدھ مت تک پھیلا ہوا تھا اور دونوں کی قربت میں تھا۔‘‘

(۱۶) تجرباتی سائنس کا آغاز

حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت عیسائیت، رہبانیت کی اور افلاطونیت عیش و عشرت کی تعلیم دے رہی تھی۔ اگر یہ دونوں رجحان اسی طرح پنپتے رہتے تو سائنس اور علم کا خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن اسلام نے ان رجحانات کی سمت تبدیل کر دی اور حصولِ علم اور انسانی قوتِ مشاہدہ کو بروئے کار لانے پر زور دیتے ہوئے موجودہ تجرباتی سائنس کی بنیاد رکھی۔ مناظرِ فطرت کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی اور اولادِ آدم کو بیرونی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں تلاش کرنے کی طرف راغب کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p29.

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ○[۱]

’’بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کے رُخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے (ان میں) عقلمندوں کے لئے (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں○‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے سائنس سمیت ہر قسم کے علوم و فنون کے حصول پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

الحکمة ضالة المؤمن فحیث وجدها فهو أحق بها۔[۲]

’’حکمت (یعنی علم) مومن کی گم شدہ میراث ہے جہاں اسے پائے وہ اس کا دوسروں کی نسبت زیادہ حقدار ہے۔‘‘

طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔[۳]

’’علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔‘‘

ان حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات نے جدید سائنس اور

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۶۴

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه علی العبادة، ۵: ۵۱، رقم: ۲۶۸۷

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب الحکمة، ۲: ۱۳۹۵، رقم: ۴۱۶۹

(۳) ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ۱: ۸۱، رقم: ۲۲۴

انقلابات پر کس طرح گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔

جن فضلائے روزگار نے اسلامی ثقافت کے فروغ میں حصہ لیا، ان کی تعداد حد و حساب سے باہر ہے لیکن ان میں سے جن اہلِ کمال نے فکر انسانی کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت حاصل کر لی ہے ان میں سے بعض مشاہیر کا گوشوارہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

منطق و فلسفہ: ابو یوسف یعقوب ابن اسحاق الکندی، ابوالعباس احمد بن الطیب السرخسی، ابوزید احمد بن سہل البلخی، ابونصر الفارابی، ابوالحسن العامری، شیخ بوعلی سینا، ابوالعباس اللوکری، عمر الخیام، ابوالبرکات بغدادی، ابن ماجہ، ابن طفیل، ابن رشد، شہاب الدین سہروردی مقتول، امام فخر الدین رازی، محقق نصیر الدین طوسی، علامہ قطب الدین شیرازی، سراج الدین ارموی، افضل الدین خونجی، اثیر الدین ابہری، نجم الدین کاتبی، محقق دوانی، مرزا جان شیرازی، میر باقر داماد، ملا صدر الدین شیرازی، ملا محمود جونپوری، میر زاہد ہروی، ملا محب اللہ بہاری۔

طب: علی بن ابن الطبری، ابوبکر محمد بن زکریا الرازی، علی بن العباس المجوسی، ابو منصور قمری، شیخ بوعلی سینا، ابن رضوان مصری، ابوالقاسم زہراوی، ابن زہر، علی بن عیسیٰ الکحال، ابن النفیس۔

ریاضی و ہندسہ: محمد بن موسی الخوارزمی، عباس بن سعید الجوہری، سند بن علی، بنو موسیٰ، علی بن عیسیٰ الماہانی، ابوالعباس فضل بن حاتم التبریزی، ابراہیم بن سنان، ابو کامل شجاع بن اسلم، ابوجعفر الخازن، ابوالوفاء البوزجانی، ابوسہل ویجن بن رستم الکوہی، ابونصر بن عراق، ابن الہیثم، ابوالجود، ابوبکر الکرخی، استاذ المختص ابوالحسن علی بن احمد انسوی، عمر خیام، ابوالفتح محمود اصفہانی، محقق نصیر الدین طوسی، شمس الدین سمرقندی۔

ہیئت: محمد بن ابراہیم الفزاری، یعقوب بن طارق، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، یحییٰ بن ابی منصور، خالد بن عبدالملک المروزی، عباس بن سعید الجوہری، سند بن علی، الکندی، حبش الحاسب، ابومعشر البلخی، ابوحنیفہ الدینوری، جابر بن سنان البتانی، ابوالعباس فضل بن حاتم النیریزی، سلیمان بن عصمہ، عبدالعزیز الہاشمی، ابوجعفر الخازن، ابن الاعلم، کوشیار بن لبان، احمد بن عبدالجلیل السجزی، عبدالرحمٰن الصوفی، ابوسہل ویجن بن رستم الکوہی، ابوالوفاء البوزجانی، ابوحامد الصغانی، ابومحمود الخجندی، ابوالحسن علی بن احمد انسوی، ابو نصر بن عراق، ابوریحان البیرونی، محمد بن احمد المعموری، عمر الخیام، ابوالفتح عبدالرحمٰن الخازن، ابن یونس (صاحب الزیج الحاکمی)، ابن الصفار، ابن السمح، الزرقیال، بہاء الدین ابومحمد الخرقی، محقق طوسی، قطب الدین شیرازی، محی الدین مغربی، محمود بن عمر الجغمینی، الغ بیگ، غیاث الدین کاشی، قاضی زادہ رومی،

مولانا علاء الدین قوشجی، میرم چلپی، ملا فرید منجم، امام الدین ریاضی، مرزا خیر اللہ مہندس۔

جغرافیہ: ابن خرداذبہ، ابن واضح الیعقوبی، ابوالحسن المسعودی، ابن رستہ، الجیہانی، ابن الفقیہ، ابن حوقل، المقدسی ابن حائک الہمدانی، الادریسی، ابوالفداء، البکری، یاقوت حمد اللہ مستوفی۔

تاریخ: ابن اسحاق، ابن ہشام، الواقدی، ابن سعد، المدائنی، الکلبی، البلاذری، ابوالحسن المسعودی، ابن قتیبہ، ابن جریر الطبری، ابوریحان البیرونی، ابن مسکویہ، ابن الاثیر، ابن کثیر، ابوالفداء، ابن خلدون، عطا ملک جوینی، حمد اللہ مستوفی، رشید الدین فضل اللہ، ابن الندیم، قاضی صاعد اندلسی، شہرستانی، ابن القفطی، ابن ابی اُصیبعہ، ابوالحسن البیہقی، منہاج سراج جوزجانی، ضیاء الدین برنی، ابوالفضل، عبدالقادر بدایونی، فرشتہ وغیرہم۔

الغرض یہ مسلمان سائنسدانوں کا اجمالی تذکرہ ہے جنہوں نے مختلف میدانوں میں علم و حکمت کے نئے آفاق متعارف کروائے:

> Some of the giants of mediaeval times belonged to the Arabic culture, mathematicians and astronomers like AL-KHWARIZMI, ALFARGHANI, AL-BATTANI, ABU-L-WAFA, UMAR KHAYYAM, AL-BERUNI; philosophers like AL-FARABI, AL-GHAZZALI, IBN RUSHD, IBN KHALDUN, physicians like AL-RAZI, ISHAQ AL-ISRAILI,' ALI IBN 'ABBAS, ABU-AL-QASIM, IBN SINA, MAIMONIDES. This enumeration could be greatly extended. Few of these men were Arabs and not all of them were Muslims, but they all belonged essentially to the same cultural group, and their language was Arabic. This illustrates the absurdity of trying to appraise mediaeval thought on the basis of Latin writings alone. For centuries the Latin scientific books hardly counted; they were out-of-date and outlandish. Arabic was the international language of science to a degree which had never been equalled by another language before (except Greek) and has never been repeated since. It was the language not of one people, one nation, one faith, but of many peoples, many nations, many faiths.[1]

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p28.

"قرون وسطیٰ کے کچھ بڑے علمی نام عالم عرب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ریاضی دان اور ماہرین فلکیات مثلاً الخوارزمی، الفرغانی، البتانی، ابوالوفا، عمر خیام، البیرونی، فلاسفر مثلاً الفارابی، الغزالی، ابن الرشد، ابن خلدون، طبیب مثلاً الرازی، الاسرائیلی، علی ابن عباس، ابوالقاسم، ابن سینا، مامون۔ اس تعداد میں غیر معمولی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ عرب تھے لیکن سارے لوگ مسلمان نہیں تھے، لیکن ان سب کا تعلق ایک ہی ثقافتی گروہ سے تھا اور ان کی زبان عربی تھی۔ اس سے قرونِ وسطیٰ کی فکر کی صرف لاطینی تحریروں کی بنیاد پر وضاحت کرنے کی سطحیت اور مضحکہ خیزی واضح ہو جاتی ہے۔ صدیوں تک تو لاطینی سائنسی کتب بمشکل ہی کسی شمار میں تھیں وہ فرسودہ اور نامانوس تھیں۔ عربی سائنس کی بین الاقوامی زبان تھی، اس سے پہلے سوائے یونانی کے کوئی زبان اتنا مقام حاصل نہ کر سکی تھی اور نہ ہی اس کے بعد۔ یہ صرف کچھ لوگوں، ایک قوم، یا ایک عقیدے کی زبان نہ تھی بلکہ کئی لوگوں، کئی قوموں اور کئی عقیدوں کی زبان تھی۔"

لیکن یہ حضرات محض عالم ہی نہیں تھے بلکہ جید مفکر بھی تھے، جن کی دقت نظر اور جدت فکر نے علم وحکمت کے ذخیرے میں بیش بہا اضافے کیے:

The best Arabic scientists were not satisfied with the Greek and Hindu science which they inherited. They admired and respected the treasures which had fallen into their hands, but they were just as "modern" and greedy as we are, and wanted more. They criticized EUCLID, APOLLONIOS and ARCHIMEDES, discussed PTOLEMY, tried to improve the astronomical tables and to get rid of the causes of error lurking in the accepted theories. They facilitated the evolution of algebra and trigonometry and prepared the way for the European algebraists of the sixteenth century. Occasionally they were able to define new concepts, to state new problems, to tie new knots in the network of earlier traditions.[1]

"بہترین عرب سائنسدان اس یونانی اور ہندو سائنس سے مطمئن نہ تھے جو انہیں ورثے

---

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p28.

میں ملی تھی۔ انہوں نے ملنے والے اس علمی خزانے کی تعریف اور احترام کیا لیکن وہ اتنے ہی جدید اور علم کے لیے حریص تھے جتنے کہ آج ہم ہیں اور وہ مزید (علم) بھی چاہتے تھے انہوں نے اقلیدس، اپولونیس اور ارشمیدس پر تنقید کی، بطلیموس کو زیر بحث لائے، فلکیاتی جدولوں کو بہتر کرنے کی کوشش کی اور مقبول اور مروج نظریات میں جا بجا موجود غلطیوں کے اسباب کو دور کیا۔ انہوں نے الجبراء اور تکونیات کے ارتقاء کو ممکن بنایا اور سولہویں صدی کے یورپین ماہرین الجبراء کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اکثر و بیشتر وہ اس قابل تھے کہ انہوں نے نئے تصورات پیش کیے، نئے مسائل سامنے لائے اور پہلے سے موجود روایات کی تسلسل میں نئی گرہیں لگائیں۔"

ایک مغربی مصنف لکھتا ہے:

"عربوں (مسلمانوں) نے سائنس میں واقعی بڑے کمالات حاصل کیے۔ انہوں نے صفر کا استعمال (یا ترقیم اعداد کا طریقہ) سکھایا، اگرچہ انہوں نے اسے ایجاد نہیں کیا تھا اور اس طرح وہ روزانہ زندگی کے علم الحساب کے بانی بن گئے۔ انہوں نے علم الجبر والمقابلہ کو ایک تحقیقی علم بنا دیا اور اسے بہت زیادہ ترقی دی۔ انہوں نے تحلیلی ہندسہ کی بنیاد ڈالی۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ علم المثلثات المستویہ اور علم المثلثات الکرویہ کے بانی تھے جو صحیح بات تو یہ ہے کہ ان کے زمانے سے پہلے وجود ہی میں نہیں آئے تھے۔ علم الھیئت میں انہوں نے قیمتی مشاہدات کیے۔"(1)

طب کے اندر چھ صدیوں تک شیخ بوعلی سینا کی "کتاب القانون" یورپی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب رہی۔ اس سے پہلے علی بن العباس المجوسی کی "کامل الصناعۃ" کا رواج تھا۔ ان کے علاوہ ابوبکر بن زکریا الرازی کی بہت سی طبی تصانیف وہاں مروج تھیں۔

(۱۷) مبنی بر حقائق فکری روایت کا آغاز

علمی دنیا میں مسلمانوں نے حقائق کی تلاش اور دریافت پر علمی روایت کی بنیاد رکھی۔ یونانی منطق میں صرف قیاس (Syllogism) کو اہمیت دی جاتی تھی۔ استقراء (Induction) اور تمثیل (Analogy) کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر منطق کے مسلمان نقادوں نے "استقراء" کی اہمیت پر بھی زور دیا اور فقہائے کرام نے "تمثیل" کے مباحث کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا۔ طب

(1) Arnold, *Legacy of Islam*, p. 375.

میں ''دوران خون'' کے نظریہ کا انکشاف ولیم ہاروے کا کارنامہ بتایا جاتا ہے مگر اس کا شرف ابن النفیس کو پہنچتا ہے۔ ہیئت میں گردش ارضی کے نظریے کا انتساب کوپرنیکس کی جانب کیا جاتا ہے مگر آج سے ایک ہزار سال پہلے اس نظریہ کا سرگرم علمبردار احمد بن عبدالجلیل السجزی تھا جس نے اپنا اصطرلاب ہی اس اصول پر بنایا تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ قمر کے اختلاف ثالث کی دریافت کا شرف ٹیکو برہے کو دیا جاتا ہے مگر اس کا مستحق ابوالوفاء البوزجانی ہے۔

اقلیدس کے خطوط متوازی کے مصادرہ (Parallel Postulate) کا وہ بدل جو پلے فیر کے علوم متعارفہ (Playfair's Axiom) کے نام سے موسوم ہے ایک انگریز ہندسہ دان پلے فیر کی دریافت بتایا جاتا ہے جسے اس نے اپنے ''اصول اقلیدس'' کے ایڈیشن مرتبہ ۱۷۹۵ء میں لکھا تھا۔ مگر سب سے پہلے ابن الہیثم نے اسے دریافت کیا تھا۔ اس نے پلے فیر سے آٹھ سو سال قبل اس حقیقت کو پا لیا تھا اور پلے فیر سے کوئی ساڑھے پانچ سو سال قبل محقق طوسی نے اپنے ''الرسالہ الشافیہ'' میں اس کو بالتصریح ابن الہیثم کی طرف منسوب کیا تھا۔ پلے فیر کا علوم متعارفہ حسب ذیل ہے:

Two intersecting straight lines can not be parallel to one and the same.

اور بعینہ یہی الفاظ ابن الہیثم کے ہیں:

الخطان المستقیمان المتقاطعان لا یوازیان خطاً واحداً مستقیما.

''ایک دوسرے کو کاٹنے والے دو خط مستقیم ایک ہی خط مستقیم کے متوازی نہیں ہو سکتے۔''

مثلث کے رقبہ کا ضابطہ جو تمام ارضی مساحت (Geodetic Survey) کی بنیاد ہے یعنی:

Area of ABC=S(S-a)(S-b)(S-c)

Where S= a+b+c/2

اس ضابطہ کے دریافت کنندہ کا نام معلوم نہیں لیکن مغرب کے تفوق کے نتیجے میں اسے ایرن اسکندرانی کی دریافت بتا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ عہدِ اسلام کے مسلمان مہندسوں کے ایک مشہور خاندان کی دریافت ہے جو تاریخ میں بنوموسیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ بنوموسیٰ نے ہندسی مسائل پر ایک رسالہ بعنوان ''رسالہ فی ساحتہ الکرہ'' لکھا تھا۔ اس کے اندر جن مسائل کے باب میں انہوں نے متقدمین میں سے کسی کی خوشہ چینی کی تھی۔ بڑی فراخدلی کے ساتھ اس کی صراحت کر دی ہے اور جن

کے باب میں وہ کسی کے رہین منت نہیں ہیں۔ ان کی بھی تصریح کر دی ہے۔ مثلث کے رقبہ کا ضابطہ بھی ان کی تصریح کے مطابق انہیں کی دریافت ہے۔

علم المثلثات الکرویہ کا مشہور ضابطہ

Sine A/a=Sine B/b= Sine C/c

جس نے بطلیموس کی ''شکل القطاع'' کے پیچیدہ اعمال سے مہندسین کو بے نیاز کر دیا تھا نیپیر کی جانب منسوب کر کے Napier's Analogy کے نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہ مسلمان مہندس ابوالوفاء البوزجانی یا ابونصر بن عراق (استاد ابوریحان البیرونی) کی دریافت ہے۔

۱۸۔ تصورِ کائنات کی اصلاح

حضور نبی اکرم ﷺ سے قبل انسانیت کا تصورِ کائنات توہمات اور مغالطوں پر مشتمل تھا۔ فطرت و مظاہر انسان کا معبود تھا مگر آپ ﷺ نے اس تصور کو کلیتاً بدل دیا اور اہل ایمان کو کائنات کی پرستش کرنے کی بجائے اس کی تسخیر کرنے کی تعلیم دی۔

آپ سے قبل مشرک اقوام کا یہ حال تھا کہ وہ مظاہر کائنات کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے جاتے تھے اور جو کچھ اتفاق سے مل جاتا تھا اسے مزعومہ دیوتاؤں کی دین سمجھتے تھے اور جو کچھ نہ ملتا تھا اسے ان کے قہر و غضب کا نتیجہ گردانتے تھے۔ چنانچہ جب سکندر بحری سفر پر روانہ ہوا تو سمندر کے دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک سانڈ کی قربانی دی۔

لیکن اس کے برعکس اسلام اپنے پیروؤں کی بار بار ہمت افزائی کرتا ہے کہ وہ عالم طبیعی کو مسخر کر کے اس پر حکمرانی کریں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔ (۱)

''(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔''

(۱) لقمان، ۳۱: ۲۰

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَلَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○[1]

”اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اُس میں جہاز اور کشتیاں چلیں اور تاکہ تم (بحری راستوں سے بھی) اُس کا فضل (یعنی رزق) تلاش کر سکو، اور اس لئے کہ تم شکر گزار ہو جاؤ○“

پھر فرمایا:

وَسَخَّرَلَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ○[2]

”اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے، بیشک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں○“

(۱۹) سائنسی علوم کا فروغ

حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو وہ ضابطہ حیات عطا فرمایا جو بنی نوع انسان کو فلاح دارین کا راستہ عطا کرتا ہے۔ لہٰذا جہاں وہ اُخروی زندگی میں فلاح و نجاح کی تدبیریں سکھاتا ہے وہیں انہیں اپنی دنیوی زندگی کو بنانے، سنوارنے کی بھی تعلیم دیتا ہے کیونکہ اسلامی تصور زندگی میں ان دونوں زندگیوں میں کوئی منافاۃ یا تضاد نہیں بلکہ ”دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔“[3]

ہے اور دنیوی زندگی کی اصلاح و ترقی ”تمتع بالکائنات“ کا دوسرا نام ہے جس کی قرآن بار بار ہدایت کرتا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔[4]

---

(۱) الجاثیۃ، ۴۵: ۱۲

(۲) الجاثیۃ، ۴۵: ۱۳

(۳) عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۲۳۰

(۴) البقرۃ، ۲: ۲۹

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

اسی تسخیر کائنات کے حکم خداوندی کی بجا آوری کا جذبہ اسلامی فکر میں مختلف علوم وفنون کے پیدا ہونے کا سب سے قوی عامل ہے۔ یہی نہیں بلکہ قرآن تفصیل کے ساتھ فطرت کے مختلف مظاہر کے مطالعہ کی تاکید کرتا ہے۔

تمام علوم طبیعی کا سنگ بنیاد مطالعہ فطرت ہے اور قرآن حکیم بار بار اس پر زور دیتا ہے۔ وہ ایجابی طور پر اپنے متبعین کو مامور کرتا ہے کہ وہ مظاہر کائنات کا مشاہدہ کریں، کیونکہ ان میں سوچنے اور سمجھنے والوں کی رہنمائی کے لیے نشانیاں ظاہر و باہر ہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○(۱)

''فرما دیجئے: تم لوگ دیکھو تو (سہی) آسمانوں اور زمین (کی اس وسیع کائنات) میں قدرتِ الٰہیہ کی کیا کیا نشانیاں ہیں، اور (یہ) نشانیاں اور (عذابِ الٰہی سے) ڈرانے والے (پیغمبر) ایسے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو ایمان لانا ہی نہیں چاہتے○''

یہی نہیں بلکہ وہ اس فریضے سے پہلو تہی کرنے والوں کو زجر و توبیخ کرتا ہے:

اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ○(۲)

''کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور (علاوہ ان کے) جو کوئی چیز بھی اللہ نے پیدا فرمائی ہے (اس میں) نگاہ نہیں ڈالی (اور غور نہیں کیا) اور اس میں کہ کیا عجب ہے ان کی مدت (موت) قریب آچکی ہو، پھر اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے○''

اسلام کے نظریہ حیات میں تکمیل ایمان ''ایمان بالآخرۃ'' پر موقوف ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے تخلیقِ کائنات کا مطالعہ اور اس مطالعے کے لیے سیر و سیاحت ضروری ہے۔ قرآن کہتا ہے:

---

(۱) یونس، ۱۰: ۱۰۱

(۲) الأعراف، ۷: ۱۸۵

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝(۱)

''فرما دیجئے: تم زمین میں (کائناتی زندگی کے مطالعہ کے لئے) چلو پھرو، پھر دیکھو (یعنی غور و تحقیق کرو) کہ اس نے مخلوق کی (زندگی کی) ابتداء کیسے فرمائی پھر وہ دوسری زندگی کو کس طرح اٹھا کر (ارتقاء کے مراحل سے گزارتا ہوا) نشو و نما دیتا ہے۔ بیشک اللہ ہر شے پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔''

اور اس فریضے کی بجا آوری میں کوتاہی کرنے والوں سے وہ باز پرس کرتا ہے:

اَوَ لَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝(۲)

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا (یعنی غور نہیں کیا) کہ اللہ کس طرح تخلیق کی ابتداء فرماتا ہے پھر (اسی طرح) اس کا اعادہ فرماتا ہے۔ بیشک یہ (کام) اللہ پر آسان ہے۝''

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ فلکیات کا مطالعہ ملت اسلامیہ کا مقدس ترین ورثہ ہے، اسی نے ''سب سے پہلے مسلمان یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی چشم جہاں بین کو نور توحید سے روشن کیا، بقول اقبالؔ:

وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہان بین خلیل

ارشاد ربانی ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَا اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۲۰

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۱۹

لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ o[1]

’’پھر جب ان پر رات نے اندھیرا کردیا تو انہوں نے (ایک) ستارہ دیکھا (تو) کہا (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا o پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا (تو) کہا: (کیا تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ (بھی) غائب ہوگیا تو (اپنی قوم کو سنا کر) کہنے لگے: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ فرماتا تو میں بھی ضرور (تمہاری طرح) گمراہوں کی قوم میں سے ہو جاتا o پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا (تو) کہا: (کیا اب تمہارے خیال میں) یہ میرا رب ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے؟ پھر جب وہ (بھی) چھپ گیا تو بول اٹھے اے لوگو! میں ان (سب چیزوں) سے بیزار ہوں جنہیں تم (اللہ کا) شریک گردانتے ہو o بیشک میں نے اپنا رُخ (ہر سمت سے ہٹا کر) یکسوئی سے اس (ذات) کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا فرمایا ہے اور (جان لو کہ) میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں o‘‘

اس لیے قرآن خصوصیت سے اجرام فلکی کے مشاہدے کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ یہ مطالعہ انسان ہی کے فائدے کے لیے ہے:

هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالۡحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ o[2]

’’وہی ہے جس نے سورج کو روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو (اس سے) روشن (کیا) اور اس کے لئے (کم و بیش دکھائی دینے کی) منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (اوقات کا) حساب معلوم کرسکو، اور اللہ نے یہ (سب کچھ) نہیں پیدا فرمایا مگر درست تدبیر کے ساتھ، وہ (ان کائناتی حقیقتوں کے ذریعے اپنی خالقیت، وحدانیت اور قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لئے تفصیل سے واضح فرماتا ہے جو علم رکھتے ہیں o‘‘

(۱) الأنعام، ۶: ۷۶-۷۹

(۲) یونس، ۱۰: ۵

چنانچہ جب آیۂ کریمہ ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ○ ''بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقلِ سلیم والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں○''﴾[1] ۔ کا نزول ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ویل لمن لاکها بین لحیتیه ولم یتفکر فیها۔[2]

''تباہی ہے اس کے لیے جو اس آیت کریمہ کی منہ سے تلاوت کرتا ہے مگر اس کے معانی و مفہوم پر غور نہیں کرتا۔''

اور یہ رجحان علمائے دین میں آخر تک قائم رہا، چنانچہ امام غزالی کا ارشاد ہے:

من لم یعرف الهیئة والتشریح فهو عنین فی معرفة اللّٰه تعالیٰ۔[3]

''جو شخص علم الہیت اور علم التشریح نہیں جانتا وہ معرفت باری تعالیٰ میں ناقص ہے۔''

امام غزالی کے معاصر مقدم حکیم ابوالحسن الزبیری تھے جو مشہور فلسفی عمر خیام کے استاد تھے۔ ایک دن وہ عمر خیام کو ہیئت کی مشہور کتاب ''المجسطی'' پڑھا رہے تھے۔ ایک فقیہ وہاں سے گزرے اور استاد سے پوچھا: کیا پڑھا رہے ہو؟ حکیم ابوالحسن نے جواب دیا: آیۂ کریمہ ۔ ﴿اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾[4] کی تفسیر بیان کر رہا ہوں۔

اسی طرح قرآن دیگر طبیعاتی علوم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

اِنَّ فِی السَّمَاوَاتِ وَالاَرْضِ لَآيَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ○ وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ○ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ○[5]

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۰

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۴۴۱

(۳) امام الدین الریاضی، التصریح فی شرح التشریح: ۲۰

(۴) ق، ۵۰: ۶

(۵) الجاثیة، ۴۵: ۳۔۵

''بیشک آسمانوں اور زمین میں یقیناً مومنوں کے لئے نشانیاں ہیں○ اور تمہاری (اپنی) پیدائش میں اور اُن جانوروں میں جنہیں وہ پھیلاتا ہے، یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں○اور رات دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور (بصورتِ بارش) اُس رزق میں جسے اللہ آسمان سے اتارتا ہے، پھر اس سے زمین کو اُس کی مُردنی کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور (اسی طرح) ہواؤں کے رُخ پھیرنے میں، اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل وشعور رکھتے ہیں○''

قرآن کہتا ہے کہ مظاہر کائنات میں معرفت باری تعالیٰ کی نشانیوں کے علاوہ غور وفکر کرنے والوں کے لیے اور بھی کچھ ہے کیونکہ کائنات و مافیہا ان کی میراث ہے، اس لیے انہیں اس کی تسخیر کا طریقہ جاننا چاہیے:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا○ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا○ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا○ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ○[1]

''اور اُسی نے زمین کو اِس (ستارے۔ سورج کے وجود میں آ جانے) کے بعد (اِس سے) الگ کر کے زور سے پھینک دیا (اور اِسے قابلِ رہائش بنانے کے لئے بچھا دیا)○ اسی نے زمین میں سے اس کا پانی (الگ) نکال لیا اور (بقیہ خشک قطعات میں) اس کی نباتات نکالیں○ اور اسی نے (بعض مادوں کو باہم ملا کر) زمین سے محکم پہاڑوں کو ابھار دیا○ (یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدہ کے لئے (کیا)○''

لہٰذا انسان کو ''تمتع بالکائنات'' کے ساتھ اس عملِ الٰہی پر بھی نظر رکھنی چاہیے جو کائنات میں جاری وساری ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ○[2]

''پس انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے (اور غور کرے)○''

وہ مظاہر کائنات کے ساتھ حیاتِ حیوانی کے مطالعے پر بھی زور دیتا ہے، کیونکہ یہی اسلام کے مقصد بعثت کی تکمیل کا صحیح راستہ ہے اور اسی کی مدد سے ایمان تک رسائی ہوتی ہے۔

(۱) النازعات، ۷۹: ۳۰۔ ۳۳

(۲) عبس، ۸۰: ۲۴

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ○[1]

"(منکرین تعجب کرتے ہیں کہ جنت میں یہ سب کچھ کیسے بن جائے گا تو) کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح (عجیب ساخت پر) بنایا گیا ہے؟"

اسی طرح وہ تاریخ طبیعی (Natural History) اور حیوانیات (Zoology) کے مطالعے پر آمادہ کرتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○[2]

"اور اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے (جاندار) کی پیدائش (کی کیمیائی ابتداء) پانی سے فرمائی، پھر ان میں سے بعض وہ ہوئے جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہوئے جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہوئے جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا رہتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے○"

ایک اور مقام پر وہ حیوانات کے عضویاتی (Physiological) مطالعے کی ہمت افزائی کرتا ہے:

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○[3]

"اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں (بھی) مقامِ غور ہے، ہم ان کے جسموں کے اندر کی اس چیز سے جو آنتوں کے (بعض) مشمولات اور خون کے اختلاط سے (وجود میں آتی ہے) خالص دودھ نکال کر تمہیں پلاتے ہیں (جو) پینے والوں کے لئے فرحت بخش ہوتا ہے○"

دوسری جگہ وہ اڑنے والی مخلوق کے تحقیقی مطالعہ کی ترغیب دیتا ہے:

---

(۱) الغاشیہ، ۸۸: ۱۷

(۲) النور، ۲۴: ۴۵

(۳) النحل، ۱۶: ۶۶

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ ۝ (۱)

''کیا اُنہوں نے پرندوں کو اپنے اُوپر پر پھیلائے ہوئے اور (کبھی) پر سمیٹے ہوئے نہیں دیکھا؟ اُنہیں (فضا میں گرنے سے) کوئی نہیں روک سکتا سوائے رحمان کے (بنائے ہوئے قانون کے)، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے ۝''

طبیعی علوم کے ساتھ قرآن عقلی علوم کی تحصیل کا بھی حکم دیتا ہے اور علم کلام اور مناظرہ و مباحثہ کی رغبت دلاتا ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (۲)

''اور اُن سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔''

فلسفے کے لیے وہ ''حکمت'' کو زندگی کی قدر اعلیٰ (خیر کثیر) کا مصداق بتاتا ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (۳)

''جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرما دیتا ہے اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہو گئی، اور صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو صاحبِ عقل و دانش ہیں۔''

جہاں تک منطق کا تعلق ہے، خود قرآن کریم کا پیرایۂ بیان اذعانی کے بجائے برہانی ہے اور علم البرہان کے ان قواعد و قوانین کی مراعاۃ پر مشتمل ہے جو فطرت انسانی کے مطالعے سے آج تک دریافت ہوئے ہیں یا آئندہ دریافت ہوں گے جیسا کہ وہ خود کہتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ

(۱) الملک، ۶۷: ۱۹

(۲) النحل، ۱۶: ۱۲۵

(۳) البقرہ، ۲: ۲۶۹

یَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيۡزٌ۝(۱)

''بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوسکیں، اور ہم نے (معدنیات میں سے) لوہا مہیا کیا اس میں (آلاتِ حرب و دفاع کے لئے) سخت قوت اور لوگوں کے لئے (صنعت سازی کے کئی دیگر) فوائد ہیں اور (یہ اس لئے کیا) تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون اُس کی اور اُس کے رسولوں کی (یعنی دینِ اسلام کی) بن دیکھے مدد کرتا ہے، بیشک اللہ (خود ہی) بڑی قوت والا بڑے غلبہ والا ہے۝''

علمائے ربانی نے اس ''میزان قرآنی'' سے استنباط کر کے علم و معرفت کی میزانیں مقرر کی ہیں۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے آیۂ کریمہ - وزنوا بالقسطاس المستقیم(۲)۔ جس میں ''قسطاس مستقیم'' کا ذکر کیا ہے، اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''وہ موازین پنجگانہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے اور اپنے رسولوں کو ان سے ''وزن کرنا'' سکھایا۔ پس جس نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا اور اللہ تعالیٰ کی میزان سے وزن کیا تو اس نے ہدایت پائی اور جو اس سے گمراہ ہوکر رائے اور قیاس میں بھٹک گیا، وہ گمراہ ہوگیا۔''(۳)

قرآن اپنے متبعین سے مطالعہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اعمال و افکار میں ان قرآنی میزانوں سے کام لیں۔ اور اس راست اندیشی اور ''استقامت فی الفکر'' سے بھٹکنے کو وہ ممنوع قرار دیتا ہے:

اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِيۡزَانِ۝(۴)

''اور اسی نے آسمان کو بلند کر رکھا ہے اور (اسی نے عدل کے لئے) ترازو قائم کر رکھی ہے۝''

اس تعلیم کا نتیجہ تھا کہ بحث و نظر اور افہام و تفہیم کو اسلامی معاشرے میں شروع ہی سے

(۱) الحدید، ۵۷: ۲۵

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۵

(۳) غزالی، قسطاس المستقیم مشمولہ الجواہر الغوالی من رسائل امام الغزالی: ۱۵۷

(۴) الرحمٰن، ۵۵: ۷

مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اس کا فطری نتیجہ تھا کہ اکابر علمائے اسلام شروع سے منطق سے واقفیت پر زور دیتے رہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ ''مقاصد الفلاسفہ'' میں فرماتے ہیں:

وأما المنطقيات فأكثرها على نهج الصواب والخطاء نادر فيها۔[1]

''رہے منطقی مباحث تو ان میں سے اکثر صحیح وصائبہ ہوتے ہیں اور ان میں غلطی شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔''

یہی نہیں بلکہ حصول سعادت اور تزکیہ روح کے لیے بھی وہ منطق کو ایجابی طور پر ضروری سمجھتے ہیں:

''پس منطق کا فائدہ حصول علم ہے اور علم کا فائدہ ابدی سعادت کا حصول ہے پس جبکہ یہ بات صحیح ہے کہ سعادت کمال نفس طرف تزکیہ وتحلیہ ذات ہی کے ساتھ رجوع ہوتی ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ منطق بڑے فائدے کی چیز ہے۔''[2]

امام غزالیؒ سے پہلے ابن حزم اندلسی نے ارسطا طالیسی منطق کے متعلق لکھا تھا:

''اور وہ کتابیں جنہیں ارسطو نے خود کلام میں جمع کیا ہے، وہ سب کی سب مکمل کتابیں ہیں جو اللہ ﷻ کی توحید اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور تمام علموں کی جانچ پڑتال میں بہت زیادہ مفید ہیں۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات اور قرآن حکیم کا اثر تھا کہ اسکے زیر اثر اسلامی تہذیب علم وحکمت افزاء تہذیب کے طور پر نمو پذیر ہوئی۔ جس نے علم وحکمت اور سائنس وٹکنالوجی کے ہر میدان میں نئے آفاق متعارف کروائے

(۲۰) دین و دنیا کا حسین امتزاج

دورِ نبوی ﷺ میں مدینہ میں پروان چڑھنے والی تہذیب کا یہ خاصہ ہے کہ وہ افراط وتفریط کا شکار نہیں ہوتی۔ دین اور دنیا کے معاملات کو کچھ اس طریقے سے سلجھایا گیا کہ نہ تو دینی مصروفیات دنیاوی ضروریات میں حائل ہوں اور نہ دنیاوی تقاضے ہی دین پر غالب آئیں بلکہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہیں کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے روحانی انہماک اور شب و روز کی عبادت گزاری کے ساتھ

(۱) غزالی، مقاصد الفلاسفہ: ۳

(۲) غزالی، مقاصد الفلاسفہ: ۳

ساتھ دنیاوی مہمات کو بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ الغرض آپ ﷺ کی نشست و برخاست، اخلاق و کردار اور شب و روز دنیا کے سامنے آپ ﷺ کو ایک بے مثل ہستی اور صاحب اُسوۂ حسنہ بنا دیا جس پر چل کر انسان اپنی منزل مقصود کو بہت آسانی سے پا سکتا ہے۔

اسلام صرف ایک مذہب نہیں، ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو شاندار تہذیب اور ثقافتی اقدار کا حامل ہے۔ قرآن حکیم اور سیرت مبارکہ میں اس پہلو کو پوری جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ○(۱)

”اور تو اس (دولت) میں سے جو اللہ نے تجھے دے رکھی ہے آخرت کا گھر طلب کر، اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول اور تو (لوگوں سے ویسا ہی) احسان کر جیسا احسان اللہ نے تجھ سے فرمایا ہے اور ملک میں (ظلم، ارتکاز اور استحصال کی صورت میں) فساد انگیزی (کی راہیں) تلاش نہ کر، بیشک اللہ فساد بپا کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا○“

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○(۲)

”اور دنیوی زندگی (کی عیش و عشرت) کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً آخرت کا گھر ہی ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، کیا تم (یہ حقیقت) نہیں سمجھتے○“

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ○(۳)

(۱) القصص، ۲۸: ۷۷

(۲) الأنعام، ۶: ۳۲

(۳) الجمعة، ۶۲: ۹-۱۱

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ ونماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید وفروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو٭ پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ٭ اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھا تو (اپنی حاجت مندی اور معاشی تنگی کے باعث) اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑے چھوڑ گئے، فرما دیجئے: جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل سے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے٭''

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ **أكثر الصلاة في بيتک يكثر خير بيتک، وسلّم على من لقيت من أمّتي تكثر حسناتک۔** (۱)

''اپنے گھر میں بھی نماز پڑھ اس سے تیرے گھر کی برکت میں اضافہ ہوگا اور میری امت میں سے جسے تو ملے اسے سلام کر اس سے تیری نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔''

۲۔ **أكرموا بيوتكم ببعض صلاتكم ولا تتخذوها قبورًا.** (۲)

''اپنے گھروں کو نمازوں سے سجاؤ اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔''

۳۔ **لا تجعلوا بيوتكم مقابر، إنّ الشّيطان ينفر من البيت الّذي تقرأ فيه سورة البقرة۔** (۳)

(۱) بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۲۷، رقم: ۸۷۶۰

(۲) عبدالرزاق، المصنف، ۱: ۳۹۳، رقم: ۱۵۳۴

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب، ۱: ۵۳۹، رقم: ۷۸۰

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل سورة البقرة وآية الكرسي، ۵: ۱۵۷، رقم: ۲۸۷۷

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۱۳، رقم: 8915

۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۴۵۴، رقم: 2381

’’اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جائے۔‘‘

۴۔ **إذا قضى أحدكم الصلاة في مسجده فليجعل لبيته نصيبًا من صلاته، فإنّ الله تعالى جاعل في بيته من صلاته خيرًا۔**(۱)

’’جب تم میں سے کوئی شخص اپنی مسجد میں نماز پڑھ لے تو اپنی نمازوں کا کچھ حصہ اپنے گھر پڑھنے کے لیے بھی رکھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی نمازوں کی وجہ سے اس کے گھر میں برکت فرما دیتا ہے۔‘‘

۵۔ **أما صلاة الرجل في بيته فنور، فنوّروا بيوتكم۔**(۲)

’’گھر کی نماز ایک نور ہے تم گھروں کو روشن کیا کرو۔‘‘

۶۔ **ما من خارج يخرج إلّا بابه رأيتان: رأية بيد ملك، ورأية بيد شيطان، فإن خرج فيما يحب الله تعالى تبعه الملك برأيته، فلم يزل تحت رأية الملك حتّى يرجع إلى بيته، وإن خرج فيما يسخط الله تبعه الشيطان برأيته، فلم يزل تحت رأية الشيطان حتى يرجع إلى بيته۔**(۳)

’’کوئی گھر سے باہر نکلنے والا ایسا نہیں ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلتا ہے تو اس کے ساتھ دو جھنڈے ہوتے ہیں: ایک جھنڈا فرشتے کے ہاتھ میں اور دوسرا جھنڈا شیطان کے ہاتھ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة النافلة، ۱: ۵۳۹، رقم: ۷۷۸

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۶: ۲۳۷، رقم: ۲۴۹۰

۳۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۲: ۲۳۷، رقم: ۱۲۰۶

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۹، رقم: ۱۱۵۸۴

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة، باب ما جاء في التطوع في البيت، ۱: ۴۳۷، رقم: ۱۳۷۵

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۱۷۱، رقم: ۶۳۷

۳۔ حسيني، البيان والتعريف، ۱: ۱۶۱، رقم: ۴۲۸

(۳) طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۹۹، رقم: ۴۷۸۶

میں۔ پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر گھر سے باہر نکلا تو فرشتے کے جھنڈے تلے رہے گا جب تک وہ گھر میں واپس نہیں لوٹ آتا اور اگر وہ ایسے کام کے لیے نکلا جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے تو شیطان جھنڈا لے کر اس کے پیچھے پیچھے چلے گا اور وہ اس وقت تک شیطان کے جھنڈے تلے رہے گا جب تک کہ وہ گھر واپس نہیں لوٹ آتا۔“

۷۔ **لعن الله من بدا بعد هجرة، ولعن الله من بدا بعد هجرة إلّا في الفتنة، فإن البدو في الفتنة خير من المقام فيها۔**(۱)

”اللہ تعالیٰ لعنت بھیجے اس شخص پر جو ہجرت کے بعد جنگل میں مقیم ہوا اور اللہ تعالیٰ لعنت بھیجے اس شخص پر جو ہجرت کے بعد جنگل میں مقیم ہوا سوائے فتنہ کے دنوں میں پس فتنہ کے دنوں میں بداوت کی زندگی فتنہ میں قائم رہنے سے بہتر ہے۔“

۸۔ **العلماء أمناء الرسل على عباد الله ﷻ ما لم يخالطوا السلطان ويداخلوا الدنيا فإذا خالطوا السلطان وداخلوا الدنيا فقد خانوا الرسل فاحذروهم واخشوهم۔**(۲)

”علماء کرام اللہ کے بندوں پر رسولوں کے امین (اور حفاظت دین کے ذمہ دار) ہیں۔ بشرطیکہ وہ اقتدار سے گھل مل نہ جائیں اور (دینی تقاضوں کو پس انداز کرتے ہوئے) دنیا میں نہ گھس پڑیں لیکن جب وہ حکمرانوں سے شیر و شکر ہو گئے اور دنیا میں گھس گئے تو انہوں نے رسولوں سے خیانت کی۔ پھر ان سے بچو اور ان سے ڈرو۔“

اسلام میں دین و دنیا کی وحدت زندگی کا وہ تصور ہے جس کی اہمیت سے آج تک مغربی ذہن کماحقہ آشنا نہیں ہوا۔ دین کو دنیا کی کامیابی کے لئے رکاوٹ تصور کرنے والی مغربی فکر اس امر کو تسلیم کرنے میں آج بھی مشکل کا شکار ہے کہ دین کے ساتھ اسلام نے دنیا کی کامیابی کس طرح حاصل کی:

For Islam did succeed in becoming the universal church of a

(۱) ۱۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۵: ۲۵۴

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲: ۲۵۶، رقم: ۲۰۷۴

(۲) ۱۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۷۵، رقم: ۴۲۱۰

۲۔ هندي، كنز العمال، ۵: ۲۱۶

dissolving Syriac Society in spite of having been politically compromised at an earlier stage and in an apparently more decisive way than any of the religions that we have passed in review up to this point. Indeed, Islam was politically compromised within the lifetime of its founder by the action of no less a person than the founder himself. The public career of the Prophet Muhammed falls into two sharply distinct and seemingly contradictory chapters. In the first he is occupied in preaching a religious revelation by methods of pacific evangelization; in the second chapter he is occupied in building up a political and military power and in using this power in the very way which, in other cases, has turned out disastrous for a religion that takes to it. In this Medinese chapter Muhammed used his new-found material power for the purpose of enforcing conformity with at any rate the outward observances of the religion which he had founded in the previous chapter of his career, before his momentous withdrawal from Mecca to Medina. On this showing, the Hijrah ought to mark the date of the ruin of Islam and not the date since consecrated as that of its foundation. How are we to explain the hard fact that a religion which was launched on the world as the militant faith of a barbarian war-band should have succeeded in becoming a universal church, in spite of having started under a spiritual handicap that might have been expected, on all analogies, to prove prohibitive?[(1)]

”اسلام تباہ ہوتے ہوئے شامی معاشرے کا آفاقی مذہبی ادارہ بننے میں کامیاب ہوگیا۔ باوجود اس کے کہ اس نے اپنے ابتدائی مرحلے پر پہلے ذکر کردہ تمام مذاہب کی نسبت واضح طور پر سیاسی ساز باز کر لی تھی۔ بلاشبہ اسلام نے اپنے بانی ہی کی زندگی میں سیاسی سازگاری کو اختیار کر لیا تھا۔ پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی عوامی زندگی واضح طور پر دو مختلف اور ظاہراً متضاد حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے میں وہ پرسکون طریقے سے مذہبی تعلیمات کی تبلیغ کر رہے تھے اور دوسرے حصے میں سیاسی اور عسکری طاقت کی تعمیر کر رہے تھے اور اس طاقت کو مؤثر

(1) Arnold J. Toynbee, *A Study of History*, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, p 488.

طریقے سے استعمال کر رہے تھے جو عام طور پر، دوسری صورتوں میں مذہب کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی تھی۔ مدنی زندگی کے دوران محمد ﷺ نے اپنی نئی تشکیل کردہ مادی طاقت کو اپنی مذہبی تعلیمات سے عملی نفاذ کے لئے جن کا وہ پہلے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے سے قبل ابلاغ کر چکے تھے، استعمال کیا۔ اس منظرنامے کے مطابق تو ہجرت کو اسلام کے زوال کا نشان ہونا چاہیے تھا نہ کہ اس کے مقدس آغاز کا نشان۔ ہم اس مشکل ترین حقیقت کی کس طرح وضاحت کریں کہ ایک ایسا مذہب جو دنیا میں قبائلی جنگی گروہ کے ایک جنگجو عقیدے کے طور پر شروع ہوا کس طرح سے آفاقی مذہبی ادارہ بننے میں کامیاب ہوا باوجودیکہ یہ مذہب ایک ایسی روحانی دشواری اور رکاوٹ کے تحت شروع ہوا جس کے تحت اپنی تمام تر سابقہ مثالوں کے مطابق اس کی پیش رفت غیر متوقع تھی۔"

(۲۱) تہذیبی شناخت کا تحفظ

حضور نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک تہذیب کی بنیاد ہی نہ رکھی جسکو اسکے بقاء دوام اور تسلسل کے لئے آپ نے تہذیبی شناخت کے تحفظ پر زور دیا ہے اور دنیا کی مختلف تہذیبوں کے مقابل اسلام کی الگ شناخت کو قائم رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ **يا معشر الأنصار حمروا وصفروا وخالفوا أهل الكتاب، قال: فقلنا: يا رسول الله، إنّ أهل الكتاب يتسرولون ولا يأتزرون، فقال رسول الله ﷺ: تسرولوا واتزروا وخالفوا أهل الكتاب۔**(۱)

"اے گروہ انصار! سرخ اور زرد رنگ میں رنگے جاؤ مگر اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔ راوی بیان کرتے ہیں پس ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک اہلِ کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہ بند نہیں باندھتے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: شلوار بھی پہنو اور تہہ بند بھی باندھو اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔"

۲۔ **غيّروا الشيب ولا تشبهوا باليهود والنصارى۔**(۲)

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۴، رقم: ۲۲۳۳۷

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب اللباس، باب ما جاء في الخضاب، ۴: ۲۳۲، رقم: ۱۷۵۲

''بڑھاپے کو بدلو اور یہودیوں کی مشابہت نہ رکھو۔''

۳۔ إذا کان لأحدکم ثوبان فلیصل فیهما، فإن لم یکن إلّا ثوب، فلیتزر به، ولا یشتمل اشتمال الیهود۔(۱)

''جب تمہارے پاس دو کپڑے ہوں تو ان کے ساتھ نماز پڑھا کرو اور جب ایک ہی ہو تو اسے تہبند کی طرح باندھ لو اور اسے یہودیوں کی طرح نہ لٹکاؤ۔''

۴۔ خالفوا الیهود، فإنّهم لا یصلون في نعالهم ولا خفافهم۔(۲)

''یہود کی مخالفت کرو کیونکہ وہ جوتوں اور موزوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔''

۵۔ من فطرة الإسلام الغسل یوم الجمعة والاستنان والاستنشاق وأخذ الشارب، وإعفاء اللحی، فإن المجوس تعفي شواربها وتحفي لحاها فخالفوهم، خذوا شواربکم وأعفوا لحاکم۔(۳)

''فطرت اسلام میں ہے جمعہ کا غسل، دانت صاف کرنا، ناک صاف کرنا، مونچھیں چھوٹی رکھنا اور داڑھی رکھنا، مجوسی مونچھیں رکھتے ہیں اور داڑھی کٹواتے ہیں پس تم ان کی مخالفت کرو مونچھیں کٹواؤ اور داڑھی رکھو۔''

۲۔ نسائي، السنن، کتاب الزینة، باب الإذن بالخضاب، ۸: ۱۳۷، رقم: ۵۰۷۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۶۵، رقم: ۱۴۱۵

۴۔ أبو یعلی، المسند، ۱۰: ۴۶، رقم: ۵۶۷۸

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب إذا کان الثوب، ۱: ۱۷۲، رقم: ۶۳۵

۲۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۱: ۳۷۶، رقم: ۷۶۶

۳۔ ابن عبد البر، التمهید، ۶: ۳۷۱

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ۱: ۱۷۶، رقم: ۶۵۲

۲۔ حاکم، المستدرك، ۱: ۳۹۱، رقم: ۹۵۶

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۲: ۴۳۲، رقم: ۴۰۵۶

(۳) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۴: ۲۳، رقم: ۱۲۲۱

۲۔ بخاري، التاریخ الکبیر، ۱: ۱۳۹، رقم: ۴۱۹

۶۔ من جامع المشرک وسکن معه فإنّه مثله۔[1]

”جو شخص مشرک سے صحبت رکھے اور اس کے ساتھ سکونت پذیر رہے تو وہ بھی اسی جیسا ہے۔“

۷۔ أنا بريء من کل مسلم مقيم بين أظهر المشرکين، قالوا: يا رسول الله، ولِمَ؟ قال: لا ترايا ناراهما۔[2]

”میں ہر مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کے درمیان مقیم ہے۔ صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا: کیوں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: کیونکہ مسلمان کافر کی آگ کو نہیں دیکھ سکتا (مراد ہجرت پر اُبھارنا تھا)۔“

۸۔ طهروا أفنيتکم، فإنّ اليهود لا تطهر أفنيتها۔[3]

”اپنے صحنوں کو صاف رکھا کرو بیشک یہودی اپنے صحنوں کو صاف نہیں رکھتے۔“

۹۔ یورپ پر اسلامی تہذیب وثقافت کے اثرات

اسلامی تہذیب وتمدن نے یورپی اقوام پر گہرا اثر ڈالا یورپ وحشت و بربریت اور جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر طرف کوڑے کرکٹ سے بھری ہوئی گلیاں گندے جوہڑ اور گندگی تعفن پھیلا رہی تھی۔ گھنے اور بے راہ جنگلوں میں ڈاکوؤں اور آدم خوروں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ تہذیب وثقافت، سیاست وتمدن اور علوم وفنون کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان گھمبیر حالات میں عرب سے ایک تحریک اٹھی اور صرف نوے (۹۰) برس میں عرب سے بحیرہ اسود اور سمرقند سے ساحل اطلس اور وسط فرانس تک چھا گئی۔ ہر طرف مساجد اور علوم وفنون کے بڑے بڑے مراکز قائم ہوئے عربی علوم یورپی زبانوں میں منتقل ہوئے۔ موسیو لیبان لکھتا ہے:

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، باب في الإقامة بأرض الشرک، ۳: ۹۳، رقم: ۲۷۸۷

۲۔ طبراني، المعجم الکبير، ۷: ۲۵۱، رقم: ۷۰۲۳

۳۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۵۹، رقم: ۵۷۵۶

(۲) بيهقي، السنن الکبری، ۹: ۱۴۲

(۳) ۱۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۲۸۶

۲۔ مناوي، فيض القدير، ۴: ۲۷۱

’’عربوں نے چند صدیوں میں اندلس کو مالی اور علمی لحاظ سے یورپ کا سرتاج بنا دیا یہ انقلاب صرف علمی و اقتصادی نہ تھا اخلاقی بھی تھا۔ انہوں نے نصاریٰ کو انسانی خصائل سکھائے ان کا سلوک یہود و نصاریٰ کے ساتھ وہی تھا جو مسلمانوں کے ساتھ۔ انہیں سلطنت کا ہر عہدہ مل سکتا تھا۔ مذہبی مجلس کی کھلی اجازت تھی ان کے زمانے میں لاتعداد گرجوں کی تعمیر اس امر کی مزید شہادت ہیں۔‘‘(۱)

مسلمانوں کے اس رحمدلانہ اور مشفقانہ سلوک سے متاثر ہو کر صرف غرناطہ میں انیس لاکھ سے زائد عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ مسلمانوں نے وہاں نہایت منصفانہ، عادلانہ اور عاقلانہ حکومت کے ہزاروں مدارس قائم کیے ملک کو آباد کیا سینکڑوں کارخانے لگائے، نہریں نکالیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری آبادی کو خوشحال اور آسودہ کر دیا۔ ول ڈیورانٹ لکھتا ہے:

’’اندلس پر عربوں کی حکومت اس قدر عادلانہ، عاقلانہ اور مشفقانہ تھی کہ اس کی مثال اس کی تاریخ میں موجود نہیں۔ ان کا نظم و نسق اس دور میں بے مثال تھا۔ ان کے قوانین سے معقولیت و انسانیت ٹپکتی تھی اور ان کے جج نہایت قابل تھے۔ عیسائیوں کے معاملات ان کے اپنے ہم مذہب حکام کے سپرد تھے۔ جو عیسوی قانون کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ پولیس کا انتظام اعلیٰ تھا۔ بازار میں وزن اور ماپ کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ رومہ کے مقابلے میں ٹیکس کم تھا کسانوں کے لئے عربوں کی حکومت ایک نعمت ثابت ہوئی کہ انہوں نے بڑے بڑے زمینداروں کی زمینیں مزارعین میں تقسیم کر دی تھیں۔‘‘(۲)

اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات دیگر ممالک پر نظریات تک کو محیط تھے۔ مسلمان مشرقی اور وسطی افریقہ، بحرالکاہل جزائر، ملایا اور چین میں تجارت کے غرض سے گئے تھے مگر اپنی غالب اور پرکشش تہذیب و ثقافت کی وجہ سے وہاں کا نقشہ بدل آئے۔ لہٰذا انڈونیشیا، ملایا، چین اور شرقی و وسطی افریقہ کے کروڑوں مسلمان ان تاجروں کی یاد دلاتے ہیں جو تیرہ سو سال پہلے ان علاقوں میں بغرض تجارت گئے تھے۔ رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے:

’’عربوں کے سپین اور سسلی کی تجارتی و صنعتی سرگرمیوں نے یورپ کی تجارت و صنعت کو جنم دیا۔‘‘(۳)

(۱) موسیولیبان، تمدن عرب: ۲۵۷

(2) Will Durant, *Age of Faith*, p. 297.

(۳) رابرٹ بریفالٹ، تشکیل انسانیت: ۲۶۵

مسلمانوں کی علمی خدمات اور مغرب پر احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مصنف لکھتا ہے:

That network, Oriental-Greek-Arabic, is our network. The neglect of Arabic science and the corresponding misunderstanding of our own -mediaeval traditions was partly due to the fact that Arabic studies were considered a part of Oriental studies. The Arabists were left alone or else in the company of other orientalists, such as Sanskrit, Chinese or Malay scholars. That was not wrong but highly misleading. It is true the network, our network, included other Oriental elements than the Arabic or Hebrew, such as the Hindu ones to which reference has already been made, but the largest part for centuries was woven with Arabic threads. If all these threads were plucked out, the network would break in the middle.[1]

"علم کا مشرقی یونانی عربی نظام ہمارا نظام ہے۔ عربی سائنس کو نظر انداز کرنا اور اس کے نتیجے میں ہماری اپنی قرون وسطیٰ کے علمی روایت کی غلط تفہیم کا سبب یہ تھا کہ عرب کی سائنس کا مطالعہ مشرقیات کا ہی حصہ سمجھا گیا۔ اہلِ عرب کو یا تو بالکل چھوڑ دیا گیا یا انہیں مشرقی اہلِ علم مثلاً سنسکرت، چینی اور ملائی اہلِ علم کے ساتھ منتھی کر دیا گیا۔ یہ غلط ہی نہیں بلکہ شدید گمراہ کن تھا، سچ یہ ہے کہ اس علمی نظام یعنی ہمارے نظام میں عربی یا عبرانی کے علاوہ دوسرے مشرقی عناصر بھی شامل تھے۔ مثلاً ہندو عناصر جن کی طرف پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ لیکن صدیوں تک اس کا بڑا حصہ عربی دھاگوں سے بنا گیا، اگر ان سب دھاگوں کو الگ کر دیا جائے تو (آج کی جدید علمی ترقی کا) یہ تمام نیٹ ورک یہیں پر ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے۔"

وہ مزید لکھتا ہے:

Much in the field of orientalism is definitely exotic as far as we are concerned, but the religious Hebrew traditions and the scientific Arabic ones are not exotic, they are an integral

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p29.

part of our network today, they are part and parcel of our spiritual existence. The Arabic side of our culture cannot even be called Eastern, for a substantial part of it was definitely Western. The Muslim IBN RUSHD and the Jew MAIMONIDES were born in Cordova within a few years of one another (1126, 1135); AL-IDRISI (XII-2), born in Ceuta, flourished in Sicily; IBN KHALDUN (XIV-2), was a Tunisian; IBN BATUTTA (XIV-2), a Moroccan. The list of Moorish scientists and scholars is a very long one. Spain is proud of them but without right, for she treated them, like a harsh stepmother, without justice and without mercy.(1)

''جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمارے لیے مشرقیت کے میدان میں اکثر باتیں بالکل اجنبی ہیں لیکن مذہبی عبرانی روایات اور سائنسی عربی روایات قطعاً بھی اجنبی نہیں۔ وہ ہماری روایات کا لازمی حصہ ہیں، وہ ہمارے روحانی وجود کا جزو لاینفک ہیں، ہمارے کلچر کا عربی پہلو مشرقی نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اس کا بڑا حصہ لازمی طور پر مغربی ہے۔ مسلمان ابن الرشد اور یہودی مامون قرطبہ میں چند برس ایک دوسرے کے بعد پیدا ہوئے اور الادریسی کیوٹا میں پیدا ہوا اور سسلی میں پروان چڑھا۔ ابن خلدون تیونس سے تعلق رکھتا تھا اور ابن بطوطہ مراکو سے، شمال مغربی افریقہ کے سائنسدانوں اور اہلِ علم کی ایک طویل فہرست ہے۔ اسپین ان پر بغیر حق کے فخر کر سکتا ہے کیونکہ اسپین نے ان سے ایک ظالم سوتیلی ماں کا سلوک کیا، بغیر کسی انصاف اور رحم کے۔''

مسلمان جہاں بھی گئے اپنی تہذیب ساتھ لے کر گئے۔ مثلاً مسلمان تاجر اپنے مال تجارت کے ہمراہ اپنی تہذیب، فلسفہ اور نظریہ زندگی اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور اُن لوگوں کو جو جہالت، بداخلاقی بت پرستی اور باطل اوہام میں مبتلا تھے، خدائے واحد کی پرستش، پاکیزگی اور بلند اخلاق کا درس دیتے تھے۔ اسلامی تہذیب کو پھیلانے میں صلیبی جنگوں نے بڑی مدد کی۔ اندازاً دو سو برس تک لاکھوں صلیبی مصر، فلسطین، ایشیائے خورد اور شام میں آ کر اسلامی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوتے رہے۔ صلیبیوں نے پہلی جنگ ۱۰۹۶ء میں یروشلم لے لیا تھا اور یہاں اسی (۸۰) برس تک حاکم رہے۔ پہلا بادشاہ عربی لباس پہنتا تھا، اس نے مسلمانوں کی طرح جابجا حمام قائم کیے اور شفا خانے

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p29.

بنائے، یورپی مشنری عربی سیکھنے لگے۔ ساز جنگ میں گھوڑوں کی زرہ، تبر طبل اور بارود کا اضافہ ہوا۔ کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی شروع ہوئی، محاصرہ کے عربی طریقے نیز مشرق کے پودے اور کاشت کے طریقے، لذیذ کھانے مثلاً پلاؤ، قورمہ، حلوہ، چٹنیاں، اعلیٰ لباس، عطریات، مسالے، مشروبات، نیشکر سے شکر نکالنے کی ترکیب اور دیگر متعدد اشیاء مشرق سے مغرب میں پہنچیں۔ وہاں فرنیچر، برتن اور عمارات مشرقی طرز کی بننے لگیں۔ آرٹ نقاشی یہاں تک کہ جلد بندی پر بھی اسلامی رنگ چڑھ گیا۔ دمشق اور صور (شام کے شہر) کے صنعت شیشہ سازی وینس میں قائم ہوئی، فرانس اور اٹلی میں ریشم بافی ہونے لگی۔ عرب رجز خوانوں سے متاثر ہو کر یورپ کے شعراء نے بھی رجز خوانی شروع کر دی اور لطف یہ کہ بحر، ردیف و قافیہ کے علاوہ تشبیہات واستعارات تک عربوں سے لیے گئے۔ وہی اونٹ، آہو، ریت اور خار مغیلاں کا تذکرہ، وصل وفراق کے قصے اور حسب ونسب پر ناز، عربی ساز مثلاً بنسی، عود، رباب، طنبورہ اور گٹار بھی یورپ میں جا پہنچے۔ یوں عربوں کی شائستگی کا نور آہستہ آہستہ یورپ میں پھیلتا گیا یہاں تک کہ وہ جاہل اور وحشی لوگ ذہنی مشاغل میں حصہ لینے لگے۔ ان کے لباس چمک اٹھے اور وہ دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئے۔

اسلام کے دیئے ہوئے شعور کے تحت مسلمانوں نے روزِ اول سے ہی اپنی قومی زندگی کے استحکام کی بنیاد علمی اور فکری ترقی پر رکھی۔ یہی سبب تھا کہ معاصر اقوام مسلمانوں کی اس روایت کی تقلید پر مجبور تھیں:

> Muslims had realized the need of science, mainly Greek science, in order to establish their own culture and to consolidate their dominion, even so the Latins realized the need of science, Arabic science, in order to be able to fight Islam with equal arms and vindicate their own aspirations. For the most intelligent Spaniards and Englishmen the obligation to know Arabic was as clear as the obligation to know English, French or German for the Japanese of the Meiji era. Science is power. The Muslim rulers knew that from the beginning, the Latin leaders had to learn it, somewhat reluctantly, but they finally did learn it. The prestige of Arabic science began relatively late in the West, say in the twelfth century, and it increased gradually at the time when Arabic science was already degenerating. The two movements, the Arabic progress and the Latin one, were out

of phase. This is a general rule of life, by the way, rather than an exception, and it applies to individuals as well as to nations. A man generally does his best in comparative obscurity and becomes famous only when his vigor is diminishing; that is all right as far as he is concerned, for it is clear that solitude and silence are the best conditions of good, enduring, work.(1)

''مسلمانوں نے سائنس کی ضرورت کو محسوس کر لیا تھا، خصوصاً یونانی سائنس کی، تا کہ وہ اپنا کلچر قائم کر سکیں اور اپنے اقتدار کو مستحکم کر سکیں۔ حتیٰ کہ لاطینیوں نے بھی سائنس یعنی عربی سائنس کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس کر لیا۔ تا کہ وہ اسلام کے ساتھ برابری کی بنیادوں پر لڑ سکیں اور اپنے تصورات کی تکمیل کر سکیں۔ سپین اور انگلستان کے جو ذہین ترین لوگ تھے ان سے اکثر کے لئے عربی جاننا بہت ضروری تھا۔ بالکل اس طرح جس طرح انگریزی، فرانسیسی اور جرمن جاننا میجی دور کے جاپانیوں کے لیے ضروری تھا۔ سائنس طاقت ہے اور مسلمان حکمرانوں نے یہ بھی بہت پہلے سے ہی محسوس کر لیا تھا۔ لاطینی لیڈروں نے بھی اسے سیکھا گو کہ بے دلی کے ساتھ، لیکن انجام کار انہوں نے سائنس کو سیکھ لیا۔ عربی سائنس کی عزت اور عظمت کا آغاز مغرب میں قدرے تاخیر سے ہوا یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ بارہویں صدی میں اور یہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ اس وقت کہ جب عربی سائنس اپنے ہی وطن میں زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی تھی، دو تحریکیں یعنی ترقی عرب اور لاطینی کی اب ختم ہو چکی تھیں۔ یہ زندگی کا عمومی اُصول ہے، اور نہ صرف اجتماعی بلکہ اس کا اطلاق افراد پر بھی ہوتا ہے اور قوموں پر بھی، کہ ایک شخص عام طور پر اس وقت ہی اپنی زندگی کے بہترین کارنامے انجام دیتا ہے جب وہ مقابلتاً کم مشہور ہوتا ہے اور وہ مشہور ہونا اس وقت شروع کرتا ہے جب اس کی استعداد کار کمزور ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ بڑی حد تک ایک فرد کیلئے بھی درست ہے کیونکہ یہ بات بڑی واضح ہے کہ تنہائی اور خاموشی ہی وہ بہترین حالت ہے جس میں بہترین کام کیا جا سکتا ہے۔''

مغرب نے مسلمانوں کی سائنسی کامیابیوں سے بہت کچھ حاصل کیا۔ مسلم سائنس کے مغرب میں منتقل ہونے کا بڑا ذریعہ تراجم تھے۔ مگر مغرب کی علمی پسماندگی کا یہ عالم تھا کہ اکثر تراجم

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p30.

اغلاط سے پر تھے:

The scientific tradition as it was poured from Arabic vessels into Latin ones was often perverted. The new translators did not have the advantage which the Arabic translators had enjoyed; the latter had been able to see Greek culture in the perspective of a thousand years or more; the Latin translators could not see the Arabic novelties from a sufficient distance, and they could not always choose intelligently between them. As to the Greek classics they came to them with a double prestige, Greek and Arabic. It is as if the Greek treasures, of which Latin scholars were now dimly conscious, were more valuable in their Arabic form; they had certainly become more glamorous. The translation of the Almagest made c. 1175 by GERARD OF CREMONA from the Arabic, superseded a translation made directly from the Greek in Sicily fifteen years earlier.(1)

’’وہ سائنسی روایت جو عربی ظرف سے لاطینی میں منتقل ہوئی اکثر و بیشتر برے اثرات کا باعث بنی۔ کیونکہ جو نئے مترجمین تھے انہیں عربی مترجمین جیسی صلاحیتیں حاصل نہ تھیں۔ موخر الذکر لوگ یونانی کلچر کو ایک ہزار سال کے تناظر یا اس سے زیادہ کے تناظر میں دیکھ رہے تھے جبکہ لاطینی مترجمین عربی ندرت کو کافی اور مناسب حد تک نہیں دیکھ پا رہے تھے۔ اور نہ ہی وہ ترجمہ کرتے ہوئے ذہانت کے ساتھ انتخاب ہی کر سکتے تھے۔ اس طرح یونانی کلاسک ان کے پاس دہری عظمت یعنی یونانی اور عربی کے ساتھ پہنچ رہی تھی۔ یہی معاملہ ان یونانی خزانوں کے ساتھ تھا جن سے لاطینی سکالر بہت کم آگاہ تھے کیونکہ وہ اب عربی میں ہوتے ہوئے زیادہ قدر و قیمت کی حامل تھیں اور یقینی طور پر زیادہ خوشنما بن چکی تھیں۔ المجسطی کا وہ ترجمہ جو ۱۱۷۵ء میں عربی سے کیا گیا وہ اس ترجمے سے کہیں زیادہ بہتر تھا جو یونانی سے سسلی میں پندرہ برس پہلے کیا گیا۔‘‘

To return to the Arabic writings (as distinct from Arabic translations of Greek writings) some of the best were

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p30.

translated such as the works of AL-KHWARIZMI, AL-RAZI, AL-FARGHANI, AL-BATTANI, IBN SINA; others of equal value escaped attention, e.g., some books of ' UMAR ALKHAYYAM, AL-BERUNI, NASSIR AL-DIN AL-TUSI; others still appeared too late to be considered, this is the case of the great Arabic authors of the fourteenth century. By that time Latin science had become independent of the contemporary Arabic writings and contemptuous of them. On the other hand, the Latin (and Hebrew) translations from the Arabic include a shockingly large mass of astrological and alchemical treatises and other rubbish. Some of the astrological and alchemical writings, it should be noted, are valuable or contain valuable materials and are to some extent the forerunners of our own astronomical and chemical literature, but many others are worthless, or rather worse than worthless, dangerous and subversive. Even so we should not be too severe in judging those aberrations, for we have not yet succeeded in overcoming them and but for the control of scientific societies and academies, the incessant criticism coming from the scientific press and the university chairs, our own civilization would soon be overrun and smothered by superstitions and lies.[1]

”عربی تحریروں کی طرف اگر ہم توجہ کریں تو چند ایک اچھی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا گیا مثلاً الخوارزمی، الرازی، الفرغانی، البتانی، ابن سینا وغیرہ۔ تاہم بہت سی دوسری کتابیں جو بہت زیادہ اہمیت کی حامل تھیں وہ مترجمین کی توجہ اصل نہ کر سکیں۔ مثلاً عمر خیام، البیرونی، ناصرالدین الطوسی کی تصانیف اور بہت سی کتابیں ایسی بھی تھیں جن کا ترجمہ بہت بعد میں ہو سکا۔ یہی صوتحال چودھویں صدی کے عظیم عربی مصنفین کے ساتھ بھی ہوئی اس وقت تک لاطینی سائنس اپنی معاصر عربی تحریروں سے نہ صرف آزاد ہو چکی تھی بلکہ ان پر تنقید بھی کرنے لگی تھی۔ جبکہ دوسری طرف لاطینی اور عبرانی تراجم جو عربی زبان سے کیے گئے تھے ان میں بڑی تعداد فلکیات اور کیمیائی سائنس سے متعلق مسودات کی تھی اور اکثر و بیشتر ان

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p32.

میں سے ایسے تھے جو بالکل بے وقعت تھے۔"

یونان کا سارا علمی ورثہ مغرب تک مسلمانوں کی تصانیف کے مغربی زبانوں میں تراجم کے ذریعے پہنچا:

An Archimedian monograph on the regular heptagon was preserved in the Arabic translation of Thabit ibn Qurra (IX-2) and this was discovered in a Cairo MS. and published in 1926 by CARL SCHOY.In other words, lost treatises of ARCHIMEDES were revealed only in 1906 and 1926. It is possible that other lost treatises may still be discovered, chiefly in the second manner. The Greek palimpsests have been pretty. well examined and there is little hope of repeating HEIBERG'S stroke of genius and luck, but there is much hope on the contrary of finding Arabic translations of lost Greek scientific books, because many Arabic libraries are still unexplored and many Arabic MSS, undescribed.(1)

"سات اضلاع کی شکل (ذو سبعۃ الاضلاع) پر ارشمیدس کا ایک مقالہ ثابت بن قرع کے عربی ترجمے میں محفوظ تھا جو حال ہی میں کارلس کوائے کے مسودات میں دریافت ہوا۔ اور ۱۹۲۶ء میں کارلس کوائے نے اسے شائع کیا۔ دوسرے الفاظ میں ارشمیدس کی گم شدہ تحریریں ۱۹۰۶ء اور ۱۹۲۶ء میں دریافت ہوئیں۔ یہ ممکن ہے کہ بہت سی دوسری گم شدہ تحریریں بھی دریافت ہو جائیں۔ خصوصاً دوسرے طریقے سے۔ یونانی کتبے اس حوالے سے اچھا خیرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور امید ہے کہ ہیبرگ کی ذہانت اور قسمت یہاں دوبارہ دہرائی جائے۔ لیکن بہت زیادہ امید اس کے بالکل برعکس عربی ترجموں میں گمشدہ یونانی سائنسی کتابوں کے پائے جانے کی ہے کیونکہ بہت سی عربی لائبریریاں ابھی تک دریافت نہیں ہوئیں ۔ اور بہت سے عربی مسودات ایسے ہیں جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے۔"

مسلمانوں نے جس سائنس کو فروغ دیا وہ انسانی اقدار کی امین تھی جبکہ آج کی مغربی علمی ترقی انسانیت کو اس کی بنیادی اقدار سے دور کر رہی ہے:

Our judgment of mediaeval science in general must always

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p141.

be tempered by the considerations which have just been offered and by due and profound humility. We may be great scientists (I mean, we modern men), but we are also great barbarians. We know, or seem to know, everything, except the essential. We have thrown religion out of doors but allowed superstitions, prejudices and lies to come in through the windows. We drum our chests in the best gorilla fashion saying (or thinking) "We can do this..... we can do that...... yea, we can even blow the world to smithereens," but what of it? Does that prove that we are civilized? Material power can be as dangerous as it is useful; it all depends on the men using it and on their manner of using it. Good or evil are in ourselves; material power does not create it but can multiply it indefinitely![1]

''قرون وسطیٰ کی سائنس کے بارے میں ہمارے اندازوں کو ان معروضات کا حامل ہونا چاہئے جنہیں ابھی پورے عجز و انکسار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ہاں میری مراد ہے کہ آج کے جدید انسان عظیم ترین سائنسدان ہو سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم بہت بڑے وحشی بھی ہیں۔ ہم جانتے ہیں یا جاننا چاہتے ہیں ہر چیز سوائے اس کے جو جاننا ضروری ہے۔ ہم نے مذہب کو اپنے دروازوں سے باہر پھینک دیا ہے لیکن اپنے گھروں میں توہمات، تعصبات اور جھوٹ کو کھڑکیوں سے اندر آنے کی اجازت دے دی ہے۔ ہم اپنے سینوں کو پھلاتے ہیں اور گوریلے انداز میں یہ کہتے ہوئے اور سوچتے ہوئے کہ ہم یہ کر سکتے ہیں ہم وہ کر سکتے ہیں بلکہ ہم دنیا کو ریزہ ریزہ کر سکتے ہیں، بدل سکتے ہیں لیکن اس کا فائدہ کیا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ایک مہذب قوم ہیں۔ مادی طاقت اتنی ہی خطرناک بھی ہو سکتی ہے جتنی کہ یہ فائدہ مند ہے۔ صرف اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کو استعمال کرنے والے اس کو کس طرح سے استعمال کرتے ہیں۔ اچھائی یا برائی ہمارے اندر ہے۔ ہماری طاقت اسے پیدا نہیں کر سکتی لیکن اسے لازمی طور پر بڑھا ضرور سکتی ہے۔''

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science* with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952, p32.

۱۰۔ اِسلامی تہذیب و ثقافت کا زوال اور اُس کے اَسباب

مغربی مفکرین اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں اپنے تمام تر تعصبات کے باوجود اسلام کی عظیم الشان تہذیب اور ثقافت کی نفی نہیں کر سکے۔ انہیں برملا اعتراف کرنا پڑا کہ مسلمانوں نے یورپ کو تہذیب کی شائستگی کی دولت ہی سے نہیں نوازا بلکہ شخصیت کی تعمیر و کردار کے لئے بنیادیں فراہم کیں، تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کو ثقافت کی روشنی سے ہمکنار کیا، جنگل کے قانون کی جگہ ابن آدم کو شرف انسانی کی توقیر و احترام کا شعور عطا کیا اور یوں اس کرہ ارضی پر ان مہذب معاشروں کے قیام کی راہ ہموار کی جو آج بھی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ جدید علوم اور ٹیکنالوجی مسلمانوں کی اس روایت علمی کی مرہون منت ہے جس نے آٹھ سو سال تک اندلس کی سرزمین پر فروغ پایا اور ذہنوں میں شعور و آگہی کے ان گنت چراغ روشن کئے، انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلابخشی اور مظاہر فطرت کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی بجائے ان کو تسخیر کے لئے انسانیت کو ذہنی طور پر آمادہ کیا لیکن جب بے عملی ہمارا وطیرہ بن گئی، جمود مرگ کو مقدر سمجھ کر ہم نے اپنے سینے سے لگا لیا، اپنی شاندار ثقافتی اقدار کو پس پشت ڈال کر اپنی ملی غیرت کو بھی اغیار کے ہاتھوں گروی رکھ دیا تو زوال و انحطاط کی تاریکیاں ہمارا مقدر بن گئیں۔ زندگی جہد مسلسل کا نام ہے جب ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا جذبہ سرد پڑ گیا تو اُمتِ مسلمہ کی سوچ بھی جمود کی دبیز تہہ کے نیچے دفن ہو گئی۔

آج ملت اسلامیہ مقامی اور محدود وابستگیوں کو اپنا معیار شناخت بنانے کے سبب سے اس عالمگیر و ثقافتی وحدت سے محروم ہو چکی ہے جو اس کا مقدر تھی۔ نتیجہ یہ ہے کہ دور جدید میں جبکہ بقا کی جنگ ثقافتی میدان میں لڑی جا رہی ہے اسلام کسی مؤثر کردار سے محروم ہے:

For Huntington, culture worked at the level of motivation. States remained key actors, but civilizational politics became real when states and peoples identified with each other's cultural concerns or rallied around the 'core state' of a civilization. The Orthodox, Hindu, Sinic, and Japanese civilizations were clearly centered in powerful unitary states. The West had a closely linked core that included the United States, Germany, France, and Britain. Islam was without a clear core state, and for this reason experienced much more intra-civilizational conflict as a number of contenders-Turkey, Iran, Iraq, Egypt, Saudi Arabia-competed

for influence. The fact that Islam was divided did not refute the idea that a pan-Islamic consciousness existed.[1]

''ہنٹنگٹن کے مطابق کلچر کا ایک ترغیبی کردار ہے۔ ریاستیں کلیدی کردار رکھتی ہیں لیکن اس وقت تہذیبی سیاست حقیقی کردار بن جاتی ہے جب ریاستیں اور لوگ ایک دوسرے کو ثقافتی تحفظات کے ذریعے پہچانتے ہیں یا ایک تہذیب پر مشتمل ریاستی منطقہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ قدیم کلیسا، ہندو، چینی، اور جاپانی تہذیبیں واضح طور پر طاقتور واحدانی وراثتوں میں مرتکز تھیں۔ مغرب میں ایک واضح اندرونی تعلق موجود ہے جن میں امریکہ، جرمنی، فرانس اور برطانیہ شامل ہیں۔ اسلام کسی واضح ریاستی منطقے سے محروم تھا اس لئے اسے کئی بین التہذیبی تنازعات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ کئی مدعیوں مثلاً ترکی، ایران، عراق، مصر اور سعودی عرب میں اثر ورسوخ کے حصول کیلئے مقابلہ بازی جاری رہی۔ (تاہم) یہ حقیقت کہ اسلام تقسیم تھا اس تصور کی نفی نہیں کرتا کہ ایک پان اسلامی شعور موجود تھا۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ تہذیبی اثرات کے تحت ہی قومیں معاصر دنیا میں اپنا مقام متعین کرتی ہیں۔ آج مغربی تہذیب کا غلبہ اس تہذیبی عنصر کی بدولت ہے جس سے آج کی دوسری تہذیبوں خصوصاً اسلام محروم ہے:

Civilizations represent coherent traditions, but are dynamic over time and place. For instance, medieval Christendom drew on ancient and eastern civilizations for many of its philosophical and technological advances; subsequently, Christendom was remolded into a European civilization based around the nation-state and, finally, was expanded and adapted in North America, and re-designated as Western civilization.[2]

''تہذیبیں مربوط روایات کا اظہار ہوتی ہیں لیکن یہ زماں اور مکان سے زیادہ حرکی ہیں۔ مثلاً قرون وسطیٰ کی عیسائیت کے اثرات قدیم اور مشرقی تہذیبوں اور ان کے فلسفیانہ اور ٹیکنالوجیکل پیش رفت پر ہوئے۔ بعد میں یہی دنیائے عیسائیت یورپی تہذیب میں بدلی

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics*, OUP, 2001, p. 462.
(2) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics*, OUP, 2001, p. 458.

جس کی بنیاد قومی ریاست پر قائم ہے۔ اور انجام کار اس کی توسیع ہوئی اور اسے شمالی امریکہ نے اختیار کیا جو مغربی تہذیب کی شکل اختیار کر گئی۔"

اسلام جب سے علاقائی شناختوں کی تقسیم کا شکار ہوا ہے، نہ صرف عالمگیر تہذیب ہونے کے مقام اور منصب سے محروم ہوگیا بلکہ دنیا پر مثبت اثرات مرتب کرنے کی بجائے، جو اس کا فرض منصبی تھا، دیگر تہذیبوں کے مقابل مغلوبیت کا شکار ہے:

> The Islamic world represents an example par excellence of the experience of almost all non-Western cultures in the modern age. Islamic peoples have had to deal with the geopolitical and cultural hegemony of the West since the eighteenth century. The collapse of the Ottoman empire at the end of the First World War heralded a new era in which the secular, nationalist, and authoritarian state became the dominant form of organization. Modernizers argued that Islam was the cause of backwardness and decline, and that modernization required the imitation of Western forms of culture and organization. In Turkey, the Ottoman Caliphate was abolished in 1924, and Western forms of law, script, and dress enforced. Women were forcibly unveiled. A similar model was adopted in Iran and the Arab world, although the attack on Islam was never quite so thoroughly pursued. Islam was divided by Turkish, Iranian, and Arab nationalism.(1)

"جدید دور میں غیر مغربی ثقافتوں کے تجربے کی بہترین مثال اسلامی دنیا پیش کرتی ہیں۔ اٹھارویں صدی سے مسلم دنیا کو مغرب کے سیاسی اور ثقافتی غلبے کا سامنا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے زوال سے نئے دور کا آغاز ہوا۔ جس میں سیکولر، قوم پرست اور مقتدر ریاست تنظیم کی غالب شکل میں سامنے آئی۔ جدیدیت پسند یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اسلام پسماندگی اور زوال کا سبب ہے اور جدیدیت کے لیے ضروری ہے کہ مغربی ثقافت اور تنظیمی ڈھانچے کی پیروی کی جائے۔ ۱۹۲۴ء میں ترکی میں عثمانی خلافت ختم کر دی گئی اور مغربی قانون، رسم الخط اور لباس نافذ کر دیا گیا۔ عورتوں کے نقاب جبراً اتار لیئے گئے، اس طرح کا طرز عمل ایران اور عرب دنیا میں اپنایا گیا، اگرچہ اسلام پر یہ حملہ کلی

---

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics*, OUP, 2001, p. 463.

طور پر جاری نہ رہا، اسلام ترکی، ایرانی اور عرب قومیت میں تقسیم ہوگیا۔‘‘

زوال کا یہ عمل ناگہانی آفت بن کر اس امت پر مسلط نہیں ہوا، بلکہ یہ صدیوں کا عمل ہے جو کچھ اسباب اور عوامل کے تحت وقوع پذیر ہوا۔ سیرت الرسول ﷺ میں ہمیں اس باب میں بھی بڑی واضح رہنمائی ملتی ہے۔ تاہم یہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا ایک بہت ہی جامع ارشاد مبارک بیان کیا جاتا ہے جو ان اسباب وعلل کا جامع احاطہ کرتا ہے:

من اقتراب الساعة اثنتان وسبعون خصلة إذا رأيتم الناس أماتوا الصلاة وأضاعوا الأمانة وأكلوا الربا واستحلوا الكذب واستخفوا الدماء واستعلوا البناء وباعوا الدين بالدنيا، وتقطعت الأرحام ويكون الحكم ضعفاً والكذب صدقاً والحرير لباسًا وظهر الجور وكثر الطلاق وموت الفجاءة وائتمن الخائن وخوّن الأمين وصدق الكاذب وكذب الصادق وكثر القذف وكان المطر قيضاً والولد غيضاً وفاض اللئام فيضًا وغاض الكرام غيضًا وكان الأمراء فجرة والوزراء كذبة والأمناء خونة والعرفاء ظلمة والقراء فسقة إذا لبسوا مسوک الضأن قلوبهم أنتن من الجيفة وأمر من الصبر يغشيهم الله فتنة يتهاوكون فيها تهاوک اليهود الظلمةوتظهر الصفراء يعنى الدنانير وتطلب البيضاء يعني الدراهم وتكثر الخطايا وتغل الأمراء وحليت المصاحف وصوّرت المساجد وطولت المنائر وخرّبت القلوب وشربت الخمور وعطلت الحدود وولدت الأمة ربها وترى الحفاة العراة وقد صاروا ملوكاً وشاركت المرأة زوجها في التجارة وتشبه الرجال بالنساء والنساء بالرجال وصله بالله أن يستحلف وشهد المرء أن يستشهد وسلم للمعرفة وتفقه لغير الدين وطلبت الدنيا بعمل الآخرة واتخذ المغنم دولاً والأمانة مغنما والزكاة مغرمًا وكان زعيم القوم أرذلهم وعق الرجل أباه وجفا أمه وبر صديقه وأطاع زوجته وعلت أصوات الفسقة في المساجد واتخذت القينات والمعازف وشربت الخمور في الطرق واتخذ الظلم فخرًا وبيع الحكم وكثرت الشرط

واتخذ القرآن مزامير صفافاً والمساجد طرقاً ولعن آخر هذه الأمة أولها فليتقوا عند ذالک ريحًا حمراء وخسفًا ومسخًا و آيات۔[1]

’’حضرت حذیفہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بہتر (۷۲) چیزیں قربِ قیامت کی علامات ہیں: جب تم دیکھو کہ لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں، امانت ضائع کرنے لگیں، سود کھانے لگیں، جھوٹ کو حلال سمجھنے لگیں، معمولی بات پر خون ریزی کرنے لگیں، اونچی اونچی بلڈنگیں بنانے لگیں، دین بیچ کر دنیا سمیٹنے لگیں، رشتہ داروں سے بدسلوکی ہونے لگے، انصاف کمزور ہو جائے، جھوٹ سچ بن جائے، لباس ریشم کا ہو جائے، ظلم، طلاق اور ناگہانی موت عام ہو جائے، خیانت کار کو امین اور امانتدار کو خائن سمجھا جائے، جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے، تہمت تراشی عام ہو جائے، بارش کے باوجود گرمی ہو، اولاد غم وغصہ کا موجب ہو، کمینوں کی ٹھاٹھیں ہوں، اور شریفوں کا ناک میں دم آجائے، امیر وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں، امین خیانت کرنے لگیں، سردار ظلم پیشہ ہوں، عالم اور قاری بدکار ہوں گے، جب لوگ بھیڑ کی کھالیں (پوستین) پہننے لگیں، ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اور لوہے سے زیادہ سخت ہوں، اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں ایسے فتنے میں ڈال دے گا، جس میں وہ یہودی ظالموں کی طرح بھٹکتے پھریں گے اور (جب) سونا عام ہو جائے گا، چاندی کی مانگ ہوگی، گناہ زیادہ ہو جائیں گے، امن کم ہو جائے گا، مصاحف کو آراستہ کیا جائے گا، مساجد میں نقش و نگار کئے جائیں گے، اونچے اونچے مینار بنائے جائیں گے، دل ویران ہونگے، شرابیں پی جائیں گی، شرعی سزاؤں کو معطل کر دیا جائے گا، لونڈی اپنے آقا کو جنے گی، جو لوگ (کسی زمانے میں) برہنہ پا اور ننگے بدن رہا کرتے تھے وہ بادشاہ بن بیٹھیں گے، زندگی کی دوڑ میں اور تجارت میں عورت مرد کے ساتھ شریک ہو جائے گی، مرد، عورتوں کی اور عورتیں مردوں کی نقالی کرنے لگیں گی، غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی، مسلمان بھی بغیر کہے (جھوٹی) گواہی دینے کو تیار ہوگا، جان پہچان پر سلام کیا جائے گا، غیر دین کے لئے شرعی قانون پڑھا جائے گا، آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی، غنیمت کو دولت، امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو تاوان قرار دیا جائے گا، سب سے ذلیل آدمی قوم کا حکمران بن بیٹھے گا، بیٹا اپنے باپ کا نافرمان ہوگا،

(۱) ۱۔ أبونعيم، حلية الأولياء، ۳: ۳۵۸، ۳۵۹

۲۔ سيوطي، الدر المنثور، ۶: ۵۲

ماں سے بدسلوکی کرے گا، دوست سے نیکی کرے گا اور بیوی کی اطاعت کرے گا، بدکاروں کی آوازیں مسجدوں میں بلند ہونے لگیں گی، گانے والی عورتیں داشتہ رکھی جائیں گی اور گانے کا سامان رکھا جائے گا، سرِ راہ شرابیں اڑائی جائیں گی، ظلم کو فخر سمجھا جائے گا، انصاف بکنے لگے گا، پولیس کی کثرت ہو جائے گی، قرآن کو نغمہ سرائی کا ذریعہ بنا لیا جائے گا، درندوں کی کھال کے موزے بنائے جائیں گے اور امت کا پچھلا حصہ پہلے لوگوں کو لعن طعن کرنے لگے گا، اس وقت سرخ آندھی، زمین میں دھنس جانے، شکلیں بگڑ جانے اور آسمان سے پتھر برسنے کے جیسے عذابوں کا انتظار کیا جائے۔‘‘

سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں اسلام کی تہذیب و ثقافت کا یہ مختصر تجزیہ اس امر کو وضاحت کرتا ہے کہ امت مسلمہ اپنی تابناک تہذیب کے لئے نہ صرف سیرت الرسول ﷺ کی رہین منت ہے بلکہ اس کی تہذیبی اور ثقافتی بقا بھی سیرت الرسول ﷺ سے وابستگی میں ہی مضمر ہے۔

باب سوُم

سیرۃُ الرسول ﷺ کی تاریخی اہمیت

تاریخ صرف واقعات کا نام نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عظیم شخصیات اور ان سے وابستہ حالات و واقعات اور ان کے کارہائے نمایاں کا نام ہے۔ کسی بھی تاریخی دور کا تعین یا اس دور کی اہمیت کا اندازہ اس دور کی شخصیات اور ان کی طرف سے انجام دیے جانے والے کارہائے نمایاں ہی کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس تناظر میں تاریخ کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ کے ہر دور میں کوئی نہ کوئی بڑی شخصیت موجود رہی جس نے کچھ ایسے بڑے کارنامے سرانجام دیئے جن کی وجہ سے وہ دور پچھلے ادوار سے ممتاز و ممیز ہوا اور اس نے آنے والے ادوار کے لیے ایک سمت اور جہت کا تعین کیا۔ لیکن یہ امر بڑا قابلِ غور ہے کہ ہر دور کی تاریخی شخصیت کے انجام دیئے جانے والے کارناموں میں بیک وقت مثبت اور منفی پہلو موجود ہیں۔ یعنی کسی بھی تاریخی شخصیت نے اپنے دور میں کچھ نمایاں کارنامے سرانجام دیئے تو اس کے ساتھ اس نے کچھ منفی اور تخریبی سرگرمیاں بھی سرانجام دیں۔ جن کے نتیجے میں انسانی وقار مجروح ہوا اور وہ سرگرمیاں کلیتاً تاریخ کی ترقی، ارتقاء یا انسانی عظمت کے مطابق نہ تھیں۔ لیکن پوری تاریخ انسانی میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس کی ساری سرگرمیاں انسانیت کی بھلائی فلاح اور تاریخ کی مثبت جہت کے تعین کے لیے تھیں۔ وہ طبقہ انبیاء کرام علیہم السلام کا طبقہ ہے۔ ماہرین بشریات اس بات پر متفق ہیں کہ انسانی تہذیب و تمدن کی تمام مثبت جہات کی بنیاد انبیائے کرام علیہم السلام نے رکھی۔ ہر دور میں انبیائے کرام علیہم السلام نے نہ صرف انسانیت کو پیغام ہدایت دیا بلکہ معاشرتی، سماجی، تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی سطح پر ایک اعلیٰ انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے واضح رہنما اُصول بھی دیے۔ اس طبقہ میں درجہ کمال پر فائز شخصیت حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ پوری تاریخ انسانی میں آپ کے اثرات اتنے واضح، نمایاں اور پوری تاریخ انسانی کو ایک نئے دور میں داخل کر دینے والے ہیں کہ اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

آپ ﷺ کے تشریف لانے سے انسان کا شعور انسانی وقار سے آشنا ہوا۔ اس سے قبل انسانیت من حیث المجموع وقار سے محروم تھی۔ طاقت ور ہی تمام عزت اور وقار و حرمت کا مستحق سمجھا جاتا تھا اور کمزور نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر امتیازات کی وجہ سے محرومیوں اور ذلتوں کا شکار تھا۔ آپ ﷺ نے انسانی وقار کی اعلیٰ تعلیمات اور معیارات عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے سوائے تقویٰ،

کردار، اہلیت اور قربِ خداوندی کے برتری کے ہر معیار کو مٹا دیا۔ آپ ﷺ کے تشریف لانے سے انسانی معاشرہ اقدار سے آشنا ہوا۔ اس سے قبل اجتماعی اقدار کا کوئی نظامِ عمل مروج نہ تھا۔ اقدار وہی مروج و معتمد تھیں جن سے طاقت ور کو تحفظ ملتا ہو۔ آپ ﷺ کے تشریف لانے سے حقوقِ انسانی کا شعور پیدا ہوا۔ دورِ جدید کی تمام تر حقوقِ انسانی کی کاوشیں چاہے وہ علمی و فکری اور شعوری سطح پر ہوں یا عملی یا قانونی نظام کی سطح پر ہوں، اگر بلا تعصب اور غیر جانبدارانہ طور پر ان کی اصل کی شناخت اور تلاش کی جائے تو ان کی کاوشیں حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات سے جا ملتی ہیں۔ معاشرتی اور ریاستی سطح پر آپ ﷺ نے ایک ایسا نظام عطا فرمایا جس نے مستقبل میں آنے والے دنیا بھر کے نظاموں کی بنیاد اور سمت متعین فرمائی۔ آپ ﷺ کی تعلیمات، جدوجہد اور کوششوں سے علم و آگہی کی وہ روایت شروع ہوئی جس سے انسان نہ صرف جہالت کی تاریکیوں سے نکلا بلکہ علم و آگہی کے ذریعے شرفِ انسانیت کے اس مقام پر پہنچا کہ وہی مظاہرِ فطرت جنہیں وہ اپنا معبود قرار دیتا تھا، وہ ان کی تسخیر پر آمادہ ہوا اور حقیقی معنوں میں مسجود ملائک اور مسخر کائنات کے طور پر سامنے آیا۔ اس باب میں ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کی تاریخی اہمیت کی مختلف جہات کے حوالے سے جائزہ لے رہے ہیں۔

ا۔ سیرۃ الرسول ﷺ کی سیاسی و ریاستی اہمیت

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے وطن مکہ سے ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ کی ایک بستی میں اسلامی ریاست قائم کی اور تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک باقاعدہ دستورِ ریاست تیار فرمایا، پھر دس سال کے قلیل عرصہ میں جزیرہ نمائے عرب، جنوبی فلسطین اور جنوبی عراق تک اسی اسلامی ریاست کو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اور مستحکم مملکت بنا دیا۔ جس کی حدود دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ پر قائم ہو چکی تھیں اور یہ سب کچھ اس ملک سے شروع کیا جہاں اس سے قبل کسی باقاعدہ ریاست و مملکت، سیاسی مرکزیت اور دستور و قانون کا کوئی تصور ہی نہ تھا اور یہ ایک بستی سے شروع ہونے والی ریاست اس وقت کی دو بڑی عالمی طاقتوں (Two World Super Powers) روم اور ایران سے ٹکرانے کے قابل ہو گئی اور بعد ازاں جلد ہی اسی اسلامی ریاست نے ان دونوں عالمی طاقتوں کو شکست دے کر ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تین براعظموں تک اپنے دائرہ اختیار کو پھیلا لیا، اور ساتھ ہی داخلی و خارجی سیاست کے عالمی اُصول وضع کر دیے گئے جن کے تحت اس نظامِ عالم کو چلایا جا سکے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ نظام اور پیغام مشارق الارض سے مغارب الارض تک پھیل گیا۔ یہ دس

سال کے انتہائی قلیل عرصہ میں اتنی بڑی سیاسی کامیابی ہے کہ اس کی مثال تاریخِ عالم میں اس سے پہلے یا بعد میں کہیں نہیں ملتی، سیاست کے طالب علموں کیلئے بالخصوص اور دیگر تمام اہلِ فکر و نظر کیلئے بالعموم اس عظیم ہستی کی سیرت کا مطالعہ یقیناً بہت بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ آخر یہ سب کچھ کس طرح ممکن ہوا۔ حیرت کی بات ہے کہ ان عظیم سیاسی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغِ رسالت کا فریضہ بھی بتمام و کمال ادا ہوتا رہا اور اس میں کوئی کمی واقع نہ ہونے پائی۔ اس ہمہ جہت رفتار و کامرانی کی کوئی مثال تاریخِ انبیاء میں بھی نہیں ملتی۔ اسلامی ریاست اور تہذیب کی ہمہ گیری کا اعتراف کرتے ہوئے مغربی مصنفین لکھتے ہیں:

The civilization that sprang from the message and conquest was a mixture of Arabs, Greek, Persian, Egyptian, Spanish, African and Southern Asia - the most cosmopolitan civilization in world history.[1]

”وہ تہذیب جو اسلام کے پیغام اور فتوحات سے پھوٹی عرب، یونانی، ایرانی، مصری، ہسپانوی، افریقی اور جنوب ایشیائی اقوام کی تہذیبوں کا مجموعہ ہونے کے ناطے تاریخِ عالم میں انتہائی وسیع المشرب تہذیب تھی۔“

The notion of church and state as distinct institutions, each with its own laws, hierarchy, and jurisdiction, is characteristically Christian, with its origins in Christian scripture and history. It is alien to Islam. From the lifetime of its founder, Islam was the tsate, and the identity of religion and government is indelibly stamped on the memories of the faithful from their own sacred writings, history and experience.[2]

”کلیسا اور ریاست کا تصور، بحیثیت ممتاز اداروں کے جن میں ہر ادارے کے اپنے قوانین ہیں، نظام مراتب بلحاظ اختیارات و فرائض اختصاصی طور پر عیسوی ہے جس کی جڑیں مسیحی کتب و صحائف اور تاریخ میں پیوست ہیں اور اسلام کا اس سے کوئی واسطہ اور سروکار نہیں۔ بانی اسلام کی زندگی کے دوران ہی اسلام ایک ریاست کی شکل میں تھا اور بحیثیت مذہب

(1) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, p. 358.
(2) William Spencer, *Islamic Fundamentalism in the Modern World*, p. 31.

اور حکومت اس نے انمٹ نقوش اہلِ ایمان کی یادوں، ان کے مقدس نوشتوں، تاریخ اور تجربے پر چھوڑے ہیں۔‘‘

۲۔ سیرۃُ الرسول ﷺ کی تنظیمی و اِنتظامی اَہمیت

حضور نبی اکرم ﷺ ایک ایسے خطہ ارضی میں متولد ہوئے جہاں فی الحقیقت کبھی کوئی باقاعدہ مملکت قائم ہوئی تھی نہ ملکی سطح کی تنظیم و انتظام، اس کے باوجود آپ ﷺ نے جو دستورِ مملکت اور نظام حکمرانی مرتب فرمایا، وہ آپ ﷺ کے حسنِ نظم کی تابندہ مثال ہے۔ آپ ﷺ نے اندرونی و بیرونی جملہ ریاستی خطرات کا جس حسنِ تدبیر و انتظام سے ازالہ کیا وہ ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ یہودی ایک موثر سیاسی اور اقتصادی قوت تھے۔ مدینہ کے گرد و نواح میں غیر مسلم قبائل مقامی اثر و رسوخ کے اعتبار سے موثر تھے۔ قریش مکہ اور ان کے ہمنواؤں کی بڑی موثر طاقت تھی۔ بنو تمیم، بنو سعد، بنو حنیفہ، بنو اسعد، کندہ، حمیر، ہمدان اور طے کے قبائل بھی مقامی طور پر مؤثر سیاسی طاقت رکھتے تھے۔ بیرونی سطح پر نجران، یمن، بحرین، عمان، شام اور ایران کی سلطنتیں مستقل طور پر اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کے لئے خطرہ تھیں۔ آپ ﷺ نے اندرونی طور پر قیام امن کیلئے جو دعوتی، تبلیغی، سیاسی اور معاہداتی پالیسیاں اختیار فرمائیں ان سے تمام قوتیں مسخر ہو کر رہ گئیں۔ مواخات اور میثاق مدینہ نے ریاست کو نہ صرف سیاسی و اقتصادی استحکام کی بنیاد فراہم کر دی بلکہ تمام طبقات پُر امن بقائے باہمی کے اصول میں پروئے گئے اور ایک ملک میں موثر سیاسی وحدت وجود میں آ گئی، جس کے ذریعے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی بھی ضمانت فراہم ہو گئی، اُمورِ داخلہ کا نظام موثر طور پر نافذ العمل ہوا، باقاعدہ نظام مشاورت و سفارت عمل میں آیا، بیرونی دنیا سے روابط کے لئے وفود کا تبادلہ شروع ہوا، حکام و عمالِ سلطنت کے لئے ضوابط مقرر ہوئے، احتساب کے نظام کا اجراء ہوا، پولیس کے نظام کی ابتدائی صورت وضع ہوئی اور دوسری ریاستوں اور حکومتوں سے تعلقات کی نوعیت متعین کرنے کے لئے خارجہ پالیسی معرض وجود میں آئی۔ الغرض پورا عرب معاشرہ اسقدر اعلیٰ حسن، تنظیم اور کمال انتظام سے نوازا گیا کہ اسی بنا پر وہ ایک صدی ختم ہونے سے قبل دنیا کی سب سے بڑی مضبوط سلطنت میں بدل چکا تھا۔ تاریخ میں تنظیمی و انتظامی حوالے سے بھی ایسی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ پھر آپ ﷺ نے انتظامی عدل اور قیام امن کے جو اُصول وضع فرمائے ہیں وہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہیں اور انسانیت ان سے بہتر ضوابط وضع نہیں کر سکی۔ اس لیے اس ہستی کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس حوالے سے بھی اشد ضروری ہے۔

۳۔ سیرۃُ الرسول ﷺ کی اِنسانی و اَخلاقی اَہمیت

حضور نبی اکرم ﷺ اخلاق کے صرف معلم و مبلغ ہی نہ تھے بلکہ سب سے پہلے اپنی تعلیم پر خود عامل تھے۔ دوسروں کو جس قدر حکم فرماتے خود اس سے زیادہ انجام دیتے۔ انسانی اور اخلاق حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت اس قدر عظیم ہے کہ آپ ﷺ کے دشمنِ غائبانہ بھی اس حقیقت کے معترف رہے، آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے قبل پندرہ سال تک بطور تاجر حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاق، امانت و دیانت اور ایفائے عہد کا مشاہدہ کرتی رہی تھیں۔ جب آپ ﷺ نے دعویٰ نبوت کیا تو سب سے پہلے ایمان لا کر آپ ﷺ کی انسانی و اخلاقی عظمت کا اقرار کرنے والی وہ خود تھیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی انسانی و اخلاقی اقدار کے حوالے سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سب سے پہلا بیان جو انہوں نے پہلی وحی کے نزول کے موقع پر ارشاد فرمایا، ملاحظہ ہو:

كَلّا واللہ لا یخزیک اللہ أبدا إنّک لتصل الرحم وتحمل الكلّ وتكسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔(۱)

”ہرگز نہیں خدا کی قسم، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔“

اسی طرح آپ ﷺ کا کردار ایک باپ، ایک شوہر، ایک شہری، ایک ہمسائے، ایک دوست، ایک تاجر اور ایک حاکم، غرض ہر حیثیت سے اس قدر بے داغ، قابلِ تعریف اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں سے معمور ہے کہ اس پر دشمن بھی انگشتِ طعن نہ رکھ سکے۔ معاشرے کی تمام متداول برائیاں جن میں شراب، جوا، بت پرستی، رقص و سرور اور دیگر غیر اخلاقی اُمور شامل ہیں، بچپن، نوجوانی اور شباب کے کسی دور میں بھی آپ ﷺ کے دامن اقدس کو آلودہ نہ کرسکیں۔

یہ بات انسانی و اخلاقی حوالے سے کس قدر اہم ہے کہ کفار و مشرکین باوجود عناد و عداوت

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب بدء الوحی، ۱: ۴، رقم: ۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب بدء الوحی، ۱: ۱۴۱، رقم: ۱۶۰

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۲۱۷، رقم: ۳۳

اور کھلی مخالفت کے آپ ﷺ کو ہمیشہ ''صادق و امین'' کے لقب سے یاد کرتے رہے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی صداقت و امانت پر اس قدر اعتماد رہا کہ شبِ ہجرت جب تمام کفار آپ ﷺ کے قتل کے درپے تھے اور انہوں نے آپ ﷺ کے درِ انور کا محاصرہ کر رکھا تھا اس وقت بھی انہی کی امانتیں حضور ﷺ کے پاس پڑی تھیں، جن کی ادائیگی کے لئے آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ پوری زندگی سخاوت و فیاضی کے ایسے سمندر رہے کہ دشمن بھی محتاجی و پریشانی کے حال میں آپ ﷺ ہی کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرتے اور آپ ﷺ سائلین کی ضرورتیں اُدھار اٹھا اٹھا کر بھی پوری کرتے رہتے۔ حتیٰ کہ خود اکثر فاقوں تک نوبت رہتی مگر دوسروں کے فاقے ختم فرما دیتے۔

میزبانی کا یہ عالم رہا کہ وہ کفار و مشرکین، جن کے باعث آپ ﷺ کو وطن عزیز سے ہجرت کرنا پڑی، بھی درِ دولت پر آ جاتے تو خود اپنے دستِ مبارک سے میزبانی فرماتے، ایفائے عہد میں غیر معمولی تکلیف بھی اٹھانا پڑتی تو گوارا فرما لیتے مگر عمر بھر کوئی بھی وعدہ تشنہ تکمیل نہ رہنے دیا۔ خدمت خلق اور حسن خلق میں آپ ﷺ کی کوئی مثال نہ تھی، انہی انسانی محاسن اور اخلاق و خصائل کو دیکھ کر کئی کافر مسلمان ہو گئے۔ جرأت و شجاعت اور عزم و حوصلہ کے عزیم پہاڑ تھے۔ جنگیں ہوتیں تو خود قیادت فرماتے، خوف و ہراس کا عالم ہوتا تو خود آگے تشریف لے جاتے۔ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کی جامعیت کا یہی پہلو تھا کہ اسلام کی فتوحات اور ریاستی نظام میں بھی اخلاقی اقدار رواں دواں رہیں:

> The political history of Islam contains a paradox peculiar to this religion alonejt is the history of the transformation of an Arab sect into a community dominating an empire, and furthermore a universal religious community which was primarily non political, yet was the determining factor in political events and imposed its own qualities on whole cultures. In other words it was not the physical domination but the cultural power of the new teaching, not its origin in a particular geographical and intellectual zone but its immanent universality, which proved the deciding factors in its development. In the same way the new experience of the divine which it brought with it proved more inflammatory

than the sense of identification with the Arab nation which was disseminating it.(1)

''اسلام کی سیاسی تاریخ ایک ایسی متناقض صورتِ حال کی مظہر ہے جو صرف اس مذہب کا خاصہ ہے۔ یہ ایک ایسی کایا پلٹ کی تاریخ ہے جس میں ایک عرب گروہ نے ایک قوم کا روپ دھار لیا جو ایک سلطنت پر غلبہ حاصل کر گئی اور اس پر مستزاد ایک ایسی عالمی مذہبی قومیت معرضِ وجود میں آئی جو اصلاً غیر سیاسی تھی لیکن اس کے باوجود یہ سیاسی حالات و واقعات کو متعین کرنے والا ایسا عامل تھا جس نے تمام ثقافتوں پر اپنی صفات کی مخصوص چھاپ لگا دی دوسرے لفظوں میں یہ طبعی نوعیت کا غلبہ و استیلاء نہیں تھا بلکہ نئی مذہبی تعلیم کی ثقافتی قوت تھی جو کسی خاص جغرافیائی یا علمی وفکری خطے کی نہیں بلکہ ہمہ گیر عالمگیریت کی پیداوار تھی جس نے اس کی ترقی میں فیصلہ کن عوامل کا کردار ادا کیا۔ اسی طریقے اور نہج پر خدائی تعلیم کا نیا تجربہ جو اس کا باعث بنا اس عرب قوم کے حوالے سے پیدا ہونے والے تشخص کی نسبت زیادہ شعلہ جوالہ ثابت ہوا جو اس کے پھیلاؤ کا موجب بن رہا تھا۔''

اور پھر یہی اخلاقی پاکیزگی ان کی علمی وفکری اور فنی روایات میں بھی منعکس ہوئی:

The Arab people who had greatly enriched our world with the principles of this inspired faith (of Islam). They had also expanded out horizon and contributed to humanity's development through scientific invention, an art of healing, mathematics, literature and art of great beauty. It is to art that this exhibition is devoted. In truth it is difficult for an art historian to think of that which is beautiful and graceful, delicate yet strong and eternal, without the "arabesque" coming to mind. How apt that this aesthetic device of refined, rhythmical, intertwined flowing lines epitomizes the spirit of the Arab world. The simple elegance of Arabic, written with beautiful calligraphic style, unites religion to art and art to the people of these lands. The sacred word of Islam is most ever present in Arabic art, and even when objects for secular use were fashioned, Islam's influence was felt through the use of calligraphy and line.(2)

(1) G. E. Von Grunebaum, *Classical Islam: A History, 600 AD to 1258 AD*, p. 13.
(2) Esin Atil, *Art of the Arab World*, p. 7.

''اہلِ عرب نے جہاں اپنے الہامی دین (اسلام) کے اُصولوں کی بدولت ہماری دنیا کو زیادہ توانا اور ثروت مند بنایا ہے وہاں سائنسی ایجادوں، امراض کے طریقہ علاج، ریاضی، ادبیات اور جمالیاتی فن پاروں کو فروغ دے کر عالمی اُفق کو وسیع اور انسانیت کی ترقی میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ یہ نمائش فن پاروں کو روشناس کرانے کے لئے ہے۔ سچی بات یہ کہ کسی فنونِ لطیفہ کے مورخ کے لئے عرب نقاشی اور گلکاری کا تصور ذہن میں لائے بغیر یہ طے کرنا مشکل ہے کہ فلاں فن پارہ حسن و جمال، وقار، نزاکت و لطافت اور ابدیت و لافانیت میں دوسرے فن پارے سے بڑھ کر ہے۔ یہ کہنا زیادہ برمحل ہوگا کہ یہ جمالیاتی تانا بانا اپنی سادگی، پرکاری اور خطوط کی باہم آمیزش کی حسن کاری کی بنا پر عرب دنیا کی روح کو موزوں طور پر اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ عربی الفاظ کی نقش کاری اور خطاطی کے سادہ مگر حسین نمونے مذہب کو فن اور فن کو ان علاقوں کے باسیوں سے باہم آمیز کئے ہوئے ہیں۔ فن خطاطی میں مقدس اسلامی مخطوطات کی موجودگی ہمیشہ نمایاں ہوتی ہے اور ان اشیاء پر بھی جو غیر مذہبی نوعیت کی ہیں خطاطی کے استعمال کے ذریعے اسلامی اثرات کی چھاپ واضح نظر آتی ہے۔''

Yet it would be valid to suite that the impact of Islam was not based on physical domination but on the cultural power of its teaching. It was the universality of this teaching which determined its speedy and far flung acceptance.

The early history of Islam shows the transformation of an Arab sect into an empire which imposed its own qualities upon various civilizations. Needless to say, Arab cultural history predates Islam, but with the coming of the Prophet Muhammad (ﷺ) a new kind of community crystallized and a new conception of the world emerged which found expression both in language of the Arts.

Muhammad (ﷺ) born into a prominent family in Macca, was a political leader, administrator and legislator as well as a Prophet.[1]

''اس سبب کے باوجود یہ بات درست ہے کہ اسلام کا اثر نفوذ محض طبعی غلبہ کی صورت میں

(1) Esin Atil, *Art of the Arab World*, p. 9.

ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ اس کی تعلیمات کا ثقافتی سطح پر اظہار بھی ہوا یہ اسلامی تعلیمات کی آفاق گیری ہی تھی جس نے بڑی سرعت سے دور دراز خطوں میں قبولیتِ عامہ حاصل کر لی۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ سے ظاہر ہے کہ عرب قبیلہ پرستی ایک سلطنت کے قالب میں ڈھل گئی۔ جس نے مختلف تہذیبوں پر جن سے اس کا واسطہ پڑا اپنے خصوصی اثرات مرتب کئے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ عرب ثقافتی تاریخ اسلام سے پہلے موجود تھی لیکن پیغمبر اسلام محمد (ﷺ) کی آمد سے ایک نئی قسم کی قومیت نکھر کر سامنے آئی اور ایک نئی دنیا کا تصور معرض وجود میں آیا جس نے اپنا اظہار زبان اور فنون کی صورت میں کیا۔ محمد (ﷺ) جن کی ولادت ایک ممتاز خاندان میں ہوئی بیک وقت ایک سیاسی رہنماء منتظم اور قانون ساز اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔“

The most significant expression of Islam is found in the Quran, the sacred book which is written in Arabic and contains the teachings of the Prophet Muhammad(ﷺ). Through its contents and language, the Quran is the singular indisputable power which unites the Muslims around the world. The art of the Quran combines two of the most out standing contributions of the Arabs, namely calligraphy and an abstract form of decoration, coming called the arabesque. Calligraphy, which perpetuates the word of God, developed into the highest form of art under the Muslims. Due to its sacred and mystical nature, it is employed on all forms of religious and secular architecture and art. A similar feature can be observed in the arabesque which, through the flow and interaction of its geometric, floral and vegetal components, creates a sense of infinity and omnipotence.(1)

”اسلام کا سب سے زیادہ نمایاں اور مابہ الامتیاز اظہار قرآن میں نظر آتا ہے جو اپنے اندر عربی زبان میں پیغمبر (ﷺ) کی تعلیمات سموئے ہوئے ہے۔ وہ اپنے مندرجات اور اپنی زبان کے اعتبار سے ایسی وحدانی ناقابل تردید قوت کا حامل ہے جس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو متحد کر رکھا ہے۔ قرآن بطور ایک شہکار فن پارہ کے دو انتہائی نمایاں عرب امتیازات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے یعنی خطاطی اور تحریری تزئین و آرائش جیسے عرب

(1) Esin Atil, *Art of the Arab World*, p. 11.

نقاشی اور گلکاری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کی نادر خطاطی جس نے اللہ کے کلام کو دوام بخشا ہے۔ مسلمان اہلِ فن نے اسے آرٹ کی بلند ترین شکل میں ترقی دی۔ اس کی مقدس اور روحانی عارفانہ ہیئت کی وجہ سے اسے مذہبی اور غیر مذہبی (سیکولر) فن تعمیر کی تمام شکلوں اور آرٹ کے نمونوں میں بروئے کار لایا جاتا ہے۔ اس سے مماثل ایک نمایاں پہلو کا مشاہدہ عرب نقاشی اور گلکاری کی صورت میں جیومیٹری اور نباتاتی شکلوں کا اظہار ہوا ہے جس نے اس کے اندر ایک لامتناہیت اور قدرتِ کاملہ کا جوہر پیدا کر دیا ہے۔"

۴۔ سیرۃُ الرسول ﷺ کی سماجی و عمرانی اَہمیت

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہ پہلو بھی بہت تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ آپ ﷺ نے تھوڑے عرصہ میں پورے معاشرے کو ایک عادلانہ نظام اور اعلیٰ اقدار سے آراستہ فرما دیا۔ معاشی اعتبار سے تقسیم و گردشِ دولت کا نہایت خوبصورت اور منطقی نظام نافذ فرمایا جس سے ارتکاز دولت کے امکانات تک ختم ہو گئے۔ مثلاً تقسیم وراثت، تجدید وصیت، حرمتِ سود، حکم انفاق، ناجائز ذرائع کی ممانعت اور سرمایہ و دولت پر زکوٰۃ وعشر کے محصولات کی مثالیں مذکورہ تصور کو سمجھنے کیلئے کافی ہیں۔ معاشرے کے غرباء و مساکین، یتامیٰ و بیوگان، مزدور، غلام اور دیگر محرومین و مستحقین کو اجتماعی دولت میں یوں حصہ دار بنایا گیا کہ ان کے مالی حقوق مقرر کر کے ریاستی سطح پر لازمی کفالت کا نظام نافذ کر دیا گیا، اس طرح اسلامی ریاست ایک ویلفیئر سٹیٹ (Welfare State) بن گئی اس کی پہلی مثال مواخات مدینہ تھی۔ تمام معاشرے کو مختلف اکائیوں اور اداروں کی شکل میں منظم کیا گیا افراد خاندان سے لے کر حاکم اور ریاست تک سب کے حقوق و فرائض کا نظام وضع ہوا۔ تعلیم اور خواندگی کی مہم شروع کی گئی۔ تہذیب و ثقافت کے فروغ کے لئے اقدامات کیے گئے۔ اقتصادی، سماجی اور سیاسی اُصول و قوانین نافذ کیے گئے۔ عوامی مشاورت اور رعایا کی شرکتِ اقتدار کا اعلیٰ جمہوری نظام نافذ کیا گیا۔ عوام کو بنیادی انسانی حقوق (Fundamental Human Rights) عطا کئے گئے۔ ان کے جان و مال کو تحفظ اور رائے کی اجازت دی گئی۔ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کو تسلیم کر کے انہیں تحفظ فراہم کیا گیا۔ سول قوانین (Civil Laws)، عائلی و ازدواجی قوانین (Matrimonial Laws)، عدالتی و ضابطہ جاتی قوانین (Procedural Laws)، تجارتی و اقتصادی قوانین (Trade and Commerce Laws)، فوجی و دفاعی قوانین (Military Laws)، جنگ و امن کے قوانین (War and Peace Laws)، اقوام و قبائل سے معاہدات کے قوانین (Treaty Laws)، بین الاقوامی

قوانین (International Laws) حتیٰ کہ عام شہری کے نجی و انفرادی حقوق وفرائض سے لے کر اقوام عالم کے معاملات تک قانون سازی ہوئی۔ عرب کا جاہلی معاشرہ دنیا کا مہذب ترین معاشرہ بن گیا۔ فروغ علم وتعلیم کے ساتھ ساتھ بعض افراد میں علوم میں تخصص کا رجحان پیدا ہوا، اخلاقی و روحانی تعلیم وتربیت کے لئے صفہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پہلی روحانی خانقاہ) تیار کیا گیا۔ عبادات کے نظام کو منظم کرنے کے لئے مسجد نبوی کے علاوہ دیگر مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، حتی کہ یہ معاشرتی اور سماجی ڈھانچہ اتنی مضبوط بنیادوں پر استوار ہوا کہ اسلام بطور ایک تہذیب کے کسی حکومتی یا ریاستی تائید کا محتاج بھی نہ رہا:

> Nonetheless, the fall of Baghdad did more than bring home the precariousness of all human structures, even those erected on the true faith and devised to safeguard it. It demonstrated that the 'Abode of Islam' had become saturated with Islam, that the community no longer required a caliphate to give it a political and religious centre of gravity, that the vitality of Islam as an interpretation of man and the world, a way of life, and a style of thinking and feeling was now independent of any institutional support. Such support would henceforth be welcome as comfort and excuse to relax but no more needed for spiritual self-assurance. In future, states might not see themselves as aides and instruments of the glory of Islam; but the community was to view them precisely as such and so to identify with them rather than merely to tolerate them as a trial or a convenience which, in fact, they mostly were.[1]

”اس کے باوجود کہ سقوطِ بغداد نے ان انسانی ڈھانچوں کی ناپائیداری کو جو سچے دین پر استوار کئے گئے تھے جس کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا تھا، اُجاگر کرنے سے بھی بڑھ کر کام کیا اس بات کا عملی مظاہرہ ہوا کہ اسلام کا گھر (مرکز) اسلام سے اس قدر پوری طرح سیراب ہوچکا تھا کہ اس کے باسیوں کو سیاسی اور مذہبی مرکز ثقل فراہم کرنے کے لئے خلافت کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اس پر مستزاد اسلام کی حیات بخش توانائی کی تشریح وتعبیر انسان اور دنیا، طرزِ زندگی، اندازِ فکر واحساس کے اعتبار سے کسی ادارے کی حمایت سے

(1) G. E. Von Grunebaum, *Classical Islam: A History, 600 AD to 1258 AD*, p. 9.

آزاد و مستغنی تھی۔ ایسی حمایت آرام و آسائش اور تفریح کے عذر کے طور پر تو گوارا ہوتی لیکن ذاتی طور پر روحانی سلوک و اطمینان کے لئے اس کی مطلقاً ضرورت نہ تھی۔ مستقبل میں ریاستیں اپنے آپ کو اسلام کی شان وشوکت کے مددگار ذرائع کی حیثیت سے شائد نہ دیکھیں۔ تاہم معاشرے نے ریاست کو اس طور پر لیا کہ وہ باعث کہ وہ باعث وقار ادارہ ہیں یا کم از کم ان کے لئے سہولت اور آسائش کا باعث ادارہ ہیں۔ جیسا کہ اکثر ریاستیں تھیں۔"

The dar al-Islam, whose transformation from a political to a cultural unity was hastened by increasing fragmentation of states, conferred a double role on the non-Islamic communities of the people of the Book, in that it left them their own authenticity as institutions in public law, and at the same time brough them into (unpolitical) collaboration with the cultural whole. After Islam had gradually overshadowed all other religious communities in number, the state and society no longer needed to pay any heed to what were now minorities.(1)

"دار السلام جس کی سیاسی وحدت سے ثقافتی وحدت میں کایا پلٹ کو مہمیز تیزی سے ریاستوں کے حصے بخرے ہونے سے ملی۔ اس سے اہلِ کتاب کی غیر مسلم قوموں کو دوہرا کردار تفویض ہوا وہ اس طرح کہ قانون عامہ کے اداروں کے طور پر ان کو صداقت کی سند مل گئی اور اس کے علاوہ ان کی سلسلہ جنبانی (غیر سیاسی طور پر) ثقافتی کل کے ساتھ استوار ہوگئی۔ اس کے بعد جب اسلام نے بتدریج ان کے مذہبی جمعیتوں کو عددی اعتبار سے کم کر دیا تو ریاست اور معاشرے کو ان کی طرف جو اب اقلیتوں میں تبدیل ہو چکے تھے توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت نہ رہی۔"

Society in the Muslim world formed a definite social pyramid. During the Umayyad period, descendents of the old Bedouin clans were on top, followed by mawali converts from other religions. Once the Abbasids took power, this distinction ceased to exist.(2)

(1) G. E. Von Grunebaum, *Classical Islam: A History, 600 AD to 1258 AD*, p. 138.
(2) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels *World Civilizations*, p. 195.

''مسلم دنیا میں سوسائٹی ایک حتمی مخروطی شکل اختیار کیے ہوئے تھی۔ اُموی دور میں قدیم بدو قبیلوں کی اولاد سب سے اوپر تھی جن کے بعد آنے والے نومسلم تھے وہ دیگر مذاہب سے اسلام کی طرف آئے۔ عباسیوں کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد یہ تمیز ناپید ہوگئی۔''

Even after all semblance of central governance of the vast empire had been destroyed, a clear unity was still visible in Islamic culture and lifestyle, whether in the middle East, India or Spain. Conflicts with other civilizations and cultures (African, Chinese, Hindu, Christian) only sharpened the Muslims, sense of what was proper and necessary for a life that was pleasing to God and rewarding to humans.(1)

''بعد ازاں جب وسیع و عریض سلطنت کی عملداری تباہ و برباد ہو چکی تھی پھر بھی اسلامی کلچر اور طرزِ حیات میں ایک واضح وحدت کارفرما نظر آتی تھی۔ دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں (افریقی، چینی، ہندو، عیسائی) سے تصادم اور آویزشوں نے مسلمانوں کے اس احساس کو تقویت اور بالیدگی عطا کی کہ کون سی چیز زندگی کے لئے ناگزیر، انسانوں کے لئے اہم اور خدا کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے سماجی اور عمرانی حوالے سے بیان کردہ حقائق اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ آپ ﷺ سے پہلے موجود مذہب کے روایتی تصور کے بارے میں غلط فہمیوں کی تصحیح کرتی ہے۔ کیونکہ تصورِ مذہب اتنا محدود ہو چکا تھا کہ اس کے نتیجے میں زندگی دینی اور دنیوی دھاروں میں تقسیم ہو چکی تھی اور اللہ کی ہدایت سے زندگی کے ہر دائرے، ہر مسئلے اور ہر جہت میں راہنمائی کے حصول کا کوئی واضح قرینہ موجود نہ تھا لیکن آپ نے نہ صرف عبادات، تعلق باللہ کی بحالی اور انسان اور خدا کے درمیان موجود رشتے کے احیاء اور اصلاح و استحکام کو اپنی دعوت کا مرکز و محور بنایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ پورے انسانی معاشرے کو ایک بہتر ڈگر پر چلانے کا اہتمام فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ جاتے ہی آپ نے جو پہلا کام سرانجام دیا ان میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے ساتھ وہاں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک بنیادی معیاری ہاؤسنگ کالونی کا قیام بھی تھا جو ایک مثالی سماجی ڈھانچے کے قیام کی طرف ایک پہلا قدم تھا۔ میثاق مدینہ ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ میثاق مدینہ کے اندر آپ ﷺ نے ان تمام پہلوؤں کا احاطہ فرمایا جو مدینہ کے سماج اور معاشرے کے لیے اور

(1) Philip J. Adler, Randall L. Pouwels *World Civilizations*, p. 198.

ان کے مسائل کے حل کے لیے ضروری تھے۔ مدنی زندگی کی ابتدا میں آپ نے انسانی معاشرے کو سماجی و عمرانی سٹرکچر (Cultural and Socio Structure) عطا فرمایا اوراس کی انتہا بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کی اسی جامعیت کی مظہر ہے یعنی خطبہ حجۃ الوداع۔ اگر خطبہ حجۃ الوداع کا جائزہ لیں تو اس کی جملہ شقوں میں سے پہلی شق جو اللہ رب العزت کے حقوق کا احاطہ کرتی اور آخری شق جو حضور نبی اکرم ﷺ کے حقوق کا احاطہ کرتی ہیں، کے علاوہ تمام خطبہ حقوق انسانی کی تفاصیل سے عبارت ہے۔ جو اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ ایسی سماجی اور عوامی اہمیت کی حامل ہے جس سے انسانیت ایک مثالی سماج کے لیے کبھی بھی مستغنی نہیں ہوسکتی۔

۵۔ سیرۃُ الرسول ﷺ کی عسکری و دفاعی اَہمیت

حضور نبی اکرم ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں تراسی (۸۳) کے قریب غزوات و سرایا ہوئے ہیں گویا اسلام کے فروغ و اشاعت کے لئے آپ ﷺ کو ہر سال اوسطاً آٹھ، نو جنگوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ آپ ﷺ نے اقامت دین اور بحالی حقوق انسانیت کے لئے اپنا جہادی عمل جاری رکھا۔ نتیجتاً دس بارہ لاکھ مربع میل (One Million Sq. Miles) تک اسلامی سلطنت کو غلبہ حاصل ہوا۔ مگر اس پوری جنگی و دفاعی زندگی میں فریقین کے مشکل سے چند سو آدمی مارے گئے۔ افواجِ اسلام کا اسقدر عظیم انسانی اور اخلاقی عمل آپ ﷺ کے عدیم المثال سپہ سالار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بعد ازاں ہونے والی جنگوں میں بعض اوقات ایک ہی جنگ میں اس قدر جانی نقصان ہوا جو حضور نبی اکرم ﷺ کی سپہ سالاری میں دس سال کی جنگوں میں نہیں ہوسکا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں فتوحات کا جو ریکارڈ قائم ہوا اگلی پچھلی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں Michael H. Hart کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> The Bedouin Tribesmen of Arabia had a reputation as fierce warriors. But their number was small; and plagued by disunity and internecine warfare, they had been no match for the larger armies of the kingdoms in the settled agricultural areas to the north. However, unified by Muhammad for the first time in history, and inspired by their fervent belief in the one true God, these small Arab armies now embarked upon one of the most astonishing series of conquests in human history. To the northeast of Arabia lay

the large Neo-Persian Empire of the Sassanids; to the norhtwest lay the Byzantine, or Eastern Roman Empire, centered in Constantinople. Numerically, the Arabs were no match for their opponents.

On the field of battle, though, the inspired Arabs rapidly conquered all of Mesopotamia, Syria, and Palestine. By 642, Egypt had been wrested from the Byzantine Empire, while the Persian armies had been crushed at the key battles of Qadisiya in 637, and Nehavend in 642.

But even these anormous conquests which were made under the leadership of Muhammad's close friends and immediate successors. Abu Bakr and Umar ibn al-Khattab--did not mark the end of the Arab advance. By 711, the Arab armies had swept completely across North Africa to the Atlantic Ocean. There they turned north and, corssing the Strait of Bibraltar, overwhelmed the Visigothic kingdom in Spain.

For a while, it must have seemed that the Muslems would overwhelm all of Christian Europe. However, in 732, at the famous Battle of Tours a Muslim army, which had advanced in to the center Nevertheless, In a scant century of fighting, these Bedouin tribesmen, inspired by the word of the prophet, had carved out an empire stretching from the borders of India to the Atlantic Ocean -- the largest empire that the world had yet seen.(1)

''عرب کے بدو قبیلے کے لوگ خوفناک جنگجو ہونے کے لحاظ سے شہرت رکھتے تھے لیکن ان کی تعداد تھوڑی تھی اور نا اتفاقی کی وبا میں اور طرفین کی جنگ میں پھنس گئے تھے۔ وہ شمالی زرعی علاقوں کے سلطنتوں کی بڑی افواج کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تاہم حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کی وجہ سے تاریخ میں پہلی مرتبہ متحد ہونے اور خدائے واحد پر اپنے پختہ ایمان کی وجہ سے ان چھوٹی چھوٹی عرب فوجوں نے حیرت انگیز طور پر انسانی تاریخ میں فتوحات کا ایسا تسلسل قائم کیا کہ عقل انسانی دنگ رہ گئی۔ عرب کے شمال مشرق میں

(1) *The 100, A Ranking of the Most Influenctial Persons in History* , Chapter: Muhammad.

ساسانیوں کی وسیع و عریض سلطنت تھی۔ شمال مغرب میں بازنطینی یا مشرقی رومی سلطنت تھی جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا تعداد کے لحاظ سے عربوں کا اپنے مخالفوں سے مقابلہ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا، تاہم میدان جنگ میں اپنے جذبہ ایمانی، جوش اور ولولے سے عربوں نے بہت جلد عراق، شام اور فلسطین کو فتح کر لیا۔ ۶۴۲ء میں مصر کو بازنطینی حکومت سے چھین لیا گیا جبکہ ایرانی افواج کو ۶۳۷ء قادسیہ اور نہاوند کی جنگوں میں فیصلہ کن شکستیں دینے کے بعد تباہ و برباد کر دیا گیا۔

''لیکن ان بے پناہ و اور لاتعداد فتوحات کے باوجود جو کہ محمد ﷺ کے انتہائی قریبی رفقاء اور خلفاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئیں، عربوں کو آگے بڑھنے سے نہ روک سکیں۔ ۷۱۱ء تک عرب افواج نے شمالی افریقہ کو بحر اوقیانوس تک روند ڈالا، وہاں سے شمال کی طرف مڑے اور آبنائے جبل الطارق کو عبور کر کے انہوں نے سپین کی گوتھک سلطنت کو بھی ختم کر ڈالا۔

''ایک لمحے کے لیے یہ خیال تو ضرور پیدا ہوا ہوگا کہ مسلمان تمام عیسائی یورپ پر قابو پا لیں گے اور اسے فتح کر لیں گے۔ تاہم ۷۳۲ء میں Tours کی جنگ میں ایسی مسلمان فوج جو کہ فرانس کے وسط تک پہنچ گئی تھیں آخر کار فرانسیسیوں سے شکست کھا گئی۔ اس کے باوجود صدی کی بکھری ہوئی جنگوں کے باوجود یہ بدو قبائل حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث کے مطابق ایک ایسی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کی سرحدیں ہندوستان سے بحر اوقیانوس (سپین) تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دنیا کی سب سے عظیم اور وسیع سلطنت جسے چشم فلک نے آج تک نہ دیکھا ہے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے جنگی حکمت عملی (War Strategy) کے وہ نادر المثال، عظیم اور قابل رشک اُصول وضع فرمائے اور ان پر اس طرح عمل پیرا ہوئے کہ ایک ماہر، تربیت یافتہ باقاعدہ فوجی جرنیل بھی عملاً ان حالات میں انہیں انجام نہ دے سکتا، Reconnaissance یعنی دشمن کی افواج، سامان حرب، اسلحہ کی نقل وحمل اور ان کے منصوبوں کا صحیح سراغ لگانا بڑی مہارت کا کام ہے، اس کے بغیر دشمن کے خلاف Military Operation ممکن نہیں ہوتا۔ اس کام کے لیے حضور ﷺ نے باقاعدہ پٹرولنگ سسٹم (Patrolling System) بنایا اور اسے منظم کیا۔ دو طرح کے پٹرول بنائے گئے:

۱۔ Reconnoitring Patrols: یہ تعداد میں کم افراد پر مشتمل تھے۔ ان کے ذریعے جنگ سے پہلے دشمن کی افواج، ان کی جنگی طاقت اور منصوبوں کا پتہ چلایا جاتا، جنگی علاقہ کے جغرافیائی ماحول اور پہنچ کے خاص مقامات (Points of Accessibility) کی نسبت معلومات جمع کی جاتیں، گرد و پیش میں ذرائع آب (Sources of Water) اور اشیاء ضرورت کے مقامی طور پر میسر آنے کے امکانات(Local Supplies) اور اسی طرح دیگر متعلقہ لوازمات کا پتہ چلایا جاتا تھا۔

۲۔ Fighting Patrols یہ بڑے جنگی حکمت کے دستے تھے، ان کے سپرد سرحدوں (Border Regions) کی حفاظت، دشمنوں کو جنگ سے قبل اور جنگ کے دوران خاص نفسیاتی تاثرات دینا، دشمن کی سپلائی لائن(Supply Line) اور ذرائع (Sources) کو بلاک کرنا، اصلی جنگ سے قبل دشمن کی فوجی طاقت کو تجرباتی طور پر آزمانے کے مواقع پیدا کرنا، اسی طرح سے دیگر اہم فوجی و جنگی امور کو انجام دینے کا کام ہوتا تھا۔

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سپہ سالارانہ رہنمائی تھی کہ صحابہ کرام ﷺ نے آپ ﷺ کی عدم موجودگی میں بھی ناقابل یقین حد تک تاریخی کامیابیاں حاصل کیں جیسے سریہ زید بن حارثہ (موتہ) کے موقع پر مسلم کمانڈر دشمن کی دس لاکھ(1 Million) افراد اور کثیر اسلحہ پر مشتمل فوج کے مقابلے میں صرف تین ہزار (3000) فوجیوں کے چھوٹے سے لشکر کو کامیابی سے ہمکنار کر کے حفاظت اور سلامتی کے ساتھ واپس مدینہ لے آئے اور دشمن کو بھاری جانی اور مالی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ اس لیے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہ گوشہ خصوصی مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔

۶۔ سیرۃ الرسول ﷺ کی رہنمائی میں عالمی اِسلامی ریاست کا اِستحکام

سیرت الرسول ﷺ کا ایک اہم پہلو آپ کے عطا کردہ نظام کا تسلسل بھی ہے جس کی ایک بنیادی جہت آپ کی قائم کردہ اسلامی ریاست کا استحکام اور اجراء ہے۔ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں جہاں دعوت حق کے فروغ اور ابلاغ اور عطا کردہ نظام کے نفاذ کیلئے مناسب اقدامات فرمائے وہاں اسلامی ریاست کے استحکام اور اس کے تسلسل کے لئے بھی ایسے بنیادی اقدامات فرما دیئے جن کے نتیجے میں آپ کے بعد آپ کی قائم کردہ ریاست نہ صرف موجود رہی بلکہ وہ فروغ پذیر ہوتی چلی گئی۔ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی ملک عرب سے باہر اس دور کے تمام نمایاں اور نمائندہ بادشاہوں اور ممالک سے رابطہ کیا اور ان تک دعوت حق کا پیغام پہنچایا اور انہیں کسی نہ کسی

نوعیت سے اسلامی ریاست سے وابستہ اور منسلک ہونے کی دعوت دی۔ یہ اسلام کے عطا کردہ نظام اور عالمی سطح پر فروغ، نفوذ اور توسیع کی ابتداء تھی۔ اس سے نہ صرف آپ کی قائم کردہ اسلامی ریاست عالمی سطح پر متعارف ہوگئی بلکہ اس اسلامی ریاست کے عالمی سطح پر سفارتی اور ریاستی روابط اور جزوی یا کلی طور پر اس ریاست کے تسلیم کیے جانے اور اس کی عظمت و برتری کے اعتراف کیے جانے کا بھی آغاز ہوگیا آپ کی حیات مبارکہ میں ہی آپ کے انہی اقدامات کے نتیجے میں مدینہ اور اس کے قریب و جوار کے جملہ قبائل نے اسلام اور ریاست مدینہ سے رابطے شروع کر دیے۔ آپ نے صحابہ کرام میں سے ایسے رجال کار تیار کر دیے جنہوں نے آپ کے بعد ریاست کی باگ دوڑ کو بہت ہی منظم اور مستحسن انداز سے سنبھالا جن میں سرفہرست وہ خلفائے راشدین ہیں جو آپ کے بعد یکے بعد دیگرے سربراہ مملکت رہے۔ عدلیہ، شوریٰ اور انتظامیہ کے حوالے سے بھی آپ نے صحابہ کرام کی ایسی تربیت فرمادی کہ انہوں نے آپ کے بعد بطور ریاستی کارپردازوں کے خلفائے راشدین کے ماتحت اسلامی ریاست میں اپنے فرائض اس طرح سرانجام دیئے کہ وہ نہ صرف کارہائے ریاست کو سرانجام دے رہے تھے بلکہ اسلامی اقدار کی نگہداشت کرتے ہوئے اعلیٰ اسلامی روایت کا آغاز بھی کر رہے تھے جو اس اسلامی ریاست کے نفوذ اور فروغ میں ممد ثابت ہوا۔ خلفاء راشدین اپنی ذات میں ان محاسن کے حامل تھے جو ان کی شخصیتوں میں حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت اور تربیت سے پیدا ہوئے اور ان کے یہی محاسن اس دور کی ضرورتوں کے مطابق اسلامی ریاست کی ناگزیر ضرورت بھی تھے اور اسلامی ریاست کے فروغ اور استحکام کا باعث بھی۔ اس کی مثال سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہے کہ آپ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد پورے جزیرہ نما عرب میں واحد شخصیت تھے جو سب سے بہتر ماہر انساب تھے۔ یعنی آپ کو عرب قبیلوں کے نسلی سلسلوں ان کے عادات و اطوار ان کے رکھ رکھاؤ، میل جول اور باہمی روابط کے بارے میں اتنی زیادہ معلومات تھیں کہ کوئی آپ کا مثل اور ہمسر نہ تھا۔ یہی سبب ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد کئی فتنوں نے سر اٹھایا ان میں ایک فتنہ انکار زکوۃ اور عرب کے کئی قبائل کی بغاوت کا تھا۔ حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت نے امیر المومنین کو یہ مشورہ دیا کہ سخت اقدام کرنے سے گریز کیا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فتنے کا ابھی قلع قمع کیا جائے گا۔ کیونکہ آپ فتنہ گر قبیلوں کی نفسیات، ان کے قبائلی اور عائلی حالات اور ان کے باہمی روابط سے اتنے زیادہ آگاہ تھے کہ نہ صرف انتظامی یا عسکری سطح بلکہ سماجی اور قبائلی سطح پر بھی آپ ان تمام مسائل سے کماحقہ عہدہ برا ہونے کے اہل تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی قائم کردہ ریاست اگلی ایک صدی میں ہی دنیا کی ایک ایسی عظیم

ریاست میں بدل گئی جس کا تسلسل کسی نہ کسی صورت آج بھی جاری ہے سیرت محمدی ﷺ کا یہ باب جو پہلی صدی ہجری کی ابتداء میں غزوہ بدر (۲ھ) سے شروع ہوا[۱] ابتدائی کئی صدیوں تک بلا انقطاع جاری رہا۔ مگر ہم اس میں سے صرف پہلی صدی کا نہایت مختصر اور اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) ۲ھ - ۱۰ھ (۶۲۴ء - ۶۳۲ء)

تمام جزیرہ عرب جس کی حدود فلسطین، شام، عراق اور یمن سے ملتی ہیں فتح کر لیا گیا تھا۔[۲]

(۲) ۱۲ھ (۶۳۳ء)

اس سن ہجری میں مختلف اسلامی لشکر دمشق، اردن، حمص، فلسطین اور عراق کی طرف روانہ ہوئے۔[۳]

(۳) ۱۳ھ - ۱۵ھ (۶۳۴ء - ۶۳۶ء)

فقط ان تین سالوں میں بصرہ، بسیان، دمشق، بعلبک، حمص اور یرموک سمیت تمام بلاد شام کی فتوحات مکمل ہوگئیں۔[۴]

(۴) ۱۶ھ (۶۳۷ء)

اس سن ہجری میں القدس فلسطین فتح ہوا۔[۵]

---

(۱) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲:۲۱

(۲) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲:۲۱

(۳) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۲۱

(۴) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۳۰۷۔۳۴۴

۲۔ ذہبی، تاریخ الاسلام، ۳: ۱۲۳

۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۸۵

(۵) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۳۴۸

۲۔ ذہبی، تاریخ الاسلام، ۳: ۱۶۲

۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۱۶۵

(۵) ۱۲ھ - ۱۹ھ (۶۳۳ء - ۶۴۰ء)

سات سالوں میں عراق کی تمام فتوحات مکمل ہوئیں جن میں حیرہ، قادسیہ، مدائن، بصرہ، کوفہ، موصل، خوزستان اور نہاوند وغیرہ سب علاقے شامل ہیں۔(۱)

(۶) مصر اور روم (اسکندریہ) کی فتوحات: ۱۹ھ - ۲۴ھ (۶۴۰ء - ۶۴۵ء)

مصر اور روم کے علاقے اس دور میں فتح ہوئے۔

عن ابن سعد فتحت مصر والاسكندرية فی سنة عشرين۔(۲)

''ابن سعد سے روایت ہے کہ مصر اور اسکندریہ (۲۰ ھ) میں فتح ہوا۔''

یہ فتوحات اسی دور میں ہوئیں گو بعد ازاں مقامی بغاوتیں اور اسلامی افواج کے جوابی معرکے بھی پیش آتے رہے۔ یہ سلسلہ استحکام اقتدار کے عمل کے لئے بعد تک چلا۔ مگر یہ ابتدائی اسلامی فتوحات عہد فاروقی میں مکمل ہوگئی تھیں۔

عن زياد بن جزء الزبيدی، أنّه حدّثه أنّه كان في جند عمرو بن العاص حين افتتح مصر والاسكندرية، قال: افتتحنا الاسكندرية في خلافة عمر بن الخطاب فی سنة إحدى وعشرين۔(۳)

''حضرت زیاد بن جز الزبیدی بیان کرتے ہیں کہ وہ عمرو بن العاص کے لشکر میں تھے جب مصر اور اسکندریہ فتح ہوا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے مصر اور اسکندریہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۲۱ھ میں فتح کیا۔''

---

(۱) ۱۔ طبری، تاريخ الامم والملوك، ۲: ۳۷۹۔ ۴۸۲

۲۔ ذہبی، تاريخ الاسلام، ۳: ۱۶۰

۳۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۵: ۱۰۵

(۲) ۱۔ طبری، تاريخ الامم والملوك، ۲: ۵۱۲

۲۔ ذہبی، تاريخ الاسلام، ۳: ۲۲۴

(۳) طبری، تاريخ الامم والملوك، ۲: ۵۱۲

(۷) آرمینیا، آذر بائیجان، طرابلس، قبرص، فارس، ایان اور قابل کی فتوحات

۲۴ھ - ۳۵ھ (۶۴۵ء - ۶۵۶ء)

یہ عہدِ عثمانی ہے جس میں ایشیائے کوچک، انطاکیہ، سرلوس، آذر بائیجان اور آرمینیہ کے علاقے فتح ہوئے۔ اس کے ساتھ مغرب میں طرابلس اور قبرص کی فتوحات ہوئیں اور یہ سلسلہ عہد عثمانی میں ہی کابل (افغانستان) کی فتح پر منتج ہوا۔

گویا عہد عثمانی تک اسلامی سلطنت کی حدود سرحدِ ہندوستان سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور مشرقی یورپ کی سرحدوں تک وسیع ہوگئی تھیں۔[1]

عن أبي معشر قال: كانت أذربيجان سنة اثنتين وعشرين وأميرها المغيرة بن شعبه۔[2]

''ابو معشر بیان کرتے ہیں کہ آذر بائیجان ۲۲ھ میں فتح ہوا اور اس کے امیر مغیرہ بن شعبہ تھے''۔

(۸) بقیہ ایران، ترکستان، وسطی ایشیا، شمالی افریقہ اور روم کی فتوحات

۴۱ھ - ۶۰ھ (۶۶۱ء - ۶۸۰ء)

خلافتِ راشدہ کے اختتام اور عہد بنو اُمیہ کے ابتداء تک ایران کے بقیہ تمام علاقہ جات بھی فتح ہو چکے تھے جنہیں اہواز، توہستان، جرجان، طبرستان، گیلان، نیشاپور، جوزجان، بحستان اور دیگر صوبہ جات و علاقہ جات شامل ہیں۔

اسی دوران اسلامی افواج نے وسطی ایشیاء (Central Asia) کی ابتدائی فتوحات بھی مکمل کیں جن میں نہر جیحون، ترمذ، ترکستان، بیکند، بلخ، بخارا اور ماوراء النہر کے علاقے شامل تھے۔ یہ وسطی ایشیاء کی ابتدائی فتوحات تھیں۔[3]

---

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۵۳۵

۲۔ ذھبی، تاریخ الاسلام، ۳: ۱۸۸۔ ۲۴۱

۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۲۰۱

(۲) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۵۳۵

(۳) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۵۳۸

(۹) وسطی ایشیاء کی آخری فتوحات: ۶۱ھ - ۹۶ھ (۶۸۱ء - ۷۱۴ء)

یہ فتوحات کے تکمیلی مراحل تھے۔ اس میں کش، ھرات، خوارزم اور سمرقند سمیت طخارستان، بجستان، بخارا اور ماوراء النہر کے تمام علاقے شامل تھے۔ ان فتوحات کی قیادت پہلے مھلب بن ابی صفرہ الازدی کے پاس تھی اور بعد ازاں آخری مرحلے تک ان فتوحات کی کمانڈ قتیبہ بن مسلم الباھلی کے ہاتھ میں رہی۔ انہوں نے ۹۴ھ میں فرغانہ تک نہر سیحون کا پورا علاقہ فتح کیا۔[1]

(۱۰) مشرق میں ماوراء النہر اور چین کی سرحدی فتوحات: ۹۶ھ (۷۱۴ء)

سمرقند اور بخارا وغیرہ کی فتوحات کے بعد شاش، فرغانہ اور فجستان کے علاقے فتح ہوئے اور ان کے بعد اسلامی لشکر ۹۶ھ میں سرزمین چین میں داخل ہوئے اور سنکیانج اور کاشغر تک کی فتوحات مکمل کیں۔ ترکستان پہلے ہی فتح ہو چکا تھا، یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ چین میں دعوتِ اسلام سیدنا عثمان غنی ؓ کے دور خلافت میں پہنچ گئی تھی، آپ ؓ نے خود اپنا ایک نمائندہ اسلام کی دعوت دے کر چین روانہ فرمایا تھا جو ۱۵ اگست ۶۵۱ء (۳۱ھ) کوشیان (جو اس وقت چین کا دارالحکومت تھا) پہنچا اور اس نے حضرت عثمان غنی ؓ کا پیغام چینی بادشاہ کو پہنچایا۔

یوں پہلی صدی ختم ہونے سے قبل ہی اسلام کا نور اور سیرت محمدی ﷺ کا پیغام مکہ و مدینہ کی سرزمین سے وسطی و مشرقی ایشیاء کی آخری سرحدوں کو منور کرنے لگا۔

فتح قتيبة بن مسلم كاشغر من ارض الصين۔[2]

”قتیبہ بن مسلم نے چین کی سرزمین سے کاشغر تک کا علاقہ فتح کر لیا۔“

(۱۱) مشرق میں سندھ اور ہند کی فتوحات: ۱۵ھ - ۹۶ھ (۶۳۶ء - ۷۱۴ء)

یہ سلسلہ بھی سیدنا عمر فاروق ؓ کے زمانہ خلافت میں شروع ہوا۔ آپ ؓ نے بحرین اور عمان کا گورنر عثمان بن ابی العاص ؓ کو مقرر فرمایا۔ وہاں سے حکم بن ابی العاص کی قیادت میں ۱۵ھ

(۱) ۱۔ ابن اثیر، الکامل في التاريخ، ۳: ۷۔۴۴۵۔۴۷۲
۲۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۹: ۷۶

(۲) ۱۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۹: ۱۴۰
۲۔ ابن اثير، الكامل فى التاريخ، ۴: ۲۸۹
۳۔ طبري، تاريخ الامم والملوك، ۴: ۳۰

میں اسلامی فوج سرحد ہند پر موجودہ بلوچستان تک پہنچی اور دوسری فوج مغیرہ بن ابی العاص ؓ کی قیادت میں اسی سال ۱۵ھ - ۱۶ھ میں سندھ کے مقام دیبل (کراچی) تک پہنچی اور فتح یاب ہوئی۔ یہ تاریخی امر میں اکثر اہل علم کو معلوم نہیں کہ سندھ اور کراچی کے قریب دیبل کے مقام تک اسلامی افواج پہلی مرتبہ محمد بن قاسم کی قیادت میں نہیں بلکہ ان سے کم وبیش ۷۸، ۸۰ برس قبل سیدنا فاروق اعظم ؓ کے اوائل دور میں ہی پہنچ گئی تھیں۔ محمد بن قاسم کی آمد نے اسلامی معرکوں کے اس سلسلے کو آخری فتح سے ہمکنار کیا جس کے نتیجے میں یہاں باقاعدہ اسلامی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ یہ سلسلہ سیدنا عثمان غنی ؓ اور سیدنا علی شیر خدا ؓ کے زمانہائے خلافت میں بھی جاری رہا۔[1]

غزا المهلب بن أبی صفرة بسنة ۴۴ھ أيام معاوية ثغر السند فأتى بنة ولاهور۔[2]

”حضرت معاویہ ؓ کے عہد میں اسلامی فوج مہلب بن ابی صفرہ الازدی کی قیادت میں ۴۴ھ کے قریب لاہور تک پہنچی۔“

اور جزوی کامیابیوں کے بعد واپس پلٹی۔ عام طور پر یہ حقیقت بھی عوام اور تاریخ کے طلبہ کو معلوم نہیں ہے کہ افواج اسلام ۴۴ھ کے قریب ہی لاہور تک پہنچ گئی تھیں۔

- اسی عہد میں سنان بن ابی سلمہ الھذلی کی قیادت میں اسلامی فوج نے موجودہ بلوچستان میں مکران اور گرد ونواح کے علاقہ جات کو فتح کر کے مغربی پنجاب کو بھی اسلامی سلطنت کی حدود میں داخل کر لیا تھا۔ علاوہ ازیں خضدار اور قندھار کے علاقے بھی اسی دور میں حدود اسلام میں داخل ہوئے۔
- بالآخر محمد بن قاسم کے لشکر نے سندھ (دیبل) کے حکمران راجہ داہر کو ختم کر کے تمام بلاد سندھ کو اسلامی سلطنت میں داخل کیا۔
- محمد بن قاسم کے دور میں اسلامی فتوحات ملتان تک پہنچیں اور ملتان بھی اسلامی خلافت کی حدود میں شامل ہو گیا۔ یہ سب فتوحات ۹۲ھ - ۹۳ھ میں مکمل ہو گئی تھیں۔[3]

---

(۱) ۱۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۴۲۰

۲۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۳۰۲

(۲) حموی، معجم البلدان، ۱: ۵۰۱

(۳) ۱۔ ابن جوزی، المنتظم، ۴: ۳۲۷

۲۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۳: ۷۶

✿ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے عہد خلافت میں اور خلیفہ ابو جعفر المنصور کے زمانہ میں تمام بلاد سندھ پر اسلامی اقتدار کو دوبارہ مستحکم کیا گیا۔

✿ کشمیر بھی ابو جعفر المنصور کے دور میں حدود اسلام میں شامل ہوا۔ الغرض پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اسلامی سلطنت کی حدود ہند، سندھ اور کشمیر کے علاقوں تک وسیع ہو چکی تھیں۔(۱)

(۱۲) مغرب، شمالی افریقہ، روم اور بازنطینی ریاستوں کی فتوحات

۱۸ھ-۹۲ھ (۶۳۹ء-۷۱۰ء)

یہ فتوحات بھی دور خلافت راشدہ میں عہد فاروقی و عثمانی سے شروع ہو گئی تھیں جن میں آرمینا، آذر بائیجان، سیجان، کرجستھان، جیزان، اران، بلقان اور شیروان وغیرہ سب شامل تھیں۔ افریقہ، طرابلس، الجزائر، تیونس، مراکو، سوڈان اور جملہ بازنطینی ریاستوں کی فتوحات بھی اس دور میں شروع ہوئیں بلکہ ان میں سے بیشتر فتوحات اسی زمانے میں مکمل بھی ہو گئیں اور ان میں اسلامی حکومتوں کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ سوڈان، طرابلس، الجزائر، تیونس، روم اور بیشتر بازنطینی ریاستوں کی فتوحات ۲۰ھ تا ۲۸ھ (۶۴۱ء-۶۴۹ء) کے زمانہ میں مکمل ہوئیں۔ پھر عہد عثمانی میں بازنطینی ریاستوں کے علاوہ افریقہ کی بقیہ بہت سی ریاستیں حدود اسلام میں داخل ہوئیں۔ ۵۰ھ تک مغرب (مراکش) بھی فتح کر لیا گیا اور ۹۲ھ تک اسلامی افواج مغرب، روم، افریقہ اور بازنطینی ریاستوں کی فتوحات کے بعد یورپ میں داخل ہو گئیں۔(۲)

(۱۳) اندلس، سپین اور یورپ کی فتوحات: ۲۷ھ-۹۲ھ (۶۴۸ء-۷۱۱ء)

سندھ، بلوچستان، مغربی پنجاب، لاہور اور دیگر بلاد ہند کی ابتدائی فتوحات کی طرح اس معاملے میں بھی عوام الناس میں تاریخی مغالطہ پایا جاتا ہے وہ یہ کہ اندلس ۹۲ھ میں عبدالملک بن مروان اُموی کے زمانہ میں طارق بن زیاد (جن کے نام پر جبل الطارق (Gibralter) موسوم ہوا) اور موسیٰ بن نصیر نے فتح کیا۔

---

(۱) ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۴: ۴۸۲

(۲) ۱۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۷: ۷۶

۲۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۲۳۷

حقیقت حال یہ ہے کہ اندلس (ہسپانیہ) سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۲۷ھ (۶۴۸ء) میں فتح ہوا۔ حتیٰ کہ فتح اندلس کے بعد اسلامی افواج ۹۲ھ میں طارق بن زیاد کی آمد تک وہیں مقیم رہیں، تب ان علاقوں کی فتوحات کا سلسلہ اپنے آخری مراحل تک پہنچا۔[1]

✿ یورپ سے بھی اسلامی رابطہ دنیا کے بعض دیگر ممالک کی طرح خود عہد نبوی میں ہی شروع ہوگیا تھا جب حضور ﷺ نے بازنطینی بادشاہ ہرقل کی طرف ۷ھ کی ابتداء میں دعوت اسلام پر مشتمل خط دے کر اپنا نمائندہ بھیجا۔[2]

(وہ خط آج تک عمان ''اردن'' میں محفوظ ہے) پھر آپ نے دیگر حکمرانوں اور گورنروں کو دعوتی خطوط ارسال فرمائے جن کے نتیجے میں فروہ بن عمرو (عامل معان) مسلمان ہوا، جسے ہرقل نے قتل کروا دیا۔ اسی طرح امیر غسان نے دمشق میں حضور نبی اکرم ﷺ کے سفیر کو بھی قتل کروا دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس کے بدلہ کے طور پر اسلامی فوج اس علاقہ میں روانہ فرمائی۔ یہی حالات غزوہ موتہ اور غزوہ تبوک کا باعث بنے۔ بعد ازاں اسامہ بن زید کی قیادت میں بلادِ غسان کی طرف اسلامی فوج روانہ ہوئی۔

پھر عہد صدیقی میں فلسطین کا شہر قصیاریہ فتح ہوا اور وہاں سے ہرقل روم کی طرف دوبارہ اسلامی سفارت روانہ ہوئی سرزمین یورپ پر یہی سفارت اسلامی فتوحات کا پہلا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ یہ اسلامی لشکر قسطنطنیہ تک پہنچا پھر اس نے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کیا۔ اسی اثناء میں ۱۳ھ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگیا ریاست ہائے بازنطینیہ کی عیسائی رعایا نے مسلم افواج کی بڑی مسرت سے استقبال اور بازنطینی عیسائی حکمرانوں کے خلاف پرتپاک خیر مقدم کیا۔ فتوحات کا یہ سلسلہ عہد فاروقی میں بھی جاری رہا۔ حتی کہ ۲۷ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے دو جرنیل عبداللہ بن نافع بن

---

(۱) ۱۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۷: ۳۱۲
۲۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۲۳۲
۳۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۴: ۲۶۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب بدء الوحی، ۱: ۹، رقم: ۷
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد، باب کتاب النبی ﷺ إلی ہرقل، ۳: ۱۳۹۳، رقم: ۱۷۷۳
۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۴: ۲۶۵
۴۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ۲: ۷۷

الحصین اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس اسلامی افواج لے کر افریقہ سے بری اور بحری دونوں راستوں سے روانہ ہوئے اور انہوں نے اندلس اور دیار افرنج فتح کیے۔ (۱)

چنانچہ اندلس اور افریقہ دونوں ھشام بن عبدالملک کے زمانہ تک اسلامی سلطنت قائم رہی۔ حتیٰ کہ ۹۲ھ میں طارق بن زیاد نے ان فتوحات کو دوبارہ آخری اور تکمیلی مراحل تک پہنچایا جس کے بعد عبدالعزیز موسیٰ بن نصیر ۹۵ھ میں اندلس کے پہلے گورنر مقرر ہوئے۔ (۲)

(۱۴) فرانس کی جزوی فتوحات: ۹۷ھ - ۱۴۱ھ (۷۱۶ء - ۷۵۸ء)

سپین کی آخری فتوحات کے بعد جب وہاں اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو فرانس کی جزوی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ابتداء میں اسلامی افواج نے جنوب مغربی فرانس میں اربونہ (Arbonne) جنوب میں طرسونہ (Tarasona) اور بلاد سبتمانیہ (Septemania) میں الرون تک اسلامی قوت متمکن کی جس کی عملداری وقتاً فوقتاً اقطانیہ (Aquitania)، بلاد غسقونیہ (Gascogne)، برغندیہ (Borgogna)، اوتان (Autun)، افیون (Avignon) اور ایطالیہ (Italy) کی حدود تک پھیلی ہوئی تھیں۔ خلیفہ عبدالرحمان الثالث کے زمانہ تک اسلامی سپین کی حکومت کا پورے وسطی یورپ پر اس قدر رعب اور دبدبہ قائم ہو چکا تھا کہ اٹلی، جرمنی، فرانس اور پرتگال وغیرہ کی حکومتیں اپنے دفاع اور استحکام کیلئے اپنے سفراء اور سرکاری وفود قرطبہ (سپین کے اسلامی دارالحکومت) میں بھیجتے، وہ یہاں آ کر اسلامی حکومت سے دوستانہ معاہدات کرتے تھے۔

یہ رائے نہ صرف ہماری ہے بلکہ کئی غیر مسلم مورخین بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ اس قدر تھوڑے عرصے میں اتنی عظیم فتوحات اور اسلامی سلطنت و اقتدار کی اتنی محیر العقول حد تک توسیع کا واحد سبب سیرت محمدی ﷺ کا فیضان اور جذبہ اسلام ہے۔ غلبہ دین حق کے قیام کا عالمی تصور اور ظلم وجبر اور کفر وشرک کے طاغوتی واستحصالی نظام کا خاتمہ، یہ مذکورہ بالا فتوحات کے وہ بنیادی محرکات تھے جو بعثت محمدی ﷺ کے بنیادی مقاصد میں شامل تھے اور عہد رسالت مآب ﷺ سے شروع ہونے والی تمام تر مصطفوی جدوجہد بھی انہی سے عبارت تھی۔ لہٰذا جو عالمی اسلامی انقلاب کا سفر حضور نبی

---

(۱) ۱۔ ابن کثیر، البداية والنهاية، ۷: ۱۵۲

۲۔ طبری، تاريخ الامم والملوك، ۲: ۵۹۷

(۲) ۱۔ ابن کثیر، البداية والنهاية، ۷: ۱۵۲

۲۔ زینی دحلان، الفتوحات الاسلاميه، ۱: ۱۰۰

اکرم ﷺ کی ظاہری حیات مبارک میں آپ کے سیرت طیبہ کی براہ راست راہنمائی سے شروع ہوا وہ صدیوں تک اپنے تکمیلی مراحل طے کرتے ہوئے جاری رہا حتی کہ اسلام صرف خطہ عرب کا نہیں بلکہ کرہ ارضی کا دین بن گیا۔ سو یہ ارتقاء بعد کے مسلمانوں کی ایجاد نہ تھا بلکہ خود سیرت محمدی ﷺ کا ہی ایک درخشاں اور زندہ و متحرک باب تھا جس کے فیضان سے عالم انسانیت آج تک معمور ہے۔

مستزاد یہ کہ خود یہ بشارت نبوی ﷺ ہی حقیقت میں ان عظیم اسلامی فتوحات کا پیش خیمہ بنی جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا۔

إِنَّ اللهَ زوى لي الأرض فرأيت مشارقها ومغاربها وإنّ أمّتي سيبلغ ملكها ما زوى لي منها۔[1]

”بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا۔ پس میں نے اس کے مشارق اور مغارب دیکھ لئے اور بے شک میری اُمت کی سلطنت عنقریب ان حدوں تک پہنچ جائے گی جو اس زمین میں سے میرے لیے سمیٹی گئی ہیں۔“

چشم عالم گواہ ہے کہ جو کچھ تاجدار کائنات ﷺ نے دیکھا اور فرمایا تھا وہی کچھ رونما ہو کر رہا۔

یہی وجہ ہے کہ یکم ہجری میں قیادت محمدی ﷺ میں شہر مدینہ کے مختصر سے رقبہ سے شروع ہونے والی اسلامی ریاست دس سال تک اوسطاً روزانہ ۲۷۴ مربع میل کے حساب سے پھیلتی گئی یہاں تک کہ جب ۱۱ھ میں حضور ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو دس لاکھ مربع میل سے زائد (گویا پورے خطہ ہند کے برابر) رقبہ، اسلامی حکومت کے زیر انتظام آ چکا تھا اور ابھی حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کو ۱۵ (پندرہ) سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ عہد عثمانی میں مسلمان ایشیاء، یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں پر پھیل گئے تھے، ادھر پین، تیونس اور قسطنطنیہ سے لے کر ترکستان اور چین کے مغربی

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفتن، باب ھلاك ھذہ الأمة، ۴: ۲۲۱۵، رقم: ۲۸۸۹

۲۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن ودلائلھا، ۴: ۹۷، رقم: ۴۲۵۲

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب ما یکون من الفتن، ۲: ۱۳۰۴، رقم: ۳۹۵۲

صوبوں تک اسلام متمکن ہو چکا تھا حتیٰ کہ کچھ عرصہ کے لئے مغربی فرانس کا ایک تہائی حصہ بھی اسلامی سپین میں داخل رہا۔ شمالی اور مشرقی فرانس، سوئٹزر لینڈ اور اٹلی کے حصے بھی اسلامی تیونس کے ساتھ ملحق رہے۔ ادھر عہد فاروقی میں ایران اور افغانستان سے لے کر ہندوستان میں بمبئی تک اسلامی افواج پہنچ گئی تھیں۔ مستزاد یہ کہ ادھر بلغاریہ خلافت بنو عباس کے دور میں اسلامی سلطنت کی حدود میں آیا اور مغربی افریقہ کے مسلم حکمران برازیل اور وسطی امریکہ کو دریافت کر کے اس میں داخل ہو گئے ادھر تمام ہندوستان اسلامی سلطنت کی حدود میں داخل ہوا اور ملائشیا، سماٹرا، جاوا، بورنیو، انڈونیشیا، جایا اور نیو گینیا تک کے علاقے براہ راست اسلام کے زیر نگیں ہو گئے۔ الغرض یہ سب کچھ فرمان نبوی ﷺ "**فرأیت مشارقها ومغاربها**" کی عملی تصویر ثابت ہوا۔ اسلام کی اس توسیع کا ذکر مغربی مصنفین نے بھی کیا:

Islamic expansion into the silk roads began with the campaigns of Qutayba b. Muslim, the Umayyad governor of Khurasan (705-715),who conquered Transoxiana and Farghana with their commercial centers.(1)

"شاہراہائے ریشم کے راستے اسلام کی توسیع کا آغاز قتیبہ بن مسلم خراسان کے اموی گورنر (۷۰۵-۷۱۵ء) کی مہمات سے ہوا جس نے اپنے تجارتی کاروباری مراکز کے ساتھ Transoxuions اور فرغانہ کے علاقے فتح کر لئے۔"

تاہم اسلام کی یہ توسیع محض جغرافیائی ہی نہ تھی بلکہ اس کے تہذیبی اثرات بھی تھے:

Most of the current knowledge about Islamic mathematics is absed on Arabic manuscripts that are found in libraries all over the world. The most important collections are in Istanbul, Tehran, Cairo, Paris, London and Leiden (Netherland).(2)

"اسلامی علم ریاضی کے بارے میں جدید علم کا بیشتر حصہ عربی مخطوطوں پر مبنی ہے جو دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ اس ضمن میں اہم ترین مجموعے استنبول، تہران، قاہرہ،

---

(1) i- Josef W. Meri, Jere L. Bacharach, *Medieval Islamic Civilization*, vol. II, p. 746.
ii- Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, p. 194.

(2) Josef W. Meri, Jere L. Bacharach, *Medieval Islamic Civilization*, vol. II, p. 484.

پیرس، لندن اور ایڈن میں دیکھے گئے ہیں۔"

The word cipher and zero are both derived from Arabic word sifr, meanng "empty place".[1]

"لفظ صفر اور زیرو (O) دونوں لفظ صفر سے ماخوذ ہیں جس کا معنی خالی جگہ کیا جاتا ہے۔"

Muslim civilization was a civilization of the written word. Both aspects, orality and literacy are present together in several ways of the transmission of knowledge from masters to students, for for instance, in the "license of transmission (Ijaza)".[2]

"مسلم تہذیب تحریری دنیا کی تہذیب تھی۔ اس کے دونوں پہلو تقریری اور تحریری طور پر مختلف اسالیب اور طرق کی شکل میں تشکیل پذیر ہوئے اور اساتذہ سے تلامذہ میں منتقل ہوئے۔جس کی باقاعدہ اجازت حاصل کی جاتی ہے۔"

لہٰذا تاریخی لحاظ سے اسلام کا نفوذ و فروغ افقی اور عمودی دونوں جہات میں ہوا۔ جو بیک وقت جغرافیائی و زمینی اور علمی، فکری و تہذیبی جہات کے احاطہ سے عبارت تھا۔ یہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا وہ تاریخی کارنامہ ہے جس کی کوئی نظیر اقوام عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مختصر یہ کہ جو تعلیمات باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمائی تھیں، آپ ﷺ نے انہیں ایک نظام کے طور پر نافذ کر کے روئے زمین پر قرآنی معاشرہ قائم فرما دیا۔ سو تاریخی لحاظ سے ضروری ہے کہ اس مبارک سیرت اور اس تاریخی معاشرے کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے اور اس سے انسانی نسلوں کیلئے رہنمائی اخذ کی جائے۔

(1) Josef W. Meri, Jere L. Bacharach, *Medieval Islamic Civilization*, vol. II, p. 567.

(2) Josef W. Meri, Jere L. Bacharach, *Medieval Islamic Civilization*, vol. II, p. 702.

باب چہارم

سیرۃ الرسول ﷺ کی معاشی اہمیت

قومی زندگی کی تین بنیادی جہتوں یعنی معاشرت، معیشت اور سیاست میں سے معیشت ایک بنیادی مرکزی اور محوری اہمیت کی حامل جہت ہے۔ جس کی اصلاح نہ صرف معیشت اور معاشرت کو بلکہ سیاست کو اور من حیث المجموع پوری زندگی کو متاثر کرتی ہے۔ سیرت الرسول ﷺ کا اس جہت سے مطالعہ ایسے واضح اُصول فراہم کرتا ہے جو زندگی کے معاشی پہلو میں آنے والی خرابیوں کی اصلاح اور اس پہلو کے ارتقاء کے حوالے سے جملہ تقاضوں کا احاطہ کرتا ہے۔ قومی سطح پر معاشی زندگی میں استحصالی خودغرضانہ اور مفاد پرستانہ طرزِ عمل وہ بنیادی انحراف ہے جو اعلیٰ اقدار کی تخلیق، ارتقاء اور استحکام میں سدِراہ کے طور پر حائل رہتا ہے۔ کیونکہ جب انسانی طرزِ عمل ہر حرص، لالچ، بخل و کینہ، خود غرضی اور مفاد پرستی غالب ہو جائے تو اجتماعی مفاد کی خاطر معاشرے سے ثرار و انفاق نفع بخشی اور فیض رسانی کا عنصر غائب ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں جہاں ارتکاز کا رجحان پیدا ہوتا ہے وہاں معاشرے کے عام افراد معاشی تعطل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ معاشرتی زندگی میں تفاوت ہر سطح پر مفاد پرستانہ طرزِ عمل کو جنم دیتا ہے۔ خود غرض اور مفاد پرستی کی بنیادوں سے اٹھنے والی معیشت معاشرے کی سیاسی اور اجتماعی اقدار کو بھی پامال کرتی ہے، اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جسے اپنے اخلاق رذیلہ اور اجتماعی بقاء کے تصور سے انحراف کے باعث بالآخر محکومی اور غلامی جیسی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اندریں حالات اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ افرادِ معاشرہ کے دل سے افلاس کا خوف رفع کیا جائے۔ معاشی تعطل اور غیر فطری تفاوت کو ختم کرنے کے لیے ایسا مؤثر اقتصادی نظام وضع کیا جائے جہاں ہر شخص کی تخلیقی جدوجہد بحال ہو اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک معاشرے میں رائج معاشی نظام کے بنیادی تصورات اقدار اور عملی اقدامات میں ایسی بنیادی تبدیلیاں نہ لائی جائیں جو ان اہداف کے حصول کو یقینی بناتی ہوں۔ سیرت الرسول ﷺ کا اس حوالے سے مطالعہ ان جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے ہمیں ایک ایسا لائحہ عمل عطا کرتا ہے جس سے نہ صرف معاشرے میں آنے والی ان معاشی خرابیوں کو، جو بیک وقت معاشرتی اور سیاسی اقدار کو فلوج کرسکتی ہیں، کا ازالہ کرتا ہے بلکہ افرادِ معاشرہ کو مثبت معاشی طرزِ عمل پر گامزن کرنے کا داعیہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اس باب میں ہم سیرت الرسول ﷺ کے معاشی پہلو کے حوالے سے درج ذیل جہات کا

جائزہ لے رہے ہیں:

۱۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت کا تصوراتی پہلو

۲۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور فلاحی معیشت کا قیام

۳۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و معاشرت کا تعلق

۴۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و اخلاق کا تعلق

۵۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و ریاست کا تعلق

اب ان پہلوؤں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

۱۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت کا تصوراتی پہلو

کوئی بھی نظام زندگی اس وقت تک وجود میں نہیں آ سکتا جب تک اس کے پس منظر میں کوئی واضح تصور، اُصول اور ضابطہ موجود نہ ہو۔ اسلام کا معاشی نظام بھی ان بنیادی تصورات اور تعلیمات پر مبنی ہے جو قرآن وسنت سے میسر آتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اسلام کے معاشی نظام کے خدو خال اور ان کے بنیادی تصورات نہ صرف واضح فرمائے بلکہ ایسی تعلیمات عطا فرمائیں جو معاشی رویوں اور رجحانات سے نہ صرف مختلف تھیں بلکہ آنے والے زمانوں کے لئے ایک رہنما اُصول قرار پائیں۔ آپ ﷺ نے مذہب کے روایتی تصور کے بالکل برعکس جہاں دنیا کی سرگرمیوں کو قربِ خداوندی کے حصول میں سدراہ اور رکاوٹ سمجھا جاتا تھا، جائز اور درست معاشی سرگرمیوں کی اہمیت کو بیان فرمایا اور انسان کی طبیعت میں موجود معاشی میلانات کی اصلاح کے لئے بنیادی تصورات مثلاً تصورِ ملکیت وغیرہ کو بدلتے ہوئے ایسی تعلیمات عطا فرمائیں کہ جن کے اوپر عمل پیرا ہوتے ہوئے معاشی زندگی ایک ایسے حسین اعتدال سے بہرہ ور ہوسکے جہاں ایک طرف تخلیقی معاشی سرگرمیاں فروغ پذیر رہیں تو دوسری طرف افرادِ معاشرہ کے لیے ان تخلیقی اور معاشی سرگرمیوں سے مستفید ہونے اور ان سے نفع بخشی تک کے امکانات پانے کے تمام راستے بھی کھلے رہیں۔

(ا) معاشی سرگرمیوں کی اَہمیت کا اِدراک

سیرت الرسول ﷺ میں زندگی کے معاشی پہلو کی اہمیت واضح نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے

نفع مند مال کی تعریف کی ہے اور اس مال کے کمانے کی خواہش اور اسے احسن طریقے سے خرچ کرنے اور اس مال کو مزید ثمر آور بنانے کو ضروری قرار دیا ہے اور ایسے صاحب حیثیت شخص کو سراہا ہے جو مال ملنے پر شاکر ہو اور اس مال کو لوگوں کی منفعت اور خیر خواہی کیلئے خرچ کرے۔ جبکہ اس ضمن میں سوائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے اور کوئی چیز اس کے پیش نظر نہ ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نعم المال الصالح للمرء الصالح۔ (۱)

''وہ کتنا ہی اچھا مال ہے جو کسی نیک انسان کے پاس ہو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیَامًا۔ (۲)

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔''

اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ مال و دولت زندگی کی استواری میں معاون و مددگار ہوتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

إنّ اللہ کرہ لکم ثلاثا: قیل وقال، وإضاعة المال، و کثرة السّؤال۔ (۳)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزیں ناپسند فرمائیں ہیں: قیل وقال، مال کے ضیاع اور کثرتِ سوال۔''

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۹۷، رقم: ۱۷۷۹۸

۲۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۱۲، رقم: ۲۹۹

(۲) النساء، ۴: ۵

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاة، باب قول اللہ تعالی: لا یسألون النّاس إلحافا، ۲: ۵۳۷، رقم: ۱۴۰۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیة، باب نهی عن کثرة السوال، ۳: ۱۳۴۰، رقم: ۱۷۱۵

۳۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۰۸۸

i. تصورِ معاش کی ہمہ جہتی

حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات میں مسئلہ معاش کو براہ راست انسانی زندگی میں نیکی اور بدی کے امتیاز میں ایک مؤثر بلکہ فیصلہ کن عامل قرار دیا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ كاد الفقر أن يكون كفراً۔[1]

''ممکن ہے غربت و افلاس (کا ردعمل) کفر کی حد تک پہنچ جائے۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے زندگی کے اعتدال کو بھی معتدل معاشی سرگرمیوں سے مشروط قرار دیا:

۲۔ الإقتصاد في النفقة نصف المعيشة۔[2]

''خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔''

۲۔ ما عال من اقتصد۔[3]

''جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہیں ہوگا۔''

ii. طلبِ حلال ایک فرض

حضور نبی اکرم ﷺ نے رزق حلال کے حصول کو فرض قرار دیا ہے۔

---

(۱) ۱۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۳۴۲، رقم: ۵۸۶

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۶۷، رقم: ۶۶۱۲

۳۔ أبو نعيم، حلية الأولياء، ۳: ۵۳

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۷

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۱۰۸، رقم: ۱۰۱۱۸

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۵۲

۱۔ طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة۔[1]

’’رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

إذا صليتم الصبح فلا تناموا عن طلب أرزاقكم، فإنّ نومة الصبحة يمنع الرّزق۔[2]

’’جب صبح کی نماز ادا کر لو تو اپنے رزق کی طلب سے غافل ہو کر سو نہ جاؤ، کیونکہ صبح کی نیند رزق کو روکتی ہے۔‘‘

iii. جائز اِقتصادی سرگرمیوں اور محنت کی تعریف

حضور نبی اکرم ﷺ نے محنت مزدوری اور اپنی معیشت کو سنوارنے کے لئے جدو جہد کرنے والے کی تعریف کی اور مزدور کو اللہ تعالیٰ کا دوست قرار دیا ہے۔

۱۔ عن رافع بن خديج، قال: قيل: يا رسول الله، أيّ الكسب أطيب؟ قال: عمل الرّجل بيده وكلّ بيع مبرور۔[3]

’’حضرت رافع بن خدیج ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا

(۱) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۶۹۵

۲۔ بيهقي، شعب الايمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱

۳۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۲۱

۴۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۴۱، رقم: ۳۹۱۸

۵۔ أبو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۷: ۱۲۶

(۲) ۱۔ هندي، كنز العمال، ۴: ۲۱، رقم: ۹۲۹۹

۲۔ شعراني، كشف الغمة عن جميع الأمة، ۲: ۳

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۴۱، رقم: ۱۷۲۶۵

۲۔ هندي، كنز العمال، ۴: ۱۲۴، رقم: ۹۸۶۱

۳۔ خطيب تبريزي، مشكوة المصابيح، ۲: ۱۳۳، رقم: ۲۷۸۳

اور ہر جائز تجارت۔‘‘

۲۔ عن جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: رحم الله عبدًا سمحًا إذا باع. سمحا إذا اشترى. سمحا إذا اقتضى۔[۱]

’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر رحم کرتا ہے جو خرید و فروخت یا قرض کی واپسی پر دوسروں پر شائستہ ہیں اور ان کا خیال رکھتے ہیں۔‘‘

۳۔ عن صخر الغامدی قال: قال رسول الله ﷺ: اللّٰهم بارک لأمّتي في بكورها. قال: وكان إذا بعث سرية أو جيشًا بعثهم في أوّل النّهار. قال: وكان صخر رجلا تاجرًا فكان يبعث تجارته في أوّل النّهار فأثرى وكثر ماله۔[۲]

’’حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میری اُمت کو اس کی صبح میں برکت دے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرمانا ہوتا تو شروع دن میں روانہ فرماتے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت صخر رضی اللہ عنہ تاجر آدمی تھے۔ وہ اپنے تجارتی قافلے شروع دن میں روانہ کرتے تو وہ بہت مال دار ہوگئے اور ان کا مال بہت بڑھ گیا۔‘‘

گویا آپ نے ان اوقات کی بھی تعریف اور نشان دہی فرمائی جو معاشی سرگرمیوں میں برکت کا ذریعہ ہیں۔

iv. زندگی کے معاشی اِستحکام کا تصور

ارشادِ ربانی ہے:

(۱) ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب السماحة فی البیع، ۲: ۷۴۲، رقم: ۲۲۰۳

(۲) ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب ما یرجی من البرکة فی البکور، ۲: ۷۵۲، رقم: ۲۲۳۶

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہے

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (۲)

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو۝''

اسی طرح ارشاد فرمایا:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا۔ (۳)

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔''

اس آیہ کریمہ میں زندگی کی بقاء اور استحکام کے پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔ فی الحقیقت مال وہی ہے جس کے اندر طبعاً انسانوں کے لئے نفع کا سامان موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف اشیاء و اموال پر ملکیت (یعنی قبضہ و تصرف) کا حق اس لئے عطا فرمایا ہے کہ اسے بروئے کار لاکر وہ ان اموال پر محنت صرف کریں اور ان کے اندر تخلیق کی گئی خوابیدہ منفعتوں اور افادیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔ کیونکہ مال کو جب تک کسی کے قبضہ و تصرف میں نہ دیا جائے اس کی بالقوہ افادیت (Potential Utility) کو بالفعل افادیت (Actual Utility) میں نہیں بدلا جاسکتا۔ اگر اس مال کے خلقی اور طبعی فوائد وثمرات یونہی بے جان دور از کار اور عملاً غیر سود مند ہوکر پڑے رہیں اور خلق خدا ان سے صحیح فائدہ نہ اٹھا سکے تو اس مملوکہ شے یا مال کی تخلیق کا مقصد گویا پورا ہی نہ ہو پایا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا مقصدِ تخلیق ہی خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانا قرار دیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنی تعلیمات سے معاشرے میں معاشی استحکام پیدا فرمایا۔ جب سوسائٹی کے معاشی حالات اجتماعی طور پر اچھے نہ تھے تو آپ نے ان لوگوں کو جن کے پاس مال و

(۱) البقرہ، ۲: ۲۹

(۲) الأعراف، ۷: ۱۰

(۳) النساء، ۴: ۵

اسباب تھا اس میں دوسروں کو شریک کرنے کی ترغیب اور حکم ارشاد فرمایا تاکہ معاشرے میں معاشی تفاوت پروان نہ چڑھ سکے۔

۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

طعام الواحد يكفي الإثنين وطعام الإثنين يكفي الأربعة وطعام الأربعة يكفي الثمانية۔(۱)

’’ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له، قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر حتّى رأينا أنّه لا حق لأحد منّا في فضل۔(۲)

’’تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد و نوش ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ مختلف اصناف مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی بھی شے میں ہمارا حق نہیں رہا۔‘‘

v. کسبِ معاش کی پابندی کا تصور

اسلام کے دیے ہوئے تصورِ معیشت کے تحت ہر شخص حتی القدور کسب معاش کا پابند ہے۔ بلا عذر شرعی تساہل، غفلت اور کاہلی کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے جا بجا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی اہمیت کو بیان کیا ہے اور اس امر کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام القليل، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبوداؤد، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

دیئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی یہ فضیلت اور مقام تب ہی میسر آئے گا جب افراد معاشرہ حتی المقدور اپنی تمام تر توانائیوں کو حصول رزق حلال کے لئے بروئے کار لائیں گے۔ کیونکہ ایک ایسا معاشرہ جہاں افراد، معاشرہ کی تخلیقی سرگرمیوں کے بجائے عضو معطل بن جائیں کسی طور ایک فلاحی اور اہلِ انفاق کا معاشرہ نہیں بن سکتا۔ سو ایسے افراد کو اسلامی معاشرہ قطعاً گوارا نہیں کرتا۔ ''کسب معیشت'' اور ''ابتغاء رزق'' کی اہمیت کو قرآن حکیم نے جا بجا بیان کیا ہے:

۱۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ۔(۱)

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو۔''

۲۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○(۲)

''اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہوگی۔''

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ۔(۳)

''بیشک تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہو وہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو۔''

۴۔ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ۔(۴)

''اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔''

۵۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○(۵)

(۱) الجمعة، ۶۲: ۱۰

(۲) النجم، ۵۳: ۳۹

(۳) العنكبوت، ۲۹: ۱۷

(۴) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۵) البقرہ، ۲: ۱۶۸

''اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

۲۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔(۱)

''مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔''

احادیث مبارکہ میں بھی کسب معاش کی اہمیت بیان کی گئی ہے:

۱۔ قال رسول اللہ ﷺ: طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة۔(۲)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے فریضہ عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔''

۲۔ إنّ أطيب ما أكلتم من كسبكم۔(۳)

''بے شک سب سے پاکیزہ (رزق) جو تم کھاتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے۔''

۳۔ لا تناموا عن طلب أرزاقكم فيما بين صلاة الفجر إلى طلوع الشمس۔(۴)

''فجر کی نماز سے لے کر طلوع شمس تک رزق کی جدوجہد کئے بغیر نیند نہ کرو۔''

---

(۱) النساء، ۴: ۳۲

(۲) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۶۹۵

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱

۳۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۲۱

۴۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۴۱، رقم: ۳۹۱۸

(۳) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب ما للرجل من مال، ۲: ۷۶۸، رقم: ۲۲۹۰

۲۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۷: ۲۹۴، رقم: ۳۶۲۱۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۹، رقم: ۶۶۷۸

۴۔ أحمدبن حنبل، المسند، ۶: ۱۶۲، رقم: ۲۵۳۳۵

(۴) ۱۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۳۵، رقم: ۷۳۸۰

۲۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۲: ۲۶، رقم: ۱۵۸۸

۴۔ إنّ من الذّنوب ذنوبًا لا يكفرها الصلاة ولا الصيام ولا الحج ولا العمرة قالوا: فما يكفرها يا رسول الله؟ قال: الهموم في طلب المعيشة۔(۱)

’’گناہوں میں سے کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ حج اور نہ ہی عمرہ۔ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر ان کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: طلب معیشت کی فکر اور جدوجہد۔‘‘

۵۔ اطلبو الرّزق في خبايا الأرض۔(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔‘‘

۶۔ قال رسول الله ﷺ: التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء۔(۳)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۳۸، رقم: ۱۰۲
۲۔ ہيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۴
۳۔ أبو نعيم، حلية الأولياء، ۶: ۳۳۵

(۲) ۱۔ أبو يعلی، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴
۲۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابه، ۱: ۳۱۳، رقم: ۴۳۱
۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۲۷۴، رقم: ۸۹۵
۴۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۴۰۴، رقم: ۶۹۴
۵۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۷، رقم: ۱۲۳۳

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في التجار، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۰۹
۲۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۲۹۹، رقم: ۹۶۶
۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۶۵، رقم: ۲۷۴۵
۴۔ ابن کثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۵۲۴
۵۔ حکيم ترمذي، نوادر الأصول، ۲: ۸۵

۷۔ قال: إنّ التّجار یبعثون یوم القیامة فجارا إلّا من اتقی اللہ وبرّ وصدق۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تاجر فاسق و فاجر اٹھیں گے مگر یہ کہ جنہوں نے پرہیزگاری، بھلائی اور سچائی سے کاروبار کیا ہو (تو وہ اس حالت میں نہیں اٹھیں گے)۔‘‘

۸۔ خیر الکسب کسب العامل إذا نصح۔ (۲)

’’بہترین کمائی مزدوری کی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے۔‘‘

۹۔ إعط الأجیر أجرہ قبل أن یجف عرقہ۔ (۳)

’’مزدور کی مزدوری اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔‘‘

(۲) معیشت میں فساد کے اَسباب کا تدارک

ملکیتِ اَموال کا تصورِ امانت

معاشی زندگی میں فساد اور خرابیوں کی ایک بڑی وجہ روایتی تصور ملکیت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ملکیتِ اموال کے باب میں یہ بنیادی اُصول عطا فرمایا کہ اس سے مراد ملکیت نہیں محض

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب البیوع عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في التجار، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۱۰

۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارات، باب التوقي في التجارة، ۲: ۷۲۶، رقم: ۲۱۴۶

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱: ۲۷۷، رقم: ۴۹۱۰

(۲) ۱۔ دیلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۱۸۰، رقم: ۲۹۱۰

۲۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۱، ۹۸

۳۔ منذري، الترغیب والترھیب، ۱: ۳۱۵، رقم: ۱۱۶۱

(۳) ۱۔ بیہقي، السنن الکبری، ۶: ۱۲۱، رقم: ۱۱۴۳۹

۲۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۹۷

۳۔ طبراني، المعجم الصغیر، ۱: ۴۳، رقم: ۳۴

امانت و نیابت ہے۔ یہاں ''مالک'' کا لفظ حقیقی معنی میں نہیں فقط امین اور نائب کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت میں ''ملکیت'' کا یہ اضافی مفہوم سب سے زیادہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس تصور کی وضاحت کے بغیر بقیہ اُصول وضوابط پر گفتگو لا حاصل اور خلط مبحث کے سوا کچھ نہ ہوگی۔ اس لئے سب سے پہلے نظمِ معیشت میں ''ملکیت'' کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کے لئے اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

قرآن حکیم کا ملکیتِ اموال میں امانت و نیابت کا اُصول محض ایک تصور نہیں کیوں کہ کسی حکم کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لینے اور قانونی وشرعی حق تسلیم کرنے میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اگر امانت و نیابت کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لیا جائے تو اس پر نظامِ معیشت قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ محض اخلاقی تصورات اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کی بنیاد پر کوئی نظام قائم کیا جا سکے، جب تک ان تصورات کو قانونی وجوب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ۔ (۱)

''اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (و امین) بنایا ہے۔''

یہاں واضح طور پر ملکیت کو ''استخلاف فی المال'' قرار دے دیا گیا ہے۔ جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (۲)

''اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے (جس کا ایفاء اور تعمیل اُمت پر لازم ہے) جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ضرور انہی کو زمین میں خلافت (یعنی امانت اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو (حقِ) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے۔''

---

(۱) الحدید، ۵۷: ۷

(۲) النور، ۲۴: ۵۵

اس آیۂ کریمہ میں یہ نکتہ کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ اسلامی نظام سیاست میں حکومت اور اقتدار میں ''استخلاف فی الارض'' کا اُصول کارفرما ہے۔ اسی طرح نظام معیشت میں ملکیتِ اموال کو استخلاف فی المال کا درجہ دیا گیا ہے۔

اس سے مستنبط ہوا کہ نہ تو اسلامی نظام سیاست میں کوئی حکمران روئے زمین پر اپنے آپ کو حاکم مطلق کہلا سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی نظام معیشت میں کوئی شخص مطلقاً ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر محض امین اور نائب ہیں لہٰذا دونوں مالک حقیقی کے حکم کے پابند ہیں اور کسی کو من مانی کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔

قرآن مجید نے اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ (۱)

''اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے (تم تو فقط اس مالک کے نائب ہو)۔''

اسلام کے تصورِ نیابت و امانت پر استوار ہونے والا معاشی ڈھانچہ کلیتاً اشتراکی اور سرمایہ دارانہ، دونوں نظاموں کے پیش کردہ تصورات سے یکسر جدا ہے اور اس میں افراط و تفریط سے پاک ایک متوازن عادلانہ نظامِ معیشت کی ضمانت دی گئی ہے۔ اسی اُصول کو ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ۔ (۲)

''اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔''

یہاں بھی انسان کی حیثیت، اموالِ دنیا کی بابت خلافت و نیابت ہی کی بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ آزمائش کے لئے ہے۔ یعنی ان اموال کے ساتھ کچھ

(۱) الحدید، ۵۷: ۱۰

(۲) الأنعام، ۶: ۱۶۵

شرائط وضوابط اور مصالح وابستہ ہیں اور تمہیں نائب و امین بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ تمہیں پرکھا اور آزمایا جائے کہ آیا تم اس امانت کے جملہ حقوق اور مصالح کی رعایت کرتے ہو یا نہیں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اسلامی نظام معیشت میں ''ملکیت علی الاطلاق'' کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں۔ چنانچہ اس نظام کے احکام وقوانین اپنی ماہیت اور مزاج کے اعتبار سے مطلقاً دوسرے نظاموں سے مختلف ہیں۔

ایک اور مقام پر یہی تصور ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ مال تو فی الحقیقت اللہ کا ہے اور وہ تمہیں فقط برتنے کے لئے دیا گیا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ تم اس پر اس طرح قابض ہو رہے ہو کہ دوسروں کو ان کا حق بھی نہیں دینا چاہتے۔

ارشاد الٰہی ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۝ (۱)

''ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لیے) ممنوع اور بند نہیں ہے۝''

یہاں بھی واضح طور پر اموال و اسباب کو فقط عطاء الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ پھر انسان اس کا مالک مطلق کیسے بن سکتا ہے؟ واضح رہے کہ اس کی حیثیت فقط محافظ اور امین ہی کی ہوگی اور اس میں ہر فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مقبوضہ اور زیر تصرف مال سے جس طرح خود فائدہ اٹھا رہا ہے، دوسروں کو بھی اٹھانے دے۔ تب ہی وہ امانت میں سچا ہے ورنہ خائن اور غاصب ٹھہرے گا۔ کیونکہ آیتِ کریمہ نے دونوں صورتوں میں یہ شرط عائد کر دی ہے۔

۱۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ

۲۔ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا

پہلی شق کا مفہوم یہ ہے کہ اموال و اسباب دنیا پر قابض و متصرف لوگوں کو یہ جان لینا چاہئے کہ جس طرح ہم نے ان اموال کے ذریعے ان کی مدد کی ہے اسی طرح ہم دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں۔ یعنی بلا امتیاز دوسروں کی مدد کرنا بھی ہم نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ پس کسی کو کیا حق

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۰

پہنچتا ہے کہ وہ اوروں تک اس مدد و نصرت الٰہی کے پہنچنے میں رکاوٹ بنے، بلکہ اسے تو محض واسطہ بنایا گیا ہے۔ پس اسے اپنا فریضہ ادا کرتے رہنا چاہئے تاکہ ہر ایک پر یہ نعمت جاری رہے۔

دوسری شق کا مفہوم انسانوں کو یہ بتلا رہا ہے کہ تمہارے رب کی عطاء و بخشش کسی کے لئے بھی بند نہیں ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم جو تم نے قائم رکھی ہے جس کا تم برملا اظہار کرتے ہو کہ ''اللہ نے ہمیں دیا ہے، دوسروں کو محروم رکھا ہے سو ہم انہیں کیوں دیں؟'' اس کا کوئی جواز نہیں اس ناروا طبقاتی تقسیم کا خاتمہ ہونا چاہیے اور اللہ کی عطا کردہ تقسیم ہی فطری تقسیم ہے جو قائم رہنی چاہیے۔ معاشرے میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔

ارشاد ربانی کہ ''تمہارے رب کی عطا و بخشش ہر ایک کے لئے ہے اور وہ کسی پر بھی بند نہیں'' ایک عادلانہ معاشرے کے قیام کا ضامن ہے۔ مگر اس کا نظام یہ ہے کہ بعضوں کو آزمانے کے لئے بعضوں کا واسطہ معاش اور وسیلہ امداد بنا دیتا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ معاشرے میں محروم اور معاشی تعطل کا شکار نظر آ رہے ہیں تو وہ مشیت الٰہی سے نہیں بلکہ ارباب اقتدار و اختیار کے ظلم و استحصال کے سبب سے ہیں۔ جو ان کے راستے میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔ پس استحصالی نظام معیشت کی اس رکاوٹ کو راستے سے دور کرنا ہی حقیقت میں مشیت الٰہی ہے۔ قرآنی احکام انفاق اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اُتارے گئے ہیں۔

اسی اُصول کے پیش نظر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طعام الواحد يكفي الإثنين وطعام الإثنين يكفي الأربعة وطعام الأربعة يكفي الثمانية۔(۱)

''ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔''

(۳) اِقتصاد فی المعیشت کا تصور

صرف اور خرچ میں اِقتصاد کا حکم

جس طرح ''کسبِ معاش'' میں آپ نے یہ ضروری قرار دیا کہ حاصل کردہ شے ''حلال''

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام القليل، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

ہو ''حرام'' نہ ہو اور ''طیب'' ہو ''خبیث'' نہ ہو۔ اسی طرح صرف اور خرچ کے معاملے میں اقتصاد کا حکم فرمایا۔ صرف اور خرچ کا پہلو دو حصوں میں منقسم ہے ایک کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے:

۱۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔ (۱)

''کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو۔''

۲۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًاo اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِo (۲)

''اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہےo''

ان ہر دو آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ایک یہ کہ ''اسراف'' نہ ہو اور دوسری یہ کہ ''تبذیر'' نہ ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

۱۔ الإقتصاد في النفقة نصف المعيشة۔ (۳)

''(آمدن وصرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواری کا نصف حصہ ہے۔''

۲۔ آپ ﷺ نے حضرت کعب ؓ سے فرمایا:

أمسك عليك بعض مالك فهو خير لك۔

''اپنے مال میں سے کچھ بچالو یہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔''

تب حضرت کعب ؓ نے عرض کیا: خیبر (کی زمین) میں جو میرا حصہ ہے وہ میں نے بچا

(۱) الأعراف، ۷: ۳۱

(۲) بني اسرائيل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۸

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۰

۴۔ مناوي، فيض القدير، ۳: ۷۸۱

لیا ہے۔[1]

۳۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر - کہ میں اپنا کل مال خدا کی راہ میں بذریعہ وصیت دے ڈالتا ہوں - حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أن تدع ورثتک أغنياء خير من أن تدعهم عالة يتكففون النّاس في أيديهم۔[2]

''اپنے ورثاء کو صاحب مال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محتاج رہ جائیں اور بھیک مانگتے پھریں۔''

اس لئے تہائی مال میں وصیت کر دینا کافی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا○[3]

''اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے○''

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر فرماتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المغازي، باب حديث كعب بن مالك، ۴: ۱۶۰۷، رقم: ۴۱۵۶

۲۔ أبوداؤد، السنن، كتاب الايمان والنذور، باب فيمن نذر، ۳: ۲۴۰، رقم: ۳۳۱۷

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۶۳

۴۔ عبد الرزاق، المصنف، ۹: ۴۷

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۵۴

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب النفقات، باب فضل النفقة، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۷۳، رقم: ۱۴۸۸

۳۔ أبوعوانه، المسند، ۳: ۴۸۳، رقم: ۵۷۷۷

۴۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۶: ۲۶۸، رقم: ۱۲۳۴۵

(۳) الفرقان، ۲۵: ۶۷

فشرع الله عدل بين الغالي فيه والجا في عنه لا إفراط ولا تفريط۔ (۱)

"پس اللہ تعالیٰ نے اس میں غلو کرنے والے اور اس سے اعراض کرنے والے کے درمیان عدل قائم کر دیا بغیر افراط و تفریط کے یعنی اس میں نہ افراط رہا اور نہ تفریط۔"

پھر تبذیر سے نفرت دلاتے ہوئے مبذر کو شیطان کا ہم سَر بنایا اور اسی قسم کی اور بھی آیات ممانعت تبذیر میں نازل ہوئی ہیں۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں حق کے خلاف ہر قسم کے صرف اور خرچ کا نام "تبذیر" ہے۔

۲۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے ناحق صرف کر دیا تو یہ تبذیر ہے۔

۳۔ قتادہ کہتے ہیں تبذیر نام ہے مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، ناحق اور فساد کے مواقع میں صرف کرنے کا۔ (۲)

۴۔ امام احمدؒ بروایت ہاشمؒ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مالدار ہوں اور میرے اہل و عیال بھی ہیں اور مہمانداری بھی خاصی ہوتی رہتی ہے تو آپ ﷺ مجھے یہ بتایئے کہ میں کس طرح خرچ کروں، اور اس معاملے میں کیا کروں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے مال سے پہلے زکوۃ نکال اگر وہ زکوۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے اس لیے کہ زکوۃ مال کو خباثت سے پاک کر دیتی ہے اور پھر اقرباء کے ساتھ مالی صلہ رحمی کر اور سائل مسافر اور مسکین کے حقوق کی ادائیگی کر۔ اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس تمام تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں فرما دیجیے (کہ میں اس کو دستور زندگی بنا لوں) تب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنا دی:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ (۳)

"اور قرابتداروں کو انکا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال)

---

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۸۹

(۲) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵: ۵۲

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

فضول خرچی سے مت اڑاؤo‘‘(۱)

سائل نے یہ سن کر عرض کیا کہ بس یہ میرے لیے کافی ہے۔

اور امام رازیؒ آیت ’’والّذین اذا أنفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواماً‘‘ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

’’اسراف اور تبذیر کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے قوی تر یہ ہے کہ ’’إنّه تعالٰی وصفهم بالقصد الّذی هو بین الغلو والتقصیر‘‘ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ معیشت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں نہ بے جا غلو کرتے ہیں نہ بے محل بخل برتتے ہیں۔ اسی لیے قرآن عزیز میں دوسری جگہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔(۲)

’’اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو)۔‘‘(۳)

اور آیت ’’کان بین ذالک قواما‘‘ میں قوام سے اعتدال اور درمیانی راہ مراد ہے یعنی میانہ روی ان کا شعار ہے۔(۴)

حضرت ابو درداء ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من فقه الرجل رفقه في معيشة۔(۵)

---

(۱) ۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۳۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۳۶، رقم: ۱۲۴۱۷

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۹

(۳) رازی، التفسیرالکبیر، ۲۴: ۹۵

(۴) رازی، التفسیر الکبیر، ۲۴: ۱۰۹

(۵) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۹۴، رقم: ۲۱۷۴۲

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۷۴

۳۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۷: ۱۲۴، رقم: ۳۴۶۸۸

۴۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۲: ۳۵۲، رقم: ۱۴۸۲

۵۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۴: ۶، رقم: ۶۰۱۰

۶۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء، ۱: ۲۱۱

''کسی شخص کی دانائی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی معیشت میں نرمی (اعتدال) اختیار کرے۔''

ان تمام حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ نصوصِ قرآن و حدیث ''معیشت'' میں صرف اور خرچ کے متعلق یہ چند باتیں بنیادی طور پر ضروری قرار دی گئی ہیں۔

۱۔ صرفِ مال میں نہ ''اسراف'' درست ہے نہ ''تبذیر'' اور نہ ''تقتیر'' اور تینوں الفاظ کا مفہوم اسلامی اصطلاح کے مطابق مراد ہے نہ کہ صرف لغوی معنی کے مطابق۔

۲۔ میانہ روی (اقتصاد) ہی معیشت کی عادلانہ راہ ہے اور صالح اجتماعی نظام معیشت کے لیے ایک ذریعہ۔

۳۔ ''فرد'' چونکہ جسم جماعت کا ایک عضو ہے اس لیے اس کی انفرادی آمدنی پر اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہیں اور جس قدر وہ کماتا ہے اسی نسبت سے یہ حقوق اس پر زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس کا نام ''انفاق فی سبیل اللہ'' ہے۔

۴۔ انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی قوت لا یموت اور ساتر عورت لباس اور ضرورت رہائش کے مطابق مکان تمام حقوق سے مقدم اور فرض اولین ہے اور اس کے بعد دیگر تفاصیل ہیں جن کی اجمالی وضاحت یہ ہے:

الف) اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو سب سے پہلے صدقاتِ واجبہ (زکوۃ وغیرہ) کا ادا کرنا اس کے ذمے فرض ہے گویا اس صورت میں اجتماعی حق انفرادی حق پر مقدم ہے۔

ب) صدقات واجبہ کی اداء کے باوجود ''انفرادی مال'' پر کچھ اور بھی اجتماعی حقوق عائد ہیں اسی لیے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''إنّ في المال لحقا سوی الزکاۃ'' مثلاً اگر بیت المال کا خزانہ ہر شخص کی انفرادی معیشت کے لیے پورا نہ ہو سکے تو ''خلیفہ'' جبراً اہلِ دولت سے مال حاصل کر کے اس کمی کو پورا کر سکتا ہے اگرچہ وہ اربابِ دولت، صدقات واجبہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہو چکے ہوں۔ (۱)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الزکاۃ، باب ما جاء أن في المال، ۳: ۴۸، رقم: ۶۵۹

۲۔ بیهقی، السنن الکبری، ۴: ۸۴، رقم: ۷۰۳۴

۳۔ سعید بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۲۶

۴۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۱۲۸، رقم: ۱۷۸۹

۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۲: ۴۷۲

ج) عام انسانی حالات میں صدقاتِ نافلہ یعنی ''حقوق ثانوی'' ایسی حالت میں ادا کئے جائیں کہ اپنے اور اہل وعیال کے لیے مال کا ایک حصہ محفوظ رہے تا کہ وہ مفلس و قلاش ہوکر نہ رہ جائیں۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ اس کو مستقبل کے لیے اپنے اور اہل وعیال کے لیے کچھ پس انداز کر رکھنا مناسب ہے۔ چنانچہ حدیث - ''خیر الصّدقہ ما کان عن ظهر غنی''[1] - اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔

د) خاص حالات انسانی میں ''ایثار علی النفس'' اولی اور افضل ہے یعنی اگر انسانی نفوس ضبط نفس اور صبر کے درجہ کمال پر فائز ہیں تو انفاق فی سبیل اللہ میں تمام مال کو صرف کر دینا محبوب ہے۔ چنانچہ آیت - ﴿یؤثرون علی أنفسهم ولوکان بهم خصاصه ''ان کو اگر ذاتی حاجت بھی ہوتی ہے تب بھی وہ (صحابہ کرام ﷺ) دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں''﴾[2] اور حدیث ابو ذر غفاری ﷺ - أفضل الصّدقة جهد من مقل (سب سے بہترین صدقہ اسی شخص کا ہے جو قلیل المال ہوکر مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالتا ہے)[3] - اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور سیدنا صدیق اکبر ﷺ کا ایک موقعہ پر تمام مال کو خدا کی راہ میں پیش کر دینا اسی مسئلہ کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔ انفرادی معیشت میں ''اقتصاد'' (میانہ روی) مطلوب ہے اور ''اکتناز'' (اجتماعی حقوق کو نظر انداز کر کے دولت کو ذخیرہ کرنا) اور ''احتکار'' (ناجائز وسائل معیشت سے مال اکٹھا کرنا) حرام اور مردود ہے اور انفرادی دولت، اجتماعی دولت کے لیے ایک ذریعہ ہے نہ کہ اس کے لیے سنگ راہ۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنی، ۲: ۵۱۸، رقم: ۱۳۶۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۴

۳۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۴: ۹۶، رقم: ۲۴۳۶

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۴۹، رقم: ۳۳۶۳

(۲) الحشر، ۵۹: ۹

(۳) بیهقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۱۸۰، رقم: ۷۵۶۱

(۴) معاشی ترجیحات کا منصفانہ تعین

i. اَفرادِ معاشرہ کی حق معاش میں برابری

آپ کے عطا کردہ معاشی اصولوں اور رہنمائی کے مطابق اَصل رِزق اور حق معاش میں سب انسان برابر ہیں۔ فرق اور تفاوت صرف درجات میں ہے۔ اصل رزق اور حقِ معاش میں کھانا، پینا، لباس، رہائش، بنیادی تعلیم اور علاج معالجہ جیسی تمام بنیادی ضروریات آ جاتی ہیں۔ جن میں تمام انسان برابر کے حق دار کے طور پر شامل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَo[۱]

''اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رِزق اصلا) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہےo''

اس آیت کریمہ کا یہی مفہوم کئی مفسرین کرام نے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

والمعنی: وقدر فیها أقواتها سواء للمحتاجین واختاره طبری۔[۲]

''اور اس آیت وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا کا معنی ہے کہ یہ تمام محتاجوں کے لئے برابر ہے، اور اس قول کو امام طبری نے اختیار کیا ہے۔''

قرآن حکیم نے سورہ روم میں بھی یہی اسلوب اختیار کرتے ہوئے اس تصور کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلاً مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ط هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ط كَذٰلِكَ

---

(۱) حم السجده، ۴۱: ۱۰

(۲) ۱۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۲۵۶

۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۴: ۹۶

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۹۴

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝[1]

''اُس نے (نکتہ توحید سمجھانے کے لئے) تمہارے لئے تمہاری ذاتی زندگیوں سے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کیا جو (لونڈی، غلام) تمہاری مِلک میں ہیں اس مال میں جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے شراکت دار ہیں، کہ تم (سب) اس (ملکیت) میں برابر ہو جاؤ۔ (مزید یہ کہ کیا) تم ان سے اسی طرح ڈرتے ہو جس طرح تمہیں اپنوں کا خوف ہوتا ہے (نہیں) اسی طرح ہم عقل رکھنے والوں کے لئے نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں (کہ اللہ کا بھی اس کی مخلوق میں کوئی شریک نہیں ہے)۝''

یہاں بھی ''فانتم فیہ سواء'' کا اعلان، بنیادی حق معاش میں سب کی برابری کا قطعی ثبوت کے طور پر آئینہ دار ہے جسے درجات رزق میں تفاوت کے منافی ہرگز نہیں گردانا جاسکتا۔ اس کا مفاد اجمالاً یہ ہے کہ ضروریات زندگی سے کوئی بھی محروم نہ رہنے پائے مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کو نوعیت و ماہیت کے اعتبار سے ان کی فراہمی ایک جیسی ہو بلکہ ہر شے میں یہ فرق و تفاوت فطری اور نظام قدرت کا حصہ ہے۔ مگر دونوں کی حدیں الگ الگ ہیں۔ حق المعاش میں برابری کی اپنی حد ہے اور درجات معاشی میں تفاوت کی اپنی حد ہے۔ جس طرح برابری کا حق تفاوت کو نہیں مٹا سکتا، اسی طرح یہ حق بھی کسی کو نہیں پہنچتا کہ تفاوت کے نام پر حق معاش کی برابری کا خاتمہ کر دے۔ بلکہ کسی بھی فرد معاشرہ کے معاشی حقوق کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له، قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل۔[2]

''تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد و نوش ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ مختلف اصناف مال کا ذکر فرماتے

(۱) الروم، ۳۰: ۲۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الزکاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی بھی شے میں ہمارا حق نہیں رہا۔"

ii. تفاوتِ رزق اور انسانی وقار

اسی طرح درجات رزق میں پائے جانے والے تفاوت کے حوالے سے قرآن مجید نے ایک بنیادی نکتہ یوں واضح کیا ہے۔

ارشادفرمایا:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔ (۱)

"کیا آپ کے رب کی رحمتِ (نبوّت) کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں۔"

پس ایک اسلامی معاشرے میں جہاں تمام افراد کے لئے بنیادی حق معاش میں مساوات کا حکم دیا گیا ہے، وہاں درجاتِ رزق میں تفاوت کا تصور بھی موجود ہے۔ لیکن یہ تفاوت صرف مراتب رزق میں روا ہے بنیادی حق میں نہیں۔ تفاوت رزق میں یہ تفاوت تقاضائے ربوبیت اور حکمت احتساب الٰہیہ پر مبنی ہے۔ جبکہ انسانوں کی طرف سے مستحقین کو بنیادی حق معیشت سے محروم رکھنا باری تعالیٰ کی خالقیت، ربوبیت اور رحمانیت کے منافی ہے۔

یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم نے درجاتِ رزق میں تفاوت کو آزمائش قرار دیتے ہوئے یوں ارشادفرمایا:

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۝ (۲)

"اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں

(۱) الزخرف، ۴۳: ۳۲

(۲) الانعام، ۶: ۱۶۵

آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔ بیشک آپ کا رب (عذاب کے حقداروں کو) جلد سزا دینے والا ہے۝‘‘

یہ آزمائش اس لئے ہے کہ انسان حکم الٰہی کے مطابق دوسروں کے حق میں اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داری کس حد تک پوری کرتا ہے۔ اگر وہ یہ ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ اپنے جرم کی سنگینی کے مطابق سزا کا حقدار ہے اور قرآن کی نظر میں سزا کی ایک صورت اس نعمت سے محروم کر دیا جانا بھی ہے۔ جس کا حق اسلامی ریاست کو حاصل ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص اپنی رضا و رغبت سے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت سے محروم المعیشت افراد کا حق ادا نہیں کرتا تو ریاست کو یہ قانونی حق حاصل ہوگا کہ وہ اس سے حکماً ضرورت سے زائد چھین کر مستحقین میں تقسیم کر دے۔

iii. اِجتماعی مفاد کی اِنفرادی مفادات پر ترجیح

ملکیت کے مندرجہ بالا تصور میں انفرادی ملکیت کی نفی نہیں کی گئی۔ قرآن حکیم نے جہاں جہاں بھی انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے وہاں افراد معاشرہ کی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ترغیب دی گئی ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۝(۱)

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھا۝‘‘

ان اور دیگر آیات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام نے انفرادی حق و مفاد کو تسلیم کیا اور اسے جائز قرار دیا ہے مگر ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ’’وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا‘‘﴾(۲) کے مصداق بنیادی حق معیشت کے حوالے سے ’’ما في الأرض جميعا‘‘ کو افراد معاشرہ کے لئے مباح قرار دیا۔ اس طرح کسی فرد واحد یا افراد جماعت کو اسلامی معاشرے میں ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ انہیں معاشی مفاد کے ایسے حقوق کا مالک بنا دیا جائے جو ’’مفاد عامہ‘‘ کے خلاف ہو۔ بلکہ جہاں بھی انفرادی مفاد کی وجہ سے اجتماعی مفاد پر زد پڑتی ہو وہاں اجتماعی مفاد کو انفرادی مفادات پر ترجیح دی جائے گی اسلامی معیشت کے اس بنیادی

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) البقرہ، ۲: ۲۹

اصول کی وضاحت درج ذیل احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے:

۱۔ **عن أبیض بن حمال أنّه وفد إلی رسول اللہ ﷺ فاستقطعه الملح قال ابن المتوکّل الّذی بمأرب فقطعه له فلمّا أن ولّی قال رجل من المجلس: أتدری ما قطعت له إنّما قطعت له الماء العدّ قال: فانتزع منه۔**(۱)

"حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مآرب میں نمک کی جو جھیل تھی اس کو عطیہ کے طور پر مانگا۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ ایک شخص نے یہ دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے نمک کا ہمیشہ جاری رہنے والا خزانہ کیوں اس کے حوالے کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے وہ اس کی اصل حقیقت سے آگاہی کے بعد واپس لے لیا اور دینے سے انکار فرما دیا۔"

۲۔ **عن عمرو بن عوف المزنيّ إنّ النّبيّ ﷺ أقطع بلال بن الحارث المزنيّ معادن القبليّة جلسيّها وغوريّها وحیث یصلح الزّرع من قدس ولم یعطه حقّ مسلم وکتب له النّبيّ ﷺ، (کتابا)۔**(۲)

"حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بلال بن حارث کو مقام قبلیہ کے پست و بلند حصوں کی کانیں عطیہ کے طور پر دے دیں اور مقام قدس کے ان حصوں کو بھی دیا جو کھیتی کے قابل تھے اور آپ ﷺ نے اس عطیہ میں کسی مسلمان کا حق ان کو نہیں دیا اور اس کے لئے ان کو فرمان لکھ دیا۔"

ان احادیث کی روشنی میں یہ اُصول طے پاجاتا ہے کہ جہاں عامۃ الناس کے مفادات کا معاملہ ہو وہاں کسی فرد واحد یا واحد مخصوص جماعت کو حق ملکیت نہیں دیئے جاسکتے۔

انفرادی مفادات پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کے اصول پر عمل ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی نظر آتا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق اور شام فتح ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مطالبہ کیا

(۱) ۱۔ أبو داؤد، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضین، ۳: ۱۷۴، رقم: ۳۰۶۴

۲۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۶: ۱۴۹، رقم: ۱۱۶۰۸

(۲) أبو داؤد، السنن، کتاب الخراج، باب اقطاع الأرضین، ۳: ۱۷۳، رقم: ۳۰۶۲

کہ ان ملکوں کی زمینوں کو ہم پر تقسیم کر کے ہمیں ان کا مالک بنادیا جائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ خصوصیت کے ساتھ اس پر مصر تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے اس بنا پر انکار کردیا کہ اگر مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں ہی تقسیم کر دی گئیں تو سرحدوں کے انتظامات، شہروں اور ملکوں کے انتظامات، لشکروں کی ضروریات، بعد میں آنے والے مسلمانوں کی حاجات اور دیگر مستحق غربا کی ضروریات کے لئے آمدنی کہاں سے آئے گی۔ اس معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس مشاورت منعقد کی اور اس معاملے کو ان کے سامنے پیش کر کے ان کی رائے طلب فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دلائل سن کر سب نے آپ سے اتفاق کیا۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

والّذي رای عمر رضی اللہ عنہ من الامتناع من قسمة الأرضين بين من افتتحها عند ما عرفه الله ما كان في كتابه من بيان ذلك توفيقًا من الله كان له فيما صنع، وفيه كانت الخيرة لجميع المسلمين، وفيما راه من جمع خراج ذلك وقسمة بين المسلمين عموم النفع لجماعتهم۔ (۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ انہوں نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان اراضی کو تقسیم کرنے سے انکار کردیا اور اپنی رائے کی موافقت میں قرآن مجید کے دلائل پیش کیے یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ تھا اور دراصل اس میں ہی تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی اور خراج کا جمع ہونا اور اس کا مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہونا جماعتی مفاد کے اعتبار سے تقسیم اراضی کے مقابلے میں بدرجہا مفید تھا۔''

یعنی اسلام کے تصور معیشت اور قرآن حکیم کی انسانی فلاح اور عمل احسان کی تعلیم کی رو سے اسلامی معاشرہ میں اُصولی طور پر انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی جائے گی۔

iv. اِرتکازِ دولت کی مذمت

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارتکازِ دولت کی ہر صورت کی اپنے قول و عمل سے نفی فرمائی۔ اگر کوئی شخص اپنے مملوکہ اموال کی آمدنی اور منافع اس خیال سے کہ یہ میری ذاتی ملکیت ہے صرف اپنی

(۱) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۲۹

ضروریات اور آسائشوں تک رکھے اور ان سے دوسروں کو فائدہ نہ اٹھانے دے یعنی دوسرے مستحقین کے شرعاً تسلیم شدہ حقوق پورے نہ کرے تو اسے دولت کا جمع کرنا یا ارتکاز و اکتناز کہا جائیگا اور یہ امر شریعت میں حرام بلکہ باعثِ عذاب جہنم ہے باوجود اس کے کہ اس نے وہ ساری دولت اپنے جائز ملکیتی ذرائع سے کمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝(۱)

”اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔ جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی ۝ پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھے ۝۔“

۲۔ اس کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔(۲)

”(یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔“

۳۔ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝(۳)

”(خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لیے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۴، ۳۵

(۲) الحشر، ۵۹: ۷

(۳) الھمزہ، ۱۰۴: ۲۔۹

ہے○ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی○ ہرگز نہیں! وہ ضرور **حطمہ** (یعنی چورا چورا کردینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا○ اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ **حطمہ** (چورا چورا کردینے والی آگ) کیا ہے؟ (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے○ جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گی○ بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گی○ (بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں (اور ان لوگوں کے لئے کوئی راہِ فرار نہ رہے گی)○"

الغرض معاشی زندگی کے باب میں آپ کی عطا کردہ تعلیمات اور بنیادی تصورات اپنے معنی ومفہوم اور روح کے لحاظ سے انفرادیت کے حامل ہیں۔ یہ اسلام کے معاشی نظام کی وہ خشتِ اول ہیں جو اس کی پوری ساخت وتشکیل کو دنیا کے دیگر معاشی نظاموں سے ممتاز کرتی ہیں اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت عطا کرتی ہیں۔

۲۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور فلاحی معیشت کا قیام

(ا) اَفرادِ معاشرہ پر وجوبِ کسبِ رزق

حضور نبی اکرم ﷺ نے افرادِ معاشرہ کو کسبِ رزق کی تعلیم فرمائی اور معاشرے کے ماہرین صنعت وحرفت اور پیشہ ور کاریگروں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ کیونکہ کسبِ رزق انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور بہترین کسبِ رزق وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کیا جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے بے روزگار جو جان بوجھ کر کوئی کام نہیں کرتے انکی حوصلہ شکنی کی جائے کیونکہ ایسے لوگ معاشرے پر بوجھ ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس طرح کی بے روزگاری گداگری اور توکل کا کوئی تصور نہیں بلکہ توکل کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کیا جائے اور نتائج اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے حاصل کیے جائیں اور جو ایسا نہیں کرتا وہ توکل کرنے والا نہیں ہے۔ رزق کا حصول انتھک کوشش کے ساتھ مشروط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○[۱]

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۵

’’اور فرما دیجئے: تم عمل کرو، سو عنقریب تمہارے عمل کو اللہ (بھی) دیکھ لے گا اور اسکا رسول (بھی) اور اہل ایمان (بھی) اور تم عنقریب ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے (رب) کی طرف لوٹائے جاؤ گے، سو وہ تمہیں ان (اعمال) سے خبردار فرما دے گا جو تم کرتے رہتے تھے○‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما أكل أحد طعامًا قط، خيرًا من أن يأكل من عمل يده وأنّ نبي الله داود عليه السلام كان يأكل من عمل يده۔[1]

’’بہترین کھانا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما يزال الرّجل يسأل النّاس، حتّى يأتي يوم القيامة ليس في وجهه مزعة لحم۔[2]

’’آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن جب وہ حاضر ہوگا تو اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔‘‘

(۲) ذرائع معیشت کی تلاش

مواخات مدینہ سے یہ امر واضح ہے کہ استحکام معیشت کے اقدامات کو ایک مستحسن عمل قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان ذرائع معیشت کی تلاش کی جانی چاہیے جو معیشت کے استحکام کا باعث بنیں۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ اس کائنات میں پایا جاتا ہے وہ انسان کیلئے مسخر کر دیا گیا ہے اور وہ اس سے مستفید ہو رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب كسب الرجل، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثرا، ۱: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۹: ۳۳۱، رقم: ۹۸۷۰

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ○[1]

”(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔ اور لوگوں میں کچھ ایسے (بھی) ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب (کی دلیل) کے ○“

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ○[2]

”آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ اُن لوگوں کو نظر انداز کر دیں جو اللہ کے دنوں کی (آمد کی) امید اور خوف نہیں رکھتے تاکہ وہ اُن لوگوں کو اُن (کے اعمال) کا پورا بدلہ دے دے جو وہ کمایا کرتے تھے ○“

جو شخص قرآن مجید کی اس مضمون کی آیات پر تفکر کرتا ہے وہ اس حوالے سے تمام تفصیل کو جان لیتا ہے۔

۱۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض۔[3]

”رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔“

۲۔ عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم يغرس غرسًا أو يزرع

(۱) لقمان، ۳۱: ۲۰

(۲) الجاثية، ۴۵: ۱۴

(۳) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۷

زرعًا فيأكل منه طير أو إنسان أو بهيمة إلا كان له به صدقة۔[1]

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس میں سے جانور یا انسان یا چوپائے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس (مؤمن) کے حق میں صدقہ بن جاتا ہے۔‘‘

۳۔ ما من رجل يغرس غرسًا إلا كتب الله عزوجل له من الأجر قدر ما يخرج من ثمر ذلك الغرس۔[2]

’’جس شخص نے کوئی درخت لگایا تو اللہ رب العزت اس درخت سے حاصل ہونے والے پھل کی مقدار کے برابر اس کے لئے اجر لکھ دیتا ہے۔‘‘

اسلام نے اسی حوالے سے حکومت کی ذمہ داری کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ حکومت مال کو احسن طریقہ سے خرچ کرے۔ جس سے جو حق لینا ہے وہ اس سے لے اور جسکو دینا ہے اسے وہ حق دے اور اس سلسلے میں عدل و انصاف کا مظاہرہ کرے۔ اس ضمن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

’’بے شک یہ مال اللہ کا ہے اور تم اسکے بندے ہو۔ اور اس مال میں سے دور دراز مقام والے چرواہے کا حصہ بھی اسے پہنچنا چاہیے درآنحالیکہ وہ اپنی بکریاں چرا رہا ہو۔ اور جس نے خیانت کی وہ آگ میں دھکیلا جائے گا۔‘‘

ذرائع معیشت کی تلاش اور بروئے کار لانے کے باب میں حضور نبی اکرم ﷺ نے مردہ اور غیر آباد زمینوں پر ان کے آباد کرنے والے کو حق ملکیت عطا فرمایا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب فضل الزرع والغرس إذا أكل منه، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۱۹۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، ۳: ۱۱۸۹، رقم: ۱۵۵۳

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۱۵، رقم: ۲۳۵۶۷

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۷، رقم: ۶۲۶۶

من أحیا أرضاً میتۃً فھي لہ۔ (۱)

''جس نے کسی مردہ زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ دراصل اس زمین کے اندر خوابیدہ صلاحیت تو تھی لیکن اس نے ابھی تک حقیقی صورت اختیار نہ کی تھی۔ اب جس نے اسے زندہ کر کے قابل کاشت بنا دیا، یعنی اس کی مخفی صلاحیت کو حقیقی صورت دے کر فعال کر دیا وہی اس کا مالک متصور ہوگا۔ گویا نفع اٹھانا اور دوسروں کو نفع اٹھانے دینا ہی حق ملکیت کے جواز کی بنیاد ہے اور اگر کوئی شخص خود تو اس سے نفع اٹھائے لیکن خلقِ خدا کو نفع حاصل نہ کرنے دے تو اس نے ملکیت کے مقصد کو فوت کر دیا اور اس نے اپنے حق ملکیت کی بنیاد کی اپنے عمل سے نفی کر دی۔

(۳) زمین اور اس کی پیداوار میں حق کی برابری

زمین بلاشبہ قدرت کا بیش بہا عطیہ ہے جو نہایت فراخی سے بنی نوع انسان کو عطا کیا گیا ہے۔ زمین معاشی پیداوار کا بے بہا خزانہ ہے جس میں اصلاً تمام انسانوں کا حق معاش برابر ہے۔ مگر جو اس پر شرعاً قابض اور متصرف ہو اور اس میں اپنا سرمایہ یا محنت صرف کرے اس کا حق، انتفاع اور استعمال میں دوسروں پر فائق ہو جاتا ہے۔ ورنہ اصلاً سب انسان برابر ہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (۲)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

اس آیت کریمہ میں واضح ہے کہ زمین اور اس کے اندر موجود خزانے بنیادی طور پر تمام انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ سو اس حق کو اُصولاً کسی خاص طبقے تک محدود کر دینا اور دوسروں

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارۃ والفيء، باب في أخذ الجزیۃ، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ مالک، الموطأ، ۲: ۷۴۳، رقم: ۱۴۲۴

۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۹

کو اس سے محروم رکھنا منشائے ایزدی کے خلاف ہے۔

۲۔ دوسرے مقام پر سورہ الاعراف میں فرمایا:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○[1]

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کیے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو ○''

اس آیت کریمہ میں تمام انسانوں کے لئے زمین کے اندر پائے جانے والے اسباب معاش مذکور ہیں اور یہ کہ انہیں زمین پر قابض و متصرف ہونے کا حق دیا گیا ہے۔

۳۔ تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ○[2]

''پھر ہم نے اس میں اناج اگایا۔ اور انگور اور ترکاری۔ اور زیتون اور کھجور۔ اور گھنے گھنے باغات۔ اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہ۔ خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے متاعِ (زیست) ○''

مذکورہ بالا آیات میں عموم ملکیت یا عموم انتفاع کا ذکر اشارتاً کیا گیا ہے۔ اب قرآن مجید کا وہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں جس میں بصراحت تخلیقِ ارضی کے اندر اصلاً سب کا حق برابر ہونا مذکور ہے۔

۴۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○[3]

''اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ

(۱) الاعراف، ۷: ۱۰

(۲) عبس، ۸۰: ۲۷۔۳۲

(۳) حم السجدہ، ۴۱: ۱۰

مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے o‘‘

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق ﷺ نے عہدِ رسالت مآب ﷺ میں اپنی زمین وقف کر دی تھی اس میں کھجور کے درخت تھے۔ حضرت عمر ﷺ نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک زمین ملی ہے جو بڑی نفیس ہے میں وہ خیرات کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تصدق بأصله لا يباع ولا يوهب ولا يورث ولکن ينفق ثمره فتصدق به عمر۔(۱)

’’اصل زمین کو صدقہ کر دو تاکہ نہ اسے فروخت کیا جا سکے نہ ہبہ کی جا سکے اور نہ ورثہ بن سکے۔ البتہ اس کا پھل راہ خدا میں وقف کر دیا جائے چنانچہ حضرت عمر ﷺ نے اسے صدقہ کر دیا۔‘‘

(۴) زمین کی تحدید اور تقسیم

حضرت عمر ﷺ کے درج ذیل قول سے تقسیم و تحدید اراضی کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے:

لولا آخر المسلمين ما فتحت قرية إلّا قسمتها بين أهلها کما قسم النّبيّ ﷺ خيبر۔(۲)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الوصايا، باب قول الله تعالی وابتلوا اليتامی حتّی إذا بلغوا النکاح، ۳: ۱۰۱۷، رقم: ۲۶۱۳
۲۔نسائي، السنن الکبری، ۴: ۹۴، رقم: ۶۴۲۸
۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۱: ۲۶۴، رقم: ۴۹۰۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب المزارعة، باب أوقاف أصحاب النّبيّ وأرض الخراج، ۲: ۸۲۲، رقم: ۲۲۰۹
۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب ما جاء في حکم أرض خيبر، ۳: ۱۶۱، رقم: ۳۰۲۰
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۰، رقم: ۲۸۴
۴۔ بزار، المسند، ۱: ۳۹۹، رقم: ۲۷۶

''اگر مجھے آئندہ جو لوگ مسلمان ہوں گے ان کا خیال نہ ہوتا تو میں جس بستی کو فتح کرتا اسے فتح کرنے والوں میں تقسیم کر دیتا جیسے حضور نبی اکرم ﷺ نے خیبر کو تقسیم فرما دیا۔''

(۵) اقتصادی و معاشی حقوق کا تحفظ

جب کوئی شخص حلال طریقے سے مال جمع کرتا ہے اور اعتدال و میانہ روی کیساتھ خرچ کرتا ہے تو جو کچھ اس میں سے اسکے پاس بچ جاتا ہے حکومت اور اسکے قوانین اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ معاشرے کیلئے ضروری ہے وہ اسکی ملکیت میں پائی جانے والی ہر چیز کو عزت سے دیکھے اور اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اسکا مال اسکی مرضی کے بغیر حاصل کرے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

كلّ المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه۔[(۱)]

''مسلمان (کی سب چیزیں) دوسرے مسلمان پر حرام ہیں: اسکا خون، مال اور عزت و آبرو۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۝[(۲)]

''اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اسکے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو۝''

اسی وجہ سے شریعت میں چوری اور تمام قسم کی زیادتیوں کی سزاؤں کیلئے قوانین بنائے گئے ہیں۔ وہ شخص جسکے پاس اپنی ضروریات سے زائد مال بچ جائے اس پر واجب ہے کہ وہ اس میں اتنا

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم ظلم المسلم، ۴: ۱۹۸۶، رقم: ۲۵۶۴

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن، ۲: ۱۲۹۸، رقم: ۳۹۳۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۷۷، رقم: ۷۷۱۳

۴۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۶: ۹۲

(۲) النساء، ۴: ۲۹

مال کہ جس سے کسی دوسرے شخص کی مدد ہو سکے نکالے۔ اس عمل کو زکوۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ نقد اموال میں اڑھائی فی صد ہوتی ہے اور ان لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دی جاتی ہے جو کام کرنے سے عاجز ہوں۔ اس کے علاوہ زکوۃ کے مال سے ایسے منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچائے جائیں کہ جس سے معاشرتی عدل و انصاف ہو سکے اور لوگوں کا معیار زندگی بلند ہو۔

تصورِ زکوۃ کی بنیاد ان لوگوں کی مدد کرنا ہے جو کام کرنے پر قادر نہیں اور وہ لوگ جو کام پر تو قادر ہیں مگر کوئی کام انہیں ملتا نہیں اور وہ لوگ جنہیں کام مل تو جاتا ہے مگر اس کام کے عوض جو اُجرت انہیں ملتی ہے اس سے ضروریات زندگی پوری نہیں ہوتیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی مدد کرنا زکوۃ کی ادائیگی میں پیشِ نظر ہے۔

لوگوں کے پاس ضروریاتِ زندگی سے زائد جو مال ہے اس میں محروم المعیشت اور فقراء کا حق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۝ (۱)

”اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے۔ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا۝“

جہاں تک زکوۃ کا تعلق ہے تو اس کا ہر صاحبِ نصاب پر ادا کرنا ضروری ہے اور اگر ادا نہیں کرتا تو حکومت اس سے یہ زکوۃ جبراً لے سکتی ہے۔ بعض مذہبی سکالرز کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا تو اس کا معاقبہ اس طرح کیا جائے کہ حکومت اس سے زکوۃ کے علاوہ اس کے مال سے کچھ حصہ بطور سزا لے لے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے زکوۃ کے بارے میں فرمایا:

من أعطاها مؤتجرًا فله أجرها، ومن كتمها فإنّا آخذوها۔ (۲)

”جس نے اجر کے لئے زکوۃ ادا کی اسے اجر عطا کیا جائے گا اور جس نے اسے چھپایا ہم اس سے لیں گے۔“

---

(۱) المعارج، ۷۰: ۲۴۔۲۵

(۲) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۴: ۱۸، رقم: ۶۸۲۴

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۹: ۴۱۰، رقم: ۹۸۴

۳۔ بیہقي، السنن الكبرىٰ، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۱۲۰

دنیا میں عزت و تکریم کے اعتبار سے تمام لوگ مساوی ہیں جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ اٰدَمَ۔ (۱)

''اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔''

قرآنِ مجید نے آیت کریمہ میں مصارف زکوٰۃ بیان کئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (۲)

''بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کئے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کیلئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی اُلفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے بوجھ اُتارنے میں اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں پر) اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)۔''

علماء نے فقیر اور مسکین کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یا دونوں میں سے ایک کی حالت دوسرے سے ابتر ہے۔

فقیر وہ شخص ہوتا ہے جو کام کرسکتا ہے لیکن وہ اسے ملتا نہیں یا ملتا ہے لیکن اسے اس کام سے اتنا معاوضہ نہیں ملتا کہ جس سے وہ اپنے اہل وعیال کے اخراجات کو پورا کر سکے، جبکہ مسکین وہ شخص ہے جو کام کرنے سے عاجز ہوتا ہے جیسے نابینا، اپاہج وغیرہ۔

اور ''فی سبیل اللہ'' سے مراد ہر وہ منصوبہ (Project) ہے جس سے فقراء اور تمام لوگ فائدہ حاصل کرسکیں جیسے ہسپتال، سکول، پناہ گاہیں اور یتیم خانے وغیرہ۔

جب حکومت کو پتا چل جائے کہ زکوٰۃ کے مال سے فقیروں اور محتاجوں کی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں تو حکومت کیلئے جائز ہے کہ لوگوں کے اموال میں سے اتنی مقدار لے کہ جس سے لوگوں کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے اور ان غریبوں کا معیارِ زندگی بلند ہو سکے۔ اس سلسلے میں دلیل وہ

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۰

(۲) التوبۃ، ۹: ۶۰

حدیث ہے جسے حضرت علی ﷺ نے روایت کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إنّ اللہ فرض علی أغنیاء المسلمین في أموالھم قدر الّذي یسع فقراءھم ولن یجھد الفقراء إلّا إذا جاعوا وعروا مما یصنع أغنیاؤھم ألا وإنّ اللہ محاسبھم یوم القیامۃ حسابًا شدیدًا ومعذّبھم عذابًا نکرًا۔[1]

''اللہ تعالیٰ نے مسلمان امیر لوگوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے اموال سے اتنی مقدار غریبوں کو دیں کہ جس سے انکے رزق میں وسعت آ جائے اور جب غریب بھوکے ننگے ہوں تو وہ ہرگز نہ مانگیں سوائے اسکے جو امیر لوگوں نے انکے لئے بنایا ہو۔ خبردار! بے شک اللہ قیامت کے دن ان کا سخت احتساب کرے گا اور انہیں دردناک عذاب دے گا (اگر وہ ایسا نہیں کرتے)۔''

اسی موضوع کے تحت ابن حزم نے جو کچھ اپنی کتاب ''المحلی'' میں لکھا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے:

''تمام امیر لوگوں پر لازم ہے کہ غریبوں کی ضروریات زندگی کو پورا کریں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو حاکم انہیں مجبور کرے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں۔ اگر انہیں زکوۃ نہ دی جائے تو اتنا ضرور انہیں دیا جائے کہ جس سے انکی روٹی، کپڑا اور مکان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔''(۲)

اس پر قرآن مجید سے دلیل کچھ یوں ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ۔(۳)

''اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو)۔''

اسی طرح دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴: ۴۹، رقم: ۳۵۷۹

۲۔ منذری، الترغیب و الترھیب، ۱: ۳۰۶، رقم: ۱۱۳۰

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۶۲

(۲) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۴، ۱۵۵

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ (۱)

’’اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے) اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)۔‘‘

ان آیاتِ کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے مساکین اور مسافروں کا حق قرابت داروں کے ساتھ فرض قرار دیا ہے۔ مساکین وفقراء اور غرباء کا حق ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں ہے کہ ان سے پوچھا جائے گا:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ (۲)

’’(اور کہیں گے:) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے○ اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے○‘‘

اس آیت کریمہ میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مساکین کو کھانا کھلانے کو نماز کے واجب ہونے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من لا يرحم لا يرحم۔ (۳)

(۱) النساء، ۴: ۳۶

(۲) المدثر، ۷۴: ۴۲-۴۴

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب رحمة الولد، ۵: ۲۲۳۵، رقم: ۵۶۵۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب رحمة الصبيان، ۴: ۱۸۰۸، رقم: ۲۳۱۸

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة الولد، ۴: ۳۱۸، رقم: ۱۹۱۱

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في قبلة الرجل ولده، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۸

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۸، رقم: ۷۱۲۱

۶۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۲۰۲، رقم: ۴۵۷

''جو شخص (دوسروں پر) رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

اس حدیث پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کے پاس زائد مال ہو اور اپنے مسلمان بھائی کو بھوکا ننگا دیکھنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو بلاشبہ اس نے اس پر رحم نہیں کیا، لہٰذا وہ خدا کی رحمت کا مستحق نہیں۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث، إن أربع فخامس أو سادس۔(۱)

''جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہے وہ (اصحابِ صفہ میں سے) تیسرے شخص کو ساتھ لے جائے اور اگر چار (اشخاص کا کھانا ہے) تو پانچویں یا چھٹے شخص کو کھلائے۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه۔(۲)

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ ہی اسے ظالم کے حوالے کرتا ہے۔''

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر مع الضيف والأهل، ۱: ۲۱۷، رقم: ۵۷۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۸، رقم: ۱۷۰۹

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۴، رقم: ۸۳۹۸

۴۔ بيهقي، الإعتقاد، ۱: ۳۱۲

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإكراه، باب يمين الرجل، ۶: ۲۵۵۰، رقم: ۶۵۵۱

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب المظالم، باب لا يظلم المسلم، ۲: ۸۶۲، رقم: ۲۳۱۰

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم، ۴: ۱۹۹۶: رقم: ۲۵۸۰

۴۔ ترمذي، السنن، كتاب الحدود، باب ما جاء في الستر على المسلم، ۴: ۳۴، رقم: ۱۴۲۶

جس شخص نے اپنے بھائی کو بھوکا ننگا چھوڑا حالانکہ وہ اسے کھلا اور پہنا سکتا تھا تو گویا اس نے اسے ظالم سماج کے حوالے کر دیا۔

(۵) ناجائز ذرائع معیشت کا اِحتساب

اسلام نے طاقت کے ناجائز استعمال اور مال کے ناجائز حصول سے منع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے اور حکامِ وقت اور امراء کو ہدیہ (gift) دینا حرام قرار دیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عمال کے زائد مال و دولت کو تقسیم کر دیتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے؟ تم نہ صرف آگ جمع کر رہے ہو بلکہ اپنے بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی منتقل کر رہے ہو۔ کسی والی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ امت کے مال سے کچھ لے مگر اتنا لے سکتا ہے جو اس کے لیے کافی ہو۔ اسی طرح جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاکم مقرر ہوئے تو انھوں نے مسلمانوں سے کہا:

> ''میں اپنے اہل وعیال کے لیے کما کر ان کو کھلاتا تھا۔ اب جب کہ میں تمہاری خدمت پر مامور ہوگیا ہوں تو تم میرے لئے اپنے بیت المال سے حصہ مقرر کرو۔''(۱)

پس حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک عام اوسط مسلم گھرانے کی مقدار ان کیلئے خرچہ مقرر کیا جس میں گرمی سردی کا کپڑا اور سواری بھی شامل تھی۔ یہ ایک ہزار درہم کے برابر تھا بعد میں ۵۰۰ مزید بڑھا دیئے گئے۔(۲)

(۷) احتکار و اکتناز کی ممانعت

قرآن وسنت سے ماخوذ تصور ملکیت کے تحت اگر مملوکہ مال کے تمام حقوق جو دوسروں کو منافع میں شریک کرنے سے متعلق ہیں۔ پورے طور پر ادا نہ کئے جائیں تو نہ صرف ملکیت ہی ناجائز ہوجاتی ہے بلکہ بجائے خود وہ عذاب آخرت کا باعث بن جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۱۸۴

۲۔ سیوطی، تاریخ الخلفاء، ۱: ۷۲

(۲) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۱۸۴

بِعَذَابٍ اَلِیْمٍo[1]

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیںo‘‘

ایک حدیث مبارکہ میں بھی ضرورت سے زائد مال کو مستحقین پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا ابن آدم، إنک أن تبذل الفضل خیر لک وإن تمسکه شرّ لک ولا تلام علی کفاف وابدأ بمن تعول۔[2]

’’اے ابن آدم! ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینا تیرے لیے زیادہ اچھا ہے۔ اور اگر تو اس مال کو خرچ کرنے سے روک لے گا تو یہ تیرے لیے باعث شر ہوگا۔ البتہ بقدر ضرورت بچا کر رکھنا تمہارے لیے باعث عار نہیں ہوگا اور انفاق کا آغاز اپنے قرابت داروں سے کر۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس باب میں جو تصور اپنے عمل مبارک سے واضح فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو کان لي مثل أحد ذهباً لسرّني أن لا تمر علي ثلاث لیال وعندی منه شيء إلّا شیئا أرصده لدین۔[3]

---

(۱) التوبة، ۹:۳۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب منه، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

۳۔ أبو نعیم، المسند المستخرج علی صحیح إمام مسلم، ۳: ۱۰۶

۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۲۵۷

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب قول النبي: ما أحب أن لی مثل أحد ذهبا، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۴: ۸۲، رقم: ۷۰۲۱

”اگر میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو (ایسی صورت میں بھی) میرے لیے یہی باعث راحت ہوتی کہ میں تین راتیں گزرنے تک اسے راہ خدا میں خرچ کر دوں اور اس مال میں سے اسی قدر بچا کر رکھتا جو قرض کی ادائیگی کے لیے ضروری ہوتا۔“

مراد یہ کہ اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو سوائے قرض کی ادائیگی جیسی ضرورت کے باقی تین دن کے اندر اندر تقسیم کر دینا ہی میرے لیے باعثِ مسرت امر ہوتا۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ دولت خواہ جائز ذرائع سے ہی کمائی گئی ہو لیکن اگر اسے جمع کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور وہ افراد معاشرہ کے درمیان گردش نہیں کرتی تو اس ذخیرہ اندوزی (Hoarding) پر دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے:

۱۔ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ○ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ○ (۱)

”اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں○ جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھے○“

۲۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِیْمٌ○ (۲)

”تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے○“

(۱) التوبة، ۹: ۳۴، ۳۵

(۲) آل عمران، ۳: ۹۲

احتکار و اکتناز کی نفی اور انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کی اہمیت احادیث مبارکہ میں بھی متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے۔

۱۔ حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے روایت ہے:

من کان عنده فضل زاد فیعد به علی من لا زاد له۔[1]

''جس کے پاس زیادہ سامان (زیست) ہو تو وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کوئی زادِراہ نہیں ہے۔''

۲۔ سلمہ بن اکوع ﷛ سے روایت ہے کہ ایک سال لوگ مالی تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے موقع پر فرمایا تم میں سے کوئی شخص تیسری رات کے بعد اس حالت میں نہ اٹھے کہ اس کے گھر گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔ (چنانچہ اس طرح عمل کیا گیا اور صحابہ کرام ﷡ نے گوشت ذخیرہ کرنے کی بجائے بانٹ دیا) اگلے سال بھی صحابہ کرام ﷡ نے اس حکم کی تعمیل میں سارا گوشت تقسیم کر دیا اور آئندہ ضرورت کے لئے بچا کر نہ رکھا اور انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

یا رسول اللہ، نفعل کما فعلنا العام الماضی قال کلوا وأطعموا وادخروا فإنّ ذالک العام کان بالنّاس جهد فأردت أن تعینوا۔[2]

''صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اس مرتبہ بھی سابقہ سال کی طرح کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس سال کھاؤ بھی اور (حسب ضرورت) بچا کر بھی رکھ لو پچھلے سال لوگ پریشان تھے پس میں نے چاہا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔''

۳۔ حضرت عمر ﷛ کے معمول کے بارے میں امام بخاری بیان کرتے ہیں:

---

(۱) أبو داود، السنن، کتاب الزکوة، باب فی حقوق المال، ۱: ۵۲۲، رقم: ۱۶۶۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاضاحی، باب یوکل من لحوم الرضاحی، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الاضاحی، باب بیان ما کان من النهی، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

كان ابن عمر رضی اللہ عنہ لا يأكل حتّى يؤتى بمسكين يأكل معه۔(۱)

’’حضرت ابن عمر کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مندمل کر کھانا نہ کھاتا آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔‘‘

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كنّا نعدّ الماعون على عهد رسول الله ﷺ عارية الدلو والقدر۔(۲)

’’ہم عہد رسالت مآب ﷺ میں ڈول اور ہنڈیا تک عاریۃً ضرورت مندوں کو دینا ماعون تصور کرتے تھے۔‘‘

۵۔ قحط کے زمانے میں لوگوں کی مشکلات رفع کرنے کے اہتمام کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

’’خدا کی قسم! اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجین کو اس میں کلیتًا داخل نہ کر دیتا کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا۔‘‘(۳)

۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسی نوعیت کی ایک روایت امام ابن حزمؒ نے بیان کی ہے:

لو استقبلت من أمرى ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين۔(۴)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معى واحد فيه، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۳: ۱۰، رقم: ۸۴۱۷

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۹، رقم: ۸۴۱۷

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۱: ۵۲۰، رقم: ۱۶۵۷

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۱۴۳

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۳، رقم: ۷۵۷۸

(۳) بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲

(۴) ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

”بے شک مجھ کو اس امر کا خیال پہلے آجاتا تو میں مالداروں کی زائد دولت لیکر فقراء مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔“

۷۔ حضرت بلال بن الحارث المزنی ﷺ کو ایک قطع اراضی عطا فرمایا تھا۔ جب حضرت عمر ﷺ کا زمانہ آیا تو آپ نے انہیں کہا اے بلال! حضور نبی اکرم ﷺ نے تمہیں یہ قطع اراضی عطا فرمایا تھا کیونکہ جو بھی آپ کی بارگاہ میں سوال لیکر آتا آپ ﷺ اسے خالی نہ لوٹاتے تھے مگر تمہیں یہ علاقہ اس لئے نہیں عطا کیا گیا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ۔ بلکہ اس لئے عطا کیا تھا کہ تم اسے آباد کرو۔ لہٰذا جس قدر زمین کو تم آباد کر سکتے ہو رکھ لو اور باقی لوٹا دو۔ اس طرح آپ ﷺ نے حضرت بلال ﷺ سے زائد زمین واپس لیکر مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔[۱]

اسی نوعیت کی روایات امام ابو یوسف کی کتاب الخراج صفحہ: ۲۵۶، ۲۵۷ اور امام ابو عبید قاسم بن سعد کی کتاب الاموال حدیث نمبر ۷۱۲ کے تحت بیان کی گئی ہیں۔

(۸) حرام ذرائع معیشت کا انسداد

سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ دولت کمانے کے باب میں کسی سطح پر بھی فاسد معاشیات کو بروئے کار لانا جائز نہیں۔ دوسرے شعبوں کی طرح معاملات کے اس شعبہ میں بھی عدل و انصاف کو اساس و بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اکتسابِ معیشت کے باب میں صرف حلال ذرائع کی اجازت دی گئی ہے اور حرام ذرائع معاش سوسائٹی میں کلیتہً ممنوع قرار دیئے گئے ہیں تاکہ استحصال کا دروازہ ہی نہ کھلنے پائے۔ چنانچہ حسب ذیل تصریحات اس کی شاہد ہیں:

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔[۲]

”اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔“

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقَاتِ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ۝[۳]

”اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا

(۱) یحی بن آدم، کتاب الخراج، روایت: ۲۹۴

(۲) البقرہ، ۲: ۲۷۵

(۳) البقرہ، ۲: ۲۷۶

ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا۝‘‘

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ۝(۱)

’’بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے۔ یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۝‘‘

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ۔(۲)

’’اور (جب تولنے لگو تو) سیدھے ترازو سے تولا کرو۔‘‘

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔(۳)

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو۔‘‘

(۹) اَسراف کی ممانعت

حضور نبی اکرم ﷺ نے جہاں صرف اور خرچ میں اقتصاد کا حکم دیا وہاں اسراف سے بھی منع فرمایا۔ کیونکہ اسراف، تبذیر اور تعیش کو اسلام نے ناپسند قرار دیا ہے۔ ان سے معاشرتی طبقات میں ناہمواری جنم لیتی ہے اور اس سے ان لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوتا ہے جن کے پاس مال کی فراوانی نہیں ہے۔ مزید برآں اس تفاوت سے اخلاقی قدریں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں اور معاشرے میں فساد و انتشار عام ہو جاتا ہے۔ تعیش پسند طبقہ ہر قوم میں اخلاقی قدروں کو پامال کرنے کا باعث رہا ہے۔ قرآن مجید ایسے طبقے کے بارے میں مختلف جگہوں پر بیان کرتا ہے کہ یہ طبقہ ہر اصلاح کرنے والے

(۱) المطففین، ۸۳: ۱۔۳

(۲) بنی اسرئیل، ۱۷: ۳۵

(۳) النساء، ۴: ۲۹

شخص کا دشمن ہوتا ہے اور ہر نبی اور داعی کے ساتھ جنگ کرتا رہا ہے اور اس کا مقصد اپنے اموال کی حفاظت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ○(۱)

’’اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے (ہمیشہ یہی) کہا کہ تم جو (ہدایت) دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم مال و اولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہم پر عذاب نہیں کیا جائے گا○‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

کلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا ما لم یخالطه اسراف أو مخیلة۔(۲)

’’کھاؤ اور پیو اور دوسروں پر صدقہ کرو، کپڑے بنا کر پہنو بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر و استکبار نہ ہو۔‘‘

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسراف اور تعیش دونوں چیزیں مال کی کثرت اور اس کا چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے جنم لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دولت کے چند محدود ہاتھوں میں جمع ہونے کو ناپسند قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے غنائم کو محتاجوں پر تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

کَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ۔(۳)

’’(یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔‘‘

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین عراق، مصر اور شام کی اراضی کو

---

(۱) السبا، ۳۴: ۳۴، ۳۵

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب اللباس، باب البس ما شئت ما أخطأك سرف أو مخیلة، ۲: ۱۱۹۲، رقم: ۳۶۰۵

۲۔ ابن أبي شیبه، المصنف، ۵: ۱۷۱، رقم: ۲۴۸۷۷

۳۔ منذري، الترغیب والترهیب، ۳: ۱۰۲، رقم: ۳۲۵۱

(۳) الحشر، ۵۹: ۷

فاتحین کے مابین تقسیم کرنے پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان علاقوں کی زمین کو تقسیم کیا جائے۔ اس رائے کی بعض صحابہ نے مخالفت کی۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

واللہ إذن لیکونن ما نکرہ، إنّک إن قسمتها صار الربح العظیم في أیدی القوم، ثم یتبدرون، فیصیر ذلک إلی الرّجل الواحد أو المرأۃ، ثم یأتی من بعدھم قوم یسدّون من الإسلام مسدًا وھم لا یجدون شیئًا فانظر أمرًا یسع أوّلھم وآخرھم۔[1]

''بخدا! اگر ایسا کیا گیا تو ناخوشگوار نتائج پیدا ہونگے۔ زمینوں کی تقسیم سے بے تحاشا دولت لوگوں کے ہاتھ لگ جائیگی۔ پھر انکے مرنے پر ممکن ہے کہ ایک مرد یا عورت کو مل جائے اور جو لوگ انکے بعد اسلام کی مدافعت میں حصہ لیں، انہیں کچھ بھی نہ مل سکے گا۔ لہٰذا کسی ایسی رائے کو اپنایئے جو ان کے موجود اور بعد میں آنیوالے مسلمانوں کے لئے خوشحالی کا باعث ہو۔''

لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ یہ انکار حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے کہ مال چند خاص ہاتھوں میں محصور نہ ہو جبکہ اکثریت اس سے محروم رہ جائے اور یہ انکار اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔[2]

''(یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تا کہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔''

---

(۱) ۱۔ أبوعبید، کتاب الاموال: ۲۱، رقم: ۱۵۲

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۲۲۴، رقم: ۲۹۵۷

۳۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۸: ۱۶۲

۴۔ شمس الحق عظیم آبادی، عون المعبود، ۸: ۱۹۵

(۲) الحشر، ۵۹: ۷

۳۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و معاشرت کا تعلق

(۱) معاشی تعطل ایک معاشرتی المیہ

معاشی تعطل اور غربت معاشرتی امراض میں سے ایک مرض ہے اور اس کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كاد الفقر أن يكون كفرًا۔(۱)

''قریب ہے کہ فقر و فاقہ انسان کو کفر تک لے جائے۔''

اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ فقر، بھوک، بے بسی، سستی اور قرض سے اپنی دعاؤں میں پناہ مانگتے تھے۔ علاوہ ازیں گونگے پن، بہرے پن اور بیماری سے پناہ مانگتے تھے۔ آپ ﷺ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے تھے:

اللّٰهم إنّي أعوذبک من الكفر والفقر۔(۲)

''اے اللہ! میں کفر اور فقر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

اسی طرح کئی اور دلائل ہیں جن میں اسلام نے غربت و افلاس اور بھوک کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اس میں کوئی عزت و تکریم نہیں اور یہ فقر و افلاس انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ فقر و افلاس ایک معاشرتی و اجتماعی مرض ہے اور ایسی بلاء ہے کہ جس سے دوسرے جسمانی امراض کی طرح پناہ مانگی جاتی ہے۔ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ رزق کے حصول کے لئے خود محنت و کوشش کرے۔ ایسے عمل کو اسلام عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) ۱۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۶۷، رقم: ۶۶۱۲

۲۔ أبونعيم، حلية الأولياء، ۳: ۵۳

(۲) ۱۔ نسائي، السنن، کتاب السهو، باب التعوذ في دبر الصلاة، ۳: ۷۳، رقم: ۱۳۴۷

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، ۴: ۳۲۴، رقم: ۵۰۹۰

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۳: ۳۰۲، رقم: ۱۰۲۶

۴۔ حاکم، المستدرک علی الصحيحين، ۱: ۳۸۳، رقم: ۹۲۷

فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِهٖ۔ (۱)

''سوتم اس کے راستوں میں چلو پھرو، اور اُس کے (دیئے ہوئے) رِزق میں سے کھاؤ۔''

حدیث مبارکہ میں ہے:

عن أبي بردة سئل رسول الله ﷺ أيّ الكسب أفضل؟ قال: عمل الرّجل بيده۔ (۲)

''حضرت ابو بردہ ﷛ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے اچھا کسب کون سا ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہترین کسب وہ ہے جو انسان خود اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

إنّ الله يحب أن يرى العبد محترفًا۔ (۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنے بندے کو پیشہ ور دیکھے۔''

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ﷡ کے پاس سے ایک شخص گزرا صحابہ کرام ﷡ نے اس شخص کی محنت و کاوش کو دیکھا (جو انہیں بہت اچھا لگا)۔ اس پر انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر وہ اللہ کے راستے میں نکلتا تو اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن كان خرج يسعى على ولده صغارًا، فهو في سبيل الله، وإن كان خرج يسعى على أبوين شيخين كبيرين فهو في سبيل الله، وإن كان خرج يسعى

---

(۱) الملك، ۶۷: ۱۵

(۲) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۲: ۱۲، رقم: ۲۱۵۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۴۱، رقم: ۱۷۳۰۴

۳۔ بزار، المسند، ۹: ۱۸۳، رقم: ۳۷۳۱

۴۔ طبراني، المعجم الاوسط، ۲: ۳۳۲، رقم: ۲۱۴۰

۵۔ طبراني، المعجم الكبير، ۴: ۲۷۶، رقم: ۴۴۱۱

(۳) ۱۔ حكيم ترمذي، نوادر الأصول في أحاديث الرسول، ۱: ۴۰۵

۲۔ سيوطي، الدرا لمنثور، ۸: ۲۳۸

علی نفسه یعفها، فهو في سبیل الله۔ (۱)

''اگر وہ اپنے بچوں کے واسطے جدوجہد کرنے کے لئے نکلا ہوا ہے تو وہ اللہ کے راستے میں نکلا ہوا ہے اور اگر وہ اپنے بوڑھے والدین کے واسطے جد و جہد کرنے کے لئے نکلا ہے تو اللہ کے راستے میں ہے اور اگر وہ اپنے نفس کے واسطے جد و جہد کرنے کے لئے نکلا ہے کہ وہ اس کو روکے تو بھی وہ اللہ کے راستے میں ہے۔''

مزدور کی محنت کے عوض اس کی پوری اُجرت دینا واجب ہے اور اگر مزدوری اس کی محنت سے کم ہو تو ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ۔ (۲)

''لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں وعید سنائی ہے جو ایک مزدور کو اس کا حق دینے سے چشم پوشی کرتا ہے اور اسے اس کی اُجرت نہیں دیتا۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ثلاثة أنا خصمهم یوم القیامة رجل أعطی بي ثمّ غدر ورجل با ع حرّا فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجیرًا فاستوفی منه ولم یعط أجره۔ (۳)

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۱۲۹، رقم: ۲۸۲

۲۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۴۷۹

۳۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۶: ۱۸۵، رقم: ۷۸۵۳

۴۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۲: ۳۳۵، رقم: ۲۶۱۰

۵۔ هیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۲۵

(۲) الاعراف، ۷: ۸۵

(۳) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب البیوع، باب إثم من باع حراء، ۲: ۷۷۶، رقم: ۲۱۱۴

۲۔ بخاري، الصحیح، کتاب الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجیر، ۲: ۷۹۲، رقم: ۲۱۵۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأحکام، باب أجر الأجراء، ۲: ۸۱۶، رقم: ۲۴۴۲

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۸، رقم: ۸۶۷۷

’’تین ایسے لوگ ہیں جن کا قیامت کے روز میں دشمن ہوں گا: ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اسے پورا نہ کیا، دوسرا وہ شخص جس نے آزاد شخص کو غلام بنا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ جس نے مزدور سے پورا کام کروا کر اس کی پوری اُجرت ادا نہیں کی۔‘‘

(۲) معاشی ذمہ داریوں اور معاشرتی مرتبہ کا تعلق

تعلیمات نبوی ﷺ میں ہر شہری کو معاشرتی ضمانت، راحت وسکون اور معیشت کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ یہ اس وقت تک ہے جب تک وہ اپنے فرائض کو بجا لا رہا ہے یا کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے فرائض کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الخلق عيال الله۔(۱)

’’تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔‘‘

رزق کی فراہمی کی یہ ذمہ داری جو رب العالمین نے اپنے ذمہ لی، اسلامی ریاست کے اندر نیابتِ الٰہی میں اسلامی حکومت کی طرف سے انجام دی جائے گی۔

قرآن وحدیث کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین نے اپنے دورِ خلافت میں اس ذمہ داری کا کمال احساس رکھا اور اسے پورا کرنے کے لئے مصروفِ کار رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو مات جمل ضياعاً على شط الفرات لخشيت أن يسألني الله عنه۔(۲)

’’اگر ساحلِ فرات پر کوئی بے سہارا اونٹ مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔‘‘

ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فالإمام الذي على الناس راع

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۳۶۵، رقم: ۵۵۴۱

۲۔ أبو يعلى، المسند، ۶: ۶۵، رقم: ۳۳۱۵

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۹۱

(۲) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۳: ۳۰۵

وهو مسئول عن رعيته۔(۱)

”آگاہ رہو تم میں سے ہر ایک آدمی نگران ہے اور (روزِ قیامت) اس سے اس کی رعیت (ماتحت لوگوں) کے بارے میں باز پرس کی جائے گی تو (اس طرح) لوگوں پر امیر یا حکمران بھی ایک نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق ﷺ ایک یہودی کے پاس سے گزرے جو کہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ انہوں نے اسے ڈانٹا اور اس پوچھا کہ کس چیز نے اسے بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ مجبوری کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہے تو اس پر حضرت عمر فاروق ﷺ نے اپنے آپ کو برا بھلا کہا اور فرمایا:

ما أنصفناک، أن كنّا أخذنا منک الجزية في شبيبتک ثم ضيعناک في كبرک قال: ثم أجرى عليه من بيت المال ما يصلحه۔(۲)

”اے شخص! ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا، ہم نے تجھ سے بہت بھاری جزیہ لیا اور تجھے کمزور و ناتواں چھوڑا۔ پس اسے بیت المال سے اتنا کچھ دے دو جو اس کے لیے کافی ہو۔“

(۳) معاشرتی اصلاح میں معاشی عنصر کی اہمیت

اسلام کی تعلیمات میں سے ہے کہ کسبِ خبیث کے تمام ذرائع کو حرام قرار دیا جائے اور خبیث ذرائع کو متعین کیا جائے کہ ہر وہ چیز جو بغیر کسی مدمقابل عمل اور محنت کے حاصل کی جائے کسبِ خبیث میں شمار ہو گی جیسے چوری اور دھوکے سے حاصل کی گئی چیز، یا ہر وہ چیز جو ایسے کسب کے عوض حاصل کی جائے جس کا نقصان اور ضرر ہو وہ بھی کسبِ خبیث میں شمار ہو گی۔ جیسے شراب، خنزیر اور نشہ آور اشیاء سے کمائی ہوئی رقم۔ یہ تمام ذرائع کسب ایسے ہیں جنکی اسلام نے اجازت نہیں دی اور

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب قول الله تعالى أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم، ۶: ۲۶۱۱، رقم: ۶۷۱۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية، ۳: ۱۴۵۹، رقم: ۱۸۲۹

(۲) أبو عبيد، الأموال: ۵۷

نہ ہی ان کی حلت کو تسلیم کیا ہے۔

۴۔ سیرۃ الرسول ﷺ اور معیشت و اَخلاق کا تعلق

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ○ فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ○ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ○ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ○(۱)

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟ تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)○ اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)○ پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے○ جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)○ وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)○ اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتے○''

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے باہمی ذمہ داریوں کی وضاحت ایک مثال سے یوں بیان فرمائی:

مثل القائم على حدود الله والواقع فيها كمثل قوم استهموا على سفينة فأصاب بعضهم أعلاها وبعضهم أسفلها فكان الّذين في أسفلها إذا استقوا من الماء مرّوا على من فوقهم فقالوا: لو أنّا خرقنا في نصيبنا خرقا ولم نؤذ من فوقنا فإن يتركوهم وما أرادوا هلكوا جميعا وإن أخذ وعلى أيديهم نجوا ونجوا جميعا۔(۲)

(۱) الماعون: ۱۰۷

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب شرکۃ، باب هل یقرع في القسمة والاستهام فيه، ۲: ۸۸۲، رقم: ۲۳۶۱

←

’’اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے والے اور اس کو توڑنے والوں کی مثال اس قوم کی سی ہے جس کشتی کے سواروں نے اپنا حصہ تقسیم کرلیا۔ بعض کے حصے میں اوپر والا حصہ آیا اور بعض کے حصے میں نیچے والا۔ پس جو لوگ نیچے تھے انہیں پانی لینے کے لیے اوپر والوں کے پاس جانا پڑتا تھا۔ (نیچے والوں نے کہا) کیوں نہ ہم اپنے حصے میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کے پاس جانے کی زحمت سے بچیں۔ پس اگر وہ انہیں ان کے ارادے کے مطابق چھوڑے رہیں تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھ پکڑ لیں تو خود بھی بچ جائیں اور دوسرے سب بھی بچ جائیں۔‘‘

۲۔ حضرت ابو موسیٰ ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إنّ الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قلّ طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثمّ اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسّويّة فهم منّي وأنا منهم۔(۱)

’’اشعریوں کا جب دورانِ جہاد توشہ ختم ہونے لگے یا مدینہ منورہ میں اُن کا سامان خورد و نوش تھوڑا رہ جائے تو وہ سارے بچے ہوئے کو ایک کپڑے میں جمع کرتے اور پھر ایک برتن کے ساتھ آپس میں تقسیم کرلیتے۔ پس وہ مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الفتن عن رسول الله ﷺ، باب منه، ۴: ۴۷۰، رقم: ۲۱۷۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۶۸، رقم: ۱۸۳۸۷

۴۔ بزار، المسند، ۸: ۲۳۷، رقم: ۳۲۹۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۲۴۷، رقم: ۸۷۹۸

طعام الإثنين كافي الثّلاثة، وطعام الثّلاثة كافي الأربعة۔[1]

''دو کا کھانا تین کے لئے کافی ہے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہے۔''

۴۔ امام مسلم حضرت جابر ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طعام الواحد يكفى الإثنين، وطعام الإثنين يكفى الأربعة، وطعام الأربعة يكفى الثمانية۔[2]

''ایک شخص کا کھانا دو کے لئے کافی ہوتا ہے، دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہوتا ہے۔''

۵۔ حضرت ابوسعید خدری ﷺ بیان کرتے ہیں: جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ نے ساتھ سفر پر تھے ایک شخص سواری پر آیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له۔[3]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۸

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الأطعمة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في طعام الواحد يكفى الإثنين، ۴: ۲۶۷، رقم: ۱۸۲۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الأطعمة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في طعام الواحد يكفى الإثنين، ۴: ۲۶۷، رقم: ۱۸۲۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد يكفى الاثنين، ۲: ۱۰۸۴، رقم: ۳۲۵۴

(۳) مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

”جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد کھانا ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہیں۔“

حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بہت سی مال کی اقسام بیان کیں حتیٰ کہ ہم نے محسوس کیا کہ زائد مال میں سے ہمارا کوئی حق نہیں۔

(۱) معیشت اور روحِ عبادات

ارشاد ربانی ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔[۱]

”بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔“

ارشاد ربانی کی رو سے گویا بندگی یہ ہے کہ انسان کس حد تک اپنے خالق و مالک کی رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں سے عملی ہمدردی اور بہی خواہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر دل میں انسانیت کا یہ درد اور جذبہ خدمت نہ ہو بلکہ اس کے برعکس زندگی کا طرزِ عمل خود غرضانہ، مفاد پرستانہ اور بہیمانہ ہو تو کوئی عبادت، عبادت نہیں اور نہ کوئی نماز، نماز ہے۔ بلکہ یہ سب دکھلاوا اور ریاکاری بن جاتا ہے جو انسان کو بجائے خدا کے قریب کرنے کے جہنم کا ایندھن بنا دے گا۔

نماز کی روح اور دین نبوی ﷺ کی اصل غایت یہی ہے کہ محبت الٰہی میں بندگانِ خدا کی ہر ممکن خدمت کی جائے۔ معاشرے کے بے سہارا اور محتاج لوگوں کی خدمت و کفالت درحقیقت رضائے الٰہی اور قرب الٰہی کا باعث ہے اور یہی مقصودِ نماز ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

---

(۱) البقرہ، ۲: ۱۷۷

یا عائشة! لا تردي المسکین ولو بشق تمرة. یا عائشة، أحبي المساکین وقرّبیهم فإنّ الله یقرّبک یوم القیامة۔(۱)

''اے عائشہ! کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کو مایوس نہ کر خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو۔ مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اوران سے قربت حاصل کیا کرو۔ بیشک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

السّاعي علی الأرملة والمسکین کالمجاهد في سبیل الله أو القائم اللّیل الصّائم النهار۔(۲)

''بیوہ عورتوں اورمحتاجوں کی خدمت و اعانت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر ہے اوراس نیکوکار کے برابر ہے جو (عمر بھر) ساری رات عبادت کرے اور دن کو روزے رکھے۔''

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنا وکافل الیتیم في الجنّة هکذا وقال بإصبعیه السّبابة والوسطی۔(۳)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء أن فقراء المهاجرین یدخلون الجنة قبل أغنیائهم، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ بیهقی، السنن الکبری، ۷: ۱۲، رقم: ۱۲۹۳۱

۳۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۲: ۱۶۷، رقم: ۱۴۵۳

۴۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۴: ۶۷، رقم: ۴۸۲۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النفقات، باب فضل النفقه، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۸

۲۔مسلم، الصحیح، کتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان إلی الأرملة، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۱، رقم: ۸۷۱۷

۴۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۱۰۰، رقم: ۳۰۴

(۳) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الأدب، باب فضل من یعول یتیما، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵۶۵۹

’’میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں۔ اور آپ ﷺ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا۔‘‘

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر سورہ ماعون کی تعلیم کو اس طرح دہرایا گیا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝(۱)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوُجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں ۝‘‘

اس سلسلے میں صحابہ کرام ﷺ کے معمول کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ مثلاً حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول یہ تھا:

كان ابن عمر ﷺ لا يأكل حتّى يؤتى بمسكين يأكل معه۔(۲)

’’حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مند مل کر کھانا نہ کھاتا آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔‘‘

(۲) دین معاشی حق کی ادائیگی کا نام ہے

جس طرح اوپر بیان ہوچکا ہے کہ روح نماز درحقیقت وہ جذبہ اور طرزِ عمل ہے جو معاشرے کے بے سہارا ضرورت مند اور پریشان حال لوگوں کی زندگی سنوارنے سے عبارت ہو یہی

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان إلى الأرملة، ۴: ۲۲۸۷، رقم: ۲۹۸۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۷۵، رقم: ۸۸۶۸

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۲۰۷، رقم: ۴۶۰

۵۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۳۲۰، رقم: ۷۵۹

۶۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۲

(۱) الدهر، ۷۶: ۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معى، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۳: ۱۰، رقم: ۸۴۱۷

عمل اصل دین ہے۔

۱۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ○ فَکُّ رَقَبَةٍ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ○ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ○ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ○ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ○ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ○ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ○[۱]

”اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہے○ وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہے○ یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطّل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)○ قرابت دار یتیم کو○ یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہے○ پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدّ و جہد کرنے والا) وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیں○ یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیں○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب) ہیں○“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کَلَّا بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ○ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ○ وَتَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ اَکْلًا لَّمًّا○ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا○[۲]

”یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتے○ اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو○ اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)○ اور تم مال و

(۱) البلد، ۹۰: ۱۲۔ ۱۹

(۲) الفجر، ۸۹: ۱۷۔ ۲۰

دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو۔‘‘

ان آیات کے بعد یہ فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن نے صراحت کے ساتھ اس طرزِ عمل کو بے دینی اور قوم ثمود کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے۔

قرآن حکیم نے قارونی ذہنیت بیان کی کہ جب قوم نے قارون سے کہا کہ وہ غرور و تکبر کو چھوڑ کر بارگاہ اُلوہیت میں جھک جائے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے خزانوں میں سے معاشرے کے مستحق افراد کی مدد کرے تو وہ جو کہ سرمایہ و دولت کے نشہ میں بدمست تھا۔ اس نصیحت کے جواب میں کہنے لگا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ط اَوَ لَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللهَ قَدْ اَهْلَکَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَکْثَرُ جَمْعًا۝ (۱)

’’وہ کہنے لگا: (میں یہ مال معاشرے اور عوام پر کیوں خرچ کروں) مجھے تو یہ مال صرف اس (کسبی) علم و ہنر کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔ کیا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ نے واقعۃً اس سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو طاقت میں اس سے کہیں زیادہ سخت تھیں اور (مال و دولت اور افرادی قوت کے) جمع کرنے میں کہیں زیادہ (آگے) تھیں، اور (بوقتِ ہلاکت) مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں (مزید تحقیق یا کوئی عذر اور سبب) نہیں پوچھا جائے گا۔‘‘

ان آیات نے سرمایہ پرستانہ قارونی فکر اور اسلامی فکر میں واضح حد فاصل (Line of Distinction) قائم کر دی ہے۔ قارونی فکر، اپنے سرمایہ و دولت کو نہ تو اللہ کی عطا تصور کرتی ہے، نہ خود کو نائب و امین سمجھتی ہے اور نہ ہی اس میں دوسروں کے حق کو تسلیم کرتی ہے جسے مستحقین پر خرچ کرنے کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہو۔ اس کے برعکس اسلامی فکر میں سرمایہ و دولت، انسانی علم کی پیداوار نہیں بلکہ محض اللہ کی عطا ہے انسان اس کا مالک نہیں بلکہ محض نائب و امین ہے اور اس میں دوسرے مستحق افراد کا بھی اسی طرح حق ہے جیسے خود مالک کا ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے ایک اور مقام پر یہ پیغام اس قدر بلیغ انداز میں واضح فرمایا ہے کہ اگر اس اُلوہی پیغام کی معنویت اور روحِ انسان کے قلب و باطن میں اُتر جائے تو مفاد پرستانہ ذہنیت کا کلیتاً خاتمہ ہو جائے اور یہ ساری طبقاتی کشمکش اپنی موت مر جائے۔ قرآن حکیم نے فرمایا:

(۱) القصص، ۲۸: ۷۸

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ○ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ○ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ○ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ○ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ○[1]

’’بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہو۔ تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤ۔ (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیا۔ بلکہ ہم بے نصیب ہوگئے۔ بھلا یہ بتاؤ جو پانی تم پیتے ہو۔ کیا اسے تم نے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں، پھر تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔ بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہو۔ کیا اِس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں؟ ہم ہی نے اِس (درخت کی آگ) کو (آتشِ جہنّم کی) یاد دلانے والی (نصیحت و عبرت) اور جنگلوں کے مسافروں کے لئے باعثِ منفعت بنایا ہے○‘‘

قرآن حکیم کے ان ارشادات اور احکامات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ:

۱۔ جملہ اموال میں تمام بنی آدم کا حق برابری کی بنیاد پر رکھا گیا ہے۔

۲۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس مال کو صرف اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے دوسروں کو اس سے متمتع ہونے سے روک لے۔

ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فالإمام الذي على الناس راع وهو مسئول عن رعيته۔[2]

---

(۱) الواقعه، ۵۶: ۶۳۔ ۷۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب قول الله تعالى أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم، ۶: ۲۶۱۱، رقم: ۶۷۱۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية، ۳: ۱۴۵۹، رقم: ۱۸۲۹

''آگاہ رہو تم میں سے ہر ایک آدمی نگران ہے اور (روزِ قیامت) اس سے اس کی رعیت (ماتحت لوگوں) کے بارے میں باز پرس کی جائے گی تو (اس طرح) لوگوں پر امیر یا حکمران بھی ایک نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ امارت (حکومت) کا سوال کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أنت ضعيف وهي أمانة وهي يوم القيامة خزي وندامة إلا من أخذها بحقها وأدى ما عليه فيها۔[1]

''اے ابو ذر! تو کمزور ہے اور یہ (امارت و حکومت) ایک بہت بڑی امانت اور بروز قیامت (امیر کے لئے) رسوائی اور ندامت کا باعث ہے۔ البتہ (اس حاکم کے لئے رسوائی نہیں ہوگی) جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ اختیار کیا اور امارت و حکومت میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی اس کو کما حقہ ادا کیا۔''

یعنی شریعتِ اسلامیہ میں امارت و سیادت کے منصب پر فائز شخصیت اپنی رعیت کی کفالت سے کسی صورت بھی بری الذمہ قرار نہیں دی جا سکتی۔ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إن الخليفة هو الذي يقضي بكتاب الله، ويشفق على الرعية شفقة الرجل على أهله، فقال كعب الأحبار: صدق۔[2]

''خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اور (اپنی) رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل و عیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سن کر کعب الاحبار نے کہا: سلیمان نے سچ کہا۔''

مندرجہ بالا تعریف کی تشریح کرتے ہوئے ابن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) کہتے ہیں:

الوالي راع على الناس بمنزلة راعي الغنم۔[3]

---

(۱) ۱۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۹

۲۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۱۱، رقم: ۹

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۱۳، رقم: ۱۲

(۳) ابن تيمية، السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية: ۱۶

”جس طرح گڈریا بکریوں کی رکھوالی کرتا ہے اسی طرح سربراہِ حکومت رعایا کا راعی ہے۔“

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من أمير يلي أمر المسلمين ثم لا يجهد لهم وينصح إلا لم يدخل معهم الجنة۔ (۱)

”جو آدمی مسلمانوں کے معاملے (حکومت) کا نگران بنے پھر ان کی بہتری کے لئے کوشش نہ کرے اور نہ ہی ان کی خیر خواہی کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔“

ما من عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصحه إلا لم يجد رائحة الجنة۔ (۲)

”جس بندے کو رب ذو الجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا۔ پھر اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ (حکمران) جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔“

ما من عبد يسترعيه الله رعية يموت يوم يموت وهو غاش لرعيته إلا حرم الله عليه الجنة۔ (۳)

”حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس بندے کو رب ذوالجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور وہ اس حال میں مرتا ہے کہ قوم کا خیرخواہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، ۱: ۱۲۶، رقم: ۱۴۲

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۲۲۵، رقم: ۵۲۴

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۱: ۴۰، رقم: ۸۹

(۲) بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب من استرعى رعية فلم ينصح، ۶: ۲۶۱۴، رقم: ۶۷۳۱

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، ۱: ۱۲۵، رقم: ۱۴۲

۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۴۱۷، رقم: ۲۷۹۶

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۳۴۶، رقم: ۴۴۹۵

کر دیتا ہے۔‘‘

منصف اور عادل حکمران کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن المقسطين عند الله على منابر من نور عن يمين الرحمٰن ﷻ و كلتا يديه يمين، الذين يعدلون في حكمهم وأهليهم وما ولوا۔(۱)

’’بے شک انصاف کرنے والے (حکام و امراء) اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر اس کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلہ میں اپنے لوگوں میں اور اپنے زیرِ حکومت امور میں عادل ہیں۔‘‘

السلطان ولي من لا ولي له۔(۲)

’’حکمران (یا حکومت) ہر اس آدمی کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔‘‘

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ محروم المعیشت افراد کے معاشی استحکام اور ان کی کفالت کا اہتمام کرے اور اس کے لئے جملہ ذرائع بروئے کار لائے جائیں بقول امام ابن حزم (م ۴۵۶ھ):

فرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلك إن لم تقم الزكوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لابد منه ومن اللباس للشتاء

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية، ۳: ۱۴۵۸، رقم: ۱۸۲۷

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۶۰، رقم: ۵۹۱۶

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۳۹، رقم: ۳۴۰۳۵

(۲) ۱۔ترمذي، السنن، كتاب النكاح، باب ما جاء لا نكاح إلا بولي، ۳: ۴۰۷، رقم: ۱۱۰۲

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب النكاح، باب في الولي، ۲: ۲۲۹، رقم: ۲۰۸۳

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۹: ۳۸۶، رقم: ۴۰۷۵

۴۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۸۲، رقم: ۲۷۰۶

والصيف بمثل ذلک وبمسکن يکنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة۔[۱]

"ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں اگر زکوۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کا مالِ فئ اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا ان (اہلِ حاجت) کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس وغیرہ بھی (حاصل کر سکیں) اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔"

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری حکومت وقت پر کس حد تک عائد ہوتی ہے اس کا اندازہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق ﷛ کے اس خطبہ سے ہوتا ہے جو آپ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد ارشاد فرمایا:

إنّي حريص على أن لا أرى حاجة إلّا سددتها ما اتسع بعضنا لبعض فإذا عجز ذلک عنّا تاسينا في عيشنا حتّى نستوى في الکفاف. ولوددت أنکم علمتم من نفسي مثل الّذي وقع فيها لکم. ولست معلمکم إلّا بالعمل إنّي والله لست بملک فاستعبدکم ولکني عبد الله عرض علي الإمانة فإن أبيتها ورددتها عليکم واتّبعتکم حتّى تشبعوا في بيوتکم وترووا سعدت بکم وإن أنا حملتها واستتبعتکم إلى بيتى شقيت بکم ففرحت قليلا وحزنت طويلا. فبقيت لا اقال ولا ارد فأستعتب۔[۲]

"مجھے اسی بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی (تمہاری) کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کروں۔ جب تک ہم میں سے بعض اسے بعض کے لئے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ

---

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

(۲) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۷: ۴۶

میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (خلافت حکومت کی) امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری امانت سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کردوں اور (تمہاری خدمت و ادائے حقوق کے لئے) تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہوکر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعے فلاح پاؤں گا اور اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور (اپنے حقوق طلب کرنے کے لئے) اپنے گھر آنے پر مجبور کردوں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہو گا۔ (دنیا میں) کچھ عرصے خوشی منا لوں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا اور میرا حال یہ ہو گا کہ نہ کوئی مجھے کچھ کہنے والا ہو گا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں۔‘‘

(۳) غربا کی عزتِ نفس کا احترام

غربا کی عزت نفس کے احترام کو بیان کرنے کے لیے قرآن حکیم نے سورہ نحل میں نہایت پر لطف اور پر مغز استدلال قائم کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○[1]

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے (تاکہ وہ تمہیں حکمِ انفاق کے ذریعے آزمائے)، مگر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی دولت (کے کچھ حصہ کو بھی) اپنے زیردست لوگوں پر نہیں لوٹاتے (یعنی خرچ نہیں کرتے) حالانکہ وہ سب اس میں (بنیادی ضروریات کی حد تک) برابر ہیں، تو کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں؟○‘‘

اس آیتِ کریمہ میں تین مقامات خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

۱۔ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔

(۱) النحل، ۱۶: ۷۱

’’وہ جنہیں رزق میں فضیلت دی گئی ہے اپنے رزق میں سے کچھ بھی اپنے زیر دستوں کو نہیں لوٹاتے۔

۲۔ فَهُمْ فِيهِ سَوَآءٌ۔

’’حالانکہ وہ سب اس (حق رزق) میں برابر کے حق دار ہیں۔‘‘

۳۔ اَفَبِنِعْمَةِ اللهِ يَجْحَدُوْنَ۔

’’تو کیا وہ ایسا کر کے (یعنی انہیں محروم رکھ کر) اللہ کی نعمتوں کا کھلا انکار نہیں کر رہے؟‘‘

(۴) مستحقین کی توقیر و حرمت: تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک شخص اپنی سواری پر سوار آیا اور کسی چیز کی ضرورت کی وجہ سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به علي من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به علي من لا زاد له۔(۱)

’’جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد کھانا ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہیں۔‘‘

حدیث پاک میں قابل توجہ حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ الفاظ ہیں ’’فليعد به‘‘ یعنی لوٹا دو۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ غرباء کو عطاء کر دو۔ دینے اور لوٹانے میں بڑا واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اگر آپ اپنے ذاتی حق میں سے کسی کو کچھ دے دیں تو یہ عطاء ہو گی لیکن اگر معاشرے کے ظالمانہ استحصالی نظام کے تحت کسی غریب کا حق بھی آپ نے سلب کر کے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور آپ اسے اس کے حقیقی حقدار تک پہنچا دیں تو یہ دینا نہیں بلکہ لوٹانا ہو گا۔

۲۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (عہد نبوی ﷺ میں ایک سال لوگ مالی تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے تو) حضور نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے موقع پر فرمایا:

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

من ضحی منکم فلا یصبحن بعد ثالثة وفي بیته منه شيء۔[1]

’’تم میں سے جو شخص قربانی کرے تو وہ تیسری رات کے بعد اس حالت میں نہ اٹھے کہ اس کے گھر میں گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔‘‘

چنانچہ اسی طرح عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام ﷺ نے گوشت ذخیرہ کرنے کے بجائے بانٹ دیا۔ اگلے سال بھی صحابہ کرام ﷺ نے اسی حکم کی تعمیل میں سارا گوشت تقسیم کر دیا اور آئندہ ضرورت کے لئے بچا کر نہ رکھا اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! نفعل کما فعلنا عام الماضي.

’’یا رسول اللہ! ہم اس مرتبہ بھی سابقہ سال کی طرح کریں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کلوا وأطعموا وادّخروا فإنّ ذلک العام کان بالنّاس جهد فأردت أن تعینوا فیها۔[2]

’’اس سال کھاؤ، کھلاؤ اور (حسبِ ضرورت) بچا کر بھی رکھو۔ پچھلے سال لوگ پریشان حال

---

(۱) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأضاحي، باب ما یؤکل من لحوم، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأضاحي، باب ما کان من النهي عن أکل لحوم الأضاحي بعد ثلاث، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹

۴۔ بیهقي، السنن الکبری، ۹: ۲۹۲

(۲) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأضاحي، باب ما یؤکل من لحوم، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأضاحي، باب ما کان من النهي عن أکل لحوم الأضاحي بعد ثلاث، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹

۴۔ بیهقي، السنن الکبری، ۹: ۲۹۲

تھے پس میں نے چاہا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔‘‘

۳۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم پر اپنا باغ اپنے مستحق رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کردیا:

فقسّمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمّه۔(۱)

’’پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔‘‘

گویا معاشرے میں مال اور رزق کی تقسیم کا نظام انسان کی پیدا کردہ ناہمواریوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو برابر کا حقِ معاش عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا معاشرے کے متمول اور صاحبِ ثروت افراد کا معاشرے کے محروم المعیشت اور مفلوک الحال لوگوں کو معاشی حقوق ادا کرنا ان پر احسان نہیں بلکہ یہ اصل حقدار کو اس کا حق لوٹانا ہے۔

(۵) معاشی ذمہ داریاں اور تقاضائے ایمان

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ليس المؤمن الّذی يشبع وجاره جائع۔(۲)

’’وہ شخص ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔‘‘

اس حدیث مبارکہ کی رو سے بنیادی ضروریات کا ہر فرد معاشرہ کو بہم پہنچانا شرط ایمان قرار دیا گیا ہے اور کم سے کم ذمہ داری ہر ایک پڑوسی کی دوسرے پڑوسی کے حوالے سے یہ ہے کہ کوئی شخص بھی کسی بنیادی ضرورت سے محروم نہ رہے۔ چونکہ تمام افراد معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ پڑوسی کے رشتے میں منسلک ہیں۔ اس لئے یہ ذمہ داری پورے معاشرے کی ہے کہ اپنے کسی فرد کو بھی بنیادی حق معاش

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الزکاة، باب الزکاة علی الأقارب، ۲: ۵۳۰، رقم: ۱۳۹۲

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۶: ۱۵۰، رقم: ۷۱۸۲

۳۔ ابن کثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۸۲

(۲) ۱۔ أبو يعلی، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲۶۹۹

۲۔ طبراني، المعجم الکبير، ۱۲: ۱۵۴، رقم: ۱۲۷۴۱

۳۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۲۳۱، رقم: ۶۹۴

۴۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷

سے محروم نہ رہنے دے۔ اسلامی حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کی تنفیذ کا اہتمام کرے۔

۵۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و ریاست کا تعلق

(ا) ریاست کی ذمہ داریاں

i. حقِ معاش کی فراہمی

سیرتِ نبوی ﷺ کا مدنی دور اس امر کا عملی ثبوت ہے کہ افرادِ معاشرہ کی معاشی بحالی اور انہیں حق المعاش فراہم کرنا ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ قرآن مجید میں بھی جن مقامات پر بندوں کو رزق فراہم کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ ان میں اسلامی ریاست کو اس کی بنیادی ذمہ داری سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یہ قرآنی احکام اس منشاء ایزدی کو ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی ریاست پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس بنیادی ذمہ داری کو پورا کرے کہ ایسا کرنے سے ہی اس کے قیام و بقا کا جواز ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا۔(۱)

”اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔“

اب اس وعدۂ الٰہی کے بعد اگر کوئی شخص بنیادی حق معاش سے محروم رہے تو اس کی ذمہ داری براہ راست ریاست اور حکومتِ اسلامی پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ حقوق اللہ کی تنفیذ اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا منجانب اللہ اسلامی ریاست ہی کا حق ہے۔ جیسے حدود کا اجراء، حقوق اللہ میں سے ہے مگر اس کو تعزیری شکل میں ریاست نافذ کرتی ہے۔

اسلامی نظام حکومت میں حکمران اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے اور جب کوئی اسلامی حکومت خلافت الٰہیہ ہونے کے ناتے بندوں سے وہ حقوق حاصل کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں (مثلاً حدود، قصاص، عشر، زکوۃ وغیرہ) تو پھر اسے لازماً وہ فرائض بھی ادا کرنا ہوں گے جو اللہ رب العزت نے اپنے ذمے لئے ہیں۔ پس ”اِلّا علی اللہ رزقھا“ کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر فرد کی معاشی ضروریات کا پورا کرنا اسلامی ریاست کا فرض منصبی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

(۱) ھود، ۱۱: ۶

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (۱)

''اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی (اپنے ساتھ) نہیں اٹھائے پھرتے اللہ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے ○''

یہاں بھی ''یرزقھا وایّاکم'' کے الفاظ قابل توجہ ہیں جو حقِ معاش کی یکساں فراہمی کی ذمہ داری کا واشگاف اعلان کر رہے ہیں۔

ایک اور مقام پر ہر فرد کو حقِ معاش کی یکساں فراہمی کا وعدہ اس طرح کیا گیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ. (۲)

''اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو، ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔''

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اس امر کا اعلان فرما رہا ہے کہ ہر ایک کو بنیادی طور پر رزق مہیا کرنا ہماری ذمہ داری ہے جس سے یہ امر ثابت ہے کہ باری تعالیٰ ایسے تمام مقاصد، معاشرتی زندگی میں افراد کے قائم کردہ نظام کے ذریعے سے ہی پورا کرنے کا حکم صادر فرما رہا ہے۔ اس لئے کہ یہ عالم اسباب ہے اور ''نحن نرزقکم وایّاھم'' کا مفہوم یہی ہے کہ جس طرح تمہارے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے اسی طرح ان کی ذمہ داری بھی جو تمہارے زیر کفالت ہیں اسی پر ہے۔

اس امر کی وضاحت کہ وہ کونسا بنیادی حق معاش ہے جس کی فراہمی اسلامی معاشرے اور ریاست کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے اس حدیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہے:

عن عثمان أنّ النّبي ﷺ قال: ليس لابن آدم حقّ في سوىٰ هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري عورته وجلف الخبز والماء۔ (۳)

(۱) العنكبوت، ۲۹: ۶۰

(۲) الانعام، ۶: ۱۵۱

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الزهد، باب منه، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱

۲۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۳۴۷، رقم: ۷۸۶۷

۳۔ مقدسی، الأحاديث المختارة، ۱: ۴۵۵، رقم: ۳۲۹

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کے لئے سوائے ان اُمور کے کوئی حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی (اور پانی یعنی یہ بنیادی حقِ معاش ہے، جب تک یہ ہر ایک کو میسر نہ آ جائے۔ اس سے زائد کا حق کسی کو نہیں)۔''

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حقِ معیشت (یعنی ضروریات زندگی) سے زیادہ کو اپنا بنیادی حق سمجھنا اور دوسروں کو محرومی سے دوچار کر کے بھی حقِ معیشت سے زائد تحفظ کا مطالبہ کرنا اسلامی شریعت کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ مزید برآں مال و اسباب کے باب میں ایسی بنیادی ضروریات کا فراہم کیا جانا لوگوں کا بنیادی حق ہے۔ جیسے یہ ہر ایک کو یکساں طور پر ادا کیا جانا چاہئے۔

اس سلسلے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی اس بنیادی تصور کی وضاحت کر رہا ہے کہ اگر ایسے حالات ہو کہ لوگوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں تو مالدار لوگوں کے مال سے غریبوں کو زبردستی چھین کر بھی دیا جاسکتا ہے:

فواللہ، لو أنّ اللہ لم یفرجھا ما ترکت أھل بیت من المسلمین لھم سعة إلّا أدخلت معھم أعدادھم من الفقراء فلم یکن اثنان یھلکان من الطّعام علی ما یقیم واحدا۔(۱)

''(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ قحط رفع نہ فرماتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا، مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجوں کو اس میں حکماً داخل کر دیتا۔ کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا ہے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول مبارک بھی ملاحظہ ہو:

لو استقبلت من أمری ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنیاء فقسّمتھا علی فقراء المھاجرین۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲

۲۔ أبو زید عمر بن شبة، أخبار المدینة: ۳۹۲

(۲) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

”اگر مجھے اس امر کا خیال پہلے آجاتا تو میں مالداروں کی زائد دولت لیکر فقراء مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔“

ii. سیرۃُ الرسول ﷺ اور بنیادی حقِ معاش

حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشرے کے تمام افراد کو بنیادی حق معاش میں مساوات ملحوظ رکھنے کا حکم صادر فرمایا اور محروم المعیشت افراد کی کفالت کا باقاعدہ انتظام بھی فرمایا۔ جس کا اندازہ درج ذیل احادیثِ مبارکہ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان عنده فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان عنده فضل زاد فليعد به على من لا زاد له فقال: ذكر أصناف المال حتى رأينا أنّه لا حق لأحد منّا في الفضل۔(۱)

”جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس ضرورت کی سواری نہیں۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانا اور سامان ہے وہ اس کو دے دے جس کے پاس ضرورت کا کھانا نہیں۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے متعدد اصناف مال کا ذکر فرمایا۔ حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ زائد از ضرورت کسی شے میں بھی ہمارا حق نہیں ہے۔“

iii. حکمران کی اہلیت: معاشی مساوات کا قیام

حضور نبی اکرم ﷺ نے قربِ قیامت کے آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والے ایک صالح حکمران (حضرت امام مہدی علیہ السلام) کے بارے میں پیشن گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگوں میں معاشی مساوات قائم کرے گا۔

حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں:

أبشركم بالمهدي يبعث في أمّتي على اختلاف من النّاس وزلازل فيملأ الأرض قسطا وعدلا كما ملئت جورا وظلماً يرضى عنه ساكن السّماء

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

وساكن الأرض يقسم المال صحاحاً؟ قال له رجل: ما صحاحاً؟ قال: بالسّوية بين النّاس ويملأ الله قلوب أمّة محمد ﷺ غنى۔(۱)

''میں تمہیں مہدی (علیہ السلام) کی بشارت دیتا ہوں وہ ایسے دور میں مبعوث ہوں گے جب لوگ باہم اختلاف کا شکار ہوں گے اور وہ زمین میں عدل و انصاف قائم کریں گے۔ جیسا کہ پہلے ظلم جاری ہوگا۔ ساکنان زمین و آسمان اس سے خوش ہوں گے۔ وہ صحیح طریقہ پر مال تقسیم کریں گے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ صحیح طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: لوگوں کے درمیان مساوی تقسیم کرے گا۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے دلوں کو استغناء سے مالا مال کر دے گا۔''

یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ دولت کی برابر تقسیم نہ تو عملاً ممکن ہے اور نہ شرعاً اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس ''تقسیم'' سے مراد بنیادی ضروریات کی مساوی تقسیم ہی ہوسکتی ہے کہ بنیادی معاش ہر ایک میں اس طرح برابر تقسیم ہوگا کہ معاشرے میں معاشی تعطل نہ رہے اور کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہنے پائے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مال و دولت کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے چار بنیادی باتوں کا خیال رکھنے کی ہدایت دی:

أربع من عمل بهن استوجب العدل: الأمانة في المال والتسوية في القسم والوفاء بالعدة والخروج من العيوب۔(۲)

''چار اُمور ایسے ہیں کہ جس نے ان پر عمل کر لیا اُس نے عدل و انصاف کا حق ادا کر دیا: مالی معاملات میں امانت داری، تقسیم اموال میں برابری، وقت پر ایفائے عہد اور عیبوں کو ترک کرنا۔''

یہاں بھی ''التسویہ'' سے مراد حق معاش کی برابری ہے۔ جو معاشرے کے تمام افراد کو

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۷، رقم: ۱۱۳۴۴

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۷: ۳۱۳

(۲) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۴۹۰

۲۔ ابن عساكر، تاريخ دمشق الكبير، ۱۸: ۶

بنیادی ضروریات اور حاجات مساوی طور پر ادا کرنے کی ضامن ہو۔

زندگی میں بنیادی ضرورت کی فراہمی کی طرح اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر مر جائے اور اس کے ورثاء قرض کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

فلمّا فتح الله عليه الفتوح قام فقال: أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفي من المؤمنين فترک دينا عليّ قضاؤه ومن ترک مالا فهو لورثته۔ (1)

”جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپ ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے قریب تر ہوں۔ اہلِ ایمان میں سے جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے قرض ہو تو اس کی ادائیگی میرا فرض ہے اور جو وہ مال چھوڑ کر مر جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔“

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے ایسے تمام احکام کی عملی اہمیت کو کم کرنے کے لئے انہیں محض نفلی اور اضافی نیکی یعنی مستحبات میں شمار کرلیا ہے حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول و عمل سے ان کا وجوب اور لزوم ہی ثابت ہوتا ہے۔

iv. حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتصادی اصلاحات

۱۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خزانہ (بیت المال) کے مصارف کے بارے میں حکومتی سطح پر حکمِ اقتصاد پر بڑی سختی سے عمل درآمد کرایا اور سرکاری سطح پر ہر قسم کے اسراف کو ختم کر دیا۔ کیونکہ اس کے بغیر عوام کو صرف مال کے بارے میں اقتصاد کا عامل نہیں بنایا جاسکتا۔ اس باب میں امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الكفالة، باب الدين، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذی، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على المديون، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۸۴۷

إنّ عمر بن الخطاب كتب إلى عمّاله أن لا تطيلوا بناءكم فإنّه من شر أيّامكم۔[1]

''حضرت عمر ﷺ نے اپنے عہد خلافت کے امراء اور افسروں کو یہ تحریری ہدایت جاری فرمائی کہ وہ اپنی رہائش گاہیں بلند و بالا نہ بنائیں کہ ایسا عمل بدترین دور کی علامت ہے۔''

۲۔ امام ابو یوسفؒ سیدنا عمر ﷺ کے ایک اور حکم نامہ (Circular) کا ذکر کرتے ہیں جو کہ آپ ﷺ نے تمام حکام اور افسران کے نام جاری فرمایا اس روایت کو امام ابن ابی شیبہ اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے:

أن لا يأكل نقيا ولا يلبس رقيقا ولا يركب برذونا ولا يغلق بابه دون حوائج النّاس۔[2]

''کہ وہ غیر معمولی کھانے نہ کھائیں، نہ اعلیٰ زیادہ قیمتی اور نفیس کپڑا پہنیں، اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سواری نہ کریں اور ضرورت مندوں کے لئے دروازے بند نہ کرے۔''

۳۔ آپ کو معلوم ہوا کہ مصر کا ایک اعلیٰ افسر عیاض بن غنم بہت قیمتی لباس پہنتا ہے (یعنی اس کا رہن سہن اسراف کا آئینہ دار ہے) تو آپ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ ﷺ کے ذریعے اس معاملے کی تحقیقات کرائی اور جواب طلبی کے بعد اسے برطرف کر دیا اور سزا کے طور پر بکریوں کا ریوڑ چرانے کا کام اس کو سونپ دیا۔[3]

الغرض اپنی دور رس حکمت عملیوں سے حضرت عمر فاروق ﷺ نے ریاست میں ایسا عظیم اقتصادی و معاشرتی نظام قائم فرمایا جس سے معاشرے میں ہر سطح پر ظلم و جبر اور تعیش پرستی کا کلیتًا خاتمہ ہوگیا اور ایک صحیح اسلامی فلاحی ریاست معرض وجود میں آ گئی، تاریخ جس کی مثال آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۶۱، رقم: ۴۵۲

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸: ۴۸۶

(۲) ۱۔ ابن أبی شیبہ، المصنف، ۶: ۴۶۱، رقم: ۳۲۹۲۰

۲۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۴۴: ۲۷۶

۳۔ أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۵

(۳) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۶

v. کفالتِ عامہ کا نظام اور ریاست کی ذمہ داری

قرآن مجید کے حکم ''تعاونوا علی البر والتقوی'' کا اہم ترین عنصر معاشی زندگی میں امداد باہمی ہے جو کفالت عامہ کے نظام پر منتج ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست مدینہ کے قیام کے بعد نظام اسلامی کے نفاذ کے سلسلے کا پہلا قدم ہی یہی اٹھایا جو تاریخ میں ''مواخاتِ مدینہ'' کے نام سے معروف ہے۔[1]

یہ اس وقت کی بات ہے جب حدود وتعزیرات یا دیگر بہت سے اسلامی احکام کا اجراء عمل میں نہیں آیا تھا۔ حتی کہ سود اور بہت سے دیگر محرمات کا بھی اجراء نہ ہوا تھا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کا آغاز معاشرے میں معاشی استحکام سے ہوا اور اسلامی سزاؤں کے نفاذ بعد میں کیا گیا۔ کیونکہ سزائیں احکام وضعی (Declartory Laws) ہیں، تکلیفی (Primary) نہیں۔ یہ مقصود بالذات نہیں ہیں۔ اصل مقصود تو معاشرے کے غیر اسلامی استحصالی اور فاسقانہ ڈھانچے کو بدلنا اور افرادِ معاشرہ کے فکر وعمل کی سمتوں کو از سرِ نو متعین کرنا ہے۔ اس اہتمام کے ساتھ کہ بعد میں اگر کوئی ان اسلامی معاشرتی قدروں کو پامال کرنا چاہے تو اسے سزا کے ذریعے روکا جا سکے۔

امدادِ باہمی اور کفالت عامہ کے تصور کے تحت اسلام نے پورے معاشرے کے حوالے سے یہ ریاست کی ذمہ داری قرار دی ہے کہ جو افراد محض اپنے وسائل سے اپنی جائز ضروریات کی کفالت نہیں کر سکتے ان کا بوجھ معاشرہ ان کے ساتھ مل کر اٹھائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم ﷺ نے ایک مرتبہ ایامِ قحط میں دعا فرمائی اور قحط رفع ہوگیا اور بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا:

فواللہ، لو أنّ اللہ لم یفرجھا ما ترکت أھل بیت من المسلمین لھم سعة إلّا أدخلت معھم أعداد ھم من الفقراء فلم یکن اثنان یھلکان من الطّعام علی ما یقیم واحدا۔[2]

''(حضرت عمر ﷺ نے فرمایا:) خدا کی قسم! اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۳: ۳۶

(۲) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲

۲۔ أبو زید عمر بن شبة، أخبار المدینة: ۳۹۲

چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا، مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجوں کو اس میں حکماً داخل کر دیتا۔ کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا ہے۔''

یہ سب آثار و نظائر اس تصور کفالت کی تفصیلات و توضیحات ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنے عہد مبارک کے ایک قبیلے کی اس خصوصیت کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے کہ جب ان میں سے بعض کے پاس سامان خورد و نوش اور اسباب معیشت ختم ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا معمول یہ ہوتا:

ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسّوية فهم منّي وأنا منهم۔[1]

''ان میں سے جس جس کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں اور ایک برتن کے ذریعے آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ پس ان کے اسی عملی ایثار کے باعث میں ان کو اپنے میں سے اور خود کو ان میں سے تصور کرتا ہوں۔''

مزید برآں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت سے بھی اسی تصور معیشت کی تائید ہوتی ہے۔ جس کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منّا في فضل۔[2]

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۲۴۷، رقم: ۸۷۹۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۳۲۶، رقم: ۱۰۶۴

’’جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد کھانا ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مال کی بہت سی اقسام بیان کیں حتی کہ ہم نے محسوس کیا کہ زائد مال میں سے ہمارا کوئی حق نہیں۔‘‘

ابن حزم ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ننگا یا ضروریاتِ رہائش سے محروم ہے تو مالداروں کے فاضل مال سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے۔‘‘[۱]

یہ حدیث ان حالات کی نشاندہی کر رہی ہے جب ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ’’آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)‘‘﴾[۲] کے قرآنی حکم کا نفاذ حالات کی سنگینی کے خاتمے کے لیے واجب ہو جاتا ہے۔ انفاق کا عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ تصورِ معیشت میں کس قدر موجزن تھا۔ اس کا مظاہرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں قدم قدم پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی ایک جھلک حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے بھی آشکار ہوتی ہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے محض ’’﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو‘‘﴾[۳] کی قرآنی ترغیب پر اپنی سب سے بڑی اور قیمتی جائیداد مستحق اعزہ اور اقارب میں تقسیم کر دی جس کی شہادت ’’صحیح بخاری‘‘ کے یہ الفاظ یوں فراہم کر رہے ہیں:

فقسّمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمّه۔[۴]

’’پس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔‘‘

---

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

(۲) البقرہ، ۲: ۲۱۹

(۳) آل عمران، ۳: ۹۲

(۴) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الأقارب، ۲: ۵۳۰، رقم: ۱۳۹۲

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۶: ۱۵۰، رقم: ۷۱۸۲

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۸۲

اسی کی ایک مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل انفاق میں دکھائی دیتی ہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک کے موقع پر راہِ خدا میں سب کچھ لٹا چکے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: اے ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا:

أبقيت لهم الله ورسوله۔ (۱)

”یا رسول اللہ! ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں۔“

حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ ارشادات اس تصور کی ریاستی سطح پر اہمیت کو مزید اُجاگر کرتے ہیں:

فأيما مؤمن ترک مالا فليرثه عصبته من کانوا فإن ترک دينًا أو ضياعاً فليأتني فأنا مولاه۔ (۲)

”جو مؤمن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) ہوں گے وہ جو کوئی بھی ہوں۔ اگر وہ اپنے ذمہ دین (قرض) یا بچے (جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو) چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے میرے ذمہ ہیں اور میں ہی ان کا والی ہوں (یعنی ان کی کفالت کروں گا اور ان پر مال خرچ کروں گا)۔“

لو کان لي مثل أحد ذهباً لسرّني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب في مناقب أبي بکر وعمر کلهما، ۵: ۶۱۴، رقم: ۳۶۷۵

۲۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۸۰، رقم: ۱۶۶۰

۳۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابة، ۱: ۳۶۰، رقم: ۵۲۷

۴۔ مقدسی، الأحاديث المختارة، ۱: ۱۷۳، رقم: ۸۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب تفسير القرآن، باب اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ، ۴: ۱۷۹۵، رقم: ۴۵۰۳

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الفرائض، باب ما جاء من ترک مالاً فلورثته، ۴: ۴۱۳، رقم: ۲۰۹۰

إلّا شيئا أرصده لدين۔[1]

”اگر میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو (ایسی صورت میں بھی) میرے لیے یہی بات باعثِ راحت ہوتی کہ میں تین راتیں گزرنے تک اسے راہِ خدا میں خرچ کر دوں اور اس مال میں سے اسی قدر بچا کر رکھتا جو قرض کی ادائیگی کیلئے ضروری ہوتا۔“

یہ امر ملحوظ رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ تصور اُمت کو صرف بصورت تعلیم ہی نہیں دیا بلکہ اس کی عملی شکل اپنے نمونہ حیات سے مہیا فرما دی تھی۔ امام ترمذی کا روایت کردہ یہ واقعہ اس حقیقت کی توضیح کے لیے کافی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک مرتبہ درہم کی صورت میں ہدیہ پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے انہیں چٹائی پر ڈال دیا اور تمام کی تمام رقم حاجت مندوں میں تقسیم فرما دی۔ بعد ازاں ایک ضرورت مند نے آ کر سوال کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما عندي شيء ولكن ابتع عليّ فإذا جاءني شيء قضيته۔[2]

”اس وقت میرے پاس کچھ نہیں بچا لیکن تو بازار سے میرے نام پر اپنی تمام ضرورتیں خرید لے۔ جب ہمارے پاس پیسے آ جائیں گے ہم اپنا اُدھار چکا دیں گے۔“

اس باب میں حکومت کی ذمہ داری کس قدر ہے اس تصور کی وضاحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بخوبی ہو جاتی ہے:

إنّ الله فرض على الأغنيآء في أموالهم بقدر ما يكفي فقراءهم۔[3]

”اللہ تعالیٰ نے مال داروں پر ان کے سرمایہ دولت میں سے اس قدر انفاق فرض کیا ہے

---

(۱) ا۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب قول النبي: ما أحب أن لي مثل أحد ذهبا، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۶۰، رقم: ۶۳۵۰

۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۴: ۸۲، رقم: ۷۰۲۱

(۲) ترمذي، الشمائل المحمدية، ۱: ۲۹۴

(۳) ا۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۹، رقم: ۹۳۱

۲۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۷: ۲۳، رقم: ۱۲۹۸۵

۳۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

جس سے ان کے معاشرے کے ضرورت مندوں کی حاجات پوری ہو جائیں۔"

حضرت عمر بن خطاب ﷛ کا ارشاد ہے:

لو استقبلت من أمري ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين۔(۱)

"جس بات کا مجھے اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلا شبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا۔"

امام ابن حزم نے صحابہ کرام ﷡ کے احوال بیان کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

وصحّ عن أبي عبيدة بن الجراح وثلثمائة من الصحابة (﷡) أن زادهم فني فأمرهم أبو عبيدة فجمعوا أزوادهم في مزودين وجعل يقوتهم إيّاها على السواء۔(۲)

"حضرت ابوعبیدہ اور تین سو صحابہ ﷡ سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ (ایک موقعہ پر) ان کا سامان خورد و نوش ختم کے قریب آ لگا۔ پس حضرت ابوعبیدہ (﷛) نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے وہ حاضر کرو اور پھر سب کو یکجا جمع کر کے ان سب میں برابر تقسیم کر کے سب کو قوت لا یموت کا سامان مہیا کر دیا۔"

حضرت علی ﷛ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے وہ محض اس لیے کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور ان کی معاشی کفالت نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب دے گا۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری احادیث اور آیات قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں:

فرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقرائهم ويجبرهم

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوک، ۲: ۵۷۹

۲۔ ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

(۲) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

السلطان علی ذلک إن لم تقم الزکوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الّذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک وبمسکن يکنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة۔(۱)

''اور ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر ان کی زکوۃ اور بیت المال کی آمدنی سے ان غرباء کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (حاکم وقت) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے (یعنی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ) ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔''

کفالتِ عامہ کے تصور کی وضاحت امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے خوب ہو جاتی ہے۔ جسے ولید بن دینارؒ روایت کرتے ہیں:

إنّه سئل عن الجار فقال: أربعين داراً أمامه وأربعين خلفه وأربعين عن يمينه وأربعين عن يساره۔(۲)

''ان سے سوال کیا گیا کہ پڑوسی سے کیا مراد ہے (جسے بھوکا نہ رہنے دینے کا حکم ہے) آپ نے فرمایا: چالیس گھر سامنے، چالیس گھر پیچھے، چالیس گھر دائیں اور چالیس گھر بائیں۔''

اس ارشاد سے ہر شخص کے لئے اس کی حسب استطاعت ''حیطہ کفالت'' کا تعین ہوتا ہے کہ اگر اس کے بالکل ساتھ والا پڑوسی حاجت مند نہیں ہے تو اس کی کفالت کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسے اس قدر دور تک ذمہ داری نبھانی چاہیے۔ اس تصور کی صراحت قرآن حکیم اور احادیث

---

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

(۲) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۵۱، رقم: ۱۰۹

۲۔ سیوطي، الدر المنثور، ۲: ۵۲۹

۳۔ مزي، تهذيب الكمال، ۳۱: ۱۰، رقم: ۶۷۰۲

نبوی ﷺ سے بھی ہوتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ دوزخیوں سے سوال ہوگا:

مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ○ وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ○(۱)

''(اور کہیں گے:) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے○ اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے○''

حضور نبی اکرم ﷺ نے مؤمنین کے اسی بھائی چارے کو ایک جسم کی مانند قرار دیتے ہوئے باہمی معاشرتی تعاون کی وضاحت یوں فرمائی:

تری المؤمنین في تراحمهم وتوادّهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضوًا تداعى له سائر جسده بالسّهر والحمّى۔(۲)

''تم مؤمنین کو آپس میں مہربانی، شفقت اور لطف و کرم میں ایسے دیکھو گے جیسے کوئی جسم کہ جب اس میں کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم (تکلیف میں مبتلا ہو کر) بے خوابی اور بخار کو دعوت دیتا ہے۔''

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشدّ بعضه بعضاً وشبّک أصابعه۔(۳)

---

(۱) المدثر، ۷۴: ۴۲۔۴۴

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۷۰، رقم: ۱۸۳۹۸

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۹، رقم: ۲۳۳

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۳: ۳۵۳، رقم: ۶۲۲۳

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصلاة، باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره، ۱: ۱۸۲، رقم: ۴۶۷

’’ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے ایسے ہے کہ جیسے عمارت جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں آپس میں ملا لیں۔‘‘

یہ ارشادِ نبوی ﷺ بھی باہمی معاشرتی تعاون کی دلیل ہے:

لا يؤمن أحدكم حتّى يحب لأخيه ما يحب لنفسه۔(۱)

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب المظالم، باب نصر المظلوم، ۲: ۸۶۳، رقم: ۲۳۱۴

۳۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأداب، باب تعاون المؤمنين بعضهم بعضاً، ۵: ۲۲۴۲، رقم: ۵۶۸۰

۴۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۵

۵۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في شفقة المسلم على المسلم، ۴: ۳۲۵، رقم: ۱۹۲۸

۶۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۱۶۳، رقم: ۳۰۳۴۸

۷۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۰۴، رقم: ۱۹۶۲۴

۸۔ أبو يعلى، المسند، ۱۳: ۲۷۹، رقم: ۷۲۹۵

۹۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۷، رقم: ۲۳۱

۱۰۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۸۷

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ۱: ۱۴، رقم: ۱۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه من الخير، ۱: ۶۷، رقم: ۴۵

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه، ۴: ۶۶۷، رقم: ۲۵۱۵

۴۔ نسائي، السنن، كتاب الإيمان وشرائعه، باب علامة الإيمان، ۸: ۱۱۵، رقم: ۵۰۱۶

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۶، رقم: ۱۲۸۲۴

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

اس تصور کی مزید وضاحت حضور نبی اکرم ﷺ سے اس فرمان سے ہوتی ہے۔

ليس بالمؤمن الّذي يبيت شبعانا وجاره جائع إلى جنبه۔(۱)

”وہ مومن نہیں جس نے خود تو شکم سیر ہو کر رات بسر کی اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہا۔“

vi. زائد مال کی تقسیم اور حکومت کی ذمہ داری

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔(۲)

”اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)۔“

حضرت ابو سعید خدری ﷺ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له، قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر حتّى رأينا أنّه لا حق لأحد منّا في فضل۔(۳)

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۲: ۱۵، رقم: ۲۱۶۶

۲۔ ابن مبارك، الزهد: ۲۷۰، رقم: ۷۸۱

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۴۳، ۲۴۴، رقم: ۳۸۷۵

(۲) البقره، ۲: ۲۱۹

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۲: ۲۳۸، رقم: ۵۴۱۹

۴۔ أبو عوانة، المسند، ۴: ۱۹۹۔۲۰۰، رقم: ۶۴۹۰

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۲

”تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد ونوش ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ مختلف اصنافِ مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی بھی شے میں ہمارا حق نہیں رہا۔“

اسی طرح قرآن مجید کی کئی آیات اور صحاح کی کئی احادیث اسی مفہوم کو بیان کرتی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ۔[1]

”پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔“

حق سے منع کرنے والا باغی ہے کیونکہ اپنے بھائی کو حق سے محروم کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے ساتھ جنگ کی۔

جب حکومت کے پاس فوج کو جنگ کے لیے تیار کرنے، دفاع کے وسائل اور پبلک پر خرچ کرنے کے لیے خزانے میں پیسہ نہ ہو تو اس صورت میں حکومت کے لیے جائز ہے کہ وہ لوگوں کے اموال جو ان کے تصرف میں ہیں لے لے اور انہیں مطلوبہ ضروریات پر خرچ کر دے۔

امام غزالی (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

إذا خلت الأيدي من الأموال ولم يكن من مال المصالح ما يفي بخراجات العسكر ولو تفرق العسكر واشتغلوا بالكسب لخيف دخول الكفار بلاد الإسلام أو خيف ثوران الفتنة من أهل العرامنة في بلاد الإسلام فيجوز للإمام أن يوظف على الأغنياء مقدار كفاية الجند ثم إن رأى في طريق التوزيع التخصيص بالأراضي فلا حرج لأنا نعلم أنه إذا تعارض شرّان أو ضرران قصد الشرع دفع أشد الضررين وأعظم الشرين وما يؤديه كل واحد منهم قليل بالإضافة إلى ما يخاطر به من نفسه وماله لو خلت خطة

(۱) الحجرات، ۴۹: ۹

الإسلام عن ذي شوكة يحفظ نظام الأمور ويقطع مادة الشرور۔[1]

”جب (فوج) کے ہاتھ اموال سے خالی ہو جائیں اور ملکی خزانے میں اتنا مال نہ ہو کہ جس سے فوج کے اخراجات برداشت کیے جاسکیں اور لشکر بھی منتشر ہوکر کسبِ رزق میں مشغول ہو جائے اور اس بات کا بھی ڈر ہو کہ اسلامی مملکت میں دشمن داخل ہو کر حملہ کر دے گا یا اہلِ شر کی طرف سے کسی فتنہ کے اٹھنے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں حاکمِ وقت کے لئے جائز ہے کہ وہ اغنیاء پر لازم کر دے کہ وہ فوج کے اخراجات کی مقدار کے برابر اپنے مال قومی خزانے میں دے دیں پھر اگر وہ زمین کے لحاظ سے مخصوص تقسیم کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب دو نقصان اکٹھے ہو جائیں تو شریعت ان دونوں نقصانات میں سے جو زیادہ بڑا نقصان ہوتا ہے اس کو دور کرتی ہے پس ایسے حالات میں اغنیاء سے مال لینا ان کے لئے خسارہ (نقصان) ہے لیکن وہ نقصان جو دشمن کی وجہ سے ملک کو پہنچے گا وہ اس نقصان سے بڑا ہے لہٰذا اس بڑے خسارے سے بچنے کے لئے اغنیاء سے مال لے کر افواج کے اخراجات کو پورا کیا جائے گا۔“

امام شاطبی (م ۷۹۰ھ) فرماتے ہیں:

إنا إذا قررنا إمامًا مطاعًا مفتقرًا إلى تكثير الجنود لسد الثغور وحماية الملک المتسع الأقطار، وخلا بيت المال، وارتفعت حاجات الجند إلى ما لا يكفيهم، فللإمام إذا كان عدلًا أن يوظف على الأغنياء ما يراه كافيًا لهم في الحال، إلى أن يظهر مال بيت المال۔

وإنما لم ينقل مثل هذا عن الأوّلين لاتّساع مال بيت المال في زمانهم بخلاف زماننا، فإن القضية فيه أحرى، ووجه المصلحة هنا ظاهر، فإنه لو لم يفعل الإمام ذلک النظام بطلب شوكة الإمام، وصارت ديارنا عرضة لاستيلاء الكفار وإنما نظام ذلک كله شوكة الإمام بعدله۔[2]

”جب ہم کسی ایسے حاکم کا انتخاب کرتے ہیں کہ جس کی اطاعت کی جائے اور وہ حاکم

---

(۱) غزالي، المستصفی، ۱: ۳۰۳، ۳۰۴

(۲) شاطبي، الاعتصام، ۲: ۱۲۱

فتنوں کو ختم کرنے اور وسیع مملکت کی حفاظت کے لئے بہت زیادہ افواج کا محتاج ہو جبکہ بیت المال بھی خالی ہو جائے اور افواج کے اخراجات بڑھ جائیں تو ایسی حالت میں عادل حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اغنیاء پر لازم کرے کہ وہ افواج کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اپنے اموال دیتے رہیں جب تک کہ بیت المال میں کہیں سے مال نہ آجائے۔

''یہ بات اسلام کے اوائل زمانے میں نہیں کہی گئی کیونکہ ان کے زمانے میں بیت المال بڑا وسیع ہوتا تھا جبکہ ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے بلکہ اب یہ مسئلہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اس میں مصلحت بھی واضح ہے۔ پس آج کے زمانہ میں اگر حاکم ایسا نہیں کرتا تو اس میں حاکم کی عظمت وشوکت بھی ختم ہو جاتی ہے اور ملک پر بھی کفار کا غلبہ ہو جاتا ہے اور یہ سارے کا سارا نظام حاکمِ وقت کی عظمت وشوکت پر انحصار کرتا ہے۔''

بحرانوں میں قرض لینا بیت المال کی آمدنی میں شمار ہوتا ہے اور اگر آمدنی کے اسباب کمزور ہو جائیں تو ایسی صورتحال میں اغنیاء سے مال لینے کا حکم ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان اپنے ہاتھوں کو ہمیشہ بھلائی اور خیر کے لئے کھولے رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (۱)

''جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے ○''

اسی طرح ارشاد ہوا:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○ (۲)

''جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے کی سی ہے

(۱) البقرہ، ۲: ۲۷۴

(۲) البقرہ، ۲: ۲۶۱

جس سے سات بالیاں اُگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہےo"

سب سے اہم چیز جو اسلام چاہتا ہے وہ یہ کہ بھلائی کے کاموں پر مال خرچ کیا جائے اور مفاد عامہ کے منصوبوں کے لیے مال وقف کیا جائے جیسا کہ متفق علیہ روایت ہے:

أصاب عمر أرضا بخيبر فأتى النبيّ ﷺ فقال: أصبت أرضا لم أصب مالا قطّ أنفس منه فكيف تأمرني به قال: إن شئت حبّست أصلها وتصدّقت بها فتصدّق بها عمر أنّه لا يباع أصلها ولا يوهب ولا يورث في الفقراء والقربى والرّقاب وفي سبيل الله والضيف وابن السبيل۔[1]

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خیبر میں کچھ زمین حاصل کی تو حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے خیبر میں زمین حاصل کی ہے، اس سے عمدہ مال میں نے کبھی حاصل نہیں کیا، اس بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: اگر چاہو تو اسکی اصل باقی رکھو اور (اس کی آمدنی) صدقہ کرو۔ راوی کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے صدقہ کر دیا اس شرط پر کہ وہ نہ بیچی جائے، نہ ہبہ کی جائے اور نہ میراث بنائی جائے اور اسے فقیروں، رشتہ داروں، غلاموں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں و مہمانوں کے حق میں صدقہ کر دیا۔"

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ. أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ. أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب الوقف كيف يكتب، ۳: ۱۰۱۹، رقم: ۲۶۲۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الوصية، باب الوقف، ۳: ۱۲۵۵، رقم: ۱۶۳۳

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام عن رسول الله ﷺ، باب في الوقف، ۳: ۶۵۹، رقم: ۱۳۷۵

يَدْعُوْ لَهُ.(۱)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے (ان کا اجر اسے برابر ملتا رہتا ہے) ایک وہ صدقہ جس کا نفع جاری رہے، دوسرا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے تیسری وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔‘‘

وہ مال جو بغیر کسی زیادتی اور خیانت کے جمع کیا جائے اور صاحبِ مال اس میں سے کچھ اپنی ذات اور کچھ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے، اس سے حکومت کا حق بھی ادا کرے اور اس میں سے پھر بھی اگر باقی بچ جائے اور پھر وہ شخص فوت ہو جائے تو اسلام ایسے باقی ماندہ مال کو اسکے ورثاء میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس میں زیادہ حصہ فوت ہونے والے شخص کے اعزا و اقارب پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس طرح مال خواہ کتنا ہی زیادہ ہو مختلف لوگوں کے مابین تقسیم ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص اس حال میں فوت ہوتا ہے کہ اسکا کوئی وارث نہیں تو ایسی صورتحال میں اس کا مال حکومت کے بیت المال میں چلا جاتا ہے اور ویلفیئر کے کاموں میں خرچ کر دیا جاتا ہے جس طرح کہ عام مال خرچ کر دیا جاتا ہے۔

vii. اسلامی ریاست میں باہمی معاشی تعاون

اسلام نے لوگوں کی معاشی حالت پر بڑی توجہ دی ہے اور ان کے مال و دولت ضائع ہونے اور فضول خرچ ہونے سے حفاظت کی ہے۔ اسی لیے اسے بے جا کاموں میں استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا حکومت پر واجب ہے کہ وہ ارتکازِ دولت کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرے اور ان کے جمع شدہ اموال کو ان کے معقول منافع کے ساتھ پبلک کے درمیان تقسیم کر دے۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ۳: ۱۲۵۵، رقم: ۱۶۳۱

۲۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۲۸، رقم: ۳۸

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الوصایا، باب ما جاء في الصدقة عن المیت، ۳: ۱۱۷، رقم: ۲۸۸۰

۴۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب ثواب معلم الناس الخیر، ۱: ۸۸، رقم: ۲۳۹

اسی طرح حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو اموال میں تصرف کرنے سے منع کرے جو پاگل، کم عقل اور بے وقوف ہوں اور اسراف و تبذیر کے مرتکب ہوں اور ان پر ممانعت اس وقت تک ہو جب تک ان کے پاگل پن اور بے وقوفی کے اثرات زائل نہیں ہو جاتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا۔(۱)

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔''

۱۔ حضرت ابو موسیٰ ؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إنّ الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قل طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية فهم مني و أنا منهم۔(۲)

''جب دورانِ جنگ اشعریوں کا کھانا ختم ہو جاتا یا ان کے خاندان کا کھانا کم پڑ جاتا ہے تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ اسے ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں، پھر اسے ایک برتن کے ذریعے آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔''

۲۔ حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا أنزل الله بقوم عذابًا، أصاب العذاب من كان فيهم، ثم بعثوا على أعمالهم۔(۳)

---

(۱) النساء، ۴: ۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۲۴۷، رقم: ۸۷۹۸

(۳) بخاري، الصحيح، كتاب الفتن، باب إذا أنزل الله بقوم عذابا، ۶: ۲۶۰۲، رقم: ۶۶۹۱

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو عذاب ہر اس شخص کو پہنچتا ہے جو اس قوم میں سے ہوتا ہے، پھر ان کو ان کے اعمال کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔''

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من مات وعليه صيام صام عنه وليّه۔[۱]

''جو شخص فوت ہو جائے درآنحالیکہ اس پر روزہ فرض تھا تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔''

۷۔ حضرت علی ﷛ سے مروی ہے: حضور نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ میرے پاس سے گزرے (اور اس وقت) میں یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! مجھ پر رحم فرما۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر فرمایا:

أعمّ ولا تخص فإنّ بين الخصوص والعموم كما بين السماء والأرض۔[۲]

''اس دعا کو عام کرو (یعنی فقط اپنے لئے رحم طلب نہ کرو بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شامل کرو) خاص نہ کرو کیونکہ خاص اور عام میں اتنا ہی فرق ہے جتنا زمین اور آسمان کے مابین ہے۔''

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری حکومت وقت پر کس حد تک عائد ہوتی ہے اس کا اندازہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق ﷛ کے اس خطبہ سے ہوتا ہے جو آپ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد ارشاد فرمایا:

إنّي حريص على أن لا أرى حاجة إلّا سددتها ما اتسع بعضنا لبعض فإذا عجز ذلک عنّا تاسينا في عيشنا حتّى نستوى في الكفاف. ولوددت أنكم علمتم من نفسي مثل الّذي وقع فيها لكم. ولست معلمكم إلّا بالعمل إنّي والله لست بملک فاستعبدكم ولكني عبد الله عرض علي الإمانة فإن أبيتها ورددتها عليكم واتّبعتكم حتّى تشبعوا في بيوتكم وترووا سعدت بكم وإن أنا حملتها واستتبعتكم إلى بيتي شقيت بكم ففرحت قليلا

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب قضاء الصيام، ۲: ۸۰۳، رقم: ۱۱۴۷

(۲) ہندی، کنز العمال، ۲: ۵۸، رقم: ۳۳۵۹

وحزنت طويلا. فبقيت لا أقال ولا أرد فأستعتب۔[1]

"مجھے اسی بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی (تمہاری) کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کروں۔ جب تک ہم میں سے بعض اسے بعض کے لئے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (خلافت حکومت کی) امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری امانت سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کردوں اور (تمہاری خدمت وادائے حقوق کے لئے) تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعے فلاح پاؤں گا۔ اور اگر میں اسے اپنا بنالوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور (اپنے حقوق طلب کرنے کے لئے) اپنے گھر آنے پر مجبور کردوں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہوگا۔ (دنیا میں) کچھ عرصے خوشی منالوں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا اور میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھے کچھ کہنے والا ہوگا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کرسکوں۔"

اسلام کے عطا کردہ نظام معیشت میں کفالت عامہ اور امداد باہمی کی ذمہ داریاں ہیں۔ یعنی وہ جن کا تعلق انفرادی سطح پر اور اجتماعی سطح پر حکومتی ذمہ داریوں سے ہے۔

viii. اِجتماعی سطح پر کفالت عامہ

اسلام نے نہ صرف انفرادی سطح پر کفالت عامہ کی تلقین اور حوصلہ افزائی کی بلکہ اجتماعی سطح پر بھی اسے ایک نظام کے طور پر متعارف کروایا۔ جس کی عملی تفسیر سیرت نبوی ﷺ میں مواخات مدینہ کی صورت میں ملتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے اور اسلامی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا تو سب سے پہلے جو مسئلہ درپیش تھا وہ مہاجر گھرانوں کی رہائش و خوراک کا تھا۔ کیونکہ مہاجرین اپنی ہر نوع کی منقولہ وغیر منقولہ جائیدادیں مکہ میں چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے۔

(۱) ابن کثیر، البداية والنهاية، ۷: ۴۶

ریاست مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی حکومت کے پاس اس قدر وسائل نہیں تھے کہ ان مہاجرین کی آبادکاری، رہائش اور دیگر ضروریات کا انتظام کیا جاتا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین کو ان کے حال پر چھوڑنے کی بجائے اہل مدینہ جو بعد میں انصار کہلائے مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرما کر اس مسئلہ کو نہ صرف مستقل طور پر حل کر دیا بلکہ ایک اسلامی ریاست میں اجتماعی سطح پر کفالت عامہ کا تصور بھی عملاً واضح کر دیا۔ مہاجرین و انصار کے اس تعلق کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ۔(۱)

”بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیئے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔“

انصار زراعت پیشہ اور زمینوں و باغات کے مالک تھے۔ اپنے ذاتی اثاثوں سے قدرتی محبت کے باوجود انہوں نے مہاجرین کو اپنے آثاثوں کی پیش کش کی:

اقسم بیننا وبین إخواننا النّخیل۔(۲)

”(یا رسول اللہ!) آپ ہمارے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغات تقسیم فرما دیں۔“

الغرض حضور نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین کی خوراک، روزگار، رہائش اور آبادکاری کا یوں ہنگامی طور پر انتظام فرمایا۔ انصار میں جن کے ایک سے زیادہ مکانات تھے انہوں نے وہ مہاجرین کو دے دیئے۔

باہمی معاشی تعاون کے باب میں افراد معاشرہ ایک دوسرے سے کس نوعیت کے تعلق میں منسلک ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) الانفال، ۸: ۷۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المزارعۃ، باب إذا قال اکفنی مئونۃ النخل وغیرہ، ۲: ۸۱۹، رقم: ۲۲۰۰

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۱۱: ۲۰۲، رقم: ۶۳۱۰

الخلق عیال اللہ۔(۱)

''تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔''

رزق کی فراہمی کی یہ ذمہ داری جو رب ذوالجلال نے اپنے ذمہ کرم پر لی۔ اسلامی ریاست کے اندر نیابت الٰہی میں اسلامی حکومت کی طرف سے انجام دی جائے گی۔

قرآن و حدیث کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین نے اپنے دور خلافت میں اس ذمہ داری کا کمال احساس رکھا اور اسے پورا کرنے کیلئے مصروف کار رہے۔ حضرت عمر فاروق ﷛ نے فرمایا:

لو مات جمل ضیاعًا علی شط الفرات لخشیت أن یسألني اللہ عنه۔(۲)

''اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔''

اور دوسری روایت میں ہے:

لو ماتت شاۃ علی شط الفرات ضائعة لظننت أنّ اللہ تعالی سائلني عنھا یوم القیامة۔(۳)

''اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے جواب طلبی فرمائے گا۔''

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷬ کے انتقال پر کچھ فقہا آپ کی اہلیہ کے پاس ان کی تعزیت کے لئے آئے۔ ان کے سامنے آپ کے اہلیہ نے بیان کیا:

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۵: ۳۶۵، رقم: ۵۵۴۲

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۶: ۶۵، رقم: ۳۳۱۵

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۹۱

(۲) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۳۰۵

(۳) ۱۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء، ۱: ۵۳

۲۔ ابن جوزی، سیرۃ عمر بن خطاب: ۱۶۱

والله ما كان بأكثرهم صلوة ولا صيامًا ولكن والله، ما رأيت عبد الله كان أشدّ خوف لله من عمر. كان رحمه الله قد فرغ بدنه ونفسه للنّاس فكان يقعد لحوائجهم يومه فإذا أمسى. وعليه بقية من حوائجهم وصله بليلة. فأمسى يومًا وقد فرغ من حوائجهم فدعا بمصباح قد كان يستصبح به من ماله ثم صلى ركعتين ثم أقعى واضعا يده تحت ذقنه تسيل دموعه على خده فلم يذل كذلک حتّى برق الفجر فاصبح صائما فقلت له: يا أمير المومنين! لشيء ما كان منک ما رأيت الليلة، قال : اجل، إنّي قد وجدتني وليت أمر هذه الأمّة أسودها وأحمرها فذكرت الغريب القانع الضائع' والفقيرا المحتاج، والاسير المقهور وأشياعهم في أطراف الأرض فعلمت أن الله تعالى سائلني عنهم وأن محمد ﷺ حجيجي فيهم فخفت أن لا يثبت لي عند الله عذر، ولا يقوم لي مع محمد ﷺ حجة فخفت على نفسي، ووالله إن كان عمر ليكون في المكان الّذى ينتهي إليه سرور الرجل مع أهله فيذكر لشيء من أمر الله فيضطرب كما يضطرب العصفور قد وقع في الماء، ثم يرتفع بكاء ه، حتّى أطرح اللحاف عني وعنه رحمة له ثم قالت: والله لوددت لو كان بيننا وبين هذه الإمارة بعده ما بين المشرقين۔[1]

”(فقہاء کی جماعت پوچھنے پر آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت فاطمہ نے آپ کے حالات کو اس طرح بیان فرمایا:) بخدا وہ تم میں سے کسی سے بھی زیادہ نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے نہیں تھے لیکن اللہ کی قسم میں نے کسی بندہ خدا کو عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ انہوں نے اپنے جسم اور ذات کو لوگوں کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ دن بھر لوگوں کی حاجات کے لئے بیٹھے رہتے اگر دن گزر جاتا اور ابھی لوگوں کے کام باقی رہ جاتے تو وہ رات میں بھی لگے رہتے۔ ایک دن یوں ہوا کہ لوگوں کی حاجات سے دن ہی دن میں فارغ ہو گئے تو شام کو ایک چراغ منگوایا جسے وہ اپنے ذاتی تیل سے

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۷، ۱۸

جلاتے تھے پھر انہوں نے دو رکعت نماز نفل ادا کی اور اپنا ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس حال میں سیدھے بیٹھے رہے کہ آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر بہتی رہیں اور ساری رات یوں ہی بیٹھے روتے رہے۔ حتی کہ سپیدہ سحر نمودار ہوا تو انہوں نے روزے کی نیت کر لی میں نے پوچھا: امیر المومنین آپ کس وجہ سے یوں بیٹھے روتے رہے؟ انہوں نے کہا ہاں میرا حال یہ ہے کہ میں اسود و احمر تمام اُمت مسلمہ کا والی بنایا گیا ہوں۔ مجھے ملک کے دور دراز علاقوں میں رہنے والے مساکین، فقراء، محتاج قیدیوں اور ان جیسے مظلوم و مقہور لوگوں کی یاد آئی تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے بارے میں مجھ سے وہ سوال کرے گا اور حضور نبی اکرم ﷺ ان کے معاملے میں مجھ سے ضرور جھگڑا فرمانے والے ہوں گے تو میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ اس وقت اللہ کے سامنے کوئی عذر نہ چل سکے گا اور نہ حضور ﷺ کے سامنے میں کوئی حجت پیش کر سکوں گا۔ یہ سوچ کر میں ڈر گیا اور رونے لگ گیا۔ (اس کے بعد ان کی اہلیہ نے کہا) اللہ کی قسم حضرت عمر بن عبدالعزیز بعض اوقات اپنے گھر میں ہوتے جس میں عام آدمی اپنے اہل خانہ کے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہے اور اس دوران انہیں اللہ کی پیشی یاد آ جاتی تو وہ مضطرب ہو جاتے جس طرح چڑیا مضطرب ہوتی ہے جسے پانی میں گرا دیا گیا ہو۔ پھر اتنی بلند آواز سے آہ و بکا کرتے کہ میں ان پر رحم کرتے ہوئے اپنے سے اور ان سے لحاف ہٹا دیتی۔ پھر فاطمہ نے کہا اللہ کی قسم میں اسوقت چاہتی کہ کاش ہمارے درمیان اور اس خلافت و امارت کے درمیان زمین و آسمان کی دوری ہوتی۔"

رعیت کی ذمہ داری کا یہی وہ احساس تھا کہ خلفائے راشدین کے دور میں خلفاء اور عوام کے مابین کوئی دیوار کھڑی نہ کی گئی کہ رعایا کو اپنے کسی حق کی طلب میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں والی کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے رہنے کے لئے ایک محل بنوایا اور اس میں پھاٹک لگوایا تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلم کو بھیج کر اسے آگ لگوا دی۔ (۱)

حضور نبی اکرم ﷺ نے مسلم حکمرانوں کے کردار کو اس طرح بیان فرمایا:

۱۔ من ولاه الله عزوجل شيئا من أمور المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلّتهم

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۵۴

وفقرهم احتجب الله تعالٰى عنه دون حاجته وخلّته وفقره۔[1]

”جسے اللہ عز و جل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہوکر بیٹھ رہا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہوجائے گا۔“

اس حدیث پاک میں ”فقر“ غذا، لباس، مکان اور علاج جیسی بنیادی ضرورتوں کا احاطہ کرتا ہے جبکہ ”حاجة“ میں زندگی کی دیگر بنیادی ضروریات آ گئی ہیں۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا:

۲۔ ما من إمام يغلق بابه دون ذوي الحاجة والخلّة والمسكنة إلّا أغلق الله أبواب السّماء دون خلّته وحاجته ومسكنته۔[2]

”جو امام ضرورت مندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کرلیتا ہے اللہ اس کی ضروریات فقر اور مسکین پر آسمان کے دروازے بند کرلیتا ہے۔“

۳۔ ألا كلّكم راع وكلّكم مسؤل عن رعيته فالإمام الّذي على النّاس راع وهو مسؤل عن رعيته۔[3]

”آگاہ رہوتم میں سے ہر ایک آدمی نگران ہے اور (روز قیامت) اس سے اس کی رعیت

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية والحجبة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۸

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۲: ۳۳۱، رقم: ۸۳۲

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب الأحكام عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في إمام الرعية، ۳: ۶۱۹، رقم: ۱۳۳۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۳۱، رقم: ۱۸۰۶۲

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۱۰۶، رقم: ۷۰۲۸

۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۱۲۴، رقم: ۳۳۴۱

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب قول الله تعالٰى: وأطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم، ۶: ۲۶۱۱، رقم: ۶۷۱۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق، ۳: ۱۴۵۹، رقم: ۱۸۲۹

(ماتحت لوگوں) کے بارے میں باز پرس کی جائے گی تو (اس طرح) لوگوں پر امیر یا حکمران بھی ایک نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

۴۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ امارت (حکومت) کا سوال کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أنت ضعيف وهي أمانة وهي يوم القيامة خزى وندامة إلّا من أخذها بحقّها وأدّى ما عليه فيها۔(۱)

"اے ابو ذر! تو کمزور ہے اور یہ (امارت وحکومت) ایک بہت بڑی امانت اور بروز قیامت (امیر کیلئے) رسوائی اور ندامت کا باعث ہے۔ البتہ (اس شخص کیلئے رسوائی نہیں ہو گی) جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ اختیار کیا اور امارت وحکومت میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی اس کو صحیح معنوں میں ادا کیا۔"

یعنی شریعتِ اسلامیہ میں امارت و سیادت کے منصب پر فائز شخصیت اپنی رعیت کی کفالت سے بری الذمہ کسی صورت بھی قرار نہیں دی جا سکتی۔ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عن سلمان قال: إنّ الخليفة هو الّذي يقضي بكتاب الله ويشفق على الرّعية شفقة الرّجل على أهله فقال كعب الأحبار: صدق۔(۲)

"حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سن کر کعب الاحبار نے کہا: سلیمان نے سچ کہا"

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کی روشنی میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"والی حکومت رعایا کا ایسا راعی ہے جس طرح گڈریا بکریوں کی رکھوالی کرتا ہے۔"(۳)

---

(۱) ۱۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۹
۲۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۱۱

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۱۳، رقم: ۱۲

(۳) ابن تيمية، السياسة الشريعة فى إصلاح الراعي والرعية: ۱۷

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۵۔ ما من أمیر یلی أمر المسلمین ثم لا یجهد لهم وینصح إلّا لم یدخل معهم الجنّة۔(۱)

''جو آدمی مسلمانوں کے معاملے (حکومت) کا نگران بنے پھر ان کی بہتری کے لئے کوشش کرے اور نہ ہی ان کی خیر خواہی کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

۶۔ ما من عبد استرعاه اللہ رعیّة فلم یحطها بنصیحة إلّا لم یجد رائحة الجنّة۔(۲)

''جس بندے کو رب ذو الجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا۔ پھر اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ (حکمران) جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔''

۷۔ ما من عبد یسترعیه اللہ رعیّة یموت یوم یموت وهو غاشّ لرعیّته إلّا حرّم اللہ علیه الجنّة۔(۳)

''جس بندے کو رب ذوالجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا تو وہ اس حال میں مرتا ہے کہ قوم کا خیر خواہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردیتا ہے۔''

منصف اور عادل حکمران کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعیته النّار، ۱: ۱۲۶، رقم: ۱۴۲

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۱: ۳۰، رقم: ۸۹

۳۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۴۱، رقم: ۱۷۶۷۹

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۲۲۵، رقم: ۵۲۴

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الأحکام، باب من استرعی رعیة فلم ینصح، ۶: ۲۶۱۴، رقم: ۶۷۳۱

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعیته النّار، ۱: ۱۲۵، رقم: ۱۴۲

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۴۶، رقم: ۴۴۹۵

۳۔ دارمی، السنن، ۲: ۴۱۷، رقم: ۲۷۹۶

۸۔ إنّ المقسطين عند الله تعالٰی علی منابر من نور عن يمين الرّحمٰن ﷻ وكلتا يديه يمين الّذين يعدلون في حكمهم وأهليهم وما ولّوا۔[۱]

''بے شک انصاف کرنے والے (حکام و امراء) اللہ تعالٰی کے پاس نور کے منبروں پر اس کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے اور اللہ تعالٰی کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلہ میں اپنے لوگوں میں اور اپنے زیرِ حکومت امور میں عادل ہیں۔''

۹۔ السلطان ولي من لا ولي له۔[۲]

''حکمران (یا حکومت) ہر اس آدمی کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو''

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ محروم المعیشت افراد کے معاشی استحکام اور ان کی کفالت کا اہتمام کرے اور اس کے لئے جملہ ذرائع بروئے کار لائے جائیں بقول امام ابن حزم:

''ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کرے اگر زکوۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا ان (اہل حاجت) کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کرسکیں۔ اور اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔''[۳]

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث علی الرفق، ۳: ۱۴۵۸، رقم: ۱۸۲۷

۲۔ نسائي، السنن، كتاب القضاء، ۳: ۴۶۰، رقم: ۵۳۷۹

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۳۹، رقم: ۳۴۰۳۵

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب النكاح عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء لا نكاح إلّا بولي، ۳: ۴۰۷، رقم: ۱۱۰۲

۲۔ أبو داؤد، السنن، كتاب النكاح، باب في الولي، ۲: ۲۲۹، رقم: ۲۰۸۳

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۹: ۳۸۶، رقم: ۴۰۷۵

۴۔ حاكم، المستدرك علی الصحيحين، ۲: ۱۸۲، رقم: ۲۷۰۶

(۳) ابن حزم، المحلي، ۶: ۱۵۶

امام جصاص سورہ یوسف کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قصّ اللہ تعالیٰ علینا من قصة یوسف وحفظه للأطعمة في سني الجدب وقسمته علی النّاس بقدر الحاجة دلالة علی أن علی الائمة في کل عصر أن یفعلوا مثل ذلک إذا خافوا ھلاک النّاس من القحط۔ (۱)

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام کا جو قصہ سنایا ہے اور ان کے بارے میں قحط کے زمانے میں غذائی اشیاء کو محفوظ کر کے انسانوں میں بقدرِ ضرورت تقسیم کرنے کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ جب ان کو اندیشہ ہو کہ قحط کے سبب عوام ہلاک ہو جائیں گے تو ایسا ہی طریقہ اختیار کریں۔''

بحیثیت سربراہ مملکت اسی احساس ذمہ داری کا مظاہرہ ہمیں خلفائے راشدین کے ہاں ملتا ہے۔ جنہوں نے اپنی سرکاری و حکومتی حیثیت کو ہمیشہ ایک امانت کی حیثیت دی۔ اور عملاً بھی اس کا مظاہرہ کیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال پوچھا '' مجھے خلیفہ ہونے سے اب تک بیت المال سے کتنا وظیفہ ملا ہے۔ حساب کر کے بتایا گیا کہ چھ ہزار درہم آپ نے حکم دیا کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے یہ روپیہ بیت المال میں جمع کروا دیا جائے ۔ پھر فرمایا کہ اس دوران میرے مال میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ:

۱۔ ایک حبشی غلام جو بچوں کو کھلاتا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے۔

۲۔ ایک اونٹنی جس پر پانی لایا جاتا ہے۔

۳۔ ایک چادر جو چند درھم مالیت کی تھی۔

آپ نے حکم فرمایا کہ میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفہ وقت کی خدمت میں بھیج دی جائیں۔ جب اس حکم کی تعمیل میں یہ چیزیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے ابوبکر ''لقد اتعب من بعدہ۔'' آپ اپنے جانشینوں کے لئے کام بہت دشوار کر گئے ہیں۔'' (۲)

(۱) جصاص، أحکام القرآن، ۳: ۱۷۶

(۲) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۱۹۲۔۱۹۳

یہی عمل حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ بطور امیر المومنین اپنی سرکاری حیثیت کا تعارف آپ نے یوں کروایا:

ألا اخبركم بما استحل من مال الله؟ حلتين: حلة الشتاء والقيظ وما أحج عليه واعتمر من الظهر وقوت أهلي كرجل من قريش ليس بأغناهم ولا بأفقرهم ثم أنا رجل من المسلمين يصيبني ما يصيبهم(۱)

''کیا میں تمہیں جتا نہ دوں کہ اللہ کے مال (بیت المال) میں سے میرے لئے کیا حلال (جائز) ہے؟ میرے لئے بیت المال میں سے دو جوڑے کپڑے ایک سردی کیلئے اور ایک گرمی کے لئے حج وعمرہ کے لئے ایک سواری اور ایک متوسط درجہ کے قریشی آدمی کے معیار کے مطابق اپنے اہل وعیال کی گزر بسر کے لئے خرچ حلال ہے۔ اس کے بعد بیت المال میں سے جو عام آدمی کو ملے' وہی مجھے ملے گا۔''

عامۃ الناس کی کفالت کا آپ کو کس حد تک احساس تھا اس کا اندازہ آپ کے اس فرمان سے ہوتا ہے:۔

لئن بقيت ليبلغن الراعي بصنعاء نصيبه من هذا الفيء۔(۲)

''اگر میں زندہ رہا تو اس مال فے میں سے (ہر مسلمان حتیٰ کہ) صنعاء (یمن) میں بسنے والے چرواہے کو بھی اس کا حصہ حق پہنچے گا (یعنی لوگوں کو اپنے حقوق کے لئے سرکاری عمال کے پیچھے نہیں بھاگنا پڑے گا)۔''

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

أما والله، لئن بقيت لأرامل أهل العراق لأدعنهم لا يفتقرون إلى أمير بعدي۔(۳)

''بخدا اگر میں زندہ رہا تو اہل عراق کی بیوگان کو اتنا خوشحال کردوں گا کہ میرے بعد کسی امیر کی محتاج نہ رہیں گی۔''

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۲۴۹، رقم: ۶۶۱
(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۴۵
(۳) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۴۰

ایک موقع پر خطبے میں ارشاد فرمایا:

أيّها النّاس إنّ الله قد كلّفني أن أصرف عنه الدّعاء۔[۱]

''لوگو! اللہ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اس کے حضور جانے والی دعاؤں کو رد کروں۔ یعنی لوگوں کی معاشی مشکلات کو کم کروں۔''

ایک موقع پر فرمایا:

ومن أراد أن يسأل الله عن المال فليأتني فإنّ الله جعلني خازنا وقاسما۔[۲]

''اور جو مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ نے مجھے اپنے مال کا خزانچی اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔''

اسی نوعیت کا طرز معیشت حضرت علی المرتضیٰ ؓ کے دور خلافت میں بھی نظر آتا ہے۔ ہارون ابن عنترہ نے اپنے باپ سے آپ کے بارے میں روایت کی ہے کہ:

''میں حضرت علی ؓ کے پاس گیا۔ جاڑے کا موسم تھا اور ان کے بدن پر صرف ایک پھٹا پرانا قطیفہ (مخملی لبادہ) تھا جس میں آپ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: امیر المومنین اللہ نے آپ اور آپ کے گھر والوں کے لئے اس حال میں کچھ حق مقرر کیا ہے۔ اور آپ اپنے ساتھ یہ برتاؤ کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

إنّي والله، ما أرزأكم شيئا، وما هي إلّا قطيفتي الّتي أخرجتها من المدينة۔[۳]

''واللہ میں تمہارا کوئی نقصان نہیں کروں گا۔ یہ میرا وہی قطیفہ ہے جسے میں مدینہ سے لایا تھا۔''

ایسا نہیں تھا کہ حضرت علی ؓ اپنے اور اپنے گھر والوں کے ساتھ یہ برتاؤ کرتے وقت اس

---

(۱) عز الدين السلمي، قواعد الأحكام في مصالح الأنام: ۱۳۳

(۲) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۴۵۷، رقم: ۳۲۸۹۶

۲۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۶: ۲۱۰

۳۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۸: ۲۰

(۳) أبو عبيدة، كتاب الأموال: ۲۵۱، رقم: ۶۷۱

حقیقت سے نا آشنا رہے ہوں کہ دین اس سے بہت زیادہ کی اجازت دیتا ہے۔ وہ یہ ضروری نہیں قرار دیتا کہ اپنے آپ کو ہر طرح کی آسائش سے محروم رکھ کر روکھے سوکھے اور موٹے جھوٹے پر قناعت کرتے ہوئے ایک زاہدانہ زندگی گزار دی جائے۔ وہ جانتے تھے کہ اس وقت بھی مسلمانوں کے ایک عام فرد کی حیثیت سے بیت المال سے ان کا حصہ اس سے کئی گنا زیادہ تھا جو وہ لے رہے تھے۔ نیز یہ بھی کہ بحیثیت ایک حاکم کے جو عوام کی خدمت کے لئے وقف ہو ان کا حصہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔ وہ چاہتے تو اتنا لے سکتے تھے۔ جتنا کہ حضرت عمرؓ نے بعض ممالک کے والیوں کے لئے مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جب عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا والی بنایا تو ان کے اور ان کے معاونین کے لئے چھ سو درہم ماہانہ مقرر کیے۔ عام افراد کی طرح جو عطاء ان کے حصہ میں آتی تھی وہ علیحدہ تھی۔ نیز روزانہ آدھی بکری اور آدھی بوری آٹا دیا جاتا تھا۔ اس طرح آپ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ میں لوگوں کی تعلیم اور بیت المال کی نگرانی پر مامور کیا تو سو درہم ماہانہ اور چوتھائی بکری روزانہ مقرر کیا۔ عثمان بن حنیف کے لئے اس سالانہ عطاء کے علاوہ جو پانچ ہزار درہم کے بقدر تھی چوتھائی بکری روزانہ اور ڈیڑھ سو درہم ماہانہ مقرر کیا۔

حضرت علی ﷺ نے اپنے ساتھ جو کچھ کیا وہ ان باتوں سے ناواقف نہیں تھے۔ دراصل وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ حاکم نمونہ بنتا ہے اور اس پر شک کی بھی بہت گنجائش ہوتی ہے۔ چونکہ خزانہ عام ان کے تحت ہوتا ہے لہٰذا اس پر اس میں خرد برد کا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے والیوں اور اپنے عام رعایا کے لئے احتیاط و پرہیزگاری کا نمونہ بنتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے نفس کو ابوبکر ﷺ اور عمر ﷺ کے طریقوں کا پابند بنایا۔ جو لوگ اللہ کے دین میں رسول اللہ کے نائب مقرر ہوتے تھے ان کے لئے یہ اونچا معیار ہی موزوں تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ ﷺ نے اپنے دورِ خلافت میں جو مالیاتی پالیسی اختیار کی اسے آپ ﷺ نے بیعتِ خلافت کے بعد اپنے خطبہ میں یوں بیان فرمایا:

إلا أن أكون عليكم ألا وإنه ليس لي أمر دونكم إلا أن مفاتيح مالكم معي ألا وإنه ليس لي أن آخذ منه درهمًا دونكم رضيتم.(۱)

''لوگو! میں صرف ایک شرط پر تمہارا خلیفہ بنوں گا کہ تمہارے خزانوں کی چابیاں اگرچہ میرے قبضہ میں ہوں گی لیکن میں تمہاری رضامندی کے بغیر اس میں سے ایک درہم بھی

(۱) طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۶۹۷

نہ لوں گا۔"

آپ حضرت عثمان ﷜ کی عطا کردہ زمینوں، جاگیروں اور انعام و اکرام کے طور پر دیئے گئے مال کو بیت المال میں واپس لائے اس موقع پر آپ ﷜ نے فرمایا:

واللہ لو وجدته قد تزوجه به النساء، وتملک به الإماء، لرددته، فإن في العدل سعة، ومن ضاق عليه العدل، فالجور عليه أضيق.[1]

"خدا کی قسم! اگر میں کسی مال کو اس حالت میں پاتا کہ اس کے ذریعے عورتوں سے شادی کی جا چکی ہے، لونڈیاں خریدی جا چکی ہیں (یا اس مال کو مختلف ملکوں میں پھیلایا جا چکا ہے) تو بھی میں اسے واپس لاتا کیونکہ عدل میں بڑی وسعت ہے اور جس کے لئے حق تنگ ثابت ہو اس کے لئے ظلم و جور اور زیادہ تنگ ہوتا ہے۔"

(۲) معاشی کفالت کا دائرہ کار

ایک اسلامی ریاست میں ان تمام بنیادی لوازمات کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے جن پر زندگی کے قیام و استحکام کا انصار ہے۔ ان بنیادی ضروریات زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔حق خوراک ۲۔حق لباس

۳۔حق رہائش ۴۔حق ذریعہ معاش (روزگار)

i. حق خوراک کی فراہمی

حضرت جریر﷜ فرماتے ہیں ہم ایک مرتبہ شروع دن میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں اور ننگے جسم دھاری دار چادریں پہنے اور تلواریں لٹکائے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اس فقر و فاقہ اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا پریشانی میں آپ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر تشریف لے آتے۔ پھر آپ نے حضرت بلال ﷜ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا خطبے میں آپ نے سورہ نساء کی ابتدائی آیت کریمہ تلاوت کی:

---

(۱) سیدنا علي المرتضی ﷜، نہج البلاغہ: ۵۲

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○(۱)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے○“

اور سورہ الحشر کی آیت - ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ”اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھتے رہنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لئے آگے کیا بھیجا ہے۔“(۲)﴾ - پڑھ کر لوگوں کو اپنے غریب مفلس اور حاجت مند بھائیوں پر صدقے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر آدمی کو چاہیے کہ اس کے پاس ایک ہی دینار ہو، ایک ہی درہم ہو، ایک ہی کپڑا ہو ایک ہی صاع گندم ہو یا ایک صاع کھجور ہو؛ اس میں سے صدقہ کرے۔ حتی کہ اگر اس کے پاس ایک کھجور ہے تو کھجور کے ٹکڑے سے بھی اپنے بھائیوں کی مدد کرے آپ کا فرمان تھا کہ لوگ گھروں کو دوڑ کر گئے اور دھڑا دھڑ حسب توفیق چیزیں لانے لگے۔ راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف کھانے اور کپڑے کے ڈھیر لگ گئے اور صحابہ کرام ﷺ کے اس جذبہ ہمدردی کو دیکھ کر آپ ﷺ کو اتنی مسرت ہوئی کہ:

رأيت وجه رسول الله ﷺ يتهلّل كأنّه مذهبة۔(۳)

(۱) النساء، ۴: ۱

(۲) الحشر، ۵۹: ۱۸

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة، ۲: ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۲: ۳۹، رقم: ۲۳۳۵

۳۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۲: ۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۷۵، رقم: ۷۵۳۰

۵۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲: ۳۲۸، رقم: ۲۳۷۲

''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور خوشی سے یوں کھل اٹھا گویا کہ وہ چمکتا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔''

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فقر و فاقہ اور سخت بھوک نے مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو آ لیا، حتی کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے ہماری آنکھوں میں اندھیرا ہونے لگا۔ جب اور کوئی سبیل نظر نہ آئی تو ہم نے سوچا کہ اصحاب رسول ﷺ کے پاس چلتے ہیں۔ مگر وہاں بھی افلاس نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی ہمیں اپنے پاس ٹھہرانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ ہمیں اپنے گھر لے گئے اور فرمایا کہ یہ چار بکریاں ہیں ان کا دودھ پیو اور ہمیں بھی پلاتے رہو۔ ہم کئی روز تک حضور کے مہمان رہے ہمارا معمول یہ تھا کہ بکریوں کے دودھ کے چار حصے کرتے ایک حصہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بھر کر رکھ دیتے اور باقی اپنے اپنے حصے کا پی کر سو جاتے۔ (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے بھوک نے ستایا تو میں مجبوراً گھر سے مسجد نبوی ﷺ کی طرف نکل پڑا راستے میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ملاقات ہوئی تو وہ تعجب سے پوچھنے لگے ابوہریرہ اس وقت کدھر کا قصد ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ مجھے اس وقت بھوک نے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے وہ کہنے لگے بخدا ہمارا بھی یہی معاملہ ہے۔ ہمیں بھی بھوک ہی نے گھروں سے نکالا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب مل کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے پوچھا اس وقت تم سب کیسے آئے؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وقت بھوک ہمیں آپ کے پاس لائی ہے آپ نے چہرہ اقدس پر ناگواری کا کوئی تاثر نظر نہیں آیا۔ بلکہ آپ نے فوراً کھجوروں کا ایک طبق منگایا اور ہر آدمی کو دو دو کھجوریں عنایت فرماتے ہوئے فرمایا یہ کھا لو اور اوپر سے پانی پی لو یہ آج تمہارے لئے کافی ہوں گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کھجور کھا لی اور دوسری بچا کر اپنی گود میں رکھ لی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا ابوہریرہ تم نے یہ کھجور کیوں بچا رکھی ہے؟ میں نے عرض کیا: اپنی والدہ کے لئے۔ فرمایا: تم کھاؤ تمہاری والدہ کے لئے ہم مزید دو کھجوریں دے دیں گے۔ چنانچہ وہ کھجوریں میں نے کھا لیں اور والدہ کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید دو کھجوریں دے دیں۔ (۲)

---

(۱) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۵: ۳۳۸

(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۴: ۳۲۹

۲۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۲: ۵۹۲

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لكثرة من يغشاه وأضيافه وقوم يلزمونه لذالك فلا يأكل طعاما أبدا إلّا معه أصحابه وأهل الحاجة يتتبعون من المسجد۔(۱)

''کثرت سے آپ ﷺ کے ہاں آنے والے مہمانوں اور مفلس لوگوں کی وجہ سے جو کھانے کے لئے آپ ﷺ کے ساتھ چمٹے رہتے تھے(آپ کے ہاں فاقہ کی کیفیت رہتی) آپ ﷺ جب بھی کھانا تناول فرماتے تو آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ اہلِ حاجت بھی شریک ہو جاتے جو مسجد سے آپ کے پیچھے آ جاتے۔''

ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اسلام لانے سے قبل ایک رات حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ آپ نے اسی بکری کا دودھ دوہ کر مجھے پلایا جس کا دودھ گھر والوں کو ملا کرتا تھا آپ ﷺ کے گھر والے کہنے لگے کہ آج رات بھی اسی طرح بھوکے گزار لیں گے جس طرح کل رات بھوکے گزاری تھی۔ آپ کا یہ بلند اخلاق اور کمال ایثار دیکھ کر صبح ہوتے ہی ابوبصرہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔(۲)

یعنی ضرورت مندوں کی کفالت کے لئے نہ صرف آپ ﷺ خود بلکہ پورا خانوادۂ نبوت اکثر اوقات فاقہ کشی کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يبيت الليالي المتتابعة طاويًا وأهله لا يجدون عشاء و كان أكثر خبزهم خبز الشعير۔(۳)

''رسول اللہ ﷺ اور آپ کے گھر والے کئی کئی متواتر راتیں بھوکے رہ جاتے کیونکہ رات

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۴۰۹

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۹۷، رقم: ۲۷۲۶۹

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۵: ۳۱

(۳) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في معيشة النبي وأهله، ۴: ۵۸۰، رقم: ۲۳۶۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، باب خبز الشعير، ۲: ۱۱۱۱، رقم: ۳۳۴۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۵۵، رقم: ۲۳۰۳

کا کھانا میسر نہ ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں جب بھی روٹی میسر ہوتی تو اکثر جو کی روٹی ہوتی۔‘‘

حق خوراک کی فراہمی کا اہتمام نہ صرف آپ ﷺ کی انفرادی زندگی میں بکثرت نظر آتا ہے بلکہ قومی زندگی میں بھی قوانین کے نفاذ کے وقت آپ ﷺ نے اس حق کی کما حقہ ادائیگی کو ملحوظ رکھا اور جہاں کہیں اس اساسی حق کی وجہ سے شرعی قوانین کے نفاذ کا معاملہ درپیش ہوا تو آپ ﷺ نے اولاً لوگوں کو حق معاشرہ کی فراہمی کو ترجیح دی۔ حضرت عباد بن شرجیل ؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ قحط نے مجھے آ لیا تو ایک روز میں مدینے کے ایک باغ میں داخل ہو گیا اور ایک خوشہ توڑ کر پہلے خود کھایا اور پھر کچھ (اپنے اہلِ خانہ کے لئے) اپنے کپڑے میں ڈال لیا۔ اتنے میں باغ کا مالک آ گیا۔ اس نے ایک تو میری پٹائی کی اور پھر وہ پھل جو میں نے کپڑے میں باندھ رکھے تھے اپنے قبضے میں لے لئے اور مجھے اس حالت میں لیکر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آ گیا۔ آپ ﷺ نے سارا واقعہ سننے کے بعد مجھے کوئی سزا دینے کی بجائے اسے فرمایا:

’’جب یہ بیچارہ جاہل تھا تو تو نے اسے تعلیم کیوں نہ دی۔ جب یہ بیچارہ بھوکا تھا تو اسے کھانے کو کیوں نہ دیا۔ پھر اسے حکم دیا کہ اس کا کپڑا اسے واپس کر دو چنانچہ اس نے مجھے کپڑا واپس کر دیا اور آپ کے حکم سے مجھے وسق (ایک اونٹ کا بوجھ) یا نصف وسق غلہ بھی دیا۔‘‘(۱)

آپ ﷺ نے نہ صرف شرعی قوانین کے نفاذ میں لوگوں کے معاشی مسائل کو مستحضر رکھا بلکہ عبادات میں بھی معاشی تنگی کا لحاظ رکھا۔ جس سے اسلام کی عطا کردہ نظریہ حیات میں انسان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا:

’’میں رمضان المبارک کے روزے میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں‘‘ آپ ﷺ نے

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الجهاد، باب في ابن السبيل يأكل من التمر، ۳: ۳۹، رقم: ۲۶۲۰

۲۔ نسائي، السنن، کتاب آداب القضاة، باب الاستعداء، ۸: ۲۴۰، رقم: ۵۴۰۹

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب من مر علی ماشية قوم أو حائط هل يصيب منه، ۲: ۷۷۰، رقم: ۲۲۹۸

فرمایا: تیرے پاس اتنا مال ہے جس سے کفارہ میں ایک غلام آزاد کر سکے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا پھر بیٹھ جا۔ اتنے میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا کسی نے لا کر خدمتِ نبوی ﷺ میں پیش کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: یہ ٹوکرا لے جا اور اسے فقراء پر صدقہ کر دے۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وادی میں ہم سے بڑھ کر ضرورت مند گھر کوئی نہیں۔ اس کی یہ بات سن کر آپ ﷺ ہنس پڑے حتی کہ آپ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر فرمایا: جا اپنے اہلِ خانہ کو ہی یہ کھجوریں دے دے۔‘‘(۱)

حضور نبی اکرم ﷺ اور مہاجرین جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تو اس وقت جو مسائل درپیش تھے ان میں سے ایک پانی کا مسئلہ بھی تھا۔ پورے گھر میں رومہ کے کنویں کے علاوہ کہیں پانی نہ تھا۔ مگر اس کنویں کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے ذریعہ معاش بنایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے مخیّر حضرات کو مسلمانوں کے لئے اس کی خریداری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ جو آدمی اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں اس سے کہیں بہتر کنواں عطا کرے گا۔

یہ سعادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو میسر آئی کہ آپ وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرنے پر تیار ہو گئے مگر کنویں کا مالک نصف حصہ فروخت کرنے پر آمادہ ہوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم کے عوض نصف کنواں خرید لیا اور یہ شرط طے پائی کہ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہو گی اور دوسرے دن یہودی کی۔ اس طرح جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوتی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے کہ دو دن تک کے لئے وہ پانی کافی ہوتا جب یہودی نے دیکھا کہ اس طرح خاطر خواہ نفع حاصل نہیں ہو رہا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس طرح

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الصوم، باب کفارة من أتی أهله في رمضان، ۲: ۳۱۳، رقم: ۲۳۹۰

۲۔ بخاري، الصحیح، کتاب الأدب، باب التبسم والضحك، ۵: ۲۲۶۰، رقم: ۵۷۳۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۰۸، رقم: ۶۹۴۴

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باقی نصف بھی آٹھ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ (۱)

یہی عمل ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی رعایا کی خدمت اور ان کی ضروریات کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ملتا ہے کہ مدینہ کے اطراف میں ایک نابینا بڑھیا تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روزانہ علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جا کر اس کے لئے پانی اور دیگر ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ عرصے بعد آپ کو محسوس ہوا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے آ کر یہ کام کر جاتا تھا ایک روز تحقیق کی غرض سے آپ کچھ رات گزرنے کے بعد وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ خلیفۂ اول یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس ضعیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہو کر اس کے جھونپڑے سے نکل رہے تھے۔ آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بولے:

''اے خلیفہ رسول! قسم ہے کیا آپ ہی روزانہ یہ کام کر جاتے تھے۔'' (۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس بات کا سخت اہتمام کر رکھا تھا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہو۔ ملک میں جس قدر اپاہج' ازکار رفتہ یا مفلوج ہوں' ان کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی ایسے تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ پہلے آپ نے یہ انتظام شروع کیا کہ ایک جریب (تقریباً ۲۵ سیر) آٹا پکایا جائے جسے ۳۰ آدمیوں نے کھایا۔ اس طرح دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لئے دو جریب آٹا کافی ہے پھر آپ نے حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر آٹا مقرر کیا جائے آپ اعلانِ عام کے لئے منبر پر تشریف لائے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کے لیے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اس کو گھٹائے گا اس کو خدا سمجھے گا۔ (۳)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پیمانے ہاتھ میں لیکر فرمایا:

إنّي قد فرضت لكلّ نفس مسلمة في كل شهر مدى حنطة وقسطى زيت

---

(۱) ۱۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب، ۳: ۱۰۳۹

۲۔ حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ۲: ۲۶۸

(۲) ہندی، کنز العمال، ۱۲: ۴۹۰، رقم: ۳۵۶۰۷

(۳) بلاذری، فتوح البلدان: ۴۷۶

وقسطی خل فقال رجل: والعبد قال نعم والعبد۔[1]

''میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔ اس پر ایک شخص نے کہا: کیا غلام کے لئے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لئے بھی۔''

اس طرح آپ نے یہ حکم بلا تخصیص مذہب جاری کیا۔ آپ نے بیت المال کے عامل کو ہدایت لکھی کہ رب ذوالجلال کے فرمان ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ میں فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔[2]

مملکت کے عام شہریوں کے لئے حضرت عمر ﷺ کے اقدامات کا یہ عالم تھا کہ امام سیوطی نے ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے:

اتّخذ عمر دار الرقيق فجعل فيها الدقيق والسويق والتمر والزبيب وما يحتاج إليه يعين به المنقطع وانضيف بعمر ووضع عمر في طريق السبل بين مكة والمدينة ما يصلح من ينقطع به۔[3]

''حضرت عمر ﷺ نے ایک سٹور یا لنگر خانہ بنوایا جس میں آٹا، جو، کھجور، پنیر اور دیگر ضروریات کی چیزیں رکھوائیں۔ جس سے آپ مسافروں اور بھولے بھٹکوں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت عمر ﷺ نے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے درمیان راستے میں سرائیں بنوائیں جہاں مسافر آکر آرام کرتے تھے۔''

حضرت عمر ﷺ نے اولاد لقط یعنی گمنام بچوں کی کفالت کا بھی اہتمام فرمایا۔ آپ نے ان بچوں کے لئے یہ انتظام کیا کہ جہاں (شاہراہ وغیرہ پر) اس قسم کا کوئی بچہ ملے اس کو دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا۔ چنانچہ ان مصارف کے لئے اول ١٠٠ درہم سالانہ مقرر ہوئے تھے۔ جنہیں ان کا ولی بیت المال سے وصول کر لیتا تھا۔[4]

---

(١) ١۔ بلاذری، فتوح البلدان: ٤٧٦

٢۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ١٨: ١٧١

(٢) أبو يوسف، كتاب الخراج: ١٣٦

(٣) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ٣: ٢٨٣

(٤) بلاذری، فتوح البلدان: ٤٦٧

۱۸ھ میں مدینہ اور اطراف و اکناف میں مشہور قحط پڑا جس کی وجہ سے اس سال کا نام تاریخِ اسلام میں عام الرمادہ پڑ گیا۔ اسلامی ریاست کے لئے یہ ایک آزمائش کا موقع تھا۔ اس موقع پر جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کمال احساس ذمہ داری سے عامۃ الناس کی مشکلات دور کرنے کے لئے تگ و دو کی، وہ مسلمان حکمرانوں کے لئے ہمیشہ ایک نمونہ رہے گی۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں غذائی اجناس کی عام تقسیم کی اور سرکاری طور پر ہزاروں افراد کے لئے کھانا پکوا کر دونوں وقت کھلانے کا انتظام کیا۔ دوسرے علاقوں اور مصر و شام سے غلہ' آٹا' چربی' تیل اور دوسری اشیائے ضرورت منگوائیں۔ ہزاروں کی تعداد میں مویشی اور اونٹ باہر سے منگوا کر ذبح کروائے اور پورے قحط زدہ علاقے میں اعلان کر دیا کہ باہر سے آنے والے ان سرکاری قافلوں سے ضرورت کے مطابق چیزیں لے لیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قحط کا مقابلہ جنگی بنیادوں پر کیا اور شخصی طور پر تمام انتظامات کی نگرانی کی اور اس حد تک ہر انتظام کو انجام دیا کہ لوگ کہہ رہے تھے:

لو لم یرفع اللہ المحل عام الرمادۃ لظننا أنّ عمر یموت همًا بأمر المسلمین۔(۱)

"اگر اللہ عام الرمادہ میں قحط دور نہ کرتا تو ہمیں اندیشہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے اس مسئلہ میں فکر کرتے کرتے مرجاتے۔"

اس قحط کے سال میں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ہاتھ میں لاٹھی لئے ہوئے گشت کر رہے تھے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اے بندہ خدا! دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے جواب دیا: "اے بندہ خدا! وہ مشغول ہے" آپ آگے بڑھ گئے جب دوبارہ گزرے تو پھر وہی فرمایا اور اس شخص نے وہی جواب دیا۔ جب تین بار اس شخص نے یہی جواب دیا تو آپ نے پوچھا کہ تیرا دایاں ہاتھ کس کام میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا کہ موتہ کی لڑائی میں کام آ گیا۔ یہ سن کر آپ رونے لگے اور پاس بیٹھ کر اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں وضو کون کرواتا ہے؟ تمہارا سر کون دھوتا ہے؟ کپڑے کون دھوتا ہے اور فلاں فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کے لئے ایک ملازم لگوایا اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامان ضرورت بھی دلوائے۔(۲)

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۳۱۵

(۲) أبو یوسف، کتاب الآثار، ۱: ۲۰۸، رقم: ۹۲۷

حضرت عمر فاروق ﷛ نے فرمایا:

لئن عشت إن شاء الله لأسيرَن في الرعية حولا فإنّي أعلم أنّ للنّاس حوائج تقطع عني، أما هم فلا يصلون إليّ وأما عمالهم فلا يرفعونها إليّ فأسير إلي الشام فأقيم بها عشرين ثم أسير إلى مصر فأقيم بها شهرين ثم أسير إلى البحرين فأقيم بها شهرين ثم أسير إلى الكوفة فأقيم بها شهرين ثم أسير إلى البصرة فأقيم بها شهرين۔(۱)

’’ان شاء اللہ اگر میں زندہ رہا تو میں پورا سال عوام کے درمیان دورے کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ لوگوں کی بہت سی حاجات ہیں جو صرف میں ہی پوری کر سکتا ہوں، پس وہ یا تو مجھ تک پہنچ نہیں سکتے یا ان کے عمال انہیں میرے پاس پہنچنے نہیں دیتے پس میں شام کے دورے پر جاؤں گا اور وہاں بیس دن قیام کروں گا پھر میں مصر کا دورہ کروں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا پھر میں بحرین کا دورہ کروں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر میں کوفہ کا دورہ کروں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر میں بصرہ کا دورہ کروں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا۔‘‘

ان تمام تر اہتمامات کے باوجود حضرت عمر کو رعایا کے احوال کی فکر دامن گیر رہتی۔ آپ اکثر فرماتے کہ عمال رعایا کی پروا نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ اس بنا پر آپ نے ارادہ فرمایا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، مصر، بحرین اور بصرہ کا دورہ کریں۔ ہر جگہ ۲،۲ ماہ ٹھہریں اور رعایا کی بذات خود خبر گیری کریں مگر موت نے آپ کو اس کی مہلت نہ دی۔

ii. حق لباس

ارشادِ ربانی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ○(۲)

(۱) ابن جوزی، مناقب عمر بن خطاب: ۱۲۱

(۲) الاعراف، ۷: ۲۶

”اے اولادِ آدم! بیشک ہم نے تمہارے لئے (ایسا) لباس اُتارا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپائے اور (تمہیں) زینت بخشے اور (اس ظاہری لباس کے ساتھ ایک باطنی لباس بھی اُتارا ہے اور وہی) تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔ یہ (ظاہر و باطن کے لباس سب) اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں o۔“

یعنی لباس کی فراہمی بھی بنیادی ضروریات زندگی میں شامل ہے۔ سیرت نبوی ﷺ سے متعدد ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ضرورت مندوں کو لباس کی فراہمی کا اہتمام بھی فرمایا اگرچہ آپ کو اس حوالے سے خود تکلیف کا سامنا کرنا پڑا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

بینا رسول اللہ ﷺ جالس إذ أتاه صبي فقال: أنّ أمّي تستكسيك درعًا فقال: من ساعة إلى ساعة يظهر فعد إلينا فذهب إلى أمّه فقالت: قل له إن أمّي تستكسيك الدرع الّذي عليك فدخل ﷺ داره ونزع قميصه و أعطاه وقعد عريانًا وأذن بلال وانتظر فلم يخرج إلى الصّلاة۔[1]

ایک خاتون نے اپنا لڑکا آپ کی بارگاہ میں بھیجا اور درخواست کی کہ آپ اسے قمیص عطا کردیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت نہیں پھر کسی وقت آجانا لڑکا واپس گیا تو اس کی ماں نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کہو اگر اور قمیص نہیں تو آپ کے جسم پر تو ہے۔ آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور قمیص اتار کر لڑکے کے حوالے کردی۔ اب مزید کوئی کپڑا نہ ہونے کے سبب آپ گھر میں ہی بیٹھے رہے حتی کہ نماز کے لیے بھی آپ باہر تشریف نہ لاسکے۔ صحابہ کو تشویش ہوئی جب تحقیق کی تو اصل صورت حال معلوم ہوئی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ:

۱۔ عورت کا آپ سے قمیص کا تقاضا کرنا اس امر کا اظہار ہے کہ اسلامی معاشرے کے ایک عام فرد کو بھی اس حقیقت کا علم تھا کہ کفالت عامہ کی ذمہ داری سربراہ مملکت پر ہے۔

۲۔ آپ ﷺ نے کوئی دوسرا لباس نہ ہونے کے باوجود اپنا کرتا مبارک عورت کے حوالے کر کے مسلمان سربراہ مملکت کے لئے ایک عملی مثال قائم فرمادی کہ رعایا کی خبرگیری اور ان کی بنیادی

(۱) آلوسی، روح المعانی، ۱۵: ۶۵

ضروریات کی کفالت کے لئے سربراہ مملکت کو کس حد تک اہتمام کرنا چاہیے۔

حضرت ابو حداد رضی اللہ عنہ ایک غریب صحابی تھے انہوں نے ایک یہودی سرمایہ دار سے قرض لیا ہوا تھا اور ان کی غربت کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس تن ڈھانپنے کے کپڑوں کے سوا کچھ اثاثہ نہ تھا۔ یہودی سرمایہ دار نے قرض کی واپسی کا تقاضا کیا۔ حضرت ابو حداد رضی اللہ عنہ نے مہلت مانگی۔ مگر وہ یہودی نہ مانا۔ جب یہودی کسی طور مہلت دینے پر راضی نہ ہوا تو آپ نے اپنا تہ بند اُتار کر یہودی کے حوالے کر دیا اور سر مبارک سے عمامہ اُتار کر کمر سے لپیٹ لیا۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أنّ رسول الله رأى صاحب بز فاشترى منه قميصًا بأربعة دراهم فخرج وهو عليه فإذا رجل من الأنصار فقال: يا رسول الله، اكسني قميصا كساک الله من ثياب الجنّة فنزع القميص فكساه إيّاه ثم رجع إلى صاحب الحانوت فاشترى منه قميصًا بأربعة دراهم۔[2]

”حضور نبی اکرم ﷺ نے کپڑے کے ایک تاجر سے چار درہم میں ایک قمیض خریدی۔ اسے زیب تن فرما کر آپ باہر نکلے ہی تھے کہ ایک انصاری سامنے آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے قمیص پہنائیے (شاید وہ ننگے جسم تھا) اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے کپڑوں میں سے قمیص پہنائے گا۔ آپ ﷺ کے پاس اور تو کوئی قمیص نہ تھی وہی قمیص اتاری اور اس انصاری کو پہنادی۔ پھر دکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے اپنے لئے مزید ایک قمیص چار درہم میں خریدی۔“

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا ایک بُنی ہوئی چادر آپ کے پاس لائیں اور عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ اسے زیب تن فرمائیں۔ آپ وہ چادر زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے تو ایک صاحب نے کہا: یا رسول اللہ کتنی خوبصورت چادر ہے مجھے عنایت فرما دیجیے! آپ نے اُتار کر دے دی۔ جب آپ ﷺ مجلس سے تشریف لے گئے تو لوگوں نے اس شخص سے کہا تو نے حضور نبی اکرم ﷺ سے چادر مانگ کر اچھا نہیں کیا؟ کیا تجھے پتہ

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۲۳

(۲) ابن کثیر، البداية والنهاية، ٦: ٣٩

نہیں کہ آپ ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی اور آپ ﷺ کسی کا سوال بھی رد نہیں کرتے۔ وہ صحابی کہنے لگے درآنحالیکہ میں نے یہ چادر پہننے کے لئے نہیں مانگی بلکہ میری تو یہ آرزو تھی کہ اس چادر سے میں اپنا کفن بناؤں۔(۱)

iii. حق رہائش

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی حق رہائش کو انسان کا بنیادی حق بیان فرمایا۔ ارشاد نبوی ہے:

ليس لإبن آدم حق في سوى هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري عورته وجلف الخبز والماء۔(۲)

''ابن آدم کے لئے سوائے ان امور کے کوئی ضروری حق نہیں' رہنے کے لئے گھر' ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی اور پانی۔''

iv. حق ذریعہ معاش اور مالی کفالت

اسلامی ریاست میں نہ صرف بنیادی ضروریات کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ جس کا مفصل تذکرہ اُوپر گزر چکا بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ حسنہ سے واضح پیغام ملتا ہے کہ اگر معاشرے کے ضرورت مند اور مستحق افراد کو مالی کفالت کی ضرورت ہو تو ریاست اس کا بھی اہتمام کرے تاکہ افرادِ معاشرہ معاشی مجبوریوں کے شکنجوں سے نجات حاصل کر سکیں اور اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر اپنی معاشی تخلیق کے عمل کو شروع کر سکیں۔

جب فتوحات ہونے لگیں اور بیت المال میں مال غنیمت آنے لگا تو آپ ﷺ نے آیۂ قرآنی ارشاد النبي اولی بالمومنين من انفسهم کا حوالہ دیتے ہوئے اعلان عام فرمایا:

---

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبي ﷺ فلم ينكر عليه، ۱: ۴۲۹، رقم: ۱۲۱۸

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب منه، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱

۲۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۳٦، رقم: ۴٦

۳۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۳۷۴، رقم: ۷۸٦٦

۴۔ بيهقي، شعب الايمان، ۵: ۱۵۷، رقم: ٦۱۸۰

فأيّما مومن مات وترک مالاً فليرثه عصبته من کانوا فإن ترک دينًا أو ضياعاً فليأتني فأنا مولاه۔[1]

''جو مومن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) ہوں گے جو کوئی بھی ہوں گے اور اگر وہ اپنے ذمہ دین (قرض) چھوڑ کر مرا یا بچے (جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو) چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے میرے ذمہ۔ میں ہی ان کا والی ہوں۔ (یعنی ان کی کفالت کروں گا اور ان پر مال خرچ کروں گا۔)

فأيّکم ما ترک دينًا أو ضيعة فادعوني فأنا وليّه۔[2]

''تم میں سے جو آدمی قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائے تو مجھے بلاؤ۔ بے شک قرض اور بچوں کے معاملے میں اس کا ولی میں ہوں۔''

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ بحرین سے خراج اور جزیے کا مال بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچا تو آپ نے فرمایا اس مال کو مسجد (کے صحن) میں پھیلا دو۔ بقول راوی آپ ﷺ کے پاس جتنے بھی اموال آئے ان میں یہ سب سے زیادہ تھا (محدثین نے ایک لاکھ درہم کا اندازہ لگایا ہے) جب آپ ﷺ نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب نماز ہو چکی تو آپ مال کے پاس بیٹھ گئے۔ پس جو بھی نظر آتا اسے ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتے اور آپ اس وقت تک نہ اٹھے جب تک سارا مال تقسیم نہ ہو گیا اور ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔[3]

بحیثیتِ سربراہ اسلامی ریاست' ریاست کی جملہ آمدنی اور محاصل آپ کے ہاتھ میں تھے مگر آپ نے اس تمام تر آمدنی کو شخصی تصرف میں لانے کی بجائے مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا۔ حتی کہ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب النبی أولی بالمؤمنين من أنفسهم، ۴: ۱۷۹۵، رقم: ۴۵۰۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالا فلورثته، ۳: ۱۲۳۸، رقم: ۱۶۱۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۸، رقم: ۸۲۱۹

۳۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۲۰۱، رقم: ۱۱۹۱۰

۴۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۲۹۱، رقم: ۱۵۲۶۱

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب القسمة وتعليق القنو في المسجد، ۱: ۱۶۲

آپ ﷺ نے زکوۃ کی ساری رقم بھی اپنے اور اپنے اہل وعیال اور خاندان بنو ہاشم پر حرام فرما دی اور اسے بحکم الٰہی غربا اور اہل حاجت کا حق قرار دیا۔

قال رسول الله ﷺ: ما أوتيكم من شيء وما أمنعكموه إن أنا إلّا خازن أضع حيث أمرت۔ (۱)

’’فرمایا: میں تم کو نہ کچھ دے سکتا ہوں اور نہ کچھ روک سکتا ہوں۔ میں صرف خزانچی ہوں جس جگہ صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں ہی صرف کرتا ہوں۔‘‘

آپ ﷺ کا یہ فرمان مبارک دراصل مسلمان حکمرانوں کے لئے صرف خرچ کے باب میں ایک رہنما اُصول فراہم کرتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضرورت مند آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اسے کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز نہیں البتہ جو کچھ لینا چاہتے ہو میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کوئی چیز آجائے گی تو میں ادائیگی کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اس وقت حاضر خدمت تھے نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ جس چیز پر قدرت نہیں رکھتے یا جو چیز آپ کے پاس نہیں، اللہ نے جب آپ کو اس کا مکلّف نہیں کیا تو آپ خواہ مخواہ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کو پسند نہ فرمایا۔ ایک انصاری نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اس ناگواری کو دیکھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ خرچ فرماتے رہیں اور عرش والے مالک سے کسی قسم کی کمی کا خوف نہ فرمائیں۔ انصاری کی یہ بات سنتے ہی آپ کا چہرہ انور خوشی سے کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔ (۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حزم ﷺ غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے انہوں

---

(۱) ۱۔ أبو داؤد، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية والحجبة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۹

۲۔ إسحاق بن راهويه، المسند، ۱: ۳۲۵، رقم: ۳۸۶

۳۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۲۰: ۵۱

۴۔ مناوي، فيض القدير، ۵: ۴۳۰

(۲) ترمذي، الشمائل المحمدية، ۱: ۲۹۴

نے مدینہ منورہ کے ایک سرمایہ دار یہودی سے تیس وسق قرض لے رکھا تھا۔ اتفاقاً حضرت جابر کی کھجوریں کم پھل لائیں جس سے یہودی کا قرض پورا نہیں ہوتا تھا یہودی نے تقاضا کیا۔ حضرت جابر ؓ نے سارا واقعہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور سفارش کی درخواست کی آپؐ یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ تو اپنے قرض کے بدلے حضرت جابر ؓ کے باغ کی ساری کھجوریں لے لے اور اس پر اکتفا کر لے مگر یہودی کسی طور نہ مانا۔ آپ ﷺ حضرت جابر ؓ کے باغ میں تشریف لے گئے اور باغ کے درختوں کے درمیان چلے پھرے۔ آپ کے قدمین مبارک کی تاثیر تھی کہ جوں ہی آپ ﷺ باغ میں داخل ہوئے تمام درختوں کے خوشے کھجوروں سے لبریز ہو گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت جابر ؓ سے فرمایا کہ اب کھجوریں اُتارو اور یہودی کا قرض ادا کر دو آپ ﷺ کی واپسی پر حضرت جابر ؓ نے کھجوریں اتاریں اور قرض خواہ کی تیس وسق کھجوریں ادا کیں پھر بھی سترہ وسق کھجوریں بچ گئیں۔ حضرت جابر ؓ نے جب اس کی خبر آپ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ واقعہ حضرت عمر کو بھی بتا دو۔ حضرت جابر ؓ نے جب حضرت عمر ؓ کو خبر دی تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا:

لقد علمت حين مشى فيها رسول الله ﷺ ليباركن فيها۔(۱)

”مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا جب آپ ﷺ باغ میں چلے تھے کہ کھجوروں میں ضرور بالضرور برکت ہو گی۔“

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں ایک آدمی کو پھلوں کی تجارت میں کسی وجہ سے نقصان ہو گیا۔ تجارت میں خسارے کی وجہ سے وہ مقروض ہو گیا اور قرض خواہ اسے پریشان کرنے لگے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کی یہ پریشانی دیکھی نہ گئی آپ نے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا کہ صدقہ خیرات کر کے اس بیچارے کو اس مصیبت سے نکالو۔ حکم ملنے کی دیر تھی سب نے حسب استعداد اس کی امداد کی مگر سب رقم ملا کر بھی اس کے قرض کی رقم کے برابر نہ ہو سکی۔ پھر آپ ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا تم لوگ بھی کچھ ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کرو۔ جو کچھ اس

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب في الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب إذا قاص أو جازفه في الدين تمرا بتمر أو غيره، ۲: ۸۴۴، رقم: ۲۲۶۶

۲۔ فريابي، دلائل النبوة، ۱: ۸۳

کے پاس موجود ہے وہ لے لو اور باقی چھوڑ دو۔(۱)

یہ واقعہ فتوحات اور خوش حالی سے پہلے کا ہے جب فتوحات عام ہونے لگیں تو آپ نے اعلان عام فرما دیا کہ جو آدمی قرض چھوڑ کر مرے اور اسے چکانے کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑے تو اس کا قرض ادا کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

ایک شخص آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا (جو شاید کسی دیہات کا رہنے والا تھا) اور اپنی معاشی بدحالی کا تذکرہ کرنے لگا۔ اتفاق سے اس وقت آپ کے پاس بکریوں کا ایک ریوڑ موجود تھا جو پہاڑوں کے درمیان چر رہا تھا۔ سائل کی غربت اور محتاجی کو دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ سارا ریوڑ لے جا۔ اسے اس قدر بخشش کی امید نہ تھی۔ وہ جب یہ ریوڑ لیکر اپنے قبیلے میں واپس پہنچا تو کہنے لگا لوگو! اسلام قبول کرلو کیونکہ پیغمبر اسلام اتنے فیاض اور سخی ہیں کہ جب دینے پر آتے ہیں تو کسی قسم کے فقر اور تنگ دستی سے نہیں ڈرتے۔(۲)

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا ربیعہ! کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نہیں چاہتا کہ کوئی چیز مجھے آپ کی خدمت سے غافل کر دے آپ خاموش ہوگئے۔ کچھ دن بعد پھر مجھ سے پوچھا ربیعہ کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ایک تو میں نہیں چاہتا کہ کوئی مصروفیت مجھے آپ کی خدمت سے غافل کرے دوسرے میرے پاس اتنی رقم نہیں کہ بیوی کو مہر بھی دے سکوں۔ آپ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساقاۃ، باب استحباب الوضع من الدین، ۳: ۱۱۹۱، رقم: ۱۵۵۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الزکاۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء من تحل له الصدقة من الغارمین وغیرهم، ۳: ۴۴، رقم: ۶۵۵

۳۔ نسائي، السنن، کتاب البیوع، باب وضع الجوائح، ۷: ۲۶۵، رقم: ۴۵۳۰

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب البیوع، باب في وضع الجائحة، ۳: ۲۷۶، رقم: ۳۴۶۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب ما سئل رسول اللہ شیئا قط فقال لا وکثرۃ عطائه، ۴: ۱۸۰۶، رقم: ۲۳۱۲

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۲۸۷، رقم: ۶۳۷۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۵۹، رقم: ۱۳۷۵۶

۴۔ أبو یعلی، المسند، ۶: ۵۶، رقم: ۳۳۰۲

خاموش ہو گئے۔ ایک دن پھر آپ نے پوچھا ربیعہ کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کیا حضور ﷺ مجھے کون رشتہ دے گا؟ میرے پاس تو اتنا پیسہ بھی نہیں کہ بیوی کو دے سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جا فلاں قبیلہ کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ مجھ سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو۔''

انہوں نے پیغام نکاح سن کر حضور نبی اکرم ﷺ کو اور مجھے مرحبا کہا اور مجھے اپنی لڑکی نکاح میں دے دی۔ میں حضور ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اب حق مہر کہاں سے دوں؟ آپ ﷺ نے بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ربیعہ کے لئے ایک گٹھلی کے برابر سونے کا انتظام کرو۔ انہوں نے سونا جمع کر کے مجھے دیا اور میں نے لا کر اپنی بیوی کے گھر والوں کو دے دیا۔ میں پھر حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اب ولیمہ کہاں سے کروں؟ آپ ﷺ نے پھر بریدہ سے فرمایا ربیعہ کے لئے ایک مینڈھے کی قیمت کا انتظام کرو۔ انہوں نے فوراً مینڈھے کا انتظام کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ سیدہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور ان کے پاس جتنے جو ہیں وہ لے آؤ۔ میں گیا تو انہوں نے تمام جو میرے حوالے کر دیئے حالانکہ کاشانہ نبوی ﷺ میں اس کے سوا شام کے کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ میرے سسرال والوں نے کہا کہ جو ہم تیار کر دیتے ہیں وہ مینڈھا اپنے ساتھیوں سے ذبح کروالو۔ اس طرح ولیمہ تیار ہو گیا۔''(1)

قرآن حکیم کی عطا کردہ معاشی تعلیمات، جن کی عملی تعبیر و تشریح سیرت نبوی ﷺ سے میسر آتی ہے اور جس پر عمل خلفائے راشدین نے اپنے مبارک ادوار میں عمل کر کے ملت اسلامیہ کیلئے عملی مثال قائم کی، سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مثالی فلاحی معاشرے اور فلاحی ریاست کا قیام اسلام کی عطا کردہ تعلیمات پر عمل درآمد سے ہی ممکن ہے۔ جہاں افراد معاشرہ کو ہر نوع کا معاشی تحفظ عطا کیا گیا ہو۔ تاکہ وہ معاشی تعطل سے نکل کر تخلیق کی راہ پر گامزن ہو سکیں جس میں انفرادی اور قومی ارتقاء کا راز مضمر ہے۔

---

(1) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۵۸

۲۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۲: ۱۸۸ رقم: ۲۷۱۸

۳۔ هیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۲۵۶

(۳) منصفانہ معیشت کے لیے لازمی اقدامات

i. جملہ اموال میں حاجت مندوں کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظام معیشت کا بنیادی تصور جملہ اموال میں حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کے حق سے متعلق ہے۔ اسلام نے ہمارے کمائے ہوئے مال میں محروم المعیشت افراد کا باقاعدہ حق رکھ دیا ہے۔ جس کی حیثیت محض اخلاقی اور ترغیبی نہیں' شرعی و وجوبی اور قانونی ہے۔ اس کی ادائیگی محض نفلی نیکی نہیں' فرض ہے جسے پورا نہ کرنا حرام بلکہ جرم ہے۔ اگر اہل ثروت از خود حاجت مندوں کے حقوق اپنے مال سے ادا نہ کریں تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ بذریعہ قانون ان واجب الادا حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے ورنہ یہ حق تلفی، استحصال اور صریحاً ظلم و زیادتی متصور ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○(۱)

”اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھا ○“

دوسرے مقام پر اسی حکم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○(۲)

”اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے ○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا ○“

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس ضمن میں جس کسی کو بھی اپنے اموال کے منافع میں شریک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے لئے ایتائے حق (حق ادا کرنے) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن سے ان حق داروں کی قانونی و شرعی حیثیت اُجاگر ہوتی ہے جس کی رو سے وہ اسلامی ریاست سے اس حق کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ۔(۳)

---

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

’’اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو)۔‘‘

اس پر مستزاد یہ کہ لینے والے کا حق اتنا ہی ضروری اور قابل احترام قرار دیا گیا ہے جتنا کہ دینے والے کا اپنا حق۔ اس میں مالک کو بلحاظ مقدار (Quantitatively) ترجیح تو بہرحال حاصل ہے لیکن بلحاظ معیار (Qualitatively) دینے والے اور لینے والے دونوں برابر کے حقدار ہیں۔ اور شریک فی المنافع (Beneficiary) کا حق کسی لحاظ سے بھی مالک یعنی قابض و متصرف (owner) کے حق سے کمتر یا گھٹیا نہیں ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ص وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ۔[1]

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو۔‘‘

یعنی دوسروں کے لئے بھی وہی چیز پیش کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ ليس المؤمن الّذي يشبع وجاره جائع إلى جنبه۔[2]

’’وہ شخص کامل مومن نہیں جو خود تو سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا پڑا رہے۔‘‘

۲۔ ما آمن بي من بات شبعانًا وجاره جائع إلى جنبه وهو يعلم به۔[3]

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۲) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲۶۹۹
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۱۵۴، رقم: ۱۲۷۴۱
۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۱۰: ۳، رقم: ۱۹۴۵۲

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱: ۲۵۹، رقم: ۷۵۱
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷
۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۴۳، رقم: ۳۸۷۴

''وہ آدمی میرے اوپر ایمان نہ لایا جس نے خود تو رات سیر ہو کر بسر کی مگر اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا سویا اور یہ بات اس کے علم میں تھی۔''

۳۔ **أیما أهل عرصة أصبح فیهم امرؤ جائعًا فقد برء ت منهم ذمة الله ومنها۔**[1]

''جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت اور نگرانی کا وعدہ ختم ہو جاتا ہے۔

ii. ضرورت سے زائد زمین بحقِ سرکار ضبط

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال بن حارث مزنی سے غیر مزروعہ زمین واپس لے لی تھی جو انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عطا فرمائی تھی۔ حالانکہ وہ اس پر رضامند نہ تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد ملاحظہ ہو:

إنّ رسول الله ﷺ لم یقطعک لتحجره عن النّاس. إنّما أقطعک لتعمل فخذ منها ما قدرت علی عمارته وردّ الباقي۔[2]

''یقین جانو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یہ علاقہ اس لئے نہیں بخشا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ آپ ﷺ نے یہ علاقہ اس لئے عطا فرمایا تھا کہ تم اسے آباد کرو۔ لہٰذا جس حصے کی آبادکاری تم کر سکتے ہو وہ تم لے لو اور بقیہ واپس کر دو۔''

iii. مالِ وراثت میں غرباء کا شرعی حق

قرآن حکیم نے غرباء و مساکین کا حق ہر دوسرے حق پر مقدم رکھا ہے۔ حتی کہ وراثت میں جس پر ورثاء کا مکمل طور پر نجی حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے نادار اور غریب لوگوں کو وہاں بھی محروم نہیں

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۱۴، رقم: ۲۱۶۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۳، رقم: ۴۸۸۰

۳۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۴: ۳۰۲، رقم: ۲۰۳۹۶

۴۔ أبو یعلی، المسند، ۱۰: ۱۱۷، رقم: ۵۷۴۶

(۲) ۱۔ أبو عبید، کتاب الاموال: ۳۶۸، رقم: ۷۱۲

۲۔ یحی بن آدم، کتاب الخراج: ۲۹۴

رہنے دیا بلکہ ارشاد فرمایا:

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُو الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○[1]

’’اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو○‘‘

اس آیت سے دو اُصول مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ یہ کہ اسی مال میں سے یتامیٰ و مساکین (مستحقین) کو دو جو ورثاء میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ورثاء تو بہتر مال لے جائیں لیکن مستحقین کو گھٹیا مال دے دیا جائے۔ یہاں ’’منہ‘‘ کا مفہوم اور اس حصہ آیت کا افادہ کلام یہی ظاہر کر رہا ہے۔

۲۔ مزید برآں یہ کہ وراثت میں غرباء مستحقین کے حق کا شرعی وجوب بھی ثابت ہو رہا ہے کیونکہ ’’فارزقوھم‘‘ امر کا صیغہ ہے۔ یعنی حکم دیا جا رہا ہے کہ مالِ وراثت میں غرباء اور مساکین کو شریک کیا جائے۔

یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ مالِ وراثت بلا شرکتِ غیرے ورثاء کا حق ہوتا ہے لیکن اس میں بھی مستحقین کو شریک کرنے کا حکم ان کے حق کے شرعی وجوب اور اہمیت پر دلالت کر رہا ہے۔ اس امر کی وضاحت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی درج ذیل قول سے ہوتی ہے:

أمر الله ﷻ المؤمنين عند قسمة مواريثهم أن يصلوا أرحامهم ويتاماهم ومساكينهم من الوصية فإن لم تكن وصية وصل لهم من الميراث۔[2]

’’اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ جب مالِ وراثت تقسیم ہونے لگے تو رشتہ داروں کے ساتھ یتامیٰ و مساکین کو بھی وصیت میں شامل کریں اور اگر ان کے حق میں وصیت نہ کی گئی ہو تو پھر انہیں وراثت میں شریک کیا جائے۔‘‘

---

(۱) النساء، ۴: ۸

(۲) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۵: ۴۹

۲۔ طبري، جامع البيان عن تأويل أي القرآن، ۴: ۲۶۶

۳۔ شافعي، أحكام القرآن، ۱: ۱۴۷

اس سے ثابت ہوا کہ مستحق غرباء و مساکین یعنی ناداروں کو حصہ ملکیت وراثت میں سے بہر صورت دیا جائے گا۔ خواہ وہ وصیت کے طور پر ہو یا مال وراثت میں سے۔

فأيما مؤمن مات وترک مالًا فليرثه عصبته من كانوا فإن ترک ديناً أو ضياعاً فليأتني وأنا مولاه۔(1)

’’جو مومن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) ہوں گے جو کوئی بھی ہوں گے اور اگر وہ اپنے ذمہ دَین (قرض) یا بچے (جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو) چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے میرے ذمہ ہیں اور میں ہی ان کا والی ہوں (یعنی ان کی کفالت کروں گا اور ان پر مال خرچ کروں گا)۔‘‘

فأيكم ما ترک دينًا أوضيعة فادعوني فأنا وليه۔(2)

’’تم میں سے جو آدمی قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائے تو مجھے بلاؤ، بیشک قرض اور بچوں کے معاملے میں اس کا میں ولی ہوں۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب التفسير، باب اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ اَنْفُسِهِمْ، ۴: ۱۷۹۵، رقم: ۴۵۰۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الفرائض، باب ما جاء من ترك مالا فلورثته، ۴: ۴۱۳، رقم: ۲۰۹۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، ۳: ۱۲۳۸، رقم: ۱۶۱۹

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الفرائض، باب في ميراث ذوى الأرحام، ۳: ۱۲۳، رقم: ۲۹۰۰

۳۔ عبدالرزاق، المصنف، ۸: ۲۹۱، رقم: ۱۵۲۶۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۸، رقم: ۸۲۱۹

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۲۰۱، رقم: ۱۱۹۱۰

أتى النبي ﷺ بمال من البحرين، فقال: انثروه في المسجد، وكان أكثر مال أُتي به رسول الله ﷺ، فخرج رسول الله ﷺ إلى الصلاة ولم يلتفت إليه، فلما قضى الصلاة جاء فجلس إليه، فما كان يرى أحداً إلّا أعطاه، ...... فما قام رسول الله ﷺ وثم منها درهم۔(۱)

’’بحرین سے خراج اور جزیے کا مال بارگاہ نبوی ﷺ میں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس مال کو مسجد (کے صحن) میں پھیلا دو۔ بقول راوی آپ ﷺ کے پاس جتنے بھی اموال آئے ان میں یہ سب سے زیادہ تھا (محدثین نے ایک لاکھ درہم کا اندازہ لگایا ہے) جب آپ ﷺ نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب نماز ہو چکی تو آپ ﷺ مال کے پاس بیٹھ گئے۔ پس جو بھی نظر آتا اسے ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتے ...... آپ ﷺ اس وقت تک نہ اٹھے جب تک سارا مال تقسیم نہ ہو گیا اور ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔‘‘

iv. ادائیگی زکوۃ سے حکم انفاق ساقط نہیں ہوتا

اس ضمن میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی - **إنّ في المال لحقّا سوى الزّكاة** (بے شک مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں)(۲) - اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اڑھائی فیصد زکوۃ ادا کر دینے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مال کا حق ادا ہو گیا۔ بلکہ زکوۃ کے علاوہ بھی مال میں سے مستحقین کے ایسے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

مستحقین کے حقوق کی ادائیگی اس قدر اہم ہے کہ قرآن مجید کی نظر میں اسے نظر انداز کرنے کی صورت میں کوئی بھی عمل عمل صالح نہیں قرار پاتا قرآن اس تصور کی نفی کرتے ہوئے بڑی صراحت کے ساتھ ’’نیکی کے تصور‘‘ کو یوں بیان کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصلاة، باب القسمة وتعليق القنو في المسجد، ۱: ۱۶۲، رقم: ۴۱۱

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۳۵۶، رقم: ۱۲۸۰۷

(۲) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۲: ۲۴۱

۲۔ طبري، جامع البيان عن تأويل آى القرآن، ۱۵: ۷۱

۳۔ طبري، جامع البيان عن تأويل أى القرآن، ۲: ۹۶

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (۱)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔‘‘

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جس جگہ بھی ’’تقویٰ‘‘ اور ’’متقین‘‘ کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ وہاں ’’انفاق فی المال‘‘ کی صفت کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس صفت کو اس قدر نمایاں انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ’’عین تقوی‘‘ یا متقین کا جزو لاینفک معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں سب سے پہلے ’’متقین کی اصطلاح اور ان کی تعریف سورہ بقرہ کے آغاز میں وارد ہوئی ہے اور اس میں ان کے لئے ’’ومما رزقناھم ینفقون‘‘ کی شرط پوری کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی انہیں اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے محتاجوں اور ناداروں کا معاشی تعطل دور کرنے کے لئے خرچ کرنا ہوگا۔ دوسرے مقام پر ایجابی انداز سے نیکی کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔ (۲)

’’بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔‘‘

گویا برّ، صدق اور تقویٰ تمام تصورات کا تقاضائے اولین اسی حق کی ادائیگی ہے۔ اس کے بغیر انسان صالحیت کے کسی مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ما أوتیكم من شيء وما أمنعكموه إنّ أنا إلّا خازن أضع حیث أمرت۔ (۳)

(۱) آل عمران، ۳: ۹۱

(۲) البقرہ، ۲: ۱۷۷

(۳) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۹

۲۔ إسحاق بن راھویه، المسند، ۱: ۳۲۵، رقم: ۳۸۶

’’میں تم کو نہ کچھ دے سکتا ہوں اور نہ کچھ روک سکتا ہوں۔ میں صرف خزانچی ہوں جس جگہ صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں ہی صرف کرتا ہوں۔‘‘

آپ ﷺ کا یہ فرمان مبارک دراصل مسلمان حکمرانوں کے لئے صرفِ خرچ کے باب میں ایک رہنما اُصول فراہم کرتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إنّ رجلاً جاء إلی رسول اللہ ﷺ فسأله أن يعطيه فقال النبي ﷺ ما عندي شيء ولكن ابتع عليّ فإذا جاءني شيء قضيته، فقال عمر: يا رسول اللہ، قد أعطيته فما كلفك اللہ ما لا تقدر عليه، فكره النّبي ﷺ قول عمر، فقال رجل من الأنصار: يا رسول اللہ أنفق ولا تخف من ذي العرش إقلالاً. فتبسم رسول اللہ ﷺ وعرف البشر في وجهه لقول الأنصاري ثم قال: بهذا كما أمرت۔(1)

’’ایک مرتبہ ایک ضرورت مند آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اسے کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز نہیں البتہ جو کچھ لینا چاہتے ہو میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کوئی چیز آ جائے گی تو میں ادائیگی کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اس وقت حاضرِ خدمت تھے، نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ جس چیز پر قدرت نہیں رکھتے یا جو چیز آپ کے پاس نہیں، اللہ نے جب آپ کو اس کا مکلف نہیں کیا تو آپ خواہ مخواہ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کو پسند نہ فرمایا۔ ایک انصاری نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اس ناگواری کو دیکھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ خرچ فرماتے رہیں اور عرش والے مالک سے کسی قسم کی کمی کا خوف نہ فرمائیں۔ انصاری کی یہ بات سنتے ہی آپ ﷺ کا چہرۂ اور

۳۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۲۰: ۵۱

۴۔ مناوي، فيض القدير، ۵: ۲۳۰

(۱) ۱۔ ترمذي، الشمائل المحمدية، ۱: ۲۹۴

۲۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۱: ۱۸۰، رقم: ۸۸

۳۔ ابن أبي الدنيا، مكارم الأخلاق، ۱: ۱۱۸، رقم: ۳۹۰

خوشی سے کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔"

(۴) ریاست کے اِمتناعی اِقدامات

سیرت مبارکہ سے اس باب میں واضح رہنمائی ملتی ہے کہ اسلامی ریاست ان تمام ذرائع اور اسباب کا سد باب کرے جو ناجائز، استحصالی اور اسلامی تعلیمات کے منافی معیشت کے فروغ کی راہ ہموار کرتے ہوں۔ ان میں سرفہرست سود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ اقتدار کی ذمہ داری بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝(۱)

"(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۝"

جبکہ اس کے برعکس سود اس مثالی نظام کی کلیتاً نفی کا نام ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔(۲)

"جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔"

یعنی قیامت کے دن سود خور اس فالج زدہ شخص کی طرح کھڑے ہو جائیں گے جیسے کسی کو کوئی شیطان یا جن چھو جائے اور اس کے ہوش و حواس جاتے رہیں قیامت کے دن جس کو فالج زدہ کھڑا دیکھو سمجھ لو کہ وہ سود خور ہے اور اس حرام خوری کے باعث آج قیامت کے دن اس کے اوسان خطا کر دیئے گئے ہیں۔ پھر فرمایا:

---

(۱) الحج، ۲۲: ۴۱

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۷۵

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا۔[۱]

”یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید وفروخت) بھی تو سود کی مانند ہے۔“

سود خوروں کو اس لئے شیطان کے مس شدہ کی طرح ہوش وحواس سے عاری کر کے کھڑا کیا جائیگا کہ جب انہیں کہا جاتا تھا کہ سود چھوڑ دو تو وہ کہتے تھے بھئی سود لینا ایک نفع ہی تو ہے جیسے تم کاروبار میں نفع کماتے ہو۔ ہم قرض کے ذریعے مال کماتے ہیں۔ فرمایا چونکہ انہوں نے تجارت کو سود کے برابر اور سود کو تجارت کے برابر قرار دے دیا تھا اور یہ اتنا بڑا جرم ہے جس کے باعث قیامت کے دن انہیں شیطان زدہ اشخاص کی طرح کھڑا کیا جائے گا۔

وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔[۲]

”حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔“

سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے۔ اگر تجارت کے ذریعہ نفع کماؤ تو یہ نفع حلال ہے اگر قرض دے کر سود کے ذریعہ نفع کماؤ تو یہ حرام ہے۔

پھر فرمایا:

فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَانْتَھٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ۔[۳]

”پس جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچی سو وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو پہلے گزر چکا وہ اسی کا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔“

وہ لوگ جن تک قرآن کا حکم نہیں پہنچا تھا۔ وہ سود لیتے اور دیتے رہے۔ جب قرآن کا حکم آ گیا انہوں نے سود ختم کر دیا ان کے لئے فرمایا کہ جنہوں نے سود چھوڑ دیا ان کا پچھلا لیا دیا اللہ نے معاف کردیا۔ فرمایا:

وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۝[۴]

---

(۱) البقرہ، ۲: ۲۷۵

(۲) البقرہ، ۲: ۲۷۵

(۳) البقرۃ، ۲: ۲۷۵

(۴) البقرہ، ۲: ۲۷۵

''اور جس نے پھر بھی لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے o''

یعنی جنہوں نے نصیحت الٰہی اور فرمانِ مصطفیٰ ﷺ سن کر بھی سود اور سودی نظام نہ چھوڑا وہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں جلتے رہیں گے۔

i. سودی معیشت: ہمہ گیر تباہی

ارشاد ربانی ہے:

يَمْحَقُ اللهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍo(۱)

''اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتاo''

اس آیہ مبارکہ میں اس بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ سود پر مبنی معیشت معاشرے میں ظلم، استحصال اور استبداد کو راہ دے گی جس سے عام فردِ معاشرہ کی معاشی نشو ونما کی راہ رک جائے گی کیونکہ سود کا نظام معاشی بحران کے سوا کچھ نہیں ارشاد نبوی ہے:

الرّبا وإن كثر فإنّ عاقبته تصير إلى قلٍّ۔(۲)

''سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر اس کا نتیجہ قلت ہے۔''

جبکہ صدقات کا مفہوم معاشی پیداوار میں عام آدمی کو شریک کر کے عام فرد معاشرہ کے لئے بھی معاشی نمو کی راہ کھولنا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا نتیجہ انجام کار معاشی خوشحالی ہوتا ہے:

ما نقصت صدقة من مال۔(۳)

''کوئی صدقہ کسی مال سے کچھ گھٹاتا نہیں۔''

---

(۱) البقرہ، ۲: ۲۷۶

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۹۵، رقم: ۳۷۵۴

(۳) مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع، ۴: ۲۰۰۱، رقم: ۲۵۸۸

۲۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۸۶، رقم: ۱۶۷۶

قرآن حکیم میں اس تصور کو دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے:

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَاللهِ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○[1]

”اور جو مال تم سود پر دیتے ہو تا کہ (تمہارا اثاثہ) لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گا اور جو مال تم زکوٰۃ (وخیرات) میں دیتے ہو (فقط) اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو وہی لوگ (اپنا مال عنداللہ) کثرت سے بڑھانے والے ہیں ○“

ii. سودی معیشت: اللہ سے بغاوت

اللہ نے مسلمانوں کو سود ترک کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○[2]

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہو ○“

اہل ایمان کو آواز دی گئی کہ میرے حبیب ﷺ کا کلمہ پڑھنے والو قرآن اور اسلام پر ایمان لانے والو اللہ کو رب اور مصطفیٰ ﷺ کو اپنا رسول ماننے والو! سود کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ سود کو ختم کرنے کا اعلان آچکا ہے جو سود تم لے چکے تھے اور دے چکے تھے وہ گزر گیا۔ اگر اللہ سے ڈرتے ہو تو سود کا بقیہ لین دین بند کر دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سود خوروں سے اعلان جنگ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔[3]

”پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ۔“

اگر اللہ تعالیٰ کا یہ واضح حکم سن کر بھی تم نے سود کا لین دین اور سود کا نظام ختم نہ کیا تو سود

(۱) الروم، ۳۰: ۳۹

(۲) البقرہ، ۲: ۲۷۸

(۳) البقرہ، ۲: ۲۷۹

خورو پھر تیار ہو جاؤ تمہارے خلاف، تمہارے استحصالی نظام کے خلاف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہو چکا ہے۔

اُمتِ مسلمہ کو اب دو راستوں میں سے ایک راستے کو قبول کرنا ہوگا اگر اللہ اور اس کے رسول معظم ﷺ کے راستے پر چلنا چاہیں تو سودی نظام کو لات مارنا ہوگی اور اگر سود کی راہ پر چلنا چاہیں ہو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف (معاذ اللہ) جنگ کے لئے خود کو تیار کرنا ہوگا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۝[(۱)]

''اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۝''

iii. سود کی ہر نوع کی ممانعت

ایامِ جاہلیت میں عرب سود خوری کا عام طور پر یہ طریقہ تھا کہ ایک خاص میعاد کے لئے اُدھار سود پر دیا جاتا تھا اور اگر اس مقررہ مدت تک قرض دار ادائیگی نہ کر سکتا تو مزید مہلت کے ساتھ سود کی مقدار بھی بڑھا دی جاتی تھی اور اس طرح ہر آنے والے دور میں سود کی مقدار اضعاف مضاعف (دوگنی چوگنی) ہو جاتی تھی۔ قرآن حکیم نے نہ صرف سود کی عام شکل بلکہ اس شکل کی بھی جو سود کی بدترین صورت ہے ممانعت فرمائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ سود چاہے کسی بھی نوع کا ہو اللہ کے ہاں قابلِ گرفت اور ناجائز ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝[(۲)]

''اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۝''

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۷۹

(۲) آل عمران، ۳: ۱۳۰

iv. سیرۃُ الرسول ﷺ اور سودخوری پر وعید

(۱) سودخوری باعث تباہی و بربادی

عن أبي هريرة رضی الله عنه عن النّبي ﷺ قال: اجتنبوا السبع الموبقات قالوا: يا رسول الله وما هن؟ قال: الشرک بالله والسحر وقتل النّفس الّتی حرم الله إلّا بالحق وأكل الرّبوا وأكل مال اليتيم والتّولّی يوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات۔(۱)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ سات چیزیں کونسی ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ایسی جان کو ناحق مار ڈالنا جس کا مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے روز پیٹھ دکھا کر بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔‘‘

(۲) سودی لین دین پر حضور نبی اکرم ﷺ کا لعنت بھیجنا

عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه لعن رسول الله ﷺ أكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء۔(۲)

’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور سودی تحریر یا حساب لکھنے والے اور سودی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب لوگ (گناہ میں) برابر ہیں۔‘‘

---

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالىٰ: إنّ الّذين يأكلون أموال اليتامى ظلما، ۳: ۱۰۱۷، رقم: ۲۶۱۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب لعن أكل الربا ومؤكله، ۳: ۱۲۱۹، رقم: ۱۵۹۸

۲۔ أبو يعلى، المسند، ۳: ۳۷۷، رقم: ۱۸۴۹

۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۵: ۲۷۵، رقم: ۱۰۲۴۸

(۳) سود خور کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا

عن أبي هريرة ﷺ عن النّبيّ ﷺ قال: أربع حق على الله أن لا يدخلهم الجنّة ولا يذيقهم نعيمها مدمن الخمر وأكل الربا وأكل مال اليتيم بغير حق والعاق لوالديه۔(۱)

’’حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: چار شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ فرمائے گا اور نہ ان کو جنت کی نعمتوں کا ذائقہ چکھائے گا: عادی شرابی، سود کھانے والا، ناحق یتیم کا مال کھانے والا، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا۔‘‘

ان چار عملوں میں جس میں کوئی ایک عمل بھی ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو کبھی بھی جنت میں داخل نہیں کریگا اور نہ جنت کی نعمتوں میں سے اسے حصہ ملے گا جب تک وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہیں چھوڑ کر تائب نہ ہوجائے۔

(۴) سود کا کم تر درجہ ماں کے ساتھ زنا کی مثل ہے

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن أبي هريرة ﷺ عن النّبي ﷺ الربوا ثلاثة ويعودن حوبًا أيسرها أن ينكح الرّجل أمّه۔(۲)

’’حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے تہتر گناہ ہیں ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔‘‘

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: الربا سبعون بابًا أدناها كالّذي يقع على أمّه۔(۳)

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۴۳، رقم: ۲۲۶۰

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۴، رقم: ۲۸۴۴

(۲) ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۴، رقم: ۲۲۷۴

(۳) بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۳۹۴، رقم: ۵۵۲۰

’’حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے ستر دروازے (ستر قسمیں) ہیں ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے۔‘‘

حضرت براء بن عازب ﷺ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے ستر باب ہیں، کم سے کم گناہ ماں کے ساتھ بدکاری کی مثل ہے۔‘‘

اور عبداللہ ابن مسعود ﷺ سے بھی یوں ہی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے تہتر باب ہیں اور ادنیٰ درجہ یہ ہے جیسے کوئی ماں سے بدکاری کرے۔[۱]

(۵) سود کا ایک درہم (روپیہ) کھانا چھتیس دفعہ زنا سے زیادہ سخت ہے

ارشاد نبوی ہے:

عن عبد الله بن حنظلة ﷺ غسيل الملائكة قال: قال رسول الله ﷺ: درهم ربا أكله الرّجل وهو يعلم أشدّ من ستة وثلاثين زنية۔[۲]

’’حضرت عبداللہ بن حنظلہ ﷺ (جن کو شہید ہونے کے بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا) نے روایت کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ شدید (جرم) ہے۔ بشرطیکہ کھانے والے کو معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے۔‘‘

عن عبد الله بن سلام ﷺ عن رسول الله ﷺ قال: الدرهم يصيبه الرّجل من الربا أعظم عند الله من ثلاثة وثلاثين زنية يزنيها في الإسلام۔[۳]

’’حضرت عبد اللہ بن سلام ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک درہم جس کو کوئی شخص سود سے حاصل کرے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تینتیس زانیوں کی حالت اسلام میں زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔‘‘

---

(۱) بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۳۹۴، رقم: ۵۵۱۹

(۲) ۱۔ دار قطني، السنن، ۳: ۱۶، رقم: ۴۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۲۵، رقم: ۲۲۰۰۷

۳۔ بزار، المسند، ۸: ۳۰۹، رقم: ۳۳۸۱

(۳) ۱۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۱۱۷

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۵، رقم: ۲۸۴۸

(۶) سود شرک کے برابر ہے

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: إنّ النّبيّ ﷺ قال: الربا بضع وسبعون بابًا والشرک مثل ذالک۔[۱]

''حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے ستر سے زائد درجے ہیں اور شرک بھی اسی طرح ہے (گناہ میں اس کے برابر ہے۔)''

(۷) سود خور پر عذابِ آخرت

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: أتيت ليلة أسري بي علی قوم بطونهم كالبيوت فيها الحيّات ترى من خارج بطونهم فقلت من هؤلاء يا جبرائيل قال: هؤلاء أكلة الرّبا۔[۲]

''حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج ہوئی میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ ایسے تھے جیسے اژدہوں سے بھرے ہوئے گھر اور اژدھے پیٹوں سے باہر بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبرائیل سے دریافت کیا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ سود خور ہیں۔''

ماحصل

سیرت الرسول ﷺ کا معاشی جہت سے مطالعہ اسلام کی معاشی تعلیمات کی اہمیت اور دنیا میں موجود دوسرے معاشی نظاموں اور افکار کے مقابل اسلام کے معاشی نظام کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں انسانیت کئی معاشی نظاموں سے گزری دور جدید میں اشتراکیت اور سرمایہ داریت دو ایسے معاشی نظام ہیں جن کے فلسفہ پر عمل ہوتا رہا لیکن یہ دونوں نظام افراط یا تفریط کا شکار ہیں۔ اشتراکیت میں انفرادی ملکیت کی نفی کر کے پورے معاشرے کو ایک ان دیکھے اور نادیدہ

(۱) بزار، المسند، ۵: ۳۱۸، رقم: ۱۹۳۵

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۳، رقم: ۲۲۷۳

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۱: ۲۶، رقم: ۱۹۳

معاشی غاصب کے ہاتھوں میں یرغمال بنا دیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں جاری معاشی سرگرمیوں سے ہر فرد اتنا مستفید نہیں ہو سکتا جتنا اس کا حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ صدی میں اس نظام کی بڑی حد تک ناکامی کا مشاہدہ چشم عالم کر چکی ہے۔ دوسرا بڑا نظام سرمایہ داریت ہے جس کا مغرب میں بہت چرچا ہی نہیں بلکہ مغربی دانشور اسے انسانیت کی معراج اور انسانی شعور اور ارتقاء کا آخری نکتہ بھی قرار دے رہے ہیں۔ لیکن یہاں انفرادی ملکیت کی وہ لامحدود تصویر موجود ہے۔ جس کے تحت امیر اور صاحب ثروت ایسی کسی پابندی کے ماتحت نہیں آتا کہ جس کے تحت افراد معاشرہ کے لئے بھی اتنے ہی معاشی احکامات کے دروازے کھولنے کا پابند ہو جن سے وہ خود مستفید ہو رہا ہے۔

لیکن ان سب کے مقابل حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ملنے والا نظام اس اعتدال و توازن کا حامل ہے جہاں نہ ایک طرف انفرادی ملکیت کی نفی کر کے فرد کو اجتماع کے سامنے بے بس اور بے اختیار کر دیا گیا ہو نہ انفرادی ملکیت کو وہ لامحدودیت دی گئی ہے کہ جس سے معاشرے میں ارتکاز و اکتناز کا وہ لامحدود سلسلہ شروع ہو جائے کہ دولت چند ہاتھوں میں ہی مرتکز ہو کر رہ جائے بلکہ اسلام نے انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو تصور امانت سے بدلا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات سے اس تصور کو وہ علمی اور فکری وضاحت عطا فرمائی جس کا عملی نمونہ صحابہ کرام کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ جنہوں نے صاحب ثروت ہوتے ہوئے اپنے وسائل اور معاشی ذخائر معاشرے کی فلاح و بہبود، دین حق کے ابلاغ و استحکام اور حضور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد کے فروغ و نفوذ کے لئے وقف کیا۔ نتیجتاً پورا معاشرہ ایک ایسے معاشی اور معاشرتی عدل کا مرقع بن گیا کہ تاریخ میں چشم عالم نے وہ نظارہ بھی دیکھا کہ پورے معاشرے میں کہیں بھی کوئی معاشی تعطل کا شکار یا محرومی میں مبتلا فرد موجود نہ تھا آج جبکہ انسانیت دیگر دائرہ ہائے حیات کی طرح معاشی دائرہ میں مسائل کا شکار ہے۔ آج سیرت الرسول ﷺ سے ہی وہ راہنمائی مل سکتی ہے جسے لے کر ہم اس مثالی نظام کی طرف بڑھ سکیں جس کا نظارہ دور رسالت مآب ﷺ اور دور خلافت راشدہ میں ہو چکا ہے۔

باب پنجم

سیرۃُ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی

عصری و بین الاقوامی اہمیت

دورِ حاضر کا بین الاقوامی منظر نامہ یک قطبی(Uni-Polar System) ہونے کے سبب سے اقوام عالم کے لئے ایک ایسے نئے عالمی نظام (New World Order) کا پیش خیمہ بن چکا ہے جس میں اُمتِ مسلمہ کے لئے اپنے فکری و ثقافتی تشخص اور سیاسی و اقتصادی آزادی کا تحفظ ایک چیلنج بن چکا ہے اور امن عالم نئے خطرات سے دوچار ہوگیا ہے۔ ان عصری بین الاقوامی حالات کے تناظر میں سیرت محمدی ﷺ کا مطالعہ مزید ناگزیر ہوگیا ہے۔ کیونکہ اُمتِ مسلمہ کو درحقیقت نیو ورلڈ آرڈر حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے دائمأ دیا جاچکا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ''اسلامک نیو ورلڈ آرڈر'' تو سیرت محمدی ﷺ کا ایک درخشاں باب ہے۔ جس کی اہمیت و افادیت روزِ قیامت تک کم نہیں ہوسکتی۔ سیرت الرسول ﷺ کے عصری اور بین الاقوامی پہلو کا جائزہ لیتے ہوئے سیرت الرسول ﷺ کا دو جہتوں سے مطالعہ ضروری ہے:

۱۔ جدید عالمی نظام کے تناظر میں سیرۃُ الرسول ﷺ کا مطالعہ

۲۔ جدید انسانی مسائل کے تناظر میں سیرۃُ الرسول ﷺ کا مطالعہ

۱۔ جدید عالمی نظام کے تناظر میں سیرۃُ الرسول ﷺ کا مطالعہ

اگر ہم چھٹی صدی عیسوی سے دنیا کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ چھٹی صدی عیسوی میں اس دنیا میں روم اور فارس کی دو بڑی سلطنتیں آپس میں خونریز جنگوں کی شکل میں محاذ آرا تھیں۔ فاتح سلطنت ہر جنگ کے بعد ایک ورلڈ آرڈر جاری کرتی۔ جس کے تحت چھوٹی ریاستوں کو اپنا مطیع بنالیا جاتا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا میں ملوکیت اور بادشاہت کا دور تھا۔ سرِزمین عرب کا جنوبی حصہ سلطنتِ حبش کے پاس تھا، مشرقی حصہ سلطنتِ فارس کے قبضہ میں تھا اور شمالی حصہ پر سلطنتِ روم قابض تھی۔ ملک عرب ایک وحدت کی بجائے کئی خود مختار قبیلوں میں منقسم تھا۔ دو طاقتی نظام رائج تھا۔ طاقت کا توازن اس وقت کی دو بڑی سلطنتوں روم اور فارس نے سنبھالا ہوا تھا۔ مگر یہ نظام بری طرح ناکام ہوا اور عالمی امن قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ ان میں سے کسی سلطنت کا

ورلڈ آرڈر انصاف، صلح اور مساوات پر مبنی نہ تھا بلکہ یہ ورلڈ آرڈر توسیع سلطنت کی خواہش اور اقتدار کی ہوس پر مبنی تھا۔

خطبہ حجۃ الوداع اور اسلامک ورلڈ آرڈر کا اعلان

ان حالات میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی۔ آپ ﷺ نے ۲۳ سال کی جدوجہد کے بعد ایک ایسا معاشرہ قائم کر کے دکھایا جو قیامت تک کے لئے قابلِ تقلید تھا اور پوری دنیا کی رہنمائی کے لئے ایک ورلڈ آرڈر جاری کیا۔ جس کا باضابطہ اعلان خطبہ حجۃ الوداع میں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو خبردار! پچھلا عالمی نظام جو استحصال، ظلم، ناانصافی اور جبر و تشدد پر مبنی تھا آج وہ ختم ہو رہا ہے۔ اسے میں اپنے قدموں تلے روند رہا ہوں اور کائناتِ انسانی کو نیا عالمی نظام عطا کر رہا ہوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ۱۰ھ میں آخری حج ادا فرمایا جسے حجۃ الوداع کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس موقع پر بتاریخ ۹ ذی الحجہ میدان عرفات میں آپ نے خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا جو عالم انسانیت کے لئے پہلا باقاعدہ انسانی حقوق کا چارٹر (Charter of Human Rights) اور اقوام عالم کے لئے نیا عالمی نظام (New World Order) تھا۔

خطبہ حجۃ الوداع کو تاریخ انسانی میں نیو ورلڈ آرڈر کی حیثیت کیسے حاصل ہے اس حقیقت کی طرف حضور نبی اکرم ﷺ نے درج ذیل الفاظ میں خود اشارہ فرما دیا ہے:

(۱) نئے عالمی نظام کا آغاز

إنّ الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض۔ (۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی سبع أرضین، ۳: ۱۱۶۸، رقم: ۳۰۲۵

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأضاحی، باب من قال الأضحی یوم النحر، ۵: ۲۱۱۰، رقم: ۵۲۳۰

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب القسامہ، باب تغلیظ تحریم الدماء، ۳: ۱۳۰۵، رقم: ۱۶۷۹

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب المناسك، باب الأشهر الحرم، ۲: ۱۹۵، رقم: ۱۹۴۷

۵۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۱: ۱۹ ←

''(اور دیکھو) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان (یعنی نظامِ عالم) کو جس حالت پر پیدا کیا تھا، زمانہ اپنے حالات و واقعات کا دائرہ مکمل کرنے کے بعد پھر اس مقام پر دوبارہ آ گیا ہے۔''

گویا زبانِ نبوت اس امر کا اعلان فرما رہی تھی کہ نظام عالم کے ایک دور کا خاتمہ ہو چکا ہے اور آج سے دوسرے دور کا آغاز ہو رہا ہے اور میں دنیائے انسانیت کو نظامِ عالم کے نئے دور کے آغاز پر ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے ذریعے بالخصوص اور اپنی تعلیمات و ہدایات کے ذریعے بالعموم نیا عالمی نظام عطا کر رہا ہوں۔

(۲) سابقہ جاہلانہ اور ظالمانہ نظام کی منسوخی

ضروری تھا کہ اس موقع پر آپ پچھلے نظام اور اس کے جاہلانہ اُمور کو منسوخ کرنے کا اعلان بھی فرماتے۔ سو حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ألا كلّ شيء من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع ودماء الجاهلية موضوعة ...... ورباء الجاهلية موضوع۔ (۱)

''خبردار! دورِ جاہلیت کا سارا (ظالمانہ اور استحصالی) نظام میں نے اپنے پاؤں سے روند ڈالا ہے۔ آج سے نظامِ جاہلیت کے سارے خون (قصاص، دیت اور انتقام) کالعدم قرار دیے جاتے ہیں اور آج سے نظامِ جاہلیت کے سارے سودی لین دین بھی ختم کیے جاتے ہیں۔''

ان دو اعلانات کے بعد اس امر میں کسی شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ خطبہ حجۃ

۶۔ شیبانی، الکامل فی التاریخ، ۲: ۱۷۱

۷۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۴۸۰

۸۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۲۰۵

۹۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۱۸۶

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب حجۃ النبی، ۲: ۸۸۹، رقم: ۱۲۱۸

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۲۵۷، رقم: ۳۹۴۴

۳۔ دارمی، السنن، ۲: ۶۹، رقم: ۱۸۵۰

الوداع فی الحقیقت ’’نیو ورلڈ آرڈر‘‘ کا ہی اعلان تھا۔ اب ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ نیو ورلڈ آرڈر کے اہم پہلو کیا تھے۔

(۳) عالمی امن کے قیام کا اعلان

اس اسلامک ورلڈ آرڈر کا سب سے اہم پہلو عالمی سطح پر قیام امن تھا۔ اقوام، ممالک اور قبائل ہمہ وقت قتل و غارت گری اور جنگ وجدال کے فساد انگیز عمل میں مبتلا رہتے تھے۔ قبائل میں لا متناہی جنگوں کے سلسلے جاری رہتے تھے، انسانی خون نہایت ارزاں ہوگیا تھا اور معمولی معمولی بات پر تلواریں نکل آتیں اور دیکھتے ہی دیکھتے نسلیں خون آشام منظر کی بھینٹ چڑھ جاتیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان ہولناک حالات میں عالمی سطح پر قیام امن کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

فإن دماءكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا۔(1)

’’اے بنی نوع انسان! بیشک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام کر دی گئی ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت اور اس مہینہ کی حرمت تمہارے اس شہر میں برقرار ہے۔‘‘

جس میں تم ایک دوسرے کی بے حرمتی نہیں کر سکتے اسی طرح تم کبھی ایک دوسرے کی جان و مال کی بے حرمتی بھی نہیں کر سکتے۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبة أيام الحج، ۲: ۶۱۹، رقم: ۱۶۵۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب القسامة، باب المجازة بالدماء، ۳: ۱۳۰۶، رقم: ۱۶۷۸

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة التوبة، ۵: ۲۷۳، رقم: ۳۰۸۷

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب المناسك، باب الخطبة يوم النحر، ۲: ۱۰۱۶، رقم: ۳۰۵۸

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۳۷، رقم: ۱۸۹۸۶

آپ ﷺ نے اس حکم کو مزید ان الفاظ کے ذریعے موکد فرمایا:

ألا فلا ترجعوا بعدی ضلالًا یضرب بعضکم رقاب بعض۔(۱)

’’خبردار تم میرے بعد پلٹ کر پھر گمراہ نہ ہو جانا یوں کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو (یہ سب سے بڑی گمراہی ہوگی)۔‘‘

(۴) عالمی انسانی مساوات کا قیام

حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانی نسلوں، طبقوں اور معاشروں کی ایک دوسرے پر مصنوعی فضیلت و برتری کے سب دعوؤں کو ختم فرما دیا اور انسانی مساوات کا عالمی اعلان فرما کر ساتھ ہی باہمی فضیلت کا دائمی عادلانہ اصول بھی مقرر فرما دیا۔ ارشاد فرمایا:

النّاس بنو آدم وآدم من تراب۔(۲)

’’تمام بنی نوع انسان، آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تخلیق کیے گئے تھے۔‘‘

ألا کل مأثرۃ أو دم أو مال یدعی به فهو تحت قدمی هاتین۔(۳)

’’اب فضیلت و برتری کے سارے (جھوٹے) دعوے، جان و مال کے سارے مطالبے اور

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، ۴: ۱۵۹۹، رقم: ۴۱۴۴

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی: وجوہ یومئذ ناضرۃ، ۶: ۲۷۱۰، رقم: ۷۰۰۹

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب القسامة، باب تغلیظ تحریم الدماء، ۳: ۱۳۰۵، رقم: ۱۶۷۹

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۷

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۳۱۳، رقم: ۵۹۷۴

۶۔ بیهقی، السنن الکبری، ۵: ۱۶۵، رقم: ۹۵۵۴

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فضل الشام، ۵: ۷۳۵، رقم: ۳۹۵۶

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب فی التفاخر، ۴: ۳۳۱، رقم: ۵۱۱۶

(۳) ۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۵۱۶

۲۔ طبری، تاریخ الأمم والملوک، ۲: ۱۶۱

سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔‘‘

أيّها الناس، إن ربّكم واحد وأباكم واحد۔[۱]

’’اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے، اور باپ بھی ایک ہے۔‘‘

إنّ أكرمكم عند الله أتقاكم فليس لعربي على عجمي فضل ولا لعجمي على عربي ولا لأسود على أبيض ولا لأبيض على أسود فضل إلّا بالتّقوى۔[۲]

’’(اس وحدت نسل انسانی کے باعث تم سب برابر ہو) مگر تم میں بزرگ و برتر وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار (بہتر کردار کا مالک) ہے۔ پس کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر برتری حاصل ہے ساری برتریاں، کردار و عمل پر مبنی ہیں۔‘‘

یہ مساوات انسانی کا وہ عالمی اصول تھا جس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر جمہوری اور عادلانہ انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی یہی اصول آگے چل کر عالمی جمہوریت کے قیام (Establishment of World Democracy) کا باعث بنا۔

(۵) معاشی و اقتصادی استحصال کا خاتمہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی ورلڈ آرڈر کے ذریعے سود کو استحصالی نظام قرار دے کر اسے کلیتاً مسترد بلکہ ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

وإن كل ربا موضوع ولكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون۔[۳]

’’بے شک آج سے ہر قسم کا سود (اور سارا سودی نظام) منسوخ کیا جاتا ہے تم اپنے سرمائے کے سوا نہ کچھ لے سکتے ہو اور نہ کچھ دے سکتے ہو۔ نہ تم سودی لین دین کی شکل میں ایک دوسرے پر ظلم کرو اور نہ قیامت کے دن تم پر ظلم کیا جائے گا۔‘‘

---

(۱) هيثمي، مجمع الزوائد، ۳: ۲۶۶

(۲) طبراني، المعجم الكبير، ۱۸: ۱۲، رقم: ۱۶

(۳) أبويعلى، المسند، ۳: ۱۳۹، رقم: ۱۵۹۶

قضى الله أنّه لا ربا۔(۱)

”یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ سود (اور اس پر مبنی ہر قسم کا اقتصادی استحصال) ممنوع ہے۔“

(۶) عورتوں کے حقوق کا تحفظ

حضور نبی اکرم ﷺ نے سابقہ عالمی نظام میں خواتین پر روا رکھے گئے تمام مظالم کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور ان کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی۔ ارشاد فرمایا:

أيّها النّاس فإن لكم على نسائكم حقًا ولهن عليكم حقًا ...... واستوصوا بالنساء خيرًا، فاتقوا الله في نسائكم۔(۲)

”اے لوگو! بے شک تمہارے کچھ حقوق عورتوں پر واجب ہیں اور اسی طرح عورتوں کے کچھ حقوق تم پر واجب ہیں (ان کی پوری طرح حفاظت کرنا) عورتوں سے ہمیشہ بہتر سلوک کرنا اور عورتوں کے حقوق کے معاملے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔“

(۷) زیردست اور افلاس زدہ انسانیت کے حقوق کا تحفظ

حضور نبی اکرم ﷺ نے عالمی سطح پر عادلانہ اور غیر استحصالی انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لئے یہ عظیم انقلابی اعلان بھی فرمایا:

أرقاءكم أرقاءكم اطعموهم مما تأكلون واكسوهم مما تلبسون۔(۳)

”لوگو! زیردست انسانوں کا خیال رکھنا، زیردستوں کا خیال رکھنا۔ انہیں وہی کچھ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور ایسا ہی پہناؤ جیسا تم خود پہنتے ہو۔“

(۱) ۱۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۲۰۵

۲۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۴۸۰

(۲) ۱۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۲۰۶

۲۔ ابن خلدون،تاریخ، ۲: ۴۸۰

(۳) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۲: ۱۸۵

۲۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲۲:۲۴۳، رقم:۶۳۶

۳۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۳: ۱۵۰، رقم: ۳۴۴۹

اس اعلان نے عالمی نظام سے غلامی کے خاتمے کی بنیاد رکھ دی۔ اور انسانی طبقات میں غیر فطری تفاوت کے خلاف انقلاب آفریں نظام وضع کر دیا۔

الغرض حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعے انسانیت کو ایسا نیو ورلڈ آرڈر (نیا عالمی نظام) عطا فرمایا جو آج بھی زندہ و تابندہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج عالم اسلام عملاً اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کر رہا ہے یا نہیں۔

اسلام کی تاریخ میں یہ نیو ورلڈ آرڈر آج بھی دنیا کو ایسے اصول فراہم کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے اس لئے امت مسلمہ کو رسول پاک ﷺ کے عطا کیے ہوئے ورلڈ آرڈر کی موجودگی میں کسی اور ورلڈ آرڈر کی ضرورت نہیں۔

اسلامک ورلڈ آرڈر کے تحت پوری دنیا سے ظلم و نا انصافی کے خاتمے اور نظام مساوات و انصاف کے نفاذ کی عملی جدوجہد کا آغاز ہوا اور جلد ہی اسلام کی اس ابھرتی ہوئی طاقت نے روم اور فارس کی دونوں عالمی استحصالی طاقتوں کو چیلنج کر دیا اور ان طاقتوں کو عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ یوں دنیا میں اسلامک ورلڈ آرڈر کا نفاذ کر دیا گیا۔ اس ورلڈ آرڈر کے نفاذ سے بدامنی اور ظلم و بربریت کا خاتمہ ہو گیا اور ایک ایسے بین الاقوامی معاشرے کا آغاز ہوا جس میں خیر، تعمیر، ارتقاء اور عدل ہی عدل تھا۔ جو انسان کے بنیادی حقوق کا ضامن تھا۔ جس میں بین الاقوامی قوانین کی پاسداری، عالمی امن کے قیام، پر امن بقائے باہمی، غلامی سے نجات، حق کی معاونت اور ظلم سے نجات کے سنہری اصول دیئے گئے تھے۔ اسلامک ورلڈ آرڈر کے سنہری اصولوں کے تحت خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں ۶۶۱ عیسوی تک مسلمانوں نے جتنے علاقوں کو فتح کیا۔ وہاں کے غیر منصفانہ اور مستبدانہ قوانین کو منسوخ کر دیا گیا۔ اور وہاں کی آبادی کو ہی اقتدار میں شریک کیا گیا۔

عہد خلافت راشدہ اور دور بنو امیہ سے لے کر سلطنت عثمانیہ (موجودہ بیسویں صدی عیسوی کے اوائل) تک مسلمانوں نے اسلامک ورلڈ آرڈر کے اصولوں کے مطابق بین الاقوامی سیاست میں نمایاں کردار ادا کیا اور مسلمانوں کے ہر فاتح نے انہی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی داخلہ و خارجہ پالیسیوں کو تشکیل دیا۔

۲۔ جدید اِنسانی مسائل کے تناظر میں سیرۃ الرسول ﷺ کا مطالعہ

سیرت الرسول ﷺ کی عصری اور بین الاقوامی اہمیت کا دوسرا پہلو جدید انسانی مسائل کے

حوالے سے اجاگر ہوتا ہے۔ آج انسانیت عالمی سطح پر کئی پیچیدہ مسائل میں گھری ہوئی ہے، اقوام متحدہ (UNO) سے لے کر ہر ملک کی غیر سرکاری سماجی تنظیمات (NGOs) تک ان انسانی مسائل کے حل کے لئے پریشان ہیں۔ مگر یہ حقیقت تقویت ایمان کا باعث ہے جو عالمی انسانی مسائل موجودہ دور میں پریشانی کا باعث بن رہے ہیں سیرت نبوی ﷺ نے قرآن و سنت کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی صورت میں ان کا حل چودہ صدیاں قبل ہی عطا فرما دیا تھا۔ اب ہماری ذمہ داری ان عصری مسائل کا حل تلاش کرنا نہیں بلکہ بارگاہ مصطفوی ﷺ سے ملنے والے حل کو نافذ اور روبعمل کرنا ہے۔ آج بین الاقوامی سطح پر پریشان کن اہم انسانی مسائل میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱) آفاقی اقدار کا قیام

آج کے دور کا یہ المیہ ہے کہ بین الاقوامی تعلقات اور سیاسی روابط کی بنیاد ان اقدار پر رکھ دی گئی جو مقامی اور محدود مفادات ہی کی حفاظت کرنے والی ہیں۔ اسلام اپنے مزاج کے لحاظ سے محدود اور مقامی مفادات کا تحفظ کرنے والی اقدار کی بجائے آفاقی اور انسانی اقدار کا امین نظام حیات ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مغربی مفکر لکھتا ہے:

> Christianity and Islam -offer universal values to the community of mankind. When aliens are made in societies about 'cultural authenticity', they are most often made about religious totems.(1)

> ”عیسائیت اور اسلام بنی نوع انسان کیلئے آفاقی اقدار پیش کرتے ہیں۔ جب معاشرے میں اجنبی عناصر سے ثقافتی ثقاہت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اکثر و بیشتر اس کا تعلق مذہبی نشانات سے ہوتا ہے۔“

فطری امر تو یہ تھا کہ آج ایک عادلانہ، منصفانہ اور انسانیت نواز عالمی نظام کا قیام اسلام ہی کا منصب ہوتا جیسے کہ اسلام کے غلبہ کا ابتدائی دور میں رہا۔ لیکن اسلام کے اپنے اس فطری منصب سے انحراف کا نتیجہ یہ ہے کہ عالمی نظام کی تشکیل ان اقوام و ملل کے ہاتھوں میں چلی گئی جو آج تک نسلی، لسانی اور جغرافیائی بندھنوں سے آزاد نہیں ہو سکی۔ اس امر کا اظہار آج کے مغربی سیاسی مفکرین کی تحریروں سے بھی ہوتا ہے:

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics* p. 457.

A universal civilization, Huntington argues, is purely a Western dream; civilizations have been maintaining and even reinforcing their distinctions throughout the late 20th century However, if civilizations do adapt to meet new conditions, especially material conditions, as the modern view might suggest and if life within the world's major civilizations is gradually encountering similar, if not identical, material conditions, then those civilizations should tend to converge, at least to some degree, in the face of those similar challenges.(1)

”ہنٹنگٹن کے مطابق عالمی تہذیب خالصتاً مغربی خواب ہے۔ پوری بیسویں صدی کے دوران تہذیبیں اپنے امتیازات کو قائم رکھنے اور انہیں نافذ کرنے کے لیے جد و جہد کرتی رہیں۔ تاہم اگر تہذیبیں نئے حالات کو اختیار کر لیں، خصوصاً مادی صورتحال کو جیسا کہ جدید نکتہ نظر تجویز کرے گا اور اگر دنیا کی بڑی تہذیبوں میں زندگی بتدریج اس طرح کی گو غیر مماثل مادی صورتحال کا سامنا کرے تو ان تہذیبوں کو کم از کم اس درجے تک ان ایک جیسے چیلنجز کا سامنا کرنے کیلئے اکٹھا ہو جانا چاہیے۔“

یہی وجہ ہے کہ مغرب کے تصادم پر مبنی سیاسی فلسفے کا اثر ان اقوام کے فکر و عمل میں بڑا واضح نظر آتا ہے۔ مثلاً یورپ کے سیاسی طرز فکر و عمل کو متعین کرنے میں کئی حوالوں سے سیموئل ہنٹنگٹن کی فکر نے کلیدی کردار ادا کیا:

Huntington's focus upon an Islamic threat to the EU paralleled the approach of European strategists. His explicit identification of a "danger" to the Union from outside and from inside was not an approach that senior EU figures pursued publicly: it did however complement the position taken by populist politicians and by organizations of the extreme Right.(2)

(1) Christian Stracke, *The Clash of Civilizations and the Remaking of the World Order*, Journal of International Affairs, vol. 51, 1997.

(2) Philip Marfleetm, *The "Clash" Thesis: War and Ethnic Boundaries in Europe*, Arab Studies Quarterly, vol. 25, 2003

"ہنٹنگٹن کا اسلامی دنیا کو یورپی یونین کے لیے خطرہ قرار دینا یورپی حکمت عملی کے متوازی رہا۔ یورپی یونین کے لیے اندرون اور بیرون کی طرف سے خطرے کی اس واضح نشاندہی ایسا نقطہ نظر نہ تھا جسے پوری یونین کی اعلیٰ شخصیات قبول اور اختیار کر لیتیں۔ تاہم اس موقف کو اتنی تقویت ضرور ملی کہ اسے انتہائی دائیں بازو کے عوامی سیاستدانوں، تنظیموں نے اختیار کیا۔"

جبکہ آج کے عالمی سیاسی منظر نامہ اس امر کا متقاضی ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد ایسے اقدار پر رکھی جائے جو بقائے باہمی کی ضامن ہوں۔ اس تقاضے کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ایک مغربی مفکر لکھتا ہے:

For the furtherance of peace in this world and the reception of human rights into all cultures, these difficult questions should be discussed in a dialogical way, that is, openly with mutual understanding, reciprocal witnessing and critical questioning. In such a dialogue western individualism will be subject to correction.(1)

"دنیا میں امن کے فروغ اور تمام ثقافتوں میں انسانی حقوق کے فروغ کے لئے ان مشکل سوالات کو مکالماتی طور پر زیر بحث لانے کی ضرورت ہے یعنی وسیع طور پر باہمی افہام و تفہیم، باہمی شہادتوں اور تنقیدی سوالات کے ذریعے ۔ایک ایسے مکالمے میں انجام کار مغربی تصور فرد کو اپنی تصحیح کرنا ہوگی۔"

یہ تصور کہ دنیا کا موجودہ عالمی نظام جس فکر پر مبنی ہے وہ کئی حوالوں سے محل نظر ہے آج مغرب کے سلیم الفکر مفکرین میں عام ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیموئل ہنٹنگٹن کا پیش کردہ نظریہ تنقید کا نشانہ بھی بن رہا ہے:

Even Huntington's most ardent admirers have viewed the thesis in this light: Robert Kaplan, for example, sees it as an analysis of American security needs set "in the most tragic, pessimistic terms.(2)

---

(1) Abd Allah Ahmad Na'im, *Human Rights and Religious Values*, p. vii. (Google)

(2) Philip Marfleet, *The "Clash" Thesis: War and Ethnic Boundaries in Europe*, Arab Studies Quarterly, vol. 25, 2003

”ہنٹنگٹن کے بہت پر جوش مداح بھی اس کے نظریئے کو تنقید کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مثلاً رابرٹ کیپلین، اسے امریکی تحفظ کا ایسا تجزیہ قرار دیتا ہے جو بہت ہی المیاتی اور مایوس کن انداز سے کیا گیا ہے۔“

اندریں حالات انسانیت کو آفاقی اقدار پر مبنی نظام کی احتیاج صرف حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات پر مبنی نظام ہی پوری کر سکتا ہے۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت حقوق انسانی کا ہمہ گیر چارٹر خطبہ حجۃ الوداع ہے۔

(۲) تصادم کی بجائے مکالمے کی ضرورت

آج کی جدید سیاسی فکر نے بین الاقوامی تعلقات اور بین الملل روابط ثقافت کو قرار دیا ہے۔ ہر قوم کی اپنی نمایاں اور انفرادی ثقافتی شناخت ہوتی ہے لحاظہ جہاں کہیں ثقافتی اقدار میں اختلاف و تضاد واقع ہوگا، ثقافتی شناخت کو ترجیح دینے کے ناطے یہ تصادم پر منتج ہوگا۔ ثقافت کے اس کردار کا ذکر کرتے ہوئے ایک مغربی مصنف لکھتا ہے:

Toynbee's influence on Huntington is clear throughout his treatment of what civilizations are and why they are important. Civilizations, Huntington explains, are broad cultural entities that unite individuals around common mores, traditions and institutions. As such, they are "the most enduring of human associations," and are therefore the foundations of long-term historical continuity Because civilizations are, after blood and tribe, the most important factors binding individuals together into potential political identities, they are naturally the most important actors in the field of global politics.[1]

”تہذیبوں کی نوعیت اور ان کی اہمیت بیان کرنے کے پورے عمل کے دوران ہنٹنگٹن پر ٹوائن بی کا اثر بڑا واضح ہے۔ ہنٹنگٹن کی وضاحت کے مطابق تہذیبیں وسیع ثقافتی حقیقتیں ہیں جو افراد کو مشترک سماجی اقدار، طور طریقوں، روایات اور اداروں پر متحد کرتی ہیں۔ اس طرح سے یہ انسانی ہم آہنگی اور وابستگی کی دیرپا بنیادیں ہیں اور اس لئے یہ طویل المیعاد

(1) Christian Stracke, *The Clash of Civilizations and the Remaking of the World Order*, Journal of International Affairs, vol. 51, 1997.

تاریخی تسلسل کی بنیاد بھی ہیں۔چونکہ تہذیبیں خون اور قبیلے کے رشتے کے بعد افراد کو مخفی سیاسی شناخت میں منسلک کرنے والی سب سے موثر ترین عوامل ہیں، سو قدرتی طور پر یہ عالمی سیاست کے میدان میں بہت ہی اہم عوامل ہیں۔"

تاریخی ارتقاء پر نظر رکھنے والے اہل علم سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مغرب کا تصادم کا یہ تصور نیا نہیں بلکہ صدیوں پرانا ہے:

The clash thesis is not novel. It draws upon a tradition that emerged in Europe at the birth of the nation-state and accompanied European expansion across the world. This was the idea that, notwithstanding the intense rivalry between such states, people of Europe held in common attributes superior to those of all other human beings. Expressed in the "civilizing" missions of specific states these gave meaning to colonialism and had the effect of complementing ideologies of nation which were of immense importance in cohering unstable domestic populations. The idea of a civilizing Europe was as important "at home" as it was abroad: it was indeed a "security" measure much like Huntington's defense of U.S. interests in the 1990s. Here "civilization" has an ideological function in the classical sense: it is part of a body of ideas which endorse relations of inequality and of domination of a majority of people by a small number of others.(1)

"تصادم کا نظریہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس کی بنیاد اس روایت پر ہے جو یورپ میں قومی سیاست کی ابتداء سے وجود میں آئی اور دنیا پر یورپی توسیع کے ساتھ بڑھتی گئی۔یہ تصور یوں تھا کہ ان ریاستوں کے مابین شدید رقابت کے باوجود یورپ کے لوگوں نے بقیہ عالم انسانیت سے کچھ فائق خصوصیات اختیار کرلیں۔کچھ خاص ریاستوں کے تہذیبی مشن کے اظہار کے مطابق انہوں نے نو آبادیت کو معنی دیا اور قوم کی تکمیل کرنے والے نظریات پر اس کا اثر ہوا جو کہ غیر مستقل مقامی آبادی کے باہمی ربط کے قیام میں نمایاں اہمیت کا حامل تھا۔ایک تہذیب پذیر یورپ کا تصور جتنا اندرون ملک عام تھا اتنا بیرون ملک بھی۔

(1) Philip Marfleet, *The "Clash" Thesis: War and Ethnic Boundaries in Europe*, Arab Studies Quarterly, vol. 25, 2003

یہ بلاشبہ ایک طرح کا حفاظتی اقدام تھا جیسا کہ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ہنٹنگٹن نے امریکی مفادات کا دفاع کیا۔ یہاں کلاسیکل معنوں میں تہذیب کا ایک نظریاتی عمل ہے۔ یہ ان تصورات پر مشتمل ہے جو غیر مساویانہ تعلقات اور اکثریتی آبادی پر دوسری قوم کے چند لوگوں کے غلبے کی توثیق کرتے ہیں۔"

ثقافتی شناخت کی بنیاد پر پیدا ہونے والے موجودہ عالمی تصادم کی جڑیں حصول بقا کو لاحق خوف میں موجود ہیں۔مغربی دنیا بزعم خویش اپنے ثقافتی نظام کیلئے اسلام کی ثقافتی اقدار کو ایک خطرہ تصور کرتی ہیں:

For Huntington, the clash of civilizations was an historic development. The history of the international system had been essentially about the struggles between monarchs, nations, and ideologies within Western civilization. The end of the cold war inaugurated a new period, where non-Westerners were no longer the helpless recipients of Western power, but now counted amongst the movers of history. The rise of civilizational politics intersected four long-run processes at play in the international system.

1. The relative decline of the West.

2. The rise of the Asian economy and its associated 'cultural affirmation', with China poised to become the greatest power in human history.

3. A population explosion in the Muslim world, and the associated resurgence of Islam.

4. The impact of globalization, including the extra ordinary expansion of transnational flows of commerce, information, and people.

The coincidence of these factors was forging a new international order![1]

"ہنٹنگٹن کے مطابق تہذیبوں کا تصادم ایک تاریخی عمل ہے۔ بین الاقوامی نظام کی تاریخ

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics* p. 461-2.

شہنشاہوں، قوموں اور مغربی تہذیب میں بھی نظریات کے مابین جدوجہد پر مشتمل ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ جہاں غیر مغربی طاقتوں کے سامنے محض بے یارو مددگار اثر قبول کرنے والے ہی نہ تھے بلکہ اب وہ تاریخ کی حرکت کا حصہ بھی تھے۔ تہذیبی سیاست کے عروج نے بین الاقوامی نظام میں ۴ طویل المیعاد روبہ عمل عوامل کو متاثر کیا:

۱۔ مقابلتاً مغرب کا زوال

۲۔ ایشائی معیشت کا عروج، اس کا چین کے ساتھ ثقافتی تعاون ہوتے ہوئے انسانی تاریخ کی عظیم ترین طاقت بننے کا امکان

۳۔ مسلم دنیا میں آبادی کا اضافہ اور اسلام کا عروج

۴۔ عالمگیریت کے اثرات جس میں بین المما لک تجارت، اطلاعات اور لوگوں کی غیر معمولی پھیلاؤ اور تبادلہ شامل ہیں۔

ان تمام عوامل کی بیک وقت موجودگی ایک نئے بین الاقوامی نظام کو تشکیل دے رہی ہے۔"

اسی تصور کو دوسرے مقام پر یہ مفکر یوں بیان کرتا ہے:

Huntington observed that Islam had particularly 'bloody borders', a situation that would continue until Muslim population growth slowed in the second or third decade of the twenty-first century. At the 'macro-level', a more general competition for capabilities and influence was evident, with the principal division between the 'West' and, to varying degrees, the 'Rest'. According to Huntington, the hegemony of the West was most contested by the two most forceful non-Western civilizations, the Sinic and Islamic. Resistance to the West was most evident over issues such as arms control and the promotion of Western political values. Western efforts to project their democracy and human rights were widely regarded as a form of non-imperialism.(1)

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics* p. 462.

”ہنٹنگٹن نے بیان کیا کہ اسلام بطور خاص خونی سرحدوں کا حامل ہے۔ یہ صورتحال جاری رہے گی تاوقتیکہ اکیسویں صدی کی دوسری یا تیسری دہائی میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کم نہ ہو جائے۔ بڑی سطح پر مغرب اور بقیہ دنیا کے درمیان واضح تقسیم کے ساتھ اہلیتوں اور اثر رسوخ کیلئے عمومی مقابلہ بڑا واضح ہے۔ ہنٹنگٹن کے مطابق مغرب کی برتری کو دو بہت ہی طاقتور غیر مغربی تہذیبوں یعنی چینی، اور اسلامی کے مقابلے کا سامنا ہے۔ مختلف مسائل مثلاً تخفیف اسلحہ اور مغرب کی سیاسی اقدار کے فروغ میں ان کی طرف سے مزاحمت بہت ہی نمایاں ہے۔“

تاہم مغرب کا تہذیبی تصادم کا یہ تصور اپنے تاریخی پس منظر کے علاوہ ان مغالطوں کا مرہون منت بھی جس کا اس نظریے کو تشکیل دینے والے شکار ہیں:

Huntington's anti-modern perspective, which rejects the dominant modern notion of history as progress and instead proposes history as continuity, is even more radically anti-modern considering his general treatment of civilizations as actors. Any truly modern, post-Wittgenstein understanding of civilization would necessarily include the concept of civilization as construct, which implies first the inherent artificiality of any civilization and second the constant potential for the innovation of civilizational content. Such a view of innovation within civilizations is perhaps best seen in a standard modern understanding of the history of Western civilization as a progressive fusion of classical, Christian and Enlightenment ideals, the latter being rooted in the past but in some important sense new and unprecedented. Under this modern conception, Western civilization, with all its internal divisions and constant innovational struggles, would have an extraordinarily difficult time trying to behave as a unitary actor.(1)

”ہنٹنگٹن کا غیر جدید تناظر جو تاریخ کے ترقی پذیر ہونے کی جدید غالب تصور کی نفی کرتا ہے اور اس کے بجائے اسے ایک تسلسل قرار دیتا ہے۔ یہ تہذیب کو ایک عامل سمجھنے کے

(1) Christian Stracke, *The Clash of Civilizations and the Remaking of the World Order*, Journal of International Affairs, vol. 51, 1997.

تصور سے بھی زیادہ جدیدیت مخالف تصور ہے۔ تہذیب کا کوئی بھی وٹگنسٹائن کے بعد کا جدید فہم تہذیب کے ساخت ہونے کے تصور پر مشتمل ہے۔ جو اولاً تہذیب کی اندرونی مصنوعیت اور ثانیاً تہذیب کے اختراع کی مستقل اہلیت پر مشتمل ہے۔ تہذیب میں اختراع کا ایسا تصور بہتر طور پر مغربی تہذیب کی تاریخ کے جدید فہم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جو کلاسیکل، عیسائی اور روشن خیالی کے تصورات کی ترقی پذیر آمیزش پر مشتمل ہے۔ جن میں سے آخر الذکر کی جڑیں تو ماضی میں ہیں لیکن کئی اہم حوالوں سے یہ نیا اور عدیم النظیر ہے۔ جدید تصورات کے مطابق مغربی تہذیب اپنی تمام تر اندرونی تقسیم اور مستقل اختراعی جدوجہد کے باعث ایک واحد عامل کے طور پر روبہ عمل ہونے کے لیے غیر معمولی مشکلات سے دو چار ہے۔"

اندریں حالات یہ اندازہ کرنا کوئی مشکل امر نہیں کہ اگر موجودہ عالمی حالات آگے بڑھتے رہے تو اس عالمی تصادم کا انجام کیا ہوگا گویا آج انسانیت کو اپنی بقا کے لئے ایک ایسے عالمی نظام کی ضرورت ہے جس کی بنیاد تصادم کی بجائے مکالمہ ہو۔ اور یہ ضرورت صرف اسلام پوری کر سکتا ہے جس نے پہلے دن سے **تعالوا الی کلمة سواء بيننا و بينكم** کا منشور عطا کر کے ایک وسیع بنیاد فراہم کر دی۔

(۳) اسلام کا بطور نظام حیات اِبلاغ

انسانیت کے لئے دین حیات ہونے کے ناطے جس اعتماد کو ہونا چاہیے تھا آج نہ صرف وہ اعتماد اہل اسلام کے ہاں مفقود ہے بلکہ دوسری تہذیبیں اس اعتماد سے سرشار نظر آتی ہیں:

However, no civilization is completely distinct from the influence of others and in particular, all have been affected by the model culture and modernity pioneered in the west.(1)

"تاہم کوئی تہذیب بھی مکمل طور پر الگ تھلگ اور دوسروں کے اثرات سے آزاد نہیں بلکہ سب اس مثالی کلچر اور جدیدیت سے متاثر ہیں جس کا آغاز مغرب نے کیا۔"

یہی وجہ کہ اسلام کے بارے میں اظہار کرتے ہوئے مغربی مفکرین اسلام کو اپنی تنقید کا

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics* p. 458.

نشانہ بناتے ہیں تو ان کا اندازہ اپنی تہذیب کی برتری کو ظاہر کرتے ہوئے اسلام کی تحقیر کی حدوں کو چھونے لگتا ہے۔فوکو یاما (F. Fukuyama) اسلام کے تہذیبی کردار کے بارے میں اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

Islam represented a systematic and coherent ideology.. with its own code of morality and doctrine of political and social justice. The appeal of Islam [was] potentially universal; reaching out to all men as men. . . And Islam has indeed defeated liberal democracy in many parts of the Islamic world, posing a grave threat to liberal practices even in countries where it has not achieved political power directly. ...... Despite the power demonstrated by Islam in its current revival, however, it remains the case that this religion has virtually no appeal outside those areas that were culturally Islamic to begin with. The days of Islam's cultural conquests, it would seem, are over. It can win back lapsed adherents, but has no resonance for the young people _Berlin, Tokyo, or Moscow. And while nearly a billion are culturally Islamic-one-fifth of the world's population-they cannot challenge liberal-democracy on its own territory on the level of ideas. Indeed, the Islamic world would seem more vulnerable to liberal ideas in the long run than the reverse.(1)

’’اسلام ایک منظم اور مربوط نظریۂ حیات ہے جس کا اپنا ضابطۂ اخلاق اور سیاسی اور سماجی انصاف کا نظام ہے۔ (ابتداً) اسلام کی مقبولیت آفاقی تھی جو عام انسانوں تک پہنچی۔ (دور جدید میں) بلا شبہ اسلام نے مسلم دنیا کے کئی حصوں میں آزاد خیال جمہوریت کو شکست دی اور اس سے یہ ان ممالک میں بھی آزاد خیال روش کے لیے خطرہ ثابت ہوا جہاں یہ براہ راست سیاسی قوت نہیں حاصل کر سکا۔ تاہم موجودہ احیائی جدوجہد کے دوران اسلام کی طرف سے قوت کے اظہار کے باوجود حقیقت یہی ہے کہ اس مذہب میں ان ممالک سے باہر جہاں اسلام ثقافتی طور پر شروع ہوا کوئی کشش نہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ اسلام کی ثقافتی فتوحات کا زمانہ گزر چکا ہے یہ کچھ غلط فہمیوں کا شکار وابستہ افراد کا دل تو جیت سکتا ہے لیکن

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics* p. 461.

اس میں برلن، ٹوکیو اور ماسکو کے نوجوانوں کیلئے کوئی صدائے بازگشت موجود نہیں۔ دنیا میں ایک بلین یعنی دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ثقافتی طور پر اسلامی ہوتے ہوئے بھی مسلمان لبرل جمہوریت کو اپنے علاقے میں بھی نظریات کی بنیاد پر چیلنج نہیں کر سکتے۔ بلا شبہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی دنیا لبرل تصورات کو شکست دینے کی بجائے ان کے سامنے عاجز اور ناتواں ثابت ہوتی چلی جائے گی۔"

جب سے اسلام کے مطابق دوسری تہذیبوں کو فروغ اور غلبہ حاصل ہوا ہے اسلام کی تہذیبی حیثیت شکوک وشبہات اور اعتراضات کی زد میں ہے۔ اس کا بنیادی سبب افکار و تعلیمات اور بنیادی اقدار کا وہ فرق ہے جو اسلام اور دیگر تہذیبوں میں حائل ہے:

In reality, the differences between civilizations ran deep: they were about man and God, man and woman, the individual and the state, and notions of rights, authority, obligation, and justice. Culture was about the basic perceptions of life that had been constructed over centuries.(1)

"حقیقت میں تہذیبوں میں موجود اختلافات بہت گہرے ہیں۔ یہ انسان اور خدا، مرد اور عورت، فرد اور ریاست، تصورات اور حقوق، اختیار، اطاعت اور انصاف سے متعلق ہیں۔ کلچر زندگی کے ان بنیادی تصورات سے متعلق ہے جو صدیوں کے عمل کے بعد ظہور پذیر ہوئے۔"

اسلام کو درپیش اس چیلنج کے پیش نظر اس امر کی ضرورت ہے آج عصری تقاضوں کو متحضر رکھتے ہوئے دلائل و براہین کے ساتھ اسلام کو بطور نظام حیات دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

(۴) عالمی برداشت کے کلچر کا فروغ

آج کی جدید دنیا مختلف النوع انتہا پسندی کے رجحانات کے تحت برداشت کے کلچر سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ ان رجحانات میں ایک بنیاد پرستی بھی ہے جس کا سبب سیاسی، اقتصادی، سماجی اور مذہبی محرومیاں ہیں:

Fundamentalism is more than a political protest against the West or the prevailing establishment. It also reflects

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics* p. 462.

deep-seated fear of modern institutions and has paranoid visions of demonic enemies everywhere. It is alarming that so many people in so many different parts are so pessimistic about the world that they can only find hope in fantasies of apocalyptic catastrophe. Fundamentalism shows a growing sense of grievance, resentment, displacement, disorientation, and anomie that any humane, enlightened government must attempt to address.(1)

’’بنیاد پرستی مغرب یا موجود اسٹیبلشمنٹ کے خلاف سیاسی احتجاج سے زیادہ بھی کچھ ہے۔ یہ جدید اداروں سے گہرے خوف اور ہر طرف پھیلے ہوئے دشمنوں کو اپنے مصائب کا ذمہ دار سمجھنے کا مظہر بھی ہے۔ یہ بات بہت خوفناک ہے کہ دنیا کے اتنے زیادہ حصوں میں اتنے لوگ دنیا کے بارے میں اتنے مایوس ہیں کہ انہیں کسی ناگہانی انقلاب کے تصورات میں ہی امید کی کرن نظر آتی ہے۔ بنیاد پرستی شکایات، رنجیدگی، شعوری انتقالیت، بیگانگی اور بے ضابطگی کا اظہار ہے جس کا ازالہ اور اصلاح کرنا کسی بھی ہمدرد اور روشن خیال حکومت کی ذمہ داری ہے۔‘‘

تاہم یہ امر ایک المیے سے کم نہیں کہ بین الاقوامی سطح پر انسانیت کو درپیش مسائل کا صحیح تجزیہ کرنے کی بجائے اسلام کو ثقافتی نزاع کا سبب قرار دیا جارہا ہے:

In much of the post-cold war discourse on cultural conflict, it was Islam that came into the frame. Islam, seem to represent a particular source of conflict both as a homeland and as a diaspora. Certainly, Islamic peoples were locked in violent conflicts against adjoining civilizations and secular states across the Balkans, West and East Africa, the Middle East, the Caucasus, Central Asia, India, Indonesia, and the Philippines, with their efforts to promulgate Islamic law a particularly explosive issue.(2)

’’سرد جنگ کے بعد ثقافتی نزاع پر ہونے والے مباحث میں اسلام ہی مرکز توجہ بنا۔ اسلام

(1) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics*, p. 461.

(2) Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics*, p. 463.

اندرون ملک اور ممالک سے باہر آبادی میں تنازعہ کے سبب کے طور پر سامنے آیا۔ یقیناً مسلمان متصل تہذیبوں اور سیکولر ریاستوں کے ساتھ بلقان، مغربی اور مشرقی افریقہ، مشرق وسطی، قفقاز، وسط ایشیاء، انڈیا، انڈونیشیا، اور فلپائن کے ساتھ شدید تنازعات میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس کوشش کے ساتھ کہ وہاں اسلامی قانون کو جو کہ سلگتا ہوا مسئلہ ہے فروغ دیں۔''

ان مذکورہ بالا مسائل کا حل بنیاد پرستی اور غلط فہمیوں پر نظام کو فروغ دینے کی بجائے عالمی برداشت کے کلچر کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ گویا یہ صرف عالم اسلام ہی نہیں بلکہ عالم انسانیت کی بنیادی ضرورت ہے کہ مستقبل میں بقائے باہمی کے امکانات کو روشن کرنے کے لئے برداشت کے کلچر کو فروغ ملے جو سیرت الرسول ﷺ سے ملنے والی سے ہی ممکن ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات اور اسوہ و سیرت کے ذریعے انسانیت کو وہ نظام زندگی، حقوق و فرائض، احکام و آداب اور امر و نواہی عطا فرمائے ہیں جن کو عملاً اپنانے اور نافذ کرنے سے مذکورہ بالا مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

(۵) وحدتِ نسلِ انسانی کا تصور

وحدت نسل انسانی کے تصور کو رنگ و نسل کے امتیاز کے خاتمہ کا موثر ترین ذریعہ بنایا ہے۔ قرآن وسنت کے ذریعے حضور ﷺ نے بنی نوع انسان کو یہ تعلیم دی ہے:

۱۔ يَآيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط إِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔(۱)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔''

۲۔ النّاس مستوون كأسنان المشط ليس لأحد على أحد إلّا تقوى الله۔(۲)

''تمام انسان کنگھی کے دندانوں کے طرح برابر ہیں کوئی بھی دوسرے پر فضیلت نہیں رکھتا سوائے اللہ کے تقویٰ کے۔''

---

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱۳

(۲) دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۶: ۳۰۱

۳۔ إن الله قد أذهب عنكم عبية الجاهلية وتعاظمها بآبائها فالناس رجلان: برّ تقي كريم على الله وفاجر شقي هيّن على الله والناس بنو آدم وخلق الله آدم من تراب. قال الله: إِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ۔ (۱)

’’اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا غرور اور ایک دوسرے پر خاندانی فخر دور کر دیا ہے پس اب دو قسم کے لوگ ہیں :ایک نیک متقی شخص جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہے اور ایک بدکار و بدبخت جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل و خوار ہے تمام لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔‘‘

(۶) معاشی عدل و اِحسان کا حکم

اسلام نے معاشی عدل و احسان کے تصور کو انسانی زندگی میں معاشی جبر و استحصال کے مسئلے کا موثر ترین حل بنایا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم انسانیت اسے بین الاقوامی اور ریاستی سطح پر بنیادی نظام کے طور پر نافذ کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قرآن و سنت کے ذریعے بنی نوع انسان کو یہ تعلیم دی ہے:

۱۔ وَيَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ۔ (۲)

’’اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)۔‘‘

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ (۳)

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔‘‘

۳۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔ (۴)

(۱) ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ الحجرات، ۵: ۳۸۹، رقم: ۳۲۷۰

(۲) البقرہ، ۲: ۲۱۹

(۳) النساء، ۴: ۲۹

(۴) الحشر، ۵۹: ۷

''تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔''

(۷) صدقہ و انفاق اور اطعام الطعام کا وجوبی حکم

اسلام نے صدقہ و انفاق اور اطعام الطعام کے حکم کو قحط و فاقہ کے انسانی مسئلہ کا حتمی حل بنایا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے افراد اور اقوام دونوں سطحوں پر وجوباً نافذ کیا جائے۔ حضور ﷺ نے قرآن و سنت کے ذریعے بنی نوع انسان کو یہ تعلیم دی ہے۔

۱۔ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ۔(۱)

''اور تم (خود بھی) انہیں اللہ کے مال میں سے (آزاد ہونے کے لئے) دے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔''

۲۔ وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○(۲)

''اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا۔''

۳۔ أطعموا الجائع و عودوا المريض و فكّوا العافي۔(۳)

''بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو آزاد کراؤ۔''

۴۔ من كان عنده فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له و من كان عنده فضل زاد فليعد به على من لا زاد له۔(۴)

---

(۱) النور، ۲۴: ۳۳

(۲) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأطعمة قول الله تعالى كلو من طيبات، ۵: ۲۰۵۵، رقم: ۵۰۵۸

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الجنائز، باب الدعاء للمريض، ۳: ۱۸۷، رقم: ۳۱۰۵

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۳: ۳۷۹، رقم: ۶۳۶۷

(۴) ۱۔أبوداود، السنن، کتاب الزکوٰۃ، باب فی حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۲۔ أبو عوانہ، المسند، ۴: ۲۰۰، رقم: ۶۴۹۰

’’جس کے پاس کوئی زائد سواری ہے تو وہ اسے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد زادراہ ہے وہ اسے دے جس کے پاس زادراہ نہیں ہے۔‘‘

۵۔ إنّ اللہ فرض علی أغنیاء المسلمین في أموالھم بقدر الّذی یسع فقراء ھم۔[1]

’’اللہ نے مسلمان امیروں پر ان کے مالوں میں ایک حصہ مقرر کردیا ہے۔ جس سے ان کے غریبوں کی ضروریات پوری ہوں۔‘‘

۶۔ لیس المؤمن الذی یشبع وجارہ جائع۔[2]

’’وہ شخص مومن نہیں جو خود سیر ہو کر کھاتا ہے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہتا ہے۔‘‘

۷۔ أن رجلا سأل النبی ﷺ أي الإسلام خیر قال: تطعم الطعام۔[3]

’’کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، کس قسم کا اسلام اچھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کھانا کھلانے والے کا۔‘‘

۸۔ من احتکر طعاماً أربعین یوماً فقد بري من اللہ تبارک و تعالیٰ و بري اللہ تبارک وتعالی منہ۔[4]

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱:۲۷۵، رقم: ۳۵۳

۲۔ منذری، الترغیب والترھیب، ۱: ۳۰۶، رقم: ۱۱۳۰

(۲) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۳، رقم: ۱۹۴۵۲

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲۶۹۹

۳۔ منذری، الترغیب والترھیب، ۳: ۲۴۳، رقم: ۳۸۷۵

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب إطعام الطعام من الإسلام، ۱: ۱۳، رقم: ۱۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب إفشا السلام، ۱: ۱۹، رقم: ۲۸

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب فی تفاضل الإسلام، ۱: ۶۵، رقم: ۳۹

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی إفشا الاسلام، ۴: ۳۵۰، رقم: ۵۱۹۴

۵۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الأطعمة، باب إطعام الطعام، ۲: ۱۰۸۳، رقم: ۳۲۵۳

(۴) ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۱۰۰

''جو شخص چالیس دن غلہ روکے رکھتا ہے وہ اللہ تعالی کے ذمہ سے بری اور اللہ تعالی اسکے ذمہ سے بری ہوا۔''

۹۔ المحتكر ملعون۔(۱)

''مال کو مہنگا بیچنے کی غرض سے روکنے والا ملعون ہے۔''

(۸) اصل رزق اور بنیادی ضروریات زندگی میں سب کی برابری کا تصور

اسلام نے اصل رزق اور بنیادی ضروریات زندگی میں سب کی برابری کے تصور کے ذریعے بے گھر ہونے اور بعض لوگوں کے دیگر حاجات اصلیہ سے محروم ہونے کے مسئلے کو بھی حل کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قرآن وسنت کے ذریعے بنی نوع انسان کو یہ اصول فراہم فرمایا ہے۔

۱۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلَى حِينٍ ○(۲)

''اب تمہارے لئے زمین میں ہی معیّنہ مدت تک جائے قرار ہے اور نفع اٹھانا مقدر کر دیا گیا ہے○''

۲۔ وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ۔(۳)

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے۔''

۳۔ وَقَدَّرَ فِيهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّائِلِيْنَ ○(۴)

''(یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے○''

۴۔ وَاللهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ج فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۱۴، رقم: ۲۱۶۴

۲۔ عبدالرزاق، المصنف، ۸: ۲۰۴، رقم: ۱۴۸۹۳

(۲) البقرۃ، ۲: ۳۶

(۳) الاعراف، ۷: ۱۰

(۴) حم السجدۃ، ۴۱: ۱۰

عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ط اَفَبِنِعْمَةِ اللهِ یَجْحَدُوْنَ ٥ (۱)

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے (تاکہ وہ تمہیں حکمِ انفاق کے ذریعے آزمائے)، مگر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی دولت (کے کچھ حصہ کو بھی) اپنے زیردست لوگوں پر نہیں لوٹاتے (یعنی خرچ نہیں کرتے) حالانکہ وہ سب اس میں (بنیادی ضروریات کی حد تک) برابر ہیں، تو کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں ٥‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

لیس لابن ادم حق فی سوی هذه الخصال بیت یسکنه و ثوب یواری عورته و جلف الخبز والماء۔ (۲)

’’انسان کی لئے ان اشیاء کے سوا کوئی حق نہیں، رہنے کے لئے مکان، سترِ عورت کے لئے کپڑا، سالن کے بغیر روٹی اور پانی۔‘‘

(۹) عورت کی عزت اور حقوق کے تحفظ کا حکم

اسلام نے معاشرے میں عورت کی عزت کی بلندی اور اس کے سماجی، معاشی، قانونی، عائلی اور اخلاقی حقوق کا تعین و تحفظ کر کے حیثیت نسواں کے مسئلہ کا ایک متوازن حل دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قرآن و سنت کے ذریعے بنی نوع انسان کو یہ ہدایت فرمائی ہے:

۱۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً۔ (۳)

’’اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔‘‘

(۱) النحل، ۱۶: ۷۱

(۲) ترمذی، السنن کتاب الزهد: باب ماجاء فی الزهادة فی الدنیا ۲: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱

(۳) النساء، ۴: ۱

۲۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔[(۱)]

''اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔''

۳۔ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔[(۲)]

''اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو۔''

۴۔ خیرکم خیرکم لأهله و أنا خیرکم لأهلی۔[(۳)]

''تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کے لئے بہتر ہوں۔''

۵۔ ما أکرمهن إلّا کریم وما أهانهن إلّا لئیم۔[(۴)]

''ان (عورتوں) کی عزت، عزت والا ہی کرتا ہے اور ان سے توہین آمیز سلوک وہی کرتا ہے جو خود ذلیل (اور کمینہ) ہو۔''

۶۔ الجنّة تحت أقدام الأمهات۔[(۵)]

''جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔''

۷۔ ما من مسلم تدرکه ابنتان فیحسن صحبتهما إلا أدخلتاه الجنة۔[(۶)]

''جس مسلمان کو بھی دو بیٹیاں میسر ہوں اور وہ ان کو اچھی طرح تعلیم و تربیت دے تو وہ دونوں اس کو جنت میں داخل کرائیں گی۔''

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۲۸

(۲) النساء، ۴: ۱۹

(۳) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، ۱: ۶۳۶، رقم: ۱۹۷۷

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب أزواج النبی، ۵: ۷۰۹، رقم: ۳۸۹۵

(۴) عسقلانی، لسان المیزان، ۶: ۱۲۸

(۵) هندی، کنز العمال، ۱۶: ۴۶۳، رقم: ۴۵۴۳۹

(۶) بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۴۱، رقم: ۷۷

۸۔ لا یکون لأحد ثلاث بنات أو ثلاث أخوات فیحسن إلیھن إلا دخل الجنّۃ۔ (۱)

''جس کی بھی تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔''

۹۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

أمک ثم أمک ثم أمک ثم أبوک ثم أدناک أدناک۔ (۲)

''تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیرا باپ پھر جو قریب ہو، قریب ہو۔''

۱۰۔ الدّنیا متاع وخیر متاع الدّنیا المرأۃ الصالحۃ۔ (۳)

''تمام دنیا متاع (سامان) ہے اور دنیا میں بہترین متاع نیک اور پرہیزگار عورت ہے۔''

(۱۰) جائز جنسی تسکین کے لئے نکاح کا تصور

اسلام نے جنسی زندگی کو باقاعدہ نظم دینے اور اسے اخلاقی بے راہ روی سے بچانے کے لئے نکاح کا شرعی تصور اور ازدواج کا باقاعدہ نظام دیا ہے۔ جس کے ذریعے انسانیت کو جنسی مسئلہ کا نہایت مناسب حل میسر آ گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قرآن و سنت کے ذریعے اس باب میں واضح ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔

۱۔ فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ (۴)

''تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لئے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین

---

(۱) ترمذی، السنن کتاب البر والصلہ، باب ماجاء فی رحمۃ الولد، ۴: ۳۱۸، رقم: ۱۹۱۲

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلہ، باب بر الوالدین، ۴: ۱۹۷۴، رقم: ۲۵۴۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب البر والصلۃ، ۵: ۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۶

(۳) مسلم، الصحیح، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا، ۲: ۱۰۹۰، رقم: ۱۴۶۷

(۴) النساء، ۴: ۳

اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے)۔''

۲۔ **من تزوج أحرز نصف دينه۔**(۱)

''جس نے شادی کی اس نے اپنا آدھا دین بچا لیا۔''

۳۔ **يا معشر الشباب، من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج۔**(۲)

''اے جوانو کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کرے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچے رکھتا ہے۔ اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے۔''

(۱۱) نوجوانوں کی پریشان خیالی کا اسلامی علاج

اسلام نے نوجوانوں میں پریشان خیالی کے خاتمہ کے لئے روحانی، ذہنی اور جسمانی سرگرمیوں کی صورت میں مثبت طرزِ فکر عطا کیا تاکہ ان کی سیرت و کردار کو انتشار سے بچا کر محبت و عبادتِ الٰہی، تقویٰ و صالحیت اور جوانمردی و جانفشانی کی زندگی سے ہمکنار کیا جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے نوجوانوں کو پریشان خیالی اور بے راہ روی سے بچانے کے لئے روحانی فکر و عمل کے سانچے میں ڈھالنے کی تلقین فرمائی اور اس کے لئے موثر ہدایات و تعلیمات عطا فرمائیں۔

۱۔ **سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله: إمام عادل و شاب نشاء في عبادة الله و رجل معلق قلبه في المساجد و رجلان تحابا في الله، اجتمعا عليه و تفرقا عليه، و رجل دعته امرأة ذات منصب و جمال فقال: إني**

---

(۱) جوزی، العلل المتناهية، ۲: ۶۱۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب النكاح، باب قول النبی ﷺ: من استطاع منكم الباءة، ۵: ۱۹۵۰، رقم: ۴۷۷۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح، ۲: ۱۰۱۸، رقم: ۱۴۰۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب ماجاء في فضل النكاح، ۱: ۵۹۲، رقم: ۱۸۴۵

أخاف الله و رجل تصدق بصدقة فاخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه و رجل ذكر الله خاليًا ففاضت عيناه۔(۱)

''سات شخص اللہ تعالیٰ کے سایہ (رحمت) میں ہوں گے جبکہ اس دن کسی کا سایہ نہ ہوگا۔ عادل حکمران، وہ جوان جو خدا کی اطاعت میں پلا بڑھا ہو۔ وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے، دو آدمی جو ایک دوسرے کو صرف اللہ کے لئے چاہتے ہیں ملیں تو اسی لئے اور جدا ہوں تو اسی لئے، وہ جسے حسن و دولت والی عورت برائی پر اکسائے مگر وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ جس نے صدقہ دیا اور اسے یوں مخفی رکھا کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چل سکا کہ دائیں ہاتھ نے کیا کیا اور وہ شخص جس نے خلوت میں خدا کو یاد کیا اور آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔''

۲۔ لا يلج النار رجل بكى من خشية الله ...... ولا يجتمع غبار في سبيل الله ودخان جهنم۔(۲)

''اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والا جہنم میں نہیں جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں (لگی ہوئی) غبار اور جہنم کا دھواں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔''

۳۔ عليك بتقوى الله فإنها جماع كل خير و عليك بالجهاد في سبيل الله فإنها رهبانية المسلمين و عليك بذكر الله و تلاوة كتابه فإنها نور لك في الأرض و ذكر لك في السماء۔(۳)

''اللہ سے ڈرنا اپنے اوپر لازم کرلو بے شک یہ ہر نیکی اور بھلائی کا جامع ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اپنے اوپر لازم کرلو کہ یہی مسلمانوں کی رہبانیت ہے اور اپنے اوپر اللہ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ: باب الصدقہ بالیمین، ۲: ۵۱۷، رقم: ۱۳۵۷

۲۔ مسلم، الصحیح کتاب، باب فضل إخفاء الصدقة، ۲: ۷۱۵، رقم: ۱۰۳۱

۳۔ ترمذی، الصحیح، کتاب، باب ماجاء فی رطب، ۴: ۵۹۸، رقم: ۲۳۹۱

(۲) ترمذی، السنن، کتاب الزهد، باب ماجاء فی فضل البکاء، ۴: ۵۵۵، رقم: ۲۳۱۱

(۳) ۱۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۲: ۱۵۶، رقم: ۹۴۹

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۲: ۲۸۴، رقم: ۱۰۰۰

کا ذکر اور اس کی کتاب کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا لازم کرلو کہ زمین میں یہ تمہارے لئے روشنی ہے اور آسمان میں تمہارا ذکر ہے۔''

۴۔ أدبوا أولادکم علی ثلاث خصال: حبّ نبیکم وحبّ أهل بيته وقرأة القرآن۔(۱)

''اپنی اولاد کو تین امور کی تربیت دیں: اپنے نبی کی محبت، نبی کے اہلِ بیت کی محبت کی اور قرآن پڑھنے کی۔''

اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت مبارکہ کے ذریعے نوجوانوں کو جہاد، محبت الٰہی اور محبت رسول ﷺ کے علاوہ صحت مند سرگرمیوں اور کھیلوں کی بھی ترغیب دی جن میں فوجی اور دفاعی فنون کے علاوہ شہ سواری، تیر اندازی، کشتی، پیراکی، دوڑیں، نیزہ بازی اور ویٹ لفٹنگ ایسی کھیلوں (Sports) کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی بھی براہ راست حضور نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے جن کے ذریعے آپ ﷺ نوجوانوں اور بچوں کو مثبت اور صحت مند جسمانی مشاغل سے وابستہ فرماتے تھے۔

(۱۲) دماغی اور نفسیاتی دباؤ کا روحانی علاج

اسلام نے دماغی اور نفسیاتی دباؤ کے علاج کے لئے ایک خاص طرز فکر، نمونہ حیات اور روحانی اعمال و مشاغل کا نظام عطا کیا ہے جس کی تفصیل سیرت محمدی ﷺ سے میسر آتی ہے۔ اس میں قناعت اور صبر و شکر کا زاویہ نگاہ، حسد، حرص اور لالچ ایسے رذائل سے اجتناب، غصہ اور بغض و کینہ سے پرہیز، توکل اور رضائے الٰہی کا تصور، ذکر و عبادت الٰہی اور انفاق و احسان کی یہ ترغیب سب معاملات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

ارشادِ الٰہی ہے:

۱۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِکْرِ اللهِ اَلَا بِذِکْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ○(۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں، جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے○''

(۱) ۱۔ ہندی، کنز العمال، ۱۶: ۴۲۳، رقم: ۴۵۴۰۹

۲۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۷۶

(۲) الرعد، ۱۳: ۲۸

۲۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ (۱)

''ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت وجلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلامِ محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)○''

۳۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (۲)

''جس کی آیتیں) بار بار دہرائی گئی ہیں، جس سے اُن لوگوں کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر اُن کی جلدیں اور دل نرم ہوجاتے ہیں (اور رِقّت کے ساتھ) اللہ کے ذکر کی طرف (محو ہو جاتے ہیں)۔''

۴۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (۳)

''یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے○''

۵۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (۴)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے○''

---

(۱) الانفال، ۸: ۲

(۲) الزمر، ۳۹: ۲۳

(۳) آل عمران، ۳: ۱۳۴

(۴) البقرۃ، ۲: ۱۵۳

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

۱۔ فإنّ فی الصلاۃ شفاء۔[۱]

’’بے شک نماز میں شفاء ہے۔‘‘

۲۔ إیّاکم والحسد فإنّ الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النّار الحطب۔[۲]

’’حسد سے بچو بیشک حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے‘‘

(۱۳) شراب نوشی اور دیگر منشیات کی کلی حرمت

’’اسلام نے شراب نوشی اور دیگر تمام منشیات (Norcotics) کو کلیتاً حرام قرار دے کر ہمیشہ کے لئے اس مسئلہ کو حل کردیا ہے دنیا بھر میں منشیات کی روک تھام کے لئے جو عالمی مہم آج چلائی جا رہی ہے۔ پیغمبر اسلام نے اس کا آغاز اس اعلانِ الٰہی کے ذریعے ۱۴ صدیاں قبل ہی فرما دیا تھا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝[۳]

’’اے ایمان والو! بیشک شراب اور جُوا اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بُت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ سو تم ان سے (کلیتًا) پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۝‘‘

ذیل میں اس بابت چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

۱۔ کل مسکر خمر وکل مسکر حرام۔[۴]

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الطب، باب الصلاة شفاء، ۲: ۱۱۴۴، رقم: ۳۴۵۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۹۰، رقم: ۹۰۵۴

(۲) أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی الحسد، ۴: ۲۷۶، رقم: ۴۹۰۳

(۳) المائدہ، ۵: ۹۰

(۴) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأشربة، باب عقوبة من شرب الخمر، ۳: ۱۵۸۸، رقم: ۲۰۰۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأشربة، باب کل مسکر حرام، ۲: ۱۱۲۴، رقم: ۳۳۹۰

''ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

۲۔ ما أسكر كثيره فقليله حرام۔[1]

''جس چیز کا کثیر حصہ نشہ لائے اس کا تھوڑا حصہ بھی حرام ہے۔''

۳۔ لعن الله الخمر و شاربها و ساقيها و بائعها و مبتاعها و عاصرها و معتصرها و حاملها والمحمولة إليه۔[2]

''اللہ تعالیٰ نے شراب پر لعنت کی ہے اور اسے پینے والے اور پلانے والے پر اور اسے بیچنے والے اور خریدنے والے پر اور اسے نچوڑنے والے پر اور نچڑوانے والے پر اور اسے اٹھانے والے اور جس کے لئے اٹھائی گئی اس پر بھی لعنت کی ہے۔''

۱۴۔ ماحولیاتی صحت کے لئے صفائی اور شجرکاری وغیرہ کا حکم

اسلام نے ماحولیاتی صحت کے لئے صفائی اور شجرکاری کے احکام صادر فرما کر اس مسئلہ کے حل کی واضح بنیاد فراہم کر دی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اس امر کا عملی نمونہ نظر آتی ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ○[3]

''اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے○''

حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین ہیں:

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب الأشربة، باب النهي عن المسكر، ۳: ۳۲۷، رقم: ۳۶۸۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأشربة، باب ما أسكر كثيره، ۲: ۱۱۲۴، رقم: ۳۳۹۲

۳۔ ترمذی، السنن، كتاب الأشربة، باب ماجاء ما أسكر، ۴: ۲۹۲، رقم: ۱۸۶۵

(۲) أبوداؤد، السنن، كتاب الأشربة، باب العنب يعصر للخمر، ۳: ۳۲۶، رقم: ۳۶۷۴

(۳) البقرة، ۲: ۲۲۲

۱۔ **الطهور نصف الإيمان۔**[۱]

”پاکیزگی نصف ایمان ہے۔“

۲۔ **الإيمان بضع وسبعون شعبة فأفضلها قول لا إله إلا الله وأدناها إماطة الأذى عن الطريق۔**[۲]

”ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں۔ ان سب میں افضل لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور ان سب میں ادنی راستے میں سے کسی موذی چیز کا ہٹانا ہے۔“

۳۔ **حق الطريق قال: غض البصر وكف الأذى ورد السلام۔**[۳]

”راستے کا حق، نظر نیچی رکھنا ایذا رسانی سے پرہیز کرنا اور سلام کا جواب دینا ہے۔“

اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے شجرکاری کو صدقہ قرار دیا اور حکم فرمایا کہ شجرکاری کرو خواہ روز قیامت میں ہی ایک درخت لگانے کی فرصت مل جائے۔ ارشاد گرامی ہے:

۴۔ **ما من مسلم يغرس غرسًا إلا كان ما أكل منه له صدقه۔**[۴]

”جو مسلمان درخت لگائے پھر اس میں سے کوئی کھائے تو لگانے والے کو صدقے کا ثواب ملے گا۔“

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب منه، ۵: ۵۳۶، رقم: ۳۵۱۹
۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۱۷۱، رقم: ۳۰۴۳۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الإيمان: باب بيان عدد شعب الإيمان، ۱: ۶۳، رقم: ۳۵
۲۔ أبوداود، السنن، کتاب السنة، باب في رد الإرجاء، ۴: ۲۱۹، رقم: ۴۶۷۶

(۳) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب المظالم، باب أفنية الدور والجلوس، ۲: ۸۷۰، رقم: ۲۳۳۳
۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب في الجلوس، ۴: ۲۵۶، رقم: ۴۸۱۵

(۴) ۱۔ مسلم الصحيح، کتاب المساقاة: باب فضل الغرس والزرع، ۳: ۱۱۸۸، رقم: ۱۵۵۲
۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الأحکام، باب ماجاء في فضل الفرس، ۳: ۶۶۶، رقم: ۱۳۸۲

۵۔ إن قامت الساعة و بيد أحدكم فسيلة فإن استطاع أن لا يقوم حتى يغرسها فليفعل۔[1]

''اگر قیامت کی گھڑی آ جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہے اور وہ اس کو لگا سکتا ہے تو لگائے بغیر کھڑا نہ ہو۔''

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ کا قیام اقوام عالم کی اس آرزو کی طرف پیش رفت ہے جو عالمی سطح پر پائیدار اور دیرپا امن کے قیام سے عبارت ہے۔ لیکن تاحال سامنے آنے والے حالات اس امر کے گواہ ہیں کہ ان اقدامات کے باوجود امن عالم کا خواب تا حال تشنہ تعبیر ہے۔ کمزور اور پسماندہ اقوام اب بھی طاقت ور اور غالب اقوام کی ظلم وستم کا تختہ مشق بنی ہوئی ہیں۔ سیرت الرسول ﷺ کا عصری اور بین الاقوامی تناظر میں مطالعہ، جس کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں، اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ انسانیت کے لئے مقامی اور بین الاقوامی سطح پر بقائے باہمی اور قیام امن کا حامل نظام صرف تعلیمات نبوی کی روشنی سے ہی تشکیل دیا جا سکتا ہے۔

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۹۱، رقم: ۱۳۰۰۴

باب ششم

سیرۃُ الرسول ﷺ
کی
نظریاتی و اِنقلابی اَہمیت

سیرۃُ الرسول ﷺ کے مطالعہ کی ایک اساس اور ضرورت نظریاتی و اِنقلابی بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کو سلسلۂ انبیاء و رسل علیہم السلام کی آخری نبوت و رسالت قرار دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد انسانیت قیامت تک کیلئے نئے نبی اور رسول کی بعثت سے مکمل طور پر بے نیاز کر دی گئی ہے۔ نتیجتاً قرآن تاریخِ انبیاء کی آخری الہامی کتاب اور سنتِ محمدی ﷺ تاریخِ نبوت کی آخری سیرت بنا دی گئی ہے۔ اب عالم انسانیت کی وہ تمام ضرورتیں جو بعثتِ انبیاء سے پوری ہوا کرتی تھیں قیامت تک قرآن اور سیرتِ محمدی ﷺ سے ہی پوری ہوتی رہیں گی۔ آئندہ انسانی تاریخ کے تمام ادوار عہدِ رسالت مآب ﷺ کے تابع ہوں گے اور انسان کی اخلاقی و عملی جدوجہد کے تمام مطلوبہ نتائج سیرتِ محمدی ﷺ کے فیضان سے پیدا ہوں گے۔ اس طرح رسالتِ محمدی ﷺ کو دائماً دو صورتوں میں متشکل کر دیا گیا ہے۔ علمی شکل اور عملی شکل، اس کی علمی شکل کا نام قرآن ہے اور عملی شکل کا نام سیرتِ محمدی ﷺ۔ اب اُمتِ مسلمہ ہمیشہ دینِ اسلام کے احیاء و تجدید اور اَحوالِ حیات کی اصلاح و تحسین کے لئے انہی دو چشموں سے راہنمائی لیتی رہے گی اور ہر دور میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد انہی دو بنیادوں پر استوار ہوتی رہے گی۔ قرآن اور سیرت محمدی ﷺ کی فکری اور عملی راہنمائی صرف اخلاقی وعظ و تبلیغ کا ذریعہ ہی نہیں ہو گی بلکہ حق و باطل کے معرکوں میں کامیابی و نتیجہ خیزی کی اساس بھی ہو گی یہی وجہ ہے کہ اُمت اگر سیرتِ محمدی ﷺ کی صحیح طور پر اتباع کرے گی تو اس کا ہر یوم، وعدۂ قرآنی کے مطابق ''الیوم'' ہوگا جس کی نسبت یہ اعلان کیا گیا تھا:

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ۔ (1)

''آج کافر لوگ تمہارے دین (کے غالب آجانے کے باعث اپنے ناپاک ارادوں) سے مایوس ہوگئے، سو (اے مسلمانو!) تم ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔''

لہٰذا سیرۃُ الرسول ﷺ کے مطالعہ سے ہمیں اسلامی انقلاب اور اس کا فلسفہ بھی دریافت کرنا ہوگا اور اس کے خصائص و اہداف بھی، اس لیے اسے ایک نظریاتی فلسفہ (Ideological

---

(1) المائدۃ، 5: 3

(Philosophy) اور انقلابی سائنس (Revolutionary Science) کے طور پر پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بنا بریں سیرت الرسول ﷺ کا نظریاتی و انقلابی مطالعہ درج ذیل چھ جہات سے کیا جانا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

۱۔ قرآن اور سیرتِ محمدی ﷺ ہی ہمہ گیر انقلاب کی فکری و عملی اساس ہیں۔

۲۔ قرآنی ہدایت کی نتیجہ خیزی اور قانونِ مشیتِ الٰہی۔

۳۔ پیغمبرانہ سیرت اور جدوجہد کی نتیجہ خیزی۔

۴۔ سیرتِ محمدی ﷺ کی نتیجہ خیزی ختم نبوت کی بنیاد ہے۔

۵۔ سیرتِ محمدی ﷺ پیغامِ الٰہی کا نتیجہ خیز اور انقلابی ابلاغ ہے۔

۶۔ سیرتِ محمدی ﷺ اور قرآنی قانون عروج و زوال۔

۱۔ قرآن اور سیرتِ محمدی ﷺ ہی ہمہ گیر اِنقلاب کی فکری و عملی اَساس ہیں

اسلام کی تمام تر ہدایت دو چشموں سے ماخوذ ہے، علمِ رسالت اور عملِ رسالت۔ علمِ رسالت قرآن ہے اور عملِ رسالت، سیرت طیبہ۔ انسانی زندگی کے انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی شعبوں میں تمام انقلاب طلب پہلوؤں کو جن کا ادراک انسان خود نہ کرسکتا تھا قرآن کی روشنی میں واضح کر دیا گیا اور جس جس طریقہ سے یہ پہلو انقلاب پذیر ہو سکتے تھے ان کو متعین کرنے کے لئے حتماً قطعاً اور یقیناً نتیجہ خیز لائحہ عمل کے طور پر سیرتِ محمدی ﷺ عطا کر دی گئی اور اسی سیرت طیبہ کی ہدایت اور قیادت کے ذریعے تیئس (۲۳) برس کے قلیل عرصے میں ہمہ گیر عالمی انقلاب بپا کر دیا گیا۔ قرآن اور سیرتِ طیبہ کی ہی راہنمائی میں پیغمبرانہ انقلاب کی جدوجہد بعثت سے لے کر حجۃ الوداع تک اپنے تمام مضمرات کے ساتھ اتمام کو پہنچی۔ یہی وجہ ہے کہ انسانیت کو ابد الآباد تک کسی بھی صحت مند انقلاب کیلئے حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد نہ تو کسی دیگر پیغمبرانہ بعثت کی ضرورت ہے اور نہ قرآن کے بعد کسی دیگر الہامی ہدایت کی حاجت۔ چنانچہ قیادتِ محمدی ﷺ اور ہدایتِ قرآنی اپنے اندر انقلاب کے مطلوبہ نتائج پیدا کرنے کی ضمانت آج بھی اسی طرح رکھتی ہے جس کا قرونِ اولیٰ میں مظاہرہ ہو چکا ہے۔

پیش نظر موضوع کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ:

۱۔ انقلاب سے کیا مراد ہے؟

۲۔ تاریخی اور پیغمبرانہ انقلاب میں کیا فرق ہے؟

۳۔ جزوی اور ہمہ گیر انقلاب میں کیا امتیاز ہے؟

۴۔ انقلاب کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

۵۔ انقلاب کے مدارج کیا ہیں اور ہر درجہ کے انقلاب کا مقصد کیا ہے؟

ان تمام سوالات کا جواب قرآن سے میسر آتا ہے۔

۱۔ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ انقلاب سے کیا مراد ہے تو مختصراً یوں سمجھنا چاہیے کہ انقلاب سماجی سطح پر مکمل تبدیلی اور مطلوبہ معیار کی طرز پر زندگی کے ڈھل جانے کا نام ہے۔

۲۔ انقلاب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تاریخی انقلاب

(۲) پیغمبرانہ انقلاب

تاریخی انقلاب انسانی طبقات کے مفادات کے باہم ٹکرانے سے وجود میں آتا ہے۔ یہ انقلاب ’’بعضکم لبعض عدو‘‘ کی عملی تصویر ہوتا ہے۔ جس کی جدوجہد انسانی استعداد کے وضع کردہ اقدام (Initiative) سے ہوتی ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں۔ کبھی یہ تعمیر پر منتج ہوتا ہے کبھی تخریب پر، یہی وجہ ہے کہ تاریخی انقلابات اکثر مطلوبہ نتائج پیدا کرنے یا انہیں برقرار رکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

پیغمبرانہ انقلاب، مقاصدِ بعثت کے حصول کے لئے وحی کی عطا کردہ روشنی اور سیرتِ نبوی کی قیادت میں لایا جاتا ہے۔ اس لئے اس میں اس یقین اور تحدی کے ساتھ نتیجہ خیزی کی ضمانت ہوتی ہے جس کا اظہار اس آیتِ قرآنی میں کیا گیا ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ۔ (۱)

’’اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں اور میرے رسول ضرور غالب ہو کر رہیں گے۔‘‘

یعنی پیغمبرانہ مشن کی جدوجہد یقیناً پروان چڑھتی ہے اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ انقلاب جزوی بھی ہوتا ہے اور ہمہ گیر بھی۔ جزوی انقلاب زندگی کے کسی ایک پہلو میں محدود

(۱) المجادلۃ، ۵۸: ۲۱

تبدیلی لاتا ہے اور ہمہ گیر انقلاب زندگی کے جملہ انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی پہلوؤں کو محیط ہوتا ہے۔ پیغمبرانہ قیادت کے کامل ہونے کی بنا پر پیغمبرانہ انقلاب ہمہ گیر ہوتا ہے، جزوی نہیں ہوتا وہ بیک وقت مذہبی، روحانی، معاشی و معاشرتی اور سماجی و سیاسی ہوتا ہے۔

۴۔ انقلاب کی ضرورت کو سمجھنے سے پہلے فطرتِ انسانی کی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے۔ فطرت انسانی کے دو پہلو ہیں:

۱۔ فطرت بالفعل

۲۔ فطرت بالقوہ

فطرت بالفعل جبلی داعیات، طبعی خواہشات اور نفسانی تقاضوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کی نشاندہی اس آیت میں کی گئی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (۱)

”لوگوں کے لئے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کر دی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)، یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے۔“

اس بنا پر فطرت بالفعل تضادات کا مجموعہ بنی رہتی ہے اور اس وقت تک اصلاح پذیر نہیں ہوسکتی جب تک فطرت بالقوہ کی نشوونما کے ذریعے اسے ایک زندہ طاقت بنا کر اس کے تحت فطرت بالفعل کے داعیات کو منضبط نہ کر دیا جائے۔

فطرت بالقوہ، فجور و تقویٰ کے امتیاز، ربوبیت کے اقرار، اپنے نفس کی بصیرت اور امانت کی ذمہ داری کے احساس پر مشتمل ہوتی ہے لیکن اس کی حیثیت ایک ایسی استعداد کی ہے جو نشوونما نہ پا سکے تو اس کا عدم اور وجود برابر ہوتا ہے۔ اسی پہلو کو نشوونما دینے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت ہوتی رہی ہے اور وحی الٰہی کے ذریعے اس پہلو کو نشوونما دینے کا لائحہ عمل میسر آتا رہا ہے۔ پیغمبرِ انقلاب ﷺ

(۱) آل عمران، ۳: ۱۴

کے اس ارشاد کا یہی مقصود تھا۔

بعثت لأتمم حسن الأخلاق۔(۱)

''میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی الہامی تعلیمات کے ذریعے اخلاق اور روحانی ارتقاء کا وہ انقلابی لائحہ عمل عطا کر دیا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے انسان فطرت بالفعل کے ان نفسانی داعیات اور طبعی خواہشات کو اپنے قابو میں کر سکتا ہے جو اسے راہ حق سے بہکا کر اخلاق بے راہ روی کی طرف گامزن کر دیتی ہیں اور انہی تعلیمات کے ذریعے، انسان اپنی فطرت بالقوہ کے ان نیک داعیات و احساسات کو فروغ دے کر اپنی نفسانیت پر اس طرح غالب کر سکتا ہے کہ ان خواہشات کی تکمیل بھی ایک ضابطے کے مطابق ہوتی رہے اور نیکی و تقویٰ بھی بلا روک، ترقی پذیر رہے۔ اسی اہتمام سے انسان کی شخصی اور اخلاقی زندگی میں انقلاب آتا ہے اور اخلاقی و روحانی قدروں کی تکمیل ہوتی ہے۔

جب انسانی فطرت کے ان مختلف تقاضوں اور داعیات کی صحیح نشوونما اور تربیت نہیں ہوتی تو یہ زندگی میں عجیب قسم کے تضادات اور بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں اور انفرادی و اجتماعی سطح پر زندگی کے تمام شعبے اس بگاڑ کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اسی بگاڑ سے انتشار، استحصال، ظلم و استبداد اور فسق و فجور جنم لیتا ہے۔ لہٰذا انسانی زندگی کو صحیح نظم دینے کے لئے انقلاب ناگزیر ہو جاتا ہے اور یہی امر اس کی ضرورت کی بنیاد بنتا ہے۔

۵۔ انسانی زندگی کے تین پہلو ہیں: انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی۔ پیغمبرانہ انقلاب کے تینوں مدارج انہی پہلوؤں سے وابستہ ہوتے ہیں۔

(۱) اِنفرادی زندگی اور مقصدِ اِنقلاب

انسانی زندگی کا انفرادی پہلو خواہش اور فرض کے تضاد پر مبنی ہے۔ اس لئے یہ ضبط و انقیاد کا طلب گار ہے۔ یہ ضبط و انقیاد انفرادی زندگی کے کسی عظیم نصب العین کو حاصل کرنے کی جدوجہد کے ذریعے ہی پیدا ہو سکتا ہے اس کے بغیر نہیں۔

انفرادی زندگی کا نصب العین انسان مرتضٰی یعنی ایسا انسان بننا ہے جس سے اللہ راضی ہو اور

(۱) مالك، الموطاء، كتاب حسن الخلق، ۲: ۹۰۴، رقم: ۱۶۰۹

وہ اللہ سے راضی ہو۔ اس نصب العین کا ذکر قرآن کریم یوں فرماتا ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ اَكْبَرُ۔ (۱)

”اور (پھر) اللہ کی رضا اور خوشنودی (ان سب نعمتوں سے) بڑھ کر ہے (جو بڑے اجر کے طور پر نصیب ہوگی)۔“

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (۲)

”اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔“

یہ نصب العین توحید و رسالت کے اقرار و تصدیق، عبادات وطاعات اور اخلاق و معاملات کو ظاہراً و باطناً درست کر لینے اور انہیں صحیح طریقے سے کما حقہٗ بجا لانے سے میسر آتا ہے۔ فطرتِ انسانی کی دوئی کا یہ تضاد دراصل انفرادی سطح پر انقلاب کی ضرورت کی سازگار شرط ہے کیونکہ تضاد ہی ہر سطح پر اساسِ انقلاب ہوتا ہے۔ کائنات کا تکوینی قانون بھی خود جدلیاتی قانون ہے۔ انفرادی سطح پر انقلاب یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ایسی جدوجہد کی جائے جو اس تضاد پر کامیابی سے قابو پا سکے اور انسان کی فطرت بالفعل کے داعیان (یعنی انسانی خواہشات) فطرت بالقوہ (فرائض) کے تحت مربوط ہو کر پوری ہونے لگیں۔ یہ جدوجہد تزکیۂ نفس سے عبارت ہے۔ جسے قرآن یوں بیان کر رہا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (۳)

”بیشک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشو و نما کی) ○ اور بیشک وہ شخص نامراد ہوگیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا (اور نیکی کو دبا دیا) ○“

تزکیہ روحانی نشو و نما میں رکاوٹ پیدا کرنے والے میلانات کو دور کر دینے کا نام ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی کیاری میں پودینہ بوئے پھر اس کے بعد وہاں غیر ضروری گھاس اُگ آئے جو

(۱) التوبۃ، ۹: ۷۲

(۲) المائدۃ، ۵: ۱۱۹

(۳) الشمس، ۹۱: ۹، ۱۰

پودینہ کی نشوونما میں رکاوٹ بن رہی ہو تو اس کو اس لئے اکھیڑ کر پھینک دیا جاتا ہے کہ زمین کی تمام تر تخلیقی قوت خود رو پودوں پر صرف ہونے کے بجائے صرف پودینے کی نشوونما پر صرف ہو۔ صفائی کے اس عمل کا نام تزکیہ نفس ہے۔

چنانچہ نفسِ انسانی میں ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوٓءِ ''بیشک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے''﴾ کے تحت بعض جبلی اور طبعی قوتیں برائی پر صرف ہونے لگتی ہیں جس سے نیکی کی نشوونما متاثر ہوتی ہے۔ اس لئے تزکیہ وتصفیہ کا عمل اس تضاد کو ختم کر کے نیکی کی نشوونما کا باعث بنتا ہے۔ اور انسان اپنی نجی زندگی میں اس انقلاب کے ذریعے انسان مرتضٰی بن جاتا ہے۔

يَآأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ○ ارْجِعِيٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ○[1]

''اے اطمینان پا جانے والے نفس○ تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ آ کہ تو اس کی رضا کا طالب بھی ہو اور اس کی رضا کا مطلوب بھی (گویا اس کی رضا تیری مطلوب ہو اور تیری رضا اس کی مطلوب)○ پس تو میرے (کامل) بندوں میں شامل ہو جا○''

زندگی میں انفرادی سطح پر انقلاب لانے کے لئے قرآن سے راہنمائی طلب کرنے کا ذکر یوں آتا ہے:

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا○[2]

''بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہے، سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف (پہنچنے کا) راستہ اختیار کر لے○''

پیغمبرِ انقلاب ﷺ نے اپنے فیضانِ صحبت سے جن لوگوں کی انفرادی زندگی کو ''یزکّیھم'' کا مصداق بنا کر جس طرح انقلاب آشنا کیا تھا اس کا ذکر قرآن یوں کرتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔[3]

(۱) الفجر، ۸۹: ۲۷۔۳۰

(۲) الدھر، ۷۶: ۲۹

(۳) الفتح، ۴۸: ۲۹

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (ﷺ) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔ آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے، سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ (صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔''

انفرادی انقلاب نے صحابہ کرام ﷺ کو یہ خصائص عطا کر دیے تھے:

۱۔ شدّت علی الکفار	نیکی کا ایسا فروغ کہ بدی سے کوئی سمجھوتہ ممکن نہ رہا۔
۲۔ تراحم بین المومنین	مذمومہ مفادات سے ایسی نجات کہ دوسروں کے لئے سراپا ایثار بن گئے۔
۳۔ کثرت رکوع و سجود	نفس میں خستگی اور طبیعت میں بندگی کا ایسا غلبہ کہ ہر لمحہ عبادت الٰہی بن گیا۔
۴۔ ابتغاء فضل و رضوان الٰہی	مطمح زیست اور مقصود و مطلوب صرف اپنے رب کی رضا بن گیا۔

(۲) اجتماعی زندگی اور مقصدِ انقلاب

انسانی زندگی کا دوسرا پہلو اجتماعی ہے جس میں مزید معاشرتی، معاشی اور سیاسی تین پہلو پائے جاتے ہیں۔ قرآن اس سطح پر انقلاب بپا کرنے کے لئے بھی ہدایت مہیا کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ۔ (۱)

''اور یقیناً یہ (قرآن) آپ کے لئے اور آپ کی اُمت کے لئے عظیم شرف ہے۔''

اجتماعی زندگی اطاعت و انحراف کے تضاد پر مشتمل ہے۔ یہ تضاد اجتماعی زندگی کی اصلاح بھی ہے۔ انقلاب کی بنیاد اس درجہ پر بھی تضاد ہی ہے کیونکہ انسانوں کے اجتماعی مفاد باہم متصادم ہوتے ہیں اور افراد کے مفادات کا یہ تصادم ان کے اندر ایک تضاد کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے جو معاشرے کی سطح پر طبقاتی کشمکش کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن اس اجتماعی تضاد کی نشاندہی یوں کرتا ہے:

(۱) الزخرف، ۴۳: ۴۴

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِيْنٍ ○[(۱)]

”تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب تمہارے لئے زمین میں ہی معیّنہ مدت تک جائے قرار ہے اور نفع اٹھانا مقدّر کر دیا گیا ہے ○“

متاع و مستقر کے مفادات کا تصادم اجتماعی سطح پر سیاسی اور معاشی تضاد کی بنیاد بنتا ہے۔ اس تضاد کو دنیا کا کوئی نظامِ انقلاب حتماً رفع نہیں کر سکا۔ سوائے اس الہامی ہدایت کے جو پیغمبرانہ انقلاب کے ذریعے عطا ہوتی ہے۔ قرآن اس سلسلہ میں یوں گویا ہوتا ہے:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○[(۲)]

”پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○“

گویا قرآنی ہدایت ہی سے اس تضاد کو رفع کیا جا سکتا ہے اور اسی اجتماعی تضاد کو ختم کرنے کی کوشش اور جدوجہد کا نام اجتماعی انقلاب ہے۔

معیشت میں حرص و لالچ کی بنا پر معاشی بے انصافی کا میلان زندگی کو اصلاح طلب بناتا ہے اور یہ اصلاح ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ”تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو“﴾[(۳)] کی اطاعت میں معاشرہ کے معاشی تضاد کو رفع کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ سیاسی زندگی میں ہوسِ اقتدار ایک ایسی خصوصیت ہے جو سیاسی زندگی اور ریاست کو اصلاح طلب بناتی ہے۔ سیاسی زندگی کا اصلاح پذیر ہونا یہ ہے کہ حاکم اور محکوم دونوں ”منزل من اللہ“ احکام کے یکساں طور پر پابند ہو جائیں۔

ریاست کے فرائض میں اخلاقی فضائل اور معاشی توازن کو عدل و انصاف سے برقرار رکھنا اور جان، مال اور آبرو کی حفاظت کرنا داخل ہے جیسے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ

(۱) البقرة، ۲: ۳۶

(۲) البقرة، ۲: ۳۸

(۳) آل عمران، ۳: ۹۲

تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا۝ (۱)

"بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۝"

جس کا محرک حیاتِ اجتماعی کو ہر قسم کے خوف وغم سے پاک رکھنا ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جو قرآن وسنت کے حکم کے واقعہ بننے پر کامل اور غیر متزلزل یقین کے ساتھ جدوجہد کی جائے۔

اگر معاشرت ومعیشت اور سیاست میں مطلوبہ نظم وضبط اور عدل وانصاف برقرار نہ رہے تو بہت سی حق تلفیاں ہوتی رہیں گی اور اس صورت میں خدا کی بجائے شیطان اور طاغوت کی حاکمیت عملاً قائم ہوگی اور نتیجتاً ایمان باللہ بھی مضمحل ہو جائے گا، جسے محض تبلیغی مساعی سے سہارا نہ دیا جا سکے گا۔

(۳) بین الاقوامی زندگی اور مقصدِ انقلاب

بین الاقوامی سطح پر انقلاب کی راہنمائی بھی قرآن سے میسر آتی ہے:

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٰى لِلۡعٰلَمِيۡنَ۝ (۲)

"یہ تو صرف جہان والوں کے لئے نصیحت ہے۝"

بین الاقوامی زندگی کی جو جہت اسے اصلاح طلب بناتی ہے وہ یہ ہے کہ عالمی زندگی بین الاقوامی عداوت وعناد اور اس کے جوابی عمل یعنی جنگ در جنگ کی مظہر ہے جس کے نتیجے میں ہمہ وقت کسی نہ کسی سطح پر کشمکش یا تصادم کی صورت موجود رہتی ہے اور یہی کیفیت عالمی انقلاب کی بنیاد بنتی ہے۔

قرآنِ حکیم میں پیغمبرانہ انقلاب کے ضمن میں اس تضاد کو یوں بیان کیا گیا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ۝ (۳)

"اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے جرائم شعار لوگوں میں سے (ان کے) دشمن بنائے

(۱) النساء، ۴: ۵۸

(۲) الانعام، ۶: ۹۰

(۳) الفرقان، ۲۵: ۳۱

تھے (جو ان کے پیغمبرانہ مشن کی مخالفت کرتے اور اس طرح حق اور باطل قوتوں کے درمیان تضاد پیدا ہوتا جس سے انقلاب کے لئے سازگار فضا تیار ہو جاتی تھی)۔''

اس صورتِ حال کا علاج جس نصب العین کے حوالے سے ہو سکتا ہے وہ تمام باطل اور طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں حق کی عالم گیر فتح کا نصب العین ہے۔ قرآن مقصد بعثت محمدی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ (۱)

''وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے سب ادیان پر غالب و سربلند کر دے خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریں○''

اس نصب العین کے حصول کا قرآنی طریق کار باطل سے سمجھوتہ نہ تھا بلکہ ظلم و طاغوت کے خلاف ایسی غیر مصالحانہ انقلابی جنگ تھی جو بالآخر فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ قرآن نے اس کا اشارہ یوں کیا ہے:

وَیُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ○ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ○ (۲)

''اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو حق ثابت فرما دے اور (دشمنوں کے بڑے مسلح لشکر پر مسلمانوں کی فتحیابی کی صورت میں) کافروں کی (قوت اور شان و شوکت کی) جڑ کاٹ دے○ تاکہ (معرکہ بدر اس عظیم کامیابی کے ذریعے) حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل کر دے اگرچہ مجرم لوگ (معرکہ حق و باطل کی اس نتیجہ خیزی کو) ناپسند ہی کرتے رہیں○''

پیغمبرِ انقلاب ﷺ نے مدنی دور میں ان احوال پر مبنی باطل قوتوں کے خلاف انقلابی جنگ بغیر انقطاع کے جاری رکھی حتی کہ فتح مکہ کا پیشگی اعلان کیا گیا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا○ (۳)

---

(۱) الصف، ۶۱: ۹

(۲) الانفال، ۸: ۷، ۸

(۳) الفتح، ۴۸: ۱

’’(اے حبیبِ مکرم!) بیشک ہم نے آپ کے لئے (اسلام کی) روشن فتح (اور غلبہ) کا فیصلہ فرما دیا۔ (اس لئے کہ آپ کی عظیم جدّوجہد کامیابی کے ساتھ مکمل ہو جائے)o‘‘

مکہ کی باطل طاغوتی طاقت کو فتح کر لینے کے بعد قرآن نے اعلان کیا:

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِo[1]

’’آج کافر لوگ تمہارے دین (کے غالب آجانے کے باعث اپنے ناپاک ارادوں) سے مایوس ہو گئے، سو (اے مسلمانو!) تم ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو o‘‘

اگر قرآن کا یہ یقین انگیز دعویٰ ایک ابدی حقیقت تھا محض شاعرانہ تعلّی نہ تھا تو آج ملتِ اسلامیہ کا ہر یوم ’’الیوم‘‘ ہونا چاہیے۔ لیکن غلبہ حق کی مسلسل آرزو اور کوشش کے باوجود مسلمانوں کی ذلت و رسوائی نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبر کو پیغمبرِ انقلاب سمجھا ہے اور نہ قرآن کو صحیفۂ انقلاب۔

اگر اس فکر اور یقین کے ساتھ ہم نے رسولِ مقبول ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور قرآن سے رہنمائی حاصل کی ہوتی تو آج مایوسی و بے یقینی اور ذلت و رسوائی کا یہ عالم نہ ہوتا۔

۲۔ قرآنی ہدایت کی نتیجہ خیزی اور قانونِ مشیتِ الٰہی

یہ بات واضح ہے کہ وہ عظیم عالمی اسلامی انقلاب جو سیرتِ محمدی ﷺ کی قیادت و رہنمائی میں بپا ہوا، اس کی فکری اساس قرآنی ہدایت تھی۔ اس کی کامیابی معروضی نتیجہ خیزی کے اُصول پر مرتب ہوئی۔ قرآنی اُصولوں پر مبنی ہدایت کی پیروی سے معروضی نتائج کا مرتب ہونا بھی ایک قرآنی اصول ہے۔ یہ اُصول اسلام کا مابہ الامتیاز پہلو ہے۔ بلکہ قرآنی اعجاز کی دلیل ناطق اس کی ہدایت کا نتیجہ خیز ہونا بھی ہے۔ قرآن مجید نے نہ صرف اپنی ہر دعوت کو حتمی قطعی اور یقینی طور پر فیصلہ کن اور نتیجہ خیز قرار دیا ہے بلکہ معیارِ صداقت وحقانیت بھی نتیجہ خیزی کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم میں کامل یقین کے میسر آنے کی جس تدبیر کا بھی ذکر کیا گیا ہے وہ بہرصورت تجربی توثیق، مشاہدہ حقیقت اور نتیجہ خیزی کے تصور پر مبنی ہے۔ موضوع متذکرہ کی وضاحت سے قبل ضروری ہے کہ نتیجہ خیزی کا مفہوم اور یقین کا تصور اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ مطالعہ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشاہدہ کائنات اس لئے کروایا گیا تھا کہ انہیں یقین کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا جا سکے۔

---

(۱) المائدۃ، ۵: ۳

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ○(۱)

''اور اسی طرح ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں (یعنی عجائباتِ خلق) دکھائیں اور (یہ) اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے○''

حالانکہ کائناتِ ارض و سماء کی خلقتِ وجود پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان تو پہلے بھی تھا اور یہ بھی یقیناً ان کے ایمان میں شامل تھا کہ آسمانوں و زمین کی ساری حکومت و سلطنت کا مالک باری تعالیٰ ہے لیکن ایمان کے بعد ایقان کو مشاہدہ پر منحصر قرار دیا گیا۔

۲۔ اسی طرح باری تعالیٰ کی قدرتِ اماتت و احیاء پر بھی ابراہیم علیہ السلام کا بحیثیت پیغمبر ایمان کامل تھا کہ وہ ذات جس طرح مارتی ہے، اسی طرح زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے عرض کیا:

رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔(۲)

''میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تُو مُردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے؟''

اس مطالبہ پر ارشاد باری ہوا:

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ۔(۳)

''کیا تم یقین نہیں رکھتے؟''

حقیقت یہ ہے کہ ذاتِ حق بھی اس امر سے بے خبر نہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام میری قدرت پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن سوال کیوں کر رہے ہیں قدرت باری پر ایمان کے بغیر ''پیغمبری'' کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تو جد الانبیاء تھے۔ یہ سوال و جواب محض اس مقصد کے لئے تھا کہ خلق خدا ادھر متوجہ ہو اور قدرتِ الٰہیہ کے معروضی نتائج کا مشاہدہ کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح دولتِ یقین سے بہرہ ور ہو سکے۔ ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) الانعام، ۶: ۷۶

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۶۰

(۳) البقرۃ، ۲: ۲۶

قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ (۱)

’’اس نے عرض کیا: کیوں نہیں (یقین رکھتا ہوں) لیکن (چاہتا ہوں کہ) میرے دل کو بھی خوب سکون نصیب ہو جائے۔‘‘

۳۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام نے مردوں کے زندہ ہونے کے امر کا معروضی نتیجہ دیکھنا چاہا، انہیں سو سال کے بعد پھر زندہ کیا گیا ان کی سواری کو ان کے سامنے مٹی میں سے زندہ کیا گیا اور دوسری طرف انہیں یہ بھی دکھایا گیا کہ سو سال گزر جانے کے باوجود ان کا کھانا بھی باسی نہیں ہوا۔ باری تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے یہ نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ کر عزیز علیہ السلام فرمانے لگے:

اَعْلَمُ اَنَّ اللهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo (۲)

’’میں (مشاہداتی یقین سے) جان گیا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔‘‘

مشاہدۂ نتائج سے حاصل ہونے والا یہ علم ایمان کے لئے نہ تھا کیونکہ ایمان بالغیب تو پہلے ہی سے موجود تھا یہ علم حصولِ ایقان کے معنی میں بیان کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا تین واقعات سے استشہاد واستدلال کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ قرآن کے نزدیک یقین نتیجہ خیزی کی اس ضمانت کا نام ہے جو معروضی نتائج کے مشاہدے کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ اس لیے قرآن کہتا ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُo (۳)

’’اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو (آپکی شان کے لائق) مقامِ یقین مل جائے (یعنی انشراحِ کامل نصیب ہو جائے یا لحہ وصالِ حق)o‘‘

اس مشاہدے کی منزل کا نام یقین ہے جس تک پہنچنے کے لئے حکم عبادت دیا جا رہا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اگر کہی ہوئی ہر بات میں ایجابی اور منفی دونوں طرز کے نتائج پیدا ہونے کی ضمانت ہو تو اس علم کو یقینی علم کہا جائے گا۔ یہی خوبی علم و ہدایت کا طرہ امتیاز ہے یقین اور نتیجہ خیزی کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد قرآن مجید کا یہ اعجاز اور ان کی حقانیت کی یہ داخلی دلیل سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہو

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۶۰

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۵۹

(۳) الحجر، ۱۵: ۹۹

گی۔

اس کے علم و ہدایت کی یہ شان ہے کہ اس کا ہر دعویٰ تجرباتی توثیق کی بنا پر معروضی نتائج پیدا کرنے کا ضامن ہے اس سلسلے میں چند ارشادات قرآنی ملاحظہ ہوں۔

۵۔ قرآنی ہدایت کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت کو دنیا و آخرت میں خوف وغم کی کیفیت سے نجات دے دی جائے چنانچہ قرآن نے اپنے اس دعویٰ کی نتیجہ خیزی کا بیان اس طرح کیا:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝(۱)

''پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۝''

۶۔ اسی طرح قرآن مجید نے یہ اعلان فرمایا ہے:

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ۝(۲)

''(وہی اللہ کی جماعت ہے اور) اللہ کی جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہونے والے ہیں۝''

قرآن یہ اعلان کر کے اس دنیا میں باطل کے مقابلے میں غلبۂ دین حق کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ دعویٰ محض اس لئے نہیں کیا گیا کہ مسلمان اس کی آرزو تو کر سکیں لیکن اس کی عملی اور واقعاتی نتیجہ خیزی کا مشاہدہ نہ ہو سکے، چنانچہ اس امر کی ضمانت بھی ساتھ ہی مہیا کر دی گئی۔

۷۔ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝(۳)

''اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۝''

۸۔ اس امر کی مزید وضاحت درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۳۸

(۲) المائدۃ، ۵: ۵۶

(۳) آل عمران، ۳: ۱۳۹

لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ○[1]

’’اور بے شک ہمارا فرمان ہمارے بھیجے ہوئے بندوں (یعنی رسولوں) کے حق میں پہلے صادر ہو چکا ہے○ کہ بے شک وہی مدد یافتہ لوگ ہیں○ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہونے والا ہے○‘‘

اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ خدا کا وعدہ محض دعوے سے نہیں بلکہ فی الواقع اس کارگہ حیات میں حق و باطل کے درمیان ہونے والی کشمکش میں اہلِ حق کو غالب اور فتح یاب کر دینے سے ہی پورا ہوسکتا ہے اور یہی دعویٰ قرآن کی نتیجہ خیزی ہے۔

۹۔ قرآنِ مجید پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے حوالے سے اقوام حق و باطل کی منظم کشمکش کے ضمن میں ارشاد فرماتا ہے:

وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ○ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ اَصْحَابُ النَّارِ○[2]

’’اور ہر اُمت نے اپنے رسول کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے پکڑ (کر قتل کر دیں یا قید کر) لیں اور بے بنیاد باتوں کے ذریعے جھگڑا کیا تاکہ اس (جھگڑے) کے ذریعے حق (کا اثر) زائل کر دیں سو میں نے انہیں (عذاب میں) پکڑ لیا، پس (میرا) عذاب کیسا تھا○ اور اسی طرح آپ کے رب کا فرمان اُن لوگوں پر پورا ہو کر رہا جنہوں نے کفر کیا تھا بے شک وہ لوگ دوزخ والے ہیں○‘‘

اگر اس آیت کے مضمون پر غور فرمائیں تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ قرآن نے اس دنیا میں اہلِ حق کی نتیجہ خیز کامیابی کو آخرت کی کامیابی کی دلیل قرار دیا ہے۔ جو قرآن آخرت میں اہل حق کی کامیابی اور اہل باطل کی ذلت و رسوائی کے وعدے کی صداقت کے لئے اس دنیا میں وعدہ غلبہ حق کی نتیجہ خیزی کو بطور ثبوت پیش کر رہا ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس قرآن نے اپنے ہر دعویٰ کی صداقت اس دنیا میں نتیجہ خیزی کی ضمانت سے مہیا نہ کی ہو گی بلکہ جدوجہد کا حکم اس دنیا

---

(۱) الصافات، ۳۷: ۱۷۱۔۱۷۳

(۲) المومن، ۴۰: ۵، ۶

میں اور نتیجہ و انجام کا وعدہ صرف آخرت میں؟ عقلِ سلیم اس امر کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے جو ذہن اس تصور پر قانع اور مصر ہے کہ جدوجہد کرنا ہمارا فرض ہے، مطلوبہ نتائج پیدا ہوں یا نہ ہوں اس دنیا میں اس کی کوئی ضمانت نہیں۔ وہ دین حق کی صحیح معرفت سے محروم ہے اور وہ لاشعوری طور پر قرآنی ہدایت کی نتیجہ خیز صداقت وحقانیت کا انکار کر رہا ہے۔ یہی پہلو تو درحقیقت قرآنی اعجاز کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس کا کیا ہوا ہر وعدہ اسی دنیا میں نتیجہ خیزی کے ذریعے اپنی صحت و صداقت کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور یہاں معروضی نتائج کا مشاہدہ کروا کر تنبیہ کرتا ہے کہ اسی طرح آخرت میں بھی کامیابی اہلِ حق کو اور ناکامی اہلِ باطل کو نصیب ہوگی۔ قرآن کا ہر دعویٰ ایک فیصلہ کن اور نتیجہ خیز حقیقت ہے، شاعرانہ تعلّی نہیں۔

۱۰۔ اسی لیے ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ○(۱)

”اور ہم نے اُن کو (یعنی نبی مکرم ﷺ کو) شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ اُن کے شایانِ شان ہے۔ یہ (کتاب) تو فقط نصیحت اور روشن قرآن ہے○“

اس آیت کے ذریعے یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ قرآن کے دعاوی اور اعلانات شاعرانہ تعلّی نہیں جن کا عملی زندگی اور نتیجہ خیزی کے ساتھ کوئی واسطہ نہ ہو۔ بلکہ یہ تو ایسی کھلی اور روشن حقیقتیں ہیں جو خود ہی اپنی صداقت وحقانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآنِ مجید نے اپنی تاثیرات وخصوصیات کا ذکر مختلف عنوانات کے ذریعے کیا ہے۔ اگر ان کی معنوی دلالت پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن ہر عنوان کے تحت اپنی کسی نہ کسی فیصلہ کن اور نتیجہ خیز حیثیت کو بیان کر رہا ہے۔

۱۔ قرآن ...... ہدایت ہے ...... اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ۔(۲)

”بیشک یہ قرآن اس (منزل) کی رہنمائی کرتا ہے جو سب سے درست ہے۔“

قرآن تاریکی وظلمت اور بے یقینی کی کیفیت سے نکال کر منزلِ مقصود تک پہنچا دینے کی حتمی

(۱) یٰس، ۳۶: ۶۹

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۹

وقطعی ضمانت عطا کرتا ہے۔ یہی قرآنی ہدایت ہے۔

۲۔ قرآن ...... تصدیق ہے ...... اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا:

وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ (۱)

''بلکہ (یہ تو) ان (آسمانی کتابوں) کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں۔''

۳۔ قرآن ...... تفصیل و تبیین ہے ...... اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا:

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ۔ (۲)

''اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔''

قرآن حقائقِ کائنات کے تمام گوشوں کی تفصیلی وضاحت اور علمی و فکری تشکیک کے خاتمے کی یقینی ضمانت عطا کرتا ہے۔ یہی قرآنی تفصیل و تبیین ہے۔

۴۔ قرآن ...... رحمت ہے ...... اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا:

وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝ (۳)

''اور رحمت ہے، اس قوم کے لئے جو ایمان لے آئے۔''

قرآن اپنے ماننے والوں کو انفرادی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہر قسم کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی اذیت سے نجات کی اطمینان بخش ضمانت عطا کرتا ہے۔ یہی قرآنی رحمت ہے۔

۵۔ قرآن ...... شفا ہے ...... اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ۔ (۴)

''اور ان (بیماریوں) کی شفاء آ گئی ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہیں۔''

قرآن ہر فرد اور معاشرے کو داخلی و خارجی اور ظاہری و باطنی ہر قسم کی امراض و مصائب

(۱) یوسف، ۱۲: ۱۱۱
(۲) یوسف، ۱۲: ۱۱۱
(۳) یوسف، ۱۲: ۱۱۱
(۴) یونس، ۱۰: ۵۷

سے کلی نجات کی ضمانت عطا کرتا ہے یعنی قرآن شفا ہے۔

۶۔ قرآن ...... موعظت ہے ...... اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا۔

قَدْ جَآءَ تْکُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ (۱)

''بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے۔''

قرآن تنبیہ، تنذیر اور تکذیر کی صورت میں نفسیاتی تبلیغ کے ذریعے شعور انسانی کو کمال کی طلب اور اس کے حصول کی حتمی ضمانت دیتا ہے۔ یہی قرآنی موعظت ہے۔

۷۔ قرآن ...... بشارت ہے ...... اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا:

وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (۲)

''اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے ○''

قرآن دنیا و آخرت میں خیر اور حق کو باطل کے مقابلے میں فتح و نصرت اور کامیاب و کامرانی کی بشارت انگیز ضمانت عطا کرتا ہے۔ یہی قرآنی بشارت ہے۔

۸۔ قرآن ...... فرقان ہے ...... اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا:

وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ۔ (۳)

''اور (جس میں) رہنمائی کرنے والی اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں۔''

قرآن حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان واضح اور فیصلہ کن امتیاز کی ضمانت عطا کرتا ہے یہی قرآنی فرقان ہے۔

۹۔ قرآن ...... مخرج من الخوف والحزن ہے ...... اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا:

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (۴)

(۱) یونس، ۱۰: ۵۷

(۲) النحل، ۱۶: ۸۹

(۳) البقرۃ، ۲: ۱۸۵

(۴) البقرۃ، ۲: ۳۸

’’تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے o‘‘

قرآن فرد اور معاشرے کو اپنی پیروی کی صورت میں ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی خوف و غم سے بے نیاز ہوجانے کی ضمانت عطا کرتا ہے یہی قرآنی پیروی کا نتیجہ ہے۔

۱۰۔ قرآن ...... روشن کتاب ہے ...... اس ضمن میں ارشاد فرمایا گیا:

تِلْکَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَکِتَابٍ مُّبِیْنٍo[1]

’’یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں o‘‘

قرآن واضح اور فیصلہ کن کتاب کی صورت میں غلبہ حق کی جد و جہد کے تمام مراحل کی ہدایت اور قطعی نتیجہ خیزی کی ضمانت عطا کرتا ہے قرآنی اُصولوں کی نتیجہ خیزی ہر قوم و ملت کے لئے یکساں ہے۔ یہی قرآن کا روشن کتاب ہونا ہے۔

مذکورہ بالا قرآنی حیثیات جہاں جہاں اپنی تاثیر اور افادیت کے لحاظ سے عام ہیں وہاں وہاں ان کا فیض بھی عام ہوگا اور فیصلہ و نتیجہ بھی۔ خواہ اس ابدی و آفاقی اصول اور ضابطے کو مسلمان اپنالیں یا غیر مسلم۔ چونکہ قرآنی فیضان کائناتی ہے اور اس کا دائرہ خطاب بھی آفاقی ہے لہٰذا بلا امتیاز رنگ و نسل اور علاقہ و مذہب، جو قوم و ملت اور طبقۂ انسانی، قرآنی تعلیم اور ہدایت کے جس اصول اور قانون کو عملاً اپنا لے گا قرآن کا فیصلہ اپنی تاثیر کے اعتبار سے اسی کے حق میں ناطق اور نتیجہ خیز ہوگا۔ قرآنی تعلیمات اپنی نفع بخشی اور فیض رسانی کے باب میں کسی کے لئے بھی جانبدار نہیں ہیں۔ اس نکتے کی وضاحت سے یہ اشکال رفع ہوجائے گا کہ آج مسلمان قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود عالمِ کفر کے مقابلے میں شکست خوردہ، کمزور، ناتواں اور پریشان حال کیوں ہیں؟

قرآنی تعلیمات کی فیصلہ کن تاثیر اور نتیجہ خیزی اس پر محض ایمان لانے سے نہیں بلکہ ان کو انسانی زندگی میں واقعہ بنانے سے میسر آتی ہے۔ دعوائے ایمان کرنے والے اگر ان تعلیمات کو عملاً خیر باد کہہ چکے ہوں اور کفر و طاغوت کے علمبردار اپنی زندگی کے بعض گوشوں میں ان تعلیمی حقائق کو عملاً واقعہ بنا چکے ہوں تو کیا وجہ ہے کہ وہ اس کائناتی کتاب کی نتیجہ خیز ہدایت کے فیضان سے محروم رہیں۔

قرآنی ہدایت کی نتیجہ خیزی کا وعدہ بالعموم اس کی تعلیمات کے حوالے سے ہے نہ کہ افراد و

(۱) النمل، ۲۷: ۱

طبقات کے حوالے سے۔ اس لئے جو کوئی بھی کسی مخصوص قرآنی اُصول کی نتیجہ خیزی کی شرائط کو پورا کرے گا۔ اس دنیا میں بلا امتیاز کامیاب و کامران ہو گا۔ ہاں مگر جن معاملات میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت دنیوی کامیابی کے لئے بھی بطورِ شرط مطلوب ہو گا۔ ان کے نتائج اس شرط کو پورا کئے بغیر ملتوی رہیں گے اور جہاں تک اُخروی فلاح کا تعلق ہے وہ تو ہے ہی صرف مومنین و صالحین کے لئے، اس لئے اس میں سے ہر کوئی برابر حصہ نہیں لے سکتا۔

قرآنی ہدایت، تعلیمات اور اس کے اُصول وضوابط کے درمیان مذکورہ بالا امتیاز کو سمجھ کر ہر سوال کا تسلی بخش جواب میسر آ سکتا ہے۔ اگر قرآن کے بیان کردہ عام ضابطوں کی افادیت، تاثیر اور نتیجہ خیزی صرف ایک کلمہ گو طبقے تک محدود کر دی جائے تو اس کی آفاقی و کائناتی حیثیت برقرار نہیں رہتی۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قرآن پوری نوعِ انسانی کی رہنمائی اور فلاح و بہبود کے لئے نازل ہوا ہے اور رسالت محمدی ﷺ کی دعوت بھی اس طرح عالمگیر ہے۔ زبانِ رسالت سے خود یہ اعلان کروایا جا رہا ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ (۱)

”اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں۔“

مشیتِ اِلٰہی اور رضائے اِلٰہی میں فرق

چنانچہ جو کوئی جتنا قرآنی ہدایت کو عملاً قبول کرے گا وہ اس قدر اس کا نتیجہ پا لے گا۔ اسی قرآنی نتیجہ خیزی کی ضمانت کا نام مشیتِ الٰہی ہے۔ رب ذوالجلال نے آفاقی اُصول وضوابط بنی نوع انسان کو عطا کر دیے ہیں اور انہیں ان کے ردّ وقبول میں آزاد چھوڑ دیا ہے جو کوئی اس پر عمل کرے گا یا ان سے انحراف کرے گا مقررہ ایجابی اور منفی نتائج بھگت کر رہے گا۔ مسلم ہو یا غیر مسلم مشیتِ الٰہی کے اس نتیجہ خیز فیصلے سے کسی کو مفر نہیں ہو سکتا۔ قرآنی ہدایت کی یہ خوبی اس کی حقانیت اور اعجاز کی ایسی ابدی دلیل ہے جس کا مشاہدہ آج بھی زوال پذیر ملتِ اسلامیہ کر رہی ہے۔ اس کے برعکس رضائے الٰہی صرف ایمان اور عمل صالح یعنی مومنین و صالحین کے ساتھ مختص ہے وہ کفار و منکرین کے لئے نہیں ہے جبکہ مشیتِ الٰہی میں مومن و کافر اور صالح و فاسق سب برابر ہیں۔ اس کا تعلق قانونِ فطرتِ الٰہیہ پر عمل درآمد سے ہے۔ جو قوم اس پر عمل کرے گی نتیجہ پائے گی خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔

(۱) الاعراف، ۷: ۱۵۸

۳۔ پیغمبرانہ سیرت اور جدوجہد کی نتیجہ خیزی

پچھلی دو صدیوں سے غیر اسلامی قوتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی پستی نے جب انہیں ذہنی اور فکری طور پر بھی مضمحل کر دیا تو ان کی سوچ ہر لحاظ سے ناامیدی کا شکار ہوگئی اس مایوسی کی بنا پر شعوری یا لاشعوری طور پر تین تصورات نے جنم لیا۔

ایک یہ کہ دین کے قابلِ عمل ہونے کی نسبت اعتماد باقی نہ رہا۔ بنا بریں انداز فکر یہ ہوگیا کہ اسلام چودہ سو سال پہلے کی تہذیب ہے اس کے تہذیبی و سماجی فضائل اور سیاسی و معاشی ضوابط آخر آج کے بدلے ہوئے حالات میں کیوں کر قابل عمل ہو سکتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ مستقبل میں مسلمانوں کے احیاء اور دوبارہ عروج حاصل کر سکنے کی کوئی امید اور تدبیر باقی نہ رہی۔ اربابِ علم و دانش کا ذہن اس بات پر مطمئن ہوگیا کہ ہزار بارہ سو سال سے زائد عرصہ تک پوری دنیا پر حکمرانی کر لینے کے بعد زوال ایک فطری امر تھا اسلام کے غلبہ و عروج کی یہی عمر طبعی تھی جو اس نے پوری کر لی اس سے زائد مدت کے لئے اس کے غلبے کا باقی رہنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا اب اس میں وہ قوت، فعالیت اور تاثیر باقی نہیں رہی جو مستقبل میں مسلمانوں کے ازسرنو احیاء کی ضمانت دے سکے۔

تیسرا یہ کہ قرآن و سنت اور سیرتِ نبوی ﷺ کی ہدایت کے بارے میں یہ خیال وضع کر لیا کہ اس پر عمل پیرا ہونا محض اُخروی فلاح کا ضامن ہے۔ اس کا نتیجہ آخرت کے اجر و ثواب کی صورت میں متحقق ہوگا اور یہی اصل کامیابی ہے۔ دنیا میں معروضی نتائج کا حصول ضروری نہیں۔ اس کارگہ حیات میں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم قرآن و سنت کی ہدایات کے مطابق عمل اور جدوجہد کرتے چلے جائیں نتائج پیدا ہوں یا نہ ہوں، کامیابی ظاہراً حق کو ہو یا باطل کو، اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں، کیوں کہ نتیجہ خیزی کی کوئی ضمانت ہمیں نہیں دی گئی بس آخرت کی کامیابی ہی ہمارا مقصود ہے اور اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

مذہبی ذہن نے قرآن و سنت کی ہدایت سے نتیجہ خیزی اور معروضی کامیابی کی ضمانت کا تصور اس لئے خارج کر دیا ہے کہ اس کی اپنی جدوجہد سے مطلوبہ نتائج پیدا نہ ہو سکے۔ سیاسی، سماجی اور معاشرتی سطح پر غیر اسلامی قوتوں کا اثر و نفوذ اس کی کوششوں سے کم نہ ہو سکا۔ باطل طاغوتی طاقتوں اور فتنوں کے مقابلے میں اسلام کے نام پر کی جانے والی کاوشیں مطلوبہ تبدیلی پیدا نہ کر سکیں۔ اندریں

صورت دو ہی ردِعمل ممکن تھے۔

ایک یہ کہ اپنے پروگرام، طریق کار اور حکمتِ عملی پر عالمی اور قومی حالات کے تناظر میں نظر ثانی کی جائے۔

دوسرا یہ کہ اسلام اور قرآن و سنت کی ہدایت میں سے کامیابی اور نتیجہ خیزی کا تصور حذف کر لیا جائے اور دنیا کو یہ بتایا جائے کہ ظاہری نتائج کے اعتبار سے کامیابی یا ناکامی کوئی فیصلہ کن اَمر نہیں ہے۔ اس سے پروگرام کی صحت اور عدم صحت یا صداقت اور بطلان متعین نہیں ہو سکتے۔ اسلام نے ہمیں صرف جدوجہد کے لئے مامور اور مکلف کیا ہے نتائج کا معاملہ ہمارے سوچنے کا نہیں۔

اس ذہن نے باطل کے مقابلے میں اپنی شکست کی خفت و ندامت کو چھپانے کے لئے دوسرا موقف اختیار کر لیا اور اس کو اسلامی تصور کا نام دے دیا۔ مستزاد یہ کہ اپنے طرزِ عمل اور جدوجہد کے اسلوب میں تبدیلی کئے بغیر اپنی قیادت کو بحال رکھنے کی خاطر اس نے ایک ظلم یہ بھی کیا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر بھی نتائج کے لحاظ سے ناکامی کا الزام لگا دیا اور اس امر کا پرچار کیا کہ ہزاروں انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشرف لائے۔ انہوں نے مسلسل جدوجہد کی پے در پے کوششیں کیں لیکن معروضی نتائج کے لحاظ سے کامیابی حاصل نہ کر سکے اور وہ معاذ اللہ ناکام ہو کر واپس اپنے مالک سے جا ملے۔

یہ نقطہ نظر محض اپنی مدافعت کے لئے وضع کیا گیا ہے تاکہ یہ کہا جا سکے کہ جب خدا کے برگزیدہ انبیاء نتیجتاً ناکام ہوتے رہے ہیں تو ہماری ناکامی سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس تصور کو قرآن کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ پیغمبرانہ جدوجہد کو نتائج کے لحاظ سے ناکام سمجھنے والے ذہن نے بزعم خویش ان کی ناکامی کے اسباب بھی تلاش کئے کبھی ان کی محض انفرادی کوششوں کو (معاذ اللہ) ان کی ناکامی کا سبب قرار دیا گیا کہ وہ اس لئے کامیابی حاصل نہ کر سکے اور اپنے اپنے ادوار میں اسلامی نظام نافذ نہ کر سکے کہ ان کی جدوجہد اجتماعی طور پر بھرپور انداز سے نہ ہوئی تھی۔ کبھی تنظیم کے فقدان کو اور کبھی تربیت یافتہ جتھے اور گروپ کے فقدان کو ان کی ناکامی کی وجہ تصور کیا گیا۔

علی ہذا القیاس انسانی ذہن اپنی قیادت کے تحفظ اور ندامت سے بچاؤ کی خاطر خدا جانے کیا کچھ کہہ گیا۔ گویا ہزاروں انبیاء اس طرح یکے بعد دیگرے ناکام ہوتے رہے لیکن اس گروہ انبیاء میں سے کوئی نبی بھی ناکامی کے اسباب کو سمجھ کر ان کا تدارک اور دفاع نہ کر سکا اور نہ ہی (معاذ اللہ) وہ خالق کائنات جو ان انبیاء کو مبعوث کر رہا تھا خود اس امر کو متعین کر سکا کہ میرے انبیاء و رسل، کفار

ومشرکین عالم اور منکرین حق کے مقابلے میں نتائج کے لحاظ سے مسلسل ناکام واپس لوٹ رہے ہیں اس طرح میری ہدایت کا مذاق ہو رہا ہے آخر اس کا سبب کیا ہے؟ اور اس کا سدباب کس طرح ہو سکتا ہے، تاکہ میں جس مقصد کے لئے انبیاء کو بھیجوں وہ اس میں کامیاب ہو سکیں۔

اگر سینکڑوں انبیاء علیہم السلام کو (معاذ اللہ) ایسی بے نتیجہ جدوجہد کے لئے دنیا میں بھیجنا تھا کہ باطل کو شکست ہی نہ دی جاسکے تو آخر اس کارروائی کا مقصد کیا تھا؟ کیا (معاذ اللہ) صرف انبیاء ورسل علیہم السلام اور آسمانی ہدایت کی تضحیک مقصود تھی؟ یقیناً نہیں ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔ اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ہمیں انبیاء کی سیرت اور جدوجہد کی نسبت نتائج کے لحاظ سے ناکامی کے مفروضہ کو غلط اور بے بنیاد قرار دینا ہوگا اور اس امر کا اعتراف کرنا ہوگا کہ کوئی بھی نبی نتائج کے لحاظ سے کبھی ناکام واپس نہیں لوٹا۔ بلکہ پیغمبرانہ جدوجہد کے لئے بے نتیجہ ہونے کا تصور ہی خلافِ اسلام ہے اور قرآن کا ایک ادنی طالب علم بھی ایسا خیال ہرگز اپنے ذہن میں نہیں لا سکتا۔

یہ خیال اس لئے پیدا ہوا کہ قرآن حکیم میں بعض انبیاء سابقین جن میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت لوطؑ اور اسی طرح چند دیگر انبیاء علیہم السلام کے بیان کئے گئے حالات کو صحیح طور پر سمجھا نہیں گیا۔ ہم ”اسلامی نظام کے نفاذ“ کو ہی بلا امتیاز ہر نبی کا مقصدِ بعثت تصور کر لیتے ہیں کہ ہر نبی کم از کم اسی کام کو انجام تک پہنچانے کے لئے مبعوث ہوا ہوگا۔ یہ تصور ہمارا اپنا ذہنی تراشیدہ ہے اور پھر اس مزعومہ تصور کی بنیاد پر ہم ان کی جدوجہد کا مطلوبہ نتیجہ دوٹوک انداز میں دیکھنا چاہتے ہیں جو حسب خواہش دکھائی نہیں دیتا تو ہم اس پر ظاہری ناکامی کا الزام دھر دیتے ہیں یہ اندازِ جستجو ہی غلط ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہر نبی کا مقصدِ بعثت اس کی جدوجہد کا رخ اور غرض و غایت از خود متعین کرنے کی بجائے خود انہی انبیاء سے بذریعہ قرآن دریافت کریں کہ وہ اپنے مقصدِ بعثت کے بارے میں خود کیا بتاتے ہیں اور پھر ان کے اپنے بیان کردہ مطمحِ نظر اور مقصدِ جدوجہد کی روشنی میں قرآن سے نتائج کے مبینہ طور پر پیدا ہونے یا نہ ہونے کا سوال کریں۔ اس طرح کسی کی کامیابی یا ناکامی کو صحیح طور پر جانچا جا سکتا ہے۔ جب کوئی نبی کسی قوم یا طبقے کی طرف بھیجا جاتا ہے تو وہ خود سب سے پہلے اپنی آمد کا مقصد بیان کرتا ہے کہ میں تمہارے پاس اس کام کے لئے آیا ہوں اور مجھے یہ معاملہ سر انجام دینا ہے۔ میری بات مان لو جو کوئی میری بات مانے گا اسے فائدہ پہنچے گا اور جو شخص انکار کرے گا نقصان اٹھائے گا پھر وہ اپنی کوششیں شروع کر دیتا ہے۔ انجام کار اس کی کامیابی یا ناکامی کو اس کی جدوجہد کے آغاز میں کئے گئے اعلان اور چیلنج کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے کہ جو دعویٰ اس

نے شروع میں کیا تھا کیا واقعی اس طرح ہوا یا نہیں؟ کیا اس کا چیلنج پورا ہو سکا یا نہیں؟ اس کی بات نتیجے کے لحاظ سے سچی ثابت ہوئی یا نہیں؟

اگر روزِ اول کیا ہوا چیلنج پورا ہوگیا تو پیغمبرانہ سیرت اور جدوجہد نتیجہ خیز، فیصلہ کن اور کامیاب قرار پائے گی اور اگر چیلنج پورا نہ ہو سکا تو بے نتیجہ اور ناکام تصور ہوگی آیئے اب اسی کسوٹی کے ذریعے قرآن حکیم سے ''پیغمبرانہ سیرت اور جدوجہد اور اس کے نتائج'' کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہاں قرآن مجید کا یہ دعویٰ پیشِ نظر رہنا چاہیے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ۔ (۱)

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں اور میرے رسول ضرور غالب ہوکر رہیں گے۔''

اس دوٹوک فیصلہ الٰہی کے بعد اس امر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ کسی دور میں بھی کسی پیغمبر کی جدوجہد باطل کے مقابلے میں بے نتیجہ رہی ہو اور اسے اسی دنیا میں اپنی جدوجہد کے نتیجے میں واضح اور مبینہ کامیابی حاصل نہ ہوئی ہو۔ اس اعلان کو ایک اور مقام پر ان لفظوں میں دہرایا گیا:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ○ (۲)

''اور بے شک ہمارا فرمان ہمارے بھیجے ہوئے بندوں (یعنی رسولوں) کے حق میں پہلے صادر ہو چکا ہے ○ کہ بے شک وہی مدد یافتہ لوگ ہیں ○ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہونے والا ہے ○''

اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ خدا کا وعدہ گروہِ انبیاء کو باطل طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں فی الواقع غالب کر دینے سے ہی پورا ہوتا ہے اور یہ غلبہ صاف ظاہر ہے کہ جدوجہد کے نتائج میں کامیابی سے ممکن ہے اس کے بغیر نہیں۔ قرآن مجید انبیاء ماسبق کی اقوام کے حوالے سے حق و باطل کی منظم کشمکش کے ضمن میں ایک اور مقام پر یوں بیان کرتا ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ

---

(۱) المجادلۃ، ۵۸: ۲۱

(۲) الصافات، ۳۷: ۱۷۱۔۱۷۳

لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ○ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ○[1]

''اِن سے پہلے قومِ نوح نے اور اُن کے بعد (اور) بہت سی اُمتوں نے (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا اور ہر اُمّت نے اپنے رسول کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے پکڑ (کر قتل کر دیں یا قید کر) لیں اور بے بنیاد باتوں کے ذریعے جھگڑا کیا تاکہ اس (جھگڑے) کے ذریعے حق (کا اثر) زائل کر دیں سو میں نے انہیں (عذاب میں) پکڑ لیا، پس (میرا) عذاب کیسا تھا○ اور اسی طرح آپ کے رب کا فرمان اُن لوگوں پر پورا ہو کر رہا جنہوں نے کفر کیا تھا بے شک وہ لوگ دوزخ والے ہیں○''

یہ قرآنی الفاظ صراحت کے ساتھ واشگاف انداز میں اعلان کر رہے ہیں کہ انبیاء کے حق میں وعدہ الٰہی کا پورا ہونا یہی ہے کہ وہ حق کے لئے جدوجہد کریں اور باطل قوتیں ان کی راہ میں مزاحم ہوں۔ باطل کی کوشش پیغمبرانہ جدوجہد کو ناکام بنا دینے کی خاطر ہو لیکن اس مقصد میں وہ خود ناکام ہو جائے اور پیغمبرانہ جدوجہد اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کر کے رہے۔ گویا حق و باطل کے اس تصادم میں پیغمبرانہ جدوجہد اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کر کے رہے۔ گویا حق و باطل کے اس تصادم میں پیغمبرانہ جدوجہد کا اپنے نتائج کے اعتبار سے کامیاب و کامران ہونا ہی احقاق حق اور ابطال باطل کی واحد صورت ہے اس لحاظ سے پیغمبرانہ جدوجہد کی فیصلہ کن تاثیر اور نتیجہ خیزی معیار صداقت قرار پائی۔ اگر پیغمبرانہ جدوجہد کے قرآنی فلسفہ پر غور کیا جائے تو بلاشک وشبہ یہ حقیقت منظر عام پر آ جاتی ہے کہ حق کی کامیابی یہی ہے کہ دو قوتیں باہم برسر پیکار ہوں۔ ایک حق کی اور ایک باطل کی۔ دونوں کے پیچھے ایک منظم ارادہ کارفرما ہو۔ ایک اتمام نور حق کا اور دوسرا اطفاء نور حق کا (یعنی نور حق کو مکمل کرنے کا اور نور حق کو بجھا دینے کا)۔ اتمام نور حق کے ارادے سے مراد یہ ہوا کہ حق اپنے چیلنج کو پورا نہ کر سکے اور نتائج پیدا کرنے میں ناکام رہے لیکن انجام کار پیغمبرانہ جدوجہد اپنے نتائج کو پہنچ جائے، اس کا چیلنج پورا ہو اور اس طرح اس کا حق ہونا تجربی توثیق (Experimental Verification) کی بنیاد پر ہر ایک کے سامنے آشکار ہو جائے اور باطل قوتیں دنیا میں ہی اپنے اس انجام کو پہنچ جائیں جس کا وعدہ انبیاء کے چیلنج میں کیا گیا تھا پیغمبرانہ جدوجہد اور اس کے نتائج کے اس اصول کو قرآن یوں واضح کرتا ہے۔

(۱) المومن، ۴۰: ۵۔۶

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ○(۱)

’’وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ (یہ بات) قبول نہیں فرماتا مگر یہ (چاہتا ہے) کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے اگرچہ کفار (اسے) ناپسند ہی کریں۔‘‘

اسی اصول کی مزید وضاحت قرآن سے ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ○ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ○(۲)

’’اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے تم سے (کفارِ مکہ کے) دو گروہوں میں سے ایک پر غلبہ و فتح کا وعدہ فرمایا تھا کہ وہ یقیناً تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح (کمزور گروہ) تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو حق ثابت فرما دے اور (دشمنوں کے بڑے مسلح لشکر پر مسلمانوں کی فتح یابی کی صورت میں) کافروں کی (قوت اور شان و شوکت کی) جڑ کاٹ دے○ تاکہ (معرکہ بدر اس عظیم کامیابی کے ذریعے) حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل کر دے اگرچہ مجرم لوگ (معرکہ حق و باطل کی اس نتیجہ خیزی کو) ناپسند ہی کرتے رہیں○

اس آیت میں بھی حق کا غالب آنا اور باطل کا نتیجتاً شکست کھا جانا۔ احقاق حق اور ابطال باطل کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ گویا یہ امر طے ہو گیا کہ پیغمبرانہ جدوجہد کا اپنے نتائج کے لحاظ سے کامیاب ہونا احقاق حق کے لئے ضروری ہے ورنہ دنیا میں، کلماتِ الٰہیہ کی صحت کا کوئی فیصلہ کن ثبوت فراہم نہ ہو سکے گا۔ قرآن نے انبیاء سابقین کے حوالے سے اس امر کی وضاحت یوں کی ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ○ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۲

(۲) الانفال، ۸: ۷، ۸

وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ○ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ○[1]

”بیشک ہم نے آپ کو حق و ہدایت کے ساتھ، خوشخبری سنانے والا اور (آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت (ایسی) نہیں مگر اُس میں کوئی (نہ کوئی) ڈر سنانے والا (ضرور) گزرا ہے○ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو بیشک اِن سے پہلے لوگ (بھی) جھٹلا چکے ہیں، اُن کے پاس (بھی) اُن کے رسول واضح نشانیاں اور صحیفے اور روشن کرنے والی کتاب لے کر آئے تھے○ پھر میں نے ان کافروں کو (عذاب میں) پکڑ لیا سو میرا انکار (کیا جانا) کیسا (عبرتناک) ثابت ہوا○“

مندرجہ بالا قرآنی آیات کا ایک ایک لفظ کتنے واشگاف انداز میں اس حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہے کہ پیغمبرانہ جدوجہد کبھی کسی دور میں بھی بے نتیجہ نہیں رہی۔ اس کے نتائج کا پیدا کرنا خود غیرت الٰہیہ کا تقاضا تھا اس لئے وہ نتیجہ خیز ہوتی رہی اور ہر باطل قوت جو اس سے ٹکرائی خود ناکام و نامراد ہو گئی بلکہ اس کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ اسی سورت میں انبیاء ماسبق کی دعوت کی نتیجہ خیزی بیان کرتے ہوئے قرآن نے اعلان کیا:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ○[2]

”اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے سو دنیا کی زندگی تمہیں ہرگز فریب نہ دے دے، اور نہ وہ دغاباز شیطان تمہیں اللہ (کے نام) سے دھوکہ دے○“

قرآن کے ان دعووں کی نسبت سورہ یٰسین میں کہا گیا:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ○[3]

”اور ہم نے اُن کو (یعنی نبیِ مکرّم ﷺ کو) شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ اُن کے شایانِ شان ہے۔ یہ (کتاب) تو فقط نصیحت اور روشن قرآن ہے○“

گویا اس آیت میں یہ واضح کر دیا گیا کہ قرآن میں باری تعالیٰ کے یہ دعاوی اور اعلانات

(۱) فاطر، ۳۵: ۲۴۔ ۲۶

(۲) فاطر، ۳۵: ۵

(۳) یٰس، ۳۶: ۶۹

بے حقیقت شاعرانہ تعلّی نہیں ہیں جو پورے نہ ہوسکیں بلکہ ایسی کھلی حقیقتیں ہیں جو ہر ایک کے سامنے ہیں۔

اب اسی فلسفے کی روشنی میں سورہ اعراف آیت: ۵۹۔۱۴۰ اور سورہ ہود آیت: ۲۵۔۱۲۳ کا مطالعہ فرمایئے۔ انبیاء سابقین کی جدوجہد اور اس کے نتائج کے بارے میں جتنے شبہات پیدا ہو سکتے تھے تمام کا تسلی بخش جواب آ گیا ہے۔

حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیھم السلام الغرض ہر پیغمبر نے مبعوث ہوتے ہی اپنی قوم کے سامنے اپنی بعثت مخصوص مقصد بیان کر دیا اور کہا کہ میرے ذمے صرف دو چیزیں لگائی گئی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ پیغام حق تم تک پہنچا دوں۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اس کی حقانیت، صداقت اور نتیجہ خیزی کا مشاہدہ تمہیں اسی زندگی میں کرا دوں۔

۴۔ پیغمبرانہ چیلنج اور نتائج

دعوت کے دوسرے پہلو کے لئے ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو چیلنج کیا۔ ''جو کوئی میری اطاعت کرے گا۔ میری دعوت توحید کی تائید کرے گا اور میری جدوجہد میں شریک ہو جائے گا وہ نجات یافتہ ہوگا اور جو میری مخالفت کرے گا اور حق کے راستے میں مزاحم ہوگا تباہ و برباد اور نیست و نابود ہو جائے گا۔

ہر پیغمبرانہ دعوت اور جدوجہد کا آغاز اس چیلنج سے ہوا تھا اور پورے قرآن سے ایک شہادت بھی ایسی میسر نہیں آسکتی کہ کسی پیغمبر کی جدوجہد کے نتیجے میں یہ چیلنج پورا نہ ہوا ہو۔ جس نے پیغمبرانہ دعوت کو قبول کر لیا بچ گیا اور جس نے اس کی مخالفت کی اور مزاحمت سے باز نہ آیا خود قرآن شاہد ہے کہ وہ اسی پیغمبر کی زندگی میں ہی تباہ و برباد ہو گیا۔ انکار کرنے والی قوتیں مٹ گئیں۔ کچھ طوفانوں کی نذر ہو گئیں، کچھ بلندی سے گر کر تہ و بالا ہو گئیں، کچھ پتھروں کے عذاب سے ختم کر دی گئیں، کچھ کی شکلیں مسخ ہو گئیں، کچھ خوفناک آواز اور چنگھاڑ سے تباہ ہو گئیں، کچھ سمندروں میں غرق ہو گئیں اور کچھ قتل و غارت کی نذر ہو گئیں۔

الغرض پیغمبرانہ جدوجہد کے دونوں قسم کے نتائج ہر دور میں برآمد ہوئے اطاعت گزار محفوظ ہو گئے اور منکرین نیست و نابود۔ یہ نتائج اس دنیا میں بعد میں آنے والی اقوام و ملل کے لئے سامان

عبرت تھے یہ ساری تاریخ پیغمبرانہ جدوجہد اور انبیاء و مرسلین کی کامیابی و کامرانی کی تاریخ تھی اسے ان کی ناکامی تصور کیا جائے گا یا کامیابی؟ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات کریمہ میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت نوح علیہ السلام

مقصدِ بعثت اور دعوت

۱۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱)

’’بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا: اے میری قوم (کے لوگو!) تم اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، یقیناً مجھے تمہارے اوپر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف آتا ہے ۝ ان کی قوم کے سرداروں اور رئیسوں نے کہا (اے نوح!) بیشک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں ۝ انہوں نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول (مبعوث ہوا) ہوں ۝ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا رہا ہوں اور تمہیں نصیحت کر رہا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۝‘‘

۲۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ۝ (۲)

(۱) الاعراف، ۷: ۵۹۔۶۲

(۲) ھود، ۱۱: ۲۵

''اور بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (انہوں نے ان سے کہا) میں تمہارے لئے کھلا ڈر سنانے والا (بن کر آیا) ہوں○ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر دردناک دن کے عذاب (کی آمد) کا خوف رکھتا ہوں○ سو ان کی قوم کے کفر کرنے والے سرداروں اور وڈیروں نے کہا: ہمیں تو تم ہمارے اپنے ہی جیسا ایک بشر دکھائی دیتے ہو اور ہم نے کسی (معزز شخص) کو تمہاری پیروی کرتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے ہمارے (معاشرے کے) سطحی رائے رکھنے والے پست و حقیر لوگوں کے (جو بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں)، اور ہم تمہارے اندر اپنے اوپر کوئی فضیلت و برتری (یعنی طاقت و اقتدار، مال و دولت یا تمہاری جماعت میں بڑے لوگوں کی شمولیت الغرض ایسا کوئی نمایاں پہلو) بھی نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں○''

پیغمبرانہ چیلنج

۱۔ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا○ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا○ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا○ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا○ مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا○ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا○ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا○ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا○[1]

''نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اُس (سرکش رؤساء کے طبقے) کی پیروی کرتے رہے جس کے مال و دولت اور اولاد نے انہیں سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں بڑھایا○ اور (عوام کو گمراہی میں رکھنے کے لئے) وہ بڑی بڑی چالیں چلتے رہے○ اور کہتے رہے کہ تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور وَدّ اور سُواع اور یَغُوث اور یَعُوق اور نَسر (نامی بتوں) کو (بھی) ہرگز نہ چھوڑنا○ اور واقعی انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا، سو (اے میرے رب!) تو (بھی ان) ظالموں کو سوائے گمراہی

(۱) نوح، ۷۱: ۲۱۔ ۲۸

کے (کسی اور چیز میں) نہ بڑھا ○ (بالآخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب غرق کر دیئے گئے، پھر آگ میں ڈال دیئے گئے، سو وہ اپنے لئے اللہ کے مقابل کسی کو مددگار نہ پا سکے ○ اور نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا باقی نہ چھوڑ ○ بے شک اگر تو اُنہیں (زندہ) چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے، اور وہ بدکار (اور) سخت کافر اولاد کے سوا کسی کو جنم نہیں دیں گے ○ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو مومن ہو کر میرے گھر میں داخل ہوا اور (جملہ) مومن مردوں کو اور مومن عورتوں کو، اور ظالموں کے لئے سوائے ہلاکت کے کچھ (بھی) زیادہ نہ فرما ○"

۲۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ○ (۱)

"سو تم عنقریب جان لو گے کہ کس پر (دنیا میں ہی) عذاب آتا ہے جو اسے ذلیل و رسوا کر دے گا اور (پھر آخرت میں بھی کس پر) ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب اُترتا ہے ○"

نتیجہ

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ○ (۲)

"پھر ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا سو ہم نے انہیں اور ان لوگوں کو جو کشتی میں ان کی معیت میں تھے نجات دی اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، بیشک وہ اندھے (یعنی بے بصیرت) لوگ تھے ○"

(۲) حضرت ہود علیہ السلام

مقصدِ بعثت اور دعوت

۱۔ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ط قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا

(۱) ھود، ۱۱: ۳۹

(۲) الاعراف، ۷: ۶۴

لَنَظُنُّکَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ○ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ○(1)

’’اور ہم نے (قومِ) عاد کی طرف ان کے (قومی) بھائی ہُود (علیہ السلام) کو (بھیجا) انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، کیا تم پرہیزگار نہیں بنتے؟○ ان کی قوم کے سرداروں اور رئیسوں نے جو کفر (یعنی دعوتِ حق کی مخالفت و مزاحمت) کر رہے تھے کہا (اے ہود!) بیشک ہم تمہیں حماقت (میں مبتلا) دیکھتے ہیں اور بیشک ہم تمہیں جھوٹے لوگوں میں گمان کرتے ہیں○ انہوں نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی حماقت نہیں لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول (مبعوث ہوا) ہوں○ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا رہا ہوں اور میں تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں○‘‘

۲۔ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ○ یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْکُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ○(2)

’’اور (ہم نے) قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو (بھیجا)، انہوں نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں، تم اللہ پر (شریک رکھنے کا) محض بہتان باندھنے والے ہو○ اے میری قوم میں اس (دعوت و تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر فقط اس (کے ذمۂ کرم) پر ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے○ اور اے لوگو! تم اپنے رب سے (گناہوں کی) بخشش مانگو پھر اس کی جناب میں (صدقِ دل سے) رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلادھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت پر قوت بڑھائے گا اور تم مجرم بنتے ہوئے اس سے روگردانی نہ کرنا○‘‘

(۱) الاعراف، ۷: ۶۵۔۶۸

(۲) ھود، ۱۱: ۵۰۔۵۲

چیلنج

۱۔ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ط اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ○[1]

’’انہوں نے کہا: یقیناً تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب واجب ہو گیا۔ کیا تم مجھ سے ان (بتوں کے) ناموں کے بارے میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (خود ہی فرضی طور پر) رکھ لئے ہیں جن کی اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری؟ سو تم (عذاب کا) انتظار کرو میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں○‘‘

۲۔ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ○[2]

’’اور اے لوگو! تم اپنے رب سے (گناہوں کی) بخشش مانگو پھر اس کی جناب میں (صدقِ دل سے) رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت پر قوت بڑھائے گا اور تم مجرم بنتے ہوئے اس سے روگردانی نہ کرنا۔‘‘

نتیجہ

۱۔ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○[3]

’’پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت کے باعث نجات بخشی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے○‘‘

---

(۱) الأعراف، ۷: ۷۱

(۲) هود، ۱۱: ۵۲

(۳) الاعراف، ۷: ۷۲

۲۔ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ○ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ○ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ○[1]

''اور جب ہمارا حکمِ (عذاب) آ پہنچا (تو) ہم نے ہود کو اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو اپنی رحمت کے باعث بچا لیا، اور ہم نے انہیں سخت عذاب سے نجات بخشی○ اور یہ (قوم) عاد ہے جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر جابر (ومتکبر) دشمنِ حق کے حکم کی پیروی کی○ اوراس دنیا میں (بھی) ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن (بھی لگے گی)۔ یاد رکھو کہ (قومِ) عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا تھا۔ خبردار! ہود (علیہ السلام) کی قومِ عاد کے لئے (رحمت سے) دوری ہے○''

(۳) حضرت صالح علیہ السلام

مقصدِ بعثت اور دعوت

۱۔ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ○ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ○[2]

''اور (ہم نے قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو (بھیجا)۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور اس میں تمہیں آباد فرمایا سو تم اس سے معافی مانگو پھر اس کے حضور توبہ کرو۔ بیشک میرا رب قریب ہے دعائیں قبول فرمانے والا ہے○ وہ بولے: اے صالح! اس سے قبل ہماری قوم میں تم ہی امیدوں کا مرکز تھے، کیا تم ہمیں ان (بتوں) کی پرستش کرنے سے روک رہے ہو جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے رہے ہیں؟ اور جس

(۱) ہود، ۱۱: ۵۸۔۶۰

(۲) ہود، ۱۱: ۶۱۔۶۲

(توحید) کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو یقیناً ہم اس کے بارے میں بڑے اضطراب انگیز شک میں مبتلا ہیں۝‘‘

۲۔ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝(۱)

’’اور (قومِ) ثمود کی طرف ان کے (قومی) بھائی صالح (علیہ السلام) کو (بھیجا) انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کیا کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل آ گئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے، سو تم اسے (آزاد) چھوڑے رکھنا کہ اللہ کی زمین میں چرتی رہے اور اسے برائی (کے ارادے) سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب آ پکڑے گا۝ اور یاد کرو! جب اس نے تمہیں (قومِ) عاد کے بعد (زمین میں) جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں سکونت بخشی کہ تم اس کے نرم (میدانی) علاقوں میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر (ان میں) گھر بناتے ہو، سو تم اللہ کی (ان) نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد انگیزی نہ کرتے پھرو۝ ان کی قوم کے ان سرداروں اور رئیسوں نے جو متکبر و سرکش تھے ان غریب پسے ہوئے لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے: کیا تمہیں یقین ہے کہ واقعی صالح (علیہ السلام) اپنے ربّ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا جو کچھ انہیں دے کر بھیجا گیا ہے بیشک ہم اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۝ متکبر لوگ کہنے لگے: بیشک جس (چیز) پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کے سخت منکر ہیں۝‘‘

(۱) الاعراف، ۷: ۷۳۔۷۶

چیلنج

وَیٰقَوْمِ ھٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْھَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْھَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ○ فَعَقَرُوْھَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ط ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ○(۱)

’’اور اے میری قوم! یہ اللہ کی (خاص طریقہ سے پیدا کردہ) اونٹنی ہے (جو) تمہارے لئے نشانی ہے سو اسے چھوڑے رکھو (یہ) اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تمہیں قریب (واقع ہونے والا) عذاب آ پکڑے گا○ پھر انہوں نے اسے (کونچیں کاٹ کر) ذبح کر ڈالا، صالح (علیہ السلام) نے کہا: (اب) تم اپنے گھروں میں (صرف) تین دن (تک) عیش کرلو، یہ وعدہ ہے جو (کبھی) جھوٹا نہ ہوگا○‘‘

نتیجہ

۱۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّھِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ○ فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ○ فَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ○(۲)

’’پس انہوں نے اونٹنی کو (کاٹ کر) مار ڈالا اور اپنے ربّ کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے: اے صالح! تم وہ (عذاب) ہمارے پاس لے آؤ جس کی تم ہمیں وعید سناتے تھے اگر تم (واقعی) رسولوں میں سے ہو○ سو انہیں سخت زلزلہ (کے عذاب) نے آ پکڑا پس وہ (ہلاک ہوکر) صبح اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے○ پھر (صالح علیہ السلام نے) ان سے منہ پھیر لیا اور کہا: اے میری قوم! بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور نصیحت (بھی) کر دی تھی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند (ہی) نہیں کرتے○‘‘

۲۔ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِئِذٍ ط

---

(۱) ہود، ۱۱: ۶۴۔۶۵

(۲) الأعراف، ۷: ۷۷۔۷۹

اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُo وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِھِمْ جٰثِمِیْنَo کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْھَا ط اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا کَفَرُوْا رَبَّھُمْ ط اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَo(۱)

''پھر جب ہمارا حکمِ (عذاب) آ پہنچا (تو) ہم نے صالح (علیہ السلام) کو اور جو ان کے ساتھ ایمان والے تھے اپنی رحمت کے سبب سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے (بھی نجات بخشی)۔ بیشک آپ کا رب ہی طاقتور غالب ہےo اور ظالم لوگوں کو ہولناک آواز نے آ پکڑا سو انہوں نے صبح اس طرح کی کہ اپنے گھروں میں مُردہ حالت میں اوندھے پڑے رہ گئےo گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے، یاد رکھو! (قومِ) ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا تھا۔ خبردار! (قوم) ثمود کے لئے (رحمت سے) دوری ہےo''

(۴) حضرت لوط علیہ السلام

مقصدِ بعثت اور دعوت

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَکُمْ بِھَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَo اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَھْوَۃً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَo وَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ قَرْیَتِکُمْ ج اِنَّھُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَھَّرُوْنَo(۲)

''اور لوط (علیہ السلام) کو (بھی ہم نے اسی طرح بھیجا) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم (ایسی) بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جسے تم سے پہلے اہلِ جہاں میں سے کسی نے نہیں کیا تھا؟ بیشک تم نفسانی خواہش کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم حد سے گزر جانے والے ہوo اور ان کی قوم کا سوائے اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ وہ کہنے لگے: ان کو بستی سے نکال دو بیشک یہ لوگ بڑے پاکیزگی کے طلبگار ہیںo''

(۱) ھود، ۱۱: ۶۶۔۶۸

(۲) الأعراف، ۷: ۸۰۔۸۲

نتیجہ

۱۔ فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ○ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ط فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ○(۱)

”پس ہم نے ان کو (یعنی لوط علیہ السلام کو) اور ان کے اہلِ خانہ کو نجات دے دی سوائے ان کی بیوی کے، وہ عذاب میں پڑے رہنے والوں میں سے تھی○ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش کر دی سو آپ دیکھئے کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا○“

۲۔ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ○ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ط وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ○(۲)

”پھر جب ہمارا حکمِ (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے (الٹ کر) اس بستی کے اوپر کے حصہ کو نچلا حصہ کر دیا اور ہم نے اس پر پتھر اور پکی ہوئی مٹی کے کنکر برسائے جو پے در پے (اور تہ بہ تہ) گرتے رہے○ جو آپ کے رب کی طرف سے نشان کئے ہوئے تھے، اور یہ (سنگریزوں کا عذاب) ظالموں سے (اب بھی) کچھ دور نہیں ہے○“

(۵) حضرت شعیب علیہ السلام

مقصدِ بعثت اور دعوت

۱۔ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ط ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ○ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ج وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ص وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ○ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ج وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ○ قَالَ الْمَلَاُ

---

(۱) الأعراف، ۷: ۸۳۔۸۴

(۲) ھود، ۱۱: ۸۲۔۸۳

الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ (۱)

''اور مدین کی طرف (ہم نے) ان کے (قومی) بھائی شعیب (علیہ السلام) کو (بھیجا) انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آچکی ہے سو تم ماپ اور تول پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور زمین میں اس (کے ماحولِ حیات) کی اصلاح کے بعد فساد بپا نہ کیا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم (اس الوہی پیغام کو) ماننے والے ہو ۝ اور تم ہر راستہ پر اس لئے نہ بیٹھا کرو کہ تم ہر اس شخص کو جو اس (دعوت) پر ایمان لے آیا ہے خوفزدہ کرو اور (اسے) اللہ کی راہ سے روکو اور اس (دعوت) میں کجی تلاش کرو (تاکہ اسے دینِ حق سے برگشتہ اور متنفر کر سکو) اور (اللہ کا احسان) یاد کرو، جب تم تھوڑے تھے تو اس نے تمہیں کثرت بخشی اور دیکھو فساد پھیلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ۝ اور اگر تم میں سے کوئی ایک گروہ اس (دین) پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں ایمان لے آیا ہے اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا تو (اے ایمان والو!) صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے ۝ ان کی قوم کے سرداروں اور رئیسوں نے جو سرکش و متکبر تھے کہا: اے شعیب (علیہ السلام)! ہم تمہیں اور ان لوگوں کو جو تمہاری معیت میں ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے بہرصورت نکال دیں گے یا تمہیں ضرور ہمارے مذہب میں پلٹ آنا ہوگا۔ انہوں نے (جواباً) کہا اگرچہ ہم (تمہارے مذہب میں پلٹنے سے) بیزار ہی ہوں؟ ۝''

۲۔ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ

(۱) الأعراف، ۷: ۸۵-۸۸

الرَّشِيْدُ ○[1]

''اور (ہم نے اہلِ) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) (کو بھیجا) انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور ناپ اور تول میں کمی مت کیا کرو بیشک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور میں تم پر ایسے دن کے عذاب کا خوف (محسوس) کرتا ہوں جو (تمہیں) گھیر لینے والا ہے○ اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور فساد کرنے والے بن کر ملک میں تباہی مت مچاتے پھرو○ جو اللہ کے دیئے میں بچ رہے (وہی) تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو، اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں○ وہ بولے! اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں یا یہ کہ ہم جو کچھ اپنے اموال کے بارے میں چاہیں (نہ) کریں۔ بیشک تم ہی (ایک) بڑے تحمل والے ہدایت یافتہ (رہ گئے) ہو○''

۳۔ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ○[2]

''وہ بولے اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تمہیں اپنے معاشرے میں ایک کمزور شخص جانتے ہیں؟ اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور (ہمیں اسی کا لحاظ ہے ورنہ) تم ہماری نگاہ میں کوئی عزت والے نہیں ہو○''

چیلنج

۱۔ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ○[3]

(۱) ھود، ۱۱: ۸۴۔۸۷

(۲) ھود، ۱۱: ۹۱

(۳) الأعراف، ۷: ۸۹

”بیشک ہم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھیں گے اگر ہم تمہارے مذہب میں اس امر کے بعد پلٹ جائیں کہ اللہ نے ہمیں اس سے بچا لیا ہے، اور ہمارے لئے ہرگز (مناسب) نہیں کہ ہم اس (مذہب) میں پلٹ جائیں مگر یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارا رب از روئے علم ہر چیز پر محیط ہے۔ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کر لیا ہے، اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری (مخالف) قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہےo“

۲۔ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍo[1]

”اور اے میری قوم! مجھ سے دشمنی و مخالفت تمہیں یہاں تک نہ ابھار دے (کہ جس کے باعث) تم پر وہ (عذاب) آ پہنچے جیسا (عذاب) قومِ نوح یا قومِ ہود یا قومِ صالح کو پہنچا تھا، اور قومِ لوط (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں (گزرا)o“

نتیجہ

۱۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَo الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَo فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَo[2]

”پس انہیں شدید زلزلہ (کے عذاب) نے آ پکڑا، سو وہ (ہلاک ہو کر) صبح اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ جن لوگوں نے شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا (وہ ایسے نیست و نابود ہوئے) گویا وہ اس (بستی) میں (کبھی) بسے ہی نہ تھے۔ جن لوگوں نے شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا (حقیقت میں) وہی نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔ تب (شعیب علیہ السلام) ان سے کنارہ کش ہو گئے اور کہنے لگے: اے میری قوم! بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمہیں نصیحت (بھی) کر دی تھی پھر میں کافر قوم (کے تباہ ہونے) پر افسوس کیونکر کروں؟o“

(۱) ھود، ۱۱: ۸۹

(۲) الأعراف، ۷: ۹۱۔۹۳

۲۔ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝[۱]

’’اور جب ہمارا حکمِ (عذاب) آپہنچا تو ہم نے شعیب (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو اپنی رحمت کے باعث بچالیا اور ظالموں کو خوفناک آواز نے آ پکڑا سو انہوں نے صبح اس حال میں کی کہ اپنے گھروں میں مردہ حالت میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا وہ ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سنو! (اہلِ) مدین کے لئے ہلاکت ہے جیسے (قومِ) ثمود ہلاک ہوئی تھی۔‘‘

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام

دعوت و نتیجہ

۱۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝[۲]

’’پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے (درباری) سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے ان (دلائل اور معجزات) کے ساتھ ظلم کیا پھر آپ دیکھئے کہ فساد پھیلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ۝‘‘

۲۔ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۚ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝[۳]

’’پھر ہم نے ان سے (بالآخر تمام نافرمانیوں اور بدعہدیوں کا) بدلہ لے لیا اور ہم نے

(۱) هود، ۱۱: ۹۴، ۹۵
(۲) الأعراف، ۷: ۱۰۳
(۳) الأعراف، ۷: ۱۳۶، ۱۳۷

انہیں دریا میں غرق کر دیا، اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کی (پے در پے) تکذیب کی تھی اور وہ ان سے (بالکل) غافل تھے○ اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سرزمین کے مشرق و مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور (یوں) بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے رب کا نیک وعدہ پورا ہو گیا، اس وجہ سے کہ انہوں نے (فرعونی مظالم پر) صبر کیا تھا، اور ہم نے ان (عالیشان محلات) کو تباہ و برباد کردیا جو فرعون اور اس کی قوم نے بنا رکھے تھے اور ان چنائیوں (اور باغات) کو بھی جنہیں وہ بلندیوں پر چڑھاتے تھے○''

۳۔ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ○ (۱)

''اور اسی طرح آپ کے رب کی پکڑ ہوا کرتی ہے جب وہ بستیوں کی اس حال میں گرفت فرماتا ہے کہ وہ ظالم (بن چکی) ہوتی ہیں۔ بیشک اس کی گرفت دردناک (اور) سخت ہوتی ہے○''

(۷) حضور خاتم الانبیاء ﷺ

قرآن مجید میں پہلے انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کا بیان ختم ہوتے ہی حضور نبی اکرم ﷺ سے یوں خطاب کیا گیا ہے:

۱۔ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ○ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ○ (۲)

''پس آپ ثابت قدم رہیے! جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی (ثابت قدم رہے) جس نے آپ کی معیت میں (اللہ کی طرف) رجوع کیا ہے، اور (اے لوگو!) تم سرکشی نہ کرنا، بیشک تم جو کچھ کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھ رہا ہے○ اور تم ایسے لوگوں کی طرف مت جھکنا جو ظلم کر رہے ہیں ورنہ تمہیں آتشِ (دوزخ) آ چھوئے گی اور تمہارے لئے اللہ

(۱) ھود، ۱۱: ۱۰۲

(۲) ھود، ۱۱: ۱۱۲، ۱۱۳

کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا پھر تمہاری مدد (بھی) نہیں کی جائے گیo“

۲۔ فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ج وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَo وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَo(۱)

”سو تم سے پہلے کی امتوں میں ایسے صاحبانِ فضل و خرد کیوں نہ ہوئے جو لوگوں کو زمین میں فساد انگیزی سے روکتے بجز ان میں سے تھوڑے سے لوگوں کے جنہیں ہم نے نجات دے دی، اور ظالموں نے عیش و عشرت (کے اسی راستے) کی پیروی کی جس میں وہ پڑے ہوئے تھے اور وہ (عادی) مجرم تھےo اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ظلماً ہلاک کر ڈالے درآنحالیکہ اس کے باشندے نیکوکار ہوںo“

۳۔ اسی طرح الاعراف میں بھی جملہ انبیاء و رسل عظام کا بیان ختم ہوتے ہی متصلاً حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت فرمایا گیا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo(۲)

”(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث

(۱) ھود، ۱۱: ۱۱۶، ۱۱۷

(۲) الاعراف، ۷: ۱۵۷

مسلّط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں٥‘‘

۴۔ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ِالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ٥(۱)

’’آپ فرما دیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں جس کے لئے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا اور مارتا ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ جو (شانِ اُمیّت کا حامل) نبی ہے (یعنی اس نے اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں پڑھا مگر جمیع خلق سے زیادہ جانتا ہے اور کفر و شرک کے معاشرے میں جوان ہوا مگر بطنِ مادر سے نکلے ہوئے بچے کی طرح معصوم اور پاکیزہ ہے) جو اللہ پر اور اس کے (سارے نازل کردہ) کلاموں پر ایمان رکھتا ہے اور تم انہی کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاسکو٥‘‘

۵۔ غرضیکہ قرآن میں انبیاء علیہم السلام کے احوال، واقعات اور جدوجہد کا مقصد و مدعا یہ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ٥(۲)

’’اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے سب حالات آپ کو سنا رہے ہیں جس سے ہم آپ کے قلبِ (اطہر) کو تقویت دیتے ہیں، اور آپ کے پاس اس (سورت) میں حق اور نصیحت آئی ہے اور اہلِ ایمان کے لئے عبرت (و یاد دہانی بھی)٥‘‘

بات بڑی واضح ہے اگر انبیاء کی تاریخ (معاذ اللہ) ان کی ناکامیوں کی تاریخ ہوتی تو ان

(۱) الاعراف، ۷: ۱۵۸

(۲) ھود، ۱۱: ۱۲۰

کے بیان سے حضور نبی اکرم ﷺ کے قلب مبارک کو تقویت نہیں بلکہ تکلیف اور مایوسی ہوتی، حالانکہ قرآن اس کے ذکر کو باعثِ تقویت و فرحت قرار دے رہا ہے۔

اس لیے پیغمبرانہ سیرت و جدوجہد کی ساری تاریخ کامیابی و کامرانی کی تاریخ ہے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت و نصیحت بھی کہ انہیں یہ علم ہو جائے کہ دعوت انبیاء کو ٹھکرانے والے اس طرح نیست و نابود ہو گئے اور ان کے اطاعت گزار اس طرح سرخرو ہوئے۔

۴۔ سیرتِ محمدی ﷺ کی نتیجہ خیزی ختم نبوت کی بنیاد ہے

ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ نوع انسانی نئی بعثت کی احتیاج سے بے نیاز ہو گئی ہے۔ زوال پذیر ہونے اور اپنے دگرگوں حالات کو سنوارنے کے لئے اب اسے کسی نئی نبوت کی احتیاج نہیں رہی۔ اُمم سابقہ میں اگر کوئی اُمت زوال پذیر ہوتی، راہ توحید سے انحراف کرتی، اخلاقی و روحانی اقدار مٹ جاتیں اور سابقہ انبیاء کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات سے کلیتًا ہٹ جاتی تو دوبارہ اصلاح کے لئے نئی بعثت ناگزیر تھی۔ اللہ تعالیٰ نئے نبی کو نبوت سے سرفراز فرما کر اس بگڑی ہوئی اُمت کی اصلاح کے لئے مبعوث فرماتا۔ ہر نبی کو اوامر و نواہی کا ایسا نظام اور زندگی گزارنے کے لئے ایسی شریعت، ضابطہ حیات کے طور پر دیتا جو اس وقت کے حالات اور تقاضوں کے عین مطابق ہوتی۔ ہر چند کہ تمام انبیاء ایک ہی دعوت توحید کا پرچار کرنے والے تھے اور تبلیغِ توحید ان کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ تھا اور اوامر و نواہی کی پیروی اور شریعت کے احکام کی پابندی کے ذریعے مثالی معاشرے کا قیام ممکن نہ تھا بلکہ معاشرے کو زوال کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر عروج و کمال سے ہمکنار کرنے کے لئے نئی بعثت اشد ضروری تھی۔ اس ضرورت کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نئے نبی کو مبعوث فرماتے تھے۔

(۱) مقصدِ بعثت محمدی ﷺ اور غایتِ نزولِ قرآن

قرآنی وحی کے ذریعے تکمیلِ دین کا مطلب یہ ہے کہ دور مابعد رسالت میں اُمت کے زوال پذیر ہو جانے کے بعد دوبارہ عروج حاصل کر سکنے کی تدبیر بھی بغیر نئی بعثت کی ضرورت کے فقط قرآن مجید اور سیرت محمدی ﷺ سے ہی میسر آئے گی۔

یہ کیسے ممکن ہو گا؟ اس ذہن کے لئے جو خدا، رسول اور قرآن مجید کو مراسم پرستی کے زاویہ نگاہ کے تابع تصور کرتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ بغیر نئی بعثت کے دوبارہ عروج حاصل ہو سکے یا زوال پذیر ہونے کے بعد اُمت کی دوبارہ اصلاح ہو سکے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ قانون ساز مذہبی ذہن نے قرآن

مجید کو صرف ماخذ قانون سمجھا ہے اور کسی قانونی ضابطے کا موجود ہونا اس کا ضامن نہیں کہ اوامر و نواہی کے ضابطے کی پابندی بھی ہو سکے گی۔

یاد رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد اور قرآن مجید کے نزول کی غایت ایک ہی ہے۔ وہ کیا ہے؟ اس بارے میں دو آراء ہیں:

(۱) ایک گروہ کی رائے (اخلاقی و روحانی ہدایت حاصل ہو)

(۲) دوسرے گروہ کی رائے (جامع نظام حیات میسر آئے)

پہلی رائے کے مطابق اسلام کا تصور محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کے تصور جامعیت کی کوئی اصل نہیں رہتی۔ کیونکہ اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت اور قرآن کے نزول کا مقصد صرف اخلاقی اور روحانی ہدایت مہیا کرنا ہی ہے تو کئی اور مذاہب مثلاً عیسائیت، بدھ مت، ہندو مت وغیرہ بھی یہ محدود ہدایت مہیا کرنے کے مدعی ہیں۔ اگر ان سے بھی اخلاق و روحانیت حاصل ہو رہی ہو تو اصولی طور پر اسلام کی انفرادیت و امتیاز ختم ہو گیا اور یہ حکم ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام'' (اللہ کے نزدیک دین فقط اسلام ہے) محض دعویٰ قرار پاتا۔

دوسری رائے کہ ''جامع نظام حیات میسر آئے'' بھی ہمارے نزدیک درست نہیں کیونکہ یہ مقصد تو تکمیلِ فقہ سے حاصل ہو رہا ہے، اس صورت میں فقہ کی جامعیت و اکملیت احتیاجِ قرآن سے بے نیاز کر دے گی۔ قرآن و سنت اور اجماع سے استنباط شدہ مسائل پر مشتمل فقہ مکمل ہو چکی ہے اور مزید اضافوں کے لئے قیاس و اجتہاد و استحسان کے راستے کشادہ ہیں۔ اگر مقصد و غایتِ وحی و بعثت ''جامع نظام حیات'' ہی پیش کرنا ہے تو یہ کام ''فقہ'' کرتی ہے اور اسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر تکمیل دین کا اعلان کیا حالانکہ اس وقت فقہی جدوجہد کا آغاز ہی نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا یہ رائے بھی محلِ نظر ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ ''تکمیل فقہ'' سے مذکورہ مقصد باتمام و کمال حاصل ہو سکتا ہے اور قرآنی حیثیت لابدی اور ضروری نہیں ٹھہرتی۔

(۲) صحیح مقصد بعثت اور غایتِ نزولِ قرآن

جیسا کہ مذکورہ سطور میں واضح کیا گیا ہے کہ مقصد بعثت محمدی اور غایت نزول قرآن کے بارے میں اُمت مسلمہ کے فکری حلقوں میں پائے جانے والے دو نظریات میں سے کسی ایک نظریے کے حامل افراد راست فکر کے مالک نہیں ہیں۔ انہوں نے غایت بعثت اور نزول قرآن جو بیان کی ہے

اس کا حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ لہٰذا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعثت و نزول کا صحیح مدعا و مقصد کیا ہے؟ ہم جواباً قرآن کی اس آیہ کریمہ پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝[1]

”وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول ﷺ) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۝“

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو دو چیزیں دے کر مبعوث فرمایا۔

۱۔ ھُدٰی (اخلاقی و روحانی ہدایت)

۲۔ دینِ حق (جامع نظامِ حیات)

مقصد و غایت کو اس کے بعد بیان کیا جا رہا ہے اور اس کا آغاز **لیظھرہ** (ل) (اس لئے تاکہ) سے ہو رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ ”اس دینِ حق کو تمام ادیانِ عالم پر اس طرح غالب کر دیا جائے کہ قیامت تک یہ کسی دین سے مغلوب نہ ہو سکے۔“ اس مقصد و غایت کے پورا کرنے کی ضمانت کا نام ”تکمیلِ دین“ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ۲۲، ۲۳ سالہ محنت کے بعد اعلان ہوا:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝[2]

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔ پھر اگر کوئی شخص بھوک (اور پیاس) کی شدت میں اضطراری (یعنی انتہائی مجبوری کی) حالت کو پہنچ جائے (اس شرط کے ساتھ) کہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو (یعنی حرام چیز گناہ کی رغبت کے باعث نہ کھائے) تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۝“

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۳

(۲) المائدۃ، ۵: ۳

کافر مایوس کیوں ہوئے؟ اگر ان کی مایوسی کا سبب سمجھ آ جائے تو تکمیل دین کا مفہوم خود بخود روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا، اس آیہ کریمہ میں کفار کی مایوسی کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے ''وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ'' (اگرچہ کفار غلبہ دین کو ناپسند کریں) کے چیلنج کے بعد جب اسلام غالب آ چکا اور اعلان کے دن (حجۃ الوداع) تک قرآن مسلمانوں کو حصول مقصد (حصول غلبہ) کی خاطر پیش کردہ طریق میں کامیابی وکامرانی کی ضمانت دے چکا تو کافر مایوس و ناامید ہو گئے کہ لات وہبل کے اوندھے منہ گرنے اور اسلام کے آج کے دن غلبہ کے بعد ہمارا (کفر) کبھی غالب نہیں آ سکتا۔ کفار کی مایوسی کا سبب صرف اور صرف یہی تھا کہ اب غلبہ اسلام کے پاس چلا گیا۔ حالانکہ وہ کافر اسے ناپسند کرتے تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ کی ''فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ'' (کہ اب کفار سے مت ڈرنا بلکہ مجھ سے ڈرنا)۔

قرآن نے اب تمہیں غلبہ واقتدار حاصل کرنے کا مکمل طریق بتا دیا ہے اور تا قیامت اس طریق میں کامیابی وکامرانی اور حصول نتائج کی ضمانت بھی دے دی ہے۔

پس ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' (آج کے دن تکمیل دین ہو گئی) اور تمام قیامت تک نئی وحی، نئی رسالت اور نئی نبوت کی احتیاج سے بے نیاز ہو گئے، زوال کے بعد مطلوبہ نتائج (یعنی حصول غلبہ) تمہیں بغیر پیغمبرانہ قیادت کے اسی قرآن مجید کی ہدایت سے حاصل کرنا ہو گا اور حصول غلبہ کے لئے وہی طریق کار اپنانا ہو گا جو اس قرآن میں مکمل طور پر بیان ہو چکا۔ اب زوال پذیر ہونے کے بعد عروج حاصل کرنے کے لئے نئی بعثت کی ضرورت جنم نہیں لے سکتی بلکہ حضور ﷺ کی رسالت ہی تا قیامت رہے گی ''یہی خاتمیت محمدی ﷺ'' کا معنی اور تقاضا ہے۔

اگر حصول نتائج کی ضمانت قرآن مجید کے بیان کردہ طریق میں نہ ہو تو ''خاتمیتِ محمدی ﷺ'' (معاذ اللہ) محض شاعرانہ تعلّی رہ جاتی ہے اور ہم نئی بعثت کی احتیاج سے بے نیاز نہیں ہو سکتے خصوصاً اس ذہن کے لئے تو زوال کے بعد عروج حاصل کرنے کے لئے نئی بعثت لابدی قرار پائے گی جو خدا، رسول اور قرآن مجید کو مراسم پرستی کے زاویہ نگاہ کے تابع تصور کرتا ہو۔

اگر تکمیلِ دین کا مفہوم محض احکامِ شریعت کی تکمیل ہی ہے تو پھر کفار کی مایوسی اور ان سے نہ ڈرنے کا حکم چہ معنی دارد؟ اگر قانون ساز مذہبی ذہن کے بقول تکمیل دین ''تکمیل فقہ'' کا دوسرا نام ہے تو گویا اس کے نزدیک تکمیل دین فقط یہ ہے کہ آج حجۃ الوداع کے دن اوامر ونواہی اور حلت و حرمت کے تمام احکام مکمل ہو گئے اور یہی تکمیل دین ہے۔ اگر مذکورہ ذہن کی پیش کردہ یہ تعبیر مان لی

جائے تو سوال یہ ہے کہ حلت و حرمت کے احکام کی تکمیل سے کفار کو کیونکر مایوسی ہو گی؟ اور مسلمانوں کو کافروں سے ڈرنے کا حکم کیونکر دیا گیا؟ حلت و حرمت کے احکام کی تکمیل کی وجہ سے کفار پر مایوسی کا سورج طلوع ہونا اور مسلمانوں کو ان سے عدمِ خوف کا حکم سنانا بے ربط و بے ہنگم بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کافروں کا مایوس ہونا اور مسلمانوں کو آئندہ ان سے نہ ڈرنے کا حکم دیا جانا اس لئے تھا کہ سیاسی غلبہ و اقتدار کفار کے ہاتھوں سے چھن کر مسلمانوں کو منتقل ہو گیا تھا اور کفار مستقبل میں اپنے (کفر کے) غلبہ کی نسبت مایوس ہو گئے تھے۔

(۳) نتیجہ خیزی

اگر اسلام نے ''جامع نظامِ حیات'' پیش کر دیا ہو اور مسلمان اس کے نفاذ کی کوشش میں ناکام ہو رہے ہوں مگر قرآن خود اس نظام کو غالب و نافذ کرنے کی سو فیصد کامیاب تدبیر (ٹیکنیک) بتانے میں خاموش ہو تو پھر ''تکمیلِ دین'' کا کیا مطلب اور کیا فائدہ؟ اور انسانوں کو نئی وحی نبوت کی احتیاج سے بے نیاز کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس لئے تکمیلِ دین اور خاتمیتِ محمدی جو لازم و ملزوم ہے اس کا مفہوم ہی یہی ہے کہ اسلام خود اپنے پیش کردہ نظام کو غالب و نافذ کرنے کا ایک طریقہ بتاتا ہے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ (ہر وقت جب اپنایا جائے) کامیاب ہونے کی ضمانت دیتا ہے اور حضور ﷺ نے اپنی عملی زندگی میں اس طریقے سے کامیاب ہو کر دکھا دیا۔ پس جس رہنمائی نے یہ نتیجہ پیدا کیا اسی رہنمائی اور لائحہ عمل کے نتیجہ خیز ہونے کی ضمانت مہیا کر دیے جانے کا نام تکمیلِ دین ہے۔

(۴) قابلِ غور اَمر

اس موقع پر یہ امر غور طلب ہے کہ کامیابی و کامرانی جس کا اعلان کافروں کی مایوسی اور تکمیلِ دین کی صورت میں حجۃ الوداع کے دن کیا گیا۔ محض ایک تاریخی اتفاق تھا یا کسی باقاعدہ تکنیک اور پروگرام کا نتیجہ؟

اگر یہ فتح محض حادثاتی طور پر ایک اتفاق کی صورت میں حاصل ہوئی تھی تو اس میں نہ خدا کا کوئی کمال رہا، نہ رسول کا کارنامہ اور نہ قرآن کا کوئی دخل۔ اور اگر یہ کامیابی محض تاریخی اتفاق نہ تھی بلکہ کسی باقاعدہ پروگرام اور ضابطۂ عمل کا نتیجہ تھی تو سوال یہ ہے کہ یہ پروگرام رسول اللہ ﷺ کی قیادت و سیادت نے اور قرآن کی ہدایت نے صرف دورِ رسالت کے لئے مہیا کیا تھا یا قیامت تک

کے دور مابعد رسالت کے لئے بھی؟

اگر صرف دورِ رسالت کے لئے ہی تھا تو پھر تکمیلِ دین اور ختم نبوت کے دعاوی محض شاعرانہ تعلّی رہ جاتے ہیں، ان کا حقیقت سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور اگر یہ پروگرام دور مابعد رسالت میں بھی اسی طرح موثر اور نتیجہ خیز ہے تو وہ کہاں ہے؟ یاد رکھیئے! مفاد پرست ذہن حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہتا اور قانون ساز مذہبی ذہن کے نزدیک بے جان عقائد، مردہ رسوم، فرقہ پرستانہ آرزوئیں اور مفاد پرستانہ گروہ بندیاں ہی پیغمبرانہ راہ اور حق پرستی ہیں، اس لئے متحد ہونا کفر سمجھا جاتا ہے۔

میرے نزدیک فرقہ پرستی کا خاتمہ صرف اور صرف دین کی حقانیت کا معیار اور تکمیل دین کا مذکورہ معنی متعین کرنے سے ہی ممکن ہے اور زوال کے بعد اس کی نتیجہ خیزی کا چیلنج قبول کیا جائے مگر اس چیلنج کو قبول کرنے کی جو ضمانت بیان کی گئی ہے اس کو قبول کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

غلبہ واقتدار کے حصول کے لئے قرآن مجید نے اپنے دیئے ہوئے لائحہ عمل کو اور طریق کار کو نتیجہ خیزی کی جس ضمانت کے ساتھ بیان کیا ہے اس کو قبول کرنے کی اشد ضرورت ہے مگر اس چیلنج کو قبول کرنے میں یہ بے یقینی حائل ہے کہ نتیجے کے پیدا ہونے کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

اگر رسالتِ محمدی ﷺ اور قرآنی ہدایت کے ذریعے نتیجہ خیزی کی ضمانت نہ ہو تو خدا کی کبریائی کے دعوے شاعرانہ تعلّی بن جائیں گے اور دور مابعد رسالت میں قرآن حجت نہ رہ سکے گا اور نسل انسانی کو ازسرنو اپنے عروج کے لئے نئی بعثت کی احتیاج وضرورت سے محروم رکھنے والا ختم نبوت کا تصور (معاذ اللہ) ایک تحکمانہ فیصلہ (Arbitrary Decision) قرار پائے گا اور اس پراگندہ خیالی (اپنے نظریات میں تشتت، کشمکش، ابہام اور تضاد) کے ہوتے ہوئے ہم ان نظامہائے افکار کا تدارک قطعاً نہیں کر سکتے جو اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔

۵۔ سیرتِ محمدی ﷺ ہی پیغامِ الٰہی کا نتیجہ خیز اور اِنقلابی اِبلاغ ہے

قرآنِ مجید عالم انسانیت کے لئے باری تعالیٰ کا آخری پیغام ہے جسے ’’بلاغ‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے اور سیرتِ محمدی ﷺ کو اس پیغام الٰہی کا ابلاغِ کامل ٹھہرایا گیا ہے۔ کیونکہ انسانیت تک اس پیغام کے کاملاً پہنچائے جانے کا ایک ہی مؤثر اور قطعی ذریعہ ہے اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے اور یہ آپ کی سیرت طیبہ ہی ہے جس نے اس کے ابلاغ کے جملہ تقاضے اس طرح پورے

کیے کہ انسانیت پر حجت تمام ہوگئی، منکرین کے سب عذر قطع ہو گئے اور وعدہ الٰہی کے مطابق جملہ نتائج معرض وجود میں آ گئے۔

۱۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝ (۱)

”یہ (قرآن) لوگوں کے لئے کاملاً پیغام کا پہنچا دینا ہے، تاکہ انہیں اس کے ذریعہ ڈرایا جائے اور یہ کہ وہ خوب جان لیں کہ بس وہی (اللہ) معبود یکتا ہے اور یہ کہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں۝“

اس آیہ مبارکہ میں قرآن حکیم کو ”بلاغ للناس“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱) البلاغ

قرآن ہو یا انبیاء سابقین پر نازل ہونے والی وحی ہر ایک کو اکثر و بیشتر ”البلاغ“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی زبان سے ”وما علینا إلّا البلاغ“ کے الفاظ سن کر مبلغین اسلام کے ذہنوں میں بالعموم یہ تاثر پیدا ہوا ہے کہ شاید مردِ مومن پر اسلام کا حقِ بلاغ صرف اس قدر ہے کہ خدا کا پیغام دوسروں کو سنا دیا جائے اور اثرات و نتائج خواہ کچھ ہوں ان سے کلیتاً بے نیاز ہو جایا جائے، اور انسان خود کو اس طرح مطمئن کر لے کہ میں نے یہ بات دوسروں تک پہنچا کر اپنا فریضۂ بلاغ ادا کر دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر مجھ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

قرآن فہمی کا دعویٰ کرنے والوں کو اسی غلطی نے ملتِ اسلامیہ کی فکری اور عملی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے اور مسلمانوں کی مذہبی زندگی ایک فیصلہ کن انقلاب کی طرف بڑھنے کی بجائے جمود و تعطل کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہمہ گیر زوال اور انحطاط ہے جو آج ہمارا مقدر بن چکا ہے۔ محولہ بالا آیت کا مدعا سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ”البلاغ“ کا معنی و مفہوم ذہن نشین کر لیا جائے۔ کیونکہ یہ تصور ہمارے ہاں مستقل طور پر التباس کا شکار ہو چکا ہے۔

لفظ ”بلاغ“ بلغ سے مشتق ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ ”المفردات فی غریب القرآن“ میں فرماتے ہیں:

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۵۲

البلاغ الإنتهاء إلى أقصى المقصد۔[1]

''ابلاغ مقصد اور غرض و غایت کا آخری حد تک پہنچنا ہے۔''

گویا ''بلاغ'' سے مراد کسی بات کا محض پہنچانا نہیں بلکہ اپنے مقصد کو آخری حد اور انجام تک پہنچا دینا ہے۔

مزید برآں بلاغ ''پورا کرنے اور کافی ہو جانے'' کو بھی کہتے ہیں۔ امام اصفہانی بیان کرتے ہیں ''البلاغ الكفاية'' (المفردات) یعنی بلاغ، کافی ہو جانا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

۲۔ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ٥[2]

''بیشک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کے لئے (حصولِ مقصد کی) کفایت و ضمانت ہے ٥''

کفایت کا معنی بالکل واضح ہے اس میں تمام ضرورتوں کی تکمیل کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اگر کسی شرط یا ضرورت کی کمی رہ جائے تو اسے بلاغ یا کفایت نہیں کہیں گے۔ گویا بلاغ کسی امر کو اس کے انجام تک پہنچانے کی ایسی جدوجہد کو کہتے ہیں جس میں مآل و انجام کے حصول کے لئے تمام مطلوبہ ضروریات کی اس طرح تکمیل کر دی گئی ہو کہ پھر انسان کو کسی اور ذریعے کی حاجت نہ رہے۔

اسی لئے قرآن مجید پیغمبرانہ بلاغ کو بلاغ مبین کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ کیونکہ اس بلاغ کی صحت و کمال اس پر منحصر ہے کہ اس کی اطاعت پر فلاح و کامیابی اور اس سے انحراف پر تباہی و ہلاکت متحقق ہو کر رہے۔

پیغمبرانہ بلاغ کا کمال یہی تھا کہ انہوں نے پیغامِ الٰہی اس قدر کامل یقین اور مؤثر طریقے سے بنی نوعِ انسان تک پہنچایا کہ اس کی اطاعت انسانوں کو دنیا ہی میں سرخرو کر گئی اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے دعوائے نبوت کے مطابق نیست و نابود ہو گئے۔ گویا پیغمبرانہ بلاغ حق و باطل کے معرکے میں ایک چیلنج ہوتا ہے جس کی اطاعت فوز و فلاح اور انحراف تباہی و ہلاکت پر منتج ہو کر رہتا ہے اور یہی انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی کھلی کامیابی ہے۔

(۱) اصفہاني، المفردات في غريب القرآن: ۶۰

(۲) الأنبياء، ۲۱: ۱۰۶

ارشادِ ربانی ہے:

۳۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْ اُمِّهَا رَسُوْلًا○[۱]

’’اور آپ کا رب بستیوں کو تباہ کرنے والا نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اس کے بڑے مرکزی شہر (Capital) میں پیغمبر بھیج دے۔‘‘

پیغمبرانہ دعوت پر لبیک کہنے والوں کے لئے ارشاد فرمایا گیا:

۴۔ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ○[۲]

’’پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں (سوار) تھے نجات دے دی○‘‘

۵۔ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ○[۳]

’’اور ہم نے اُنہیں اور اُن کے گھر والوں کو سخت تکلیف سے بچا لیا○‘‘

اور منحرف ہونیوالوں کے لئے فرمایا گیا:

۶۔ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ○[۴]

’’پھر اس کے بعد ہم نے باقی ماندہ لوگوں کو غرق کر دیا○‘‘

۷۔ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ○[۵]

’’بیشک ہم نے ان (سرداروں) کو اور ان کی ساری قوم کو تباہ و برباد کر دیا○‘‘

یہی وہ بلاغ مبین تھا جس کا فریضۂ انبیاء علیہم السلام نے سرانجام دیا اور اسی پر وعدہ الٰہی تھا جسے رب ذوالجلال نے پورا کر دیا اس کا بیان قرآن حکیم میں اس طرح ہے:

(۱) القصص، ۲۸: ۵۹

(۲) الشعراء، ۲۶: ۱۱۹

(۳) الصافات، ۳۷: ۷۶

(۴) الشعراء، ۲۶: ۱۲۰

(۵) النمل، ۲۷: ۵۱

۸۔ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝[1]

''اور اسی طرح آپ کے رب کا فرمان اُن لوگوں پر پورا ہو کر رہا جنہوں نے کفر کیا تھا بے شک وہ لوگ دوزخ والے ہیں ۝''

اُمم سابقہ کی قرآنی تاریخ اس حقیقت کی منہ بولتی تصویر ہے اور پیغمبرانہ بلاغ موافق اور مخالف دونوں طبقات کے لئے فیصلہ کن امر اور نتیجہ خیز عمل تھا اور اس کی تمام تر تاثیر انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور ان کی زندگی کے عملی نمونہ میں مضمر تھی۔ ورنہ انبیاء و رسل کو مبعوث کئے بغیر ہی اُلوہی وعدہ لوگوں تک پہنچا دیا جاتا۔

۹۔ بَلٰغٌ ج فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝[2]

''(یہ اللہ کی طرف سے) پیغام کا پہنچایا جانا ہے، نافرمان قوم کے سوا دیگر لوگ ہلاک نہیں کئے جائیں گے ۝''

گویا پیغمبرانہ دعوت کی تاثیر یہ تھی کہ اس نے لبیک کہنے والوں کو بچا لیا اور گردن پھیرنے والوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ یہ اُصول قرآن میں اس طرح بھی واضح کیا گیا ہے:

۱۰۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝[3]

''آپ پر تو صرف (احکام کے) پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے ۝''

اگر دعوت کا انکار کرنے والے انکار کر کے بھی تباہی و ہلاکت اور عذاب الٰہی سے بچ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دعوت ابھی ابلاغ کامل کے درجے کو نہیں پہنچی کیونکہ دعوت اور بلاغ اگر کامل ہوں تو مثبت اور منفی ہر دو نتائج کا ظاہر ہونا لابدی ہے۔

قرآن اپنی نسبت یہی دعویٰ کر رہا ہے کہ ''ھذا بلاغ للناس'' یعنی قرآن کی دعوت، دعوتِ کاملہ ہے اس کے اُصولوں پر چلنا زندگی کی ضمانت ہے اور اس سے انحراف موت کا پیش خیمہ ہے۔

---

(۱) المومن، ۴۰: ۶

(۲) الاحقاف، ۴۶: ۳۵

(۳) الرعد، ۱۳: ۴۰

(۲) للناس

''للناس'' سے مراد یہ ہے کہ دعوت محمدی ﷺ یعنی قرآن، نسل انسانی کے تمام طبقات کے لئے مساوی ہے۔ مسلم ہوں یا غیر مسلم، عروج و زوال اور کامیابی و ہلاکت کے خدائی قوانین اٹل ہیں۔ جو شخص قرآن کی بیان کردہ ڈگر پر چلے گا، عظمت و کمال سے ہمکنار ہوگا۔ جو کوئی اس ڈگر سے ہٹے گا ذلت و رسوائی کا شکار ہوگا، اسی فیصلے کا نام مشیت ایزدی ہے۔

علامہ زمخشری تفسیر الکشاف میں ''بلاغ'' کا معنی ''**كفاية في التزكير والموعظة**''(۱) کرتے ہوئے اس آیت کے سیاق و سباق کے حوالے سے اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں۔ چونکہ قرآنی دعوت کا مقصد تمام بنی نوع انسان کو کفر و عصیان کے ظلم کدے سے نکال کر نورِ ہدایت سے آشنا کرنا ہے۔

(۳) قرآنی بلاغ اور سیرتِ محمدی ﷺ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔(۲)

''الف لام را (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں) یہ (عظیم) کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اُتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کے) نور کی جانب لے آئیں۔''

یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ یہ کتاب اس لئے اُتاری گئی ہے کہ یہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے بلکہ لوگوں کو اندھیروں سے نکالنا اور روشنی کی طرف لے جانا رسول خدا ﷺ کا کام ہے۔ قرآنِ مجید تو نبوی سامان ہے جس کی مدد سے حضور نبی اکرم ﷺ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ گویا قرآن سارے کا سارا سیرتِ محمدی ﷺ کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آ رہا ہے۔ وہ جو کچھ بصورتِ کلام سنتے ہیں اسے سیرت محمدی ﷺ کی صورت میں عملاً دیکھتے ہیں، اسی دیکھنے اور پرکھنے سے اتمامِ حجت وجود میں آتا ہے اور وہ نورِ حق کی طرف چلنے کے قابل ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضي الله عنهما کے درج ذیل کلمات سے یہ حقیقت خوب

(۱) زمخشري، الكشاف، ۲: ۵۳۲

(۲) ابراهيم، ۱۴: ۱

عیاں ہو جاتی ہے۔ جب ان سے کسی سائل نے پوچھا کہ قرآن میں نمازِ سفر (قصر) کی تفصیل نہیں ہے تم لوگ کیسے ادا کرتے ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إنّ الله بعث إلينا محمداً ولا نعلم شيئًا فإنّما نفعل كما رأيناه يفعل۔(۱)

''بے شک ہماری طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا ہے اور ہم کچھ نہیں جانتے تھے، ہم تو بس وہی کچھ کرتے ہیں جو انہیں کرتا دیکھتے ہیں۔''

اس لئے ''هذا بلاغ للناس'' کے اعلان کے بعد اس کے تین بنیادی مقصد بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ **ولينذروا به** کہ اس کے ذریعے لوگ ڈرائے جائیں اور ان پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار ہو جائے کہ خدائی قوانین کی اس نبوی دعوت سے انحراف کر کے ہم تباہی و ہلاکت سے نہیں بچ سکتے۔

۲۔ **وليعلموا إنما هو إله واحد** وہ آگاہ ہو جائیں کہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے۔ یعنی یہ حقائق انہیں ذہنی طور پر اس نتیجے پر لے آئیں کہ کائنات میں فیصلہ کن طاقت صرف رب ذوالجلال کی ہے تاکہ وہ ہر طاغوتی قوت کے سامنے جھکتے نہ پھریں۔

۳۔ **وليذكر أولوا الألباب** اہل شعور نصیحت حاصل کریں اور اپنی جدوجہد کو اخلاص و تقویٰ سے مزین کرلیں۔

گویا فریضۂ رسالت کی تکمیل یہ ہے کہ قرآنی پیغام کے ذریعے بنی نوع انسان خوفِ خدا سے آشنا ہو اور خوف خدا کی کیفیت ان میں فکر و نظر کی وہ استعداد پیدا کر دے کہ وہ ماسویٰ اللہ کے خوف سے آزاد ہو جائیں۔ بقول علامہ محمد اقبال:

هر که رمز مصطفی فهمیده است
شرك را در خوف مضمر دیده است

پھر شرک کی تمام آلودگیوں سے نجات پا کر ان کی زندگیاں اس طرح انقلاب آشنا ہوں کہ وہ حیاتِ عالم کے انداز بدل ڈالیں۔ اگر قرآنی دعوت اور نگاہ محمدی کے فیضان سے یہ انقلاب بپا نہ ہوا ہوتا تو صحابہ کرام ﷺ اپنی جدوجہد سے تاریخِ عالم کا رخ نہ بدل سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے

(۱) قاضي عياض، الشفاء، ۲: ۱۳

صحابہ کرام ﷺ کی انقلابی سیرت کا ذکر بھی معیتِ محمدی ﷺ کے ساتھ لف کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔[1]

”محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (ﷺ) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔ آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے، سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ (صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔“

قرآنی بلاغ سے جس انسانی طبقہ میں سب سے پہلا اور سب سے اعلیٰ انقلاب آیا وہ جماعت صحابہ تھی۔ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ ان کی سیرت و کردار کی صالحیت اور ان کے ایمانی انقلاب کا مرکز و محور بھی معیتِ محمدی ﷺ کا ہی فیضان تھا۔ گویا ان کی سیرتوں میں جو حسن و بہار دکھائی دے رہی ہے وہ محض سیرتِ محمدی ﷺ کی جھلک ہے کیونکہ بلاغ ربانی کا سارا ابلاغ اسی سیرتِ طیبہ کے ذریعے سے ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج نہ تو قرآنی دعوت کی تاثیر ختم ہوئی ہے اور نہ سیرتِ محمدی ﷺ کا فیضان منقطع ہوا ہے، ہماری تباہی کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم خلوصِ دل سے کاسۂ طلب لے کر ادھر متوجہ ہی نہیں ہوتے وگرنہ ”ھذا بلاغ للناس“ کی قرآنی آواز بھی ہمارے درِ دل پر دستک دے رہی ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہرو منزل ہی نہیں

۶۔ سیرتِ محمدی ﷺ اور قرآنی قانونِ عروج و زوال

تاریخِ اسلام حقیقت میں سیرتِ محمدی ﷺ اور اُمت کی اجتماعی زندگی پر اس کے اثرات سے عبارت ہے۔ اس لحاظ سے یہ تاریخ دو ادوار پر منقسم ہے دورِ رسالت اور دور مابعد رسالت۔

(۱) الفتح، ۴۸: ۲۹

تاریخ اس امر کی شہادت ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ کے اتباع سے اُمت میں عروج اور انحراف سے زوال ہوتا رہا ہے۔ اس لئے تاریخِ اسلام کی توجیہہ ایسے آفاقی قانون کے حوالے سے ہونی چاہیے جس سے اُمت کے عروج و زوال کی تشریح اور ان کے اسباب کا استخراج ایک ہی اُصول سے ہو سکے۔ آج مطالعہ تاریخ میں یہ مقصدیت برقرار نہیں رہی اس لئے اس میں کوئی جان، ولولہ اور اثر انگیزی بھی باقی نہیں رہی کیونکہ تاریخ کا مطالعہ صرف اقوام و ملل کی ترقی و انحطاط کی داستان سے مختص ہو کر رہ گیا ہے۔ قرآن کے نزدیک تاریخ مختلف اقوام کے حالات کے ایسے عبرت انگیز جائزے اور مشاہدے کا نام ہے جس سے اپنی ملت کا مستقبل سنوارنے کی نہ صرف اُمنگ پیدا ہو بلکہ واضح لائحہ عمل بھی متعین ہو سکے۔ ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ (۱)

”تو کیا انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی کہ (شاید ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل (ایسے) ہو جاتے جن سے وہ سمجھ سکتے یا کان (ایسے) ہو جاتے جن سے وہ (حق کی بات) سن سکتے، تو حقیقت یہ ہے کہ (ایسوں کی) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں ۝“

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج ہم سیرت اور تاریخِ اسلام کا مطالعہ قرآن کے مطابق دل بینا سے نہیں کر رہے، بلکہ اپنے ماضی کا جائزہ ایسی بے بصیرتی سے لے رہے ہیں جس میں مستقبل کے لئے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ ایسا مطالعہ جو یاس و نا اُمیدی کا باعث ہو مردہ ہے۔ کیونکہ اسلام کے نزدیک مطالعہ تاریخ کا فلسفہ حصول عبرت و ہدایت ہے۔ اگر یہ مطالعہ جاندار ہو تو اسی میں مستقبل کے لئے حیات بخشی کی ضمانت بھی مضمر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۲۔ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ (۲)

”فرما دیجئے: تم زمین میں سیر و سیاحت کرو پھر دیکھو مجرموں کا انجام کیسا ہوا ۝“

قرآن خود بھی ایک حیثیت سے انبیاء ماسبق کی تاریخ ہے اور قرآن نے اپنے اندر سابقہ

---

(۱) الحج، ۲۲: ۴۶

(۲) النمل، ۲۷: ۶۹

انبیاء و اُمم کے حوالے سے تاریخی واقعات کے بیان کئے جانے کا فلسفہ خود ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

۳۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○(۱)

''اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے سب حالات آپ کو سنا رہے ہیں جس سے ہم آپ کے قلبِ (اطہر) کو تقویت دیتے ہیں، اور آپ کے پاس اس (سورت) میں حق اور نصیحت آئی ہے اور اہلِ ایمان کے لئے عبرت (و یاد دہانی بھی)○''

آیتِ مذکورہ سے تین اُصول اخذ ہوتے ہیں۔

پہلا یہ کہ اسلام کی تاریخ اور مطالعہ سیرتِ انبیاء، اہلِ ایمان کے لئے باعثِ حوصلہ و یقین اور وجہ تسکین قلب ہونا چاہیے تاکہ وہ ان کے لئے سرچشمہ حیات ثابت ہو۔

دوسرا یہ کہ اسلام کی تاریخ اور مطالعہ سیرتِ انبیاء سے اہلِ نظر کو حق پر مشتمل ایک ایسا واضح کائناتی اُصول اور ضابطہ میسر آنا چاہیے جس کے ذریعے عروج و زوال کی ایک ہمہ گیر توجیہہ ہو سکے۔

تیسرا یہ کہ اسلام کی تاریخ اور مطالعہ سیرتِ انبیاء سے اہلِ بصیرت کو مستقبل کے لئے ایسی موعظت و نصیحت اور واضح ہدایت نصیب ہونی چاہیے جس سے وہ اپنے احیاء و تجدید کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔

اگر بنظرِ غائر جائزہ لیں تو یہ حقیقت آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی کہ یہ تینوں چیزیں تبھی ممکن ہیں اگر تاریخِ اسلام اور سیرت نبوی ﷺ کے ہر واقعے سے بالآخر ایک ہی نتیجہ اور ایک ہی اُصول اخذ ہو رہا ہو۔ وحدتِ نتائج کے بغیر کوئی عملی افادیت باقی نہ رہے گی اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ حق کی پیروی سے بالآخر فتح اور حق کی خلاف ورزی سے بالآخر شکست متحقق ہوتی ہے۔ اسی کو فنِ تاریخ کی اصطلاح میں کائناتی قانون عروج و زوال کہتے ہیں جس کا اعلان قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے:

۴۔ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ○(۲)

''نافرمان قوم کے سوا دیگر لوگ ہلاک نہیں کئے جائیں گے○''

(۱) هود، ۱۱: ۱۲۰

(۲) الأحقاف، ۴۶: ۳۵

گویا تباہی و ہلاکت صرف حق سے انحراف کا نتیجہ ہے۔

(۱) سیرتِ نبوی ﷺ اور قرآنی قانون عروج و زوال کی روشنی میں حق و باطل کا مفہوم

اس قانونِ عروج و زوال کی وضاحت ''مفہوم حق'' سمجھے بغیر نہیں ہوسکتی۔ عام مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ عروج و زوال کے اس تاریخی قانون میں بھی حق و باطل سے مراد شاید اسلام کا اقرار اور انکار ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ سورہ البقرہ میں اس امر کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝[1]

''تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب تمہارے لئے زمین میں ہی معیّنہ مدت تک جائے قرار ہے اور نفع اٹھانا مقدر کر دیا گیا ہے ۝''

یہاں دو امر بڑے واضح ہیں۔

ایک یہ کہ بین الاقوامی انسانی زندگی اپنے اندر باہمی عناد و عداوت اور جنگ در جنگ کی خصوصیت رکھتی ہے اور اسے فی الواقع اس صورت حال سے کلیتاً محفوظ نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا یہ کہ تمام انسانوں کو اس سر زمین پر جینے اور خود کو مستحکم کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ یہاں متاع سے مراد جینے کے ذرائع اور مستقر سے مراد باعزت طور پر رہنے کے حالات ہیں۔ گویا یہ دو حق باری تعالیٰ نے بلا تخصیص عالم انسانیت کو تفویض کیے ہیں۔

لیکن انسانوں میں سے کچھ لوگ دوسروں سے جینے اور باعزت طور پر رہنے کا حق چھیننا چاہیں گے۔ ان کی بقاء، دوام اور فروغ و ارتقاء کے راستے مسدود کرنا چاہیں گے۔ جب کہ کچھ ان حقوق کے تحفظ کے لئے جان کی بازی بھی لگانے کو تیار ہوں گے۔ چنانچہ انسانیت کو بنیادی حقوق سے محروم کرنے کی جدوجہد باطل ہے اور ان کے تحفظ کی جدوجہد حق۔

قرآنی ہدایت انسانیت کو خوف و غم کی اسی صورت حال سے نجات دلانے کے لئے نازل ہوئی ہے کیونکہ آیتِ متذکرہ کے بعد یہ اعلانِ ربانی کیا جا رہا ہے:

۲۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝[2]

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۳۶

(۲) البقرۃ، ۲: ۳۸

’’پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے o‘‘

لہٰذا حق سے مراد نسلِ آدم کی نشوونما کا راستہ کھولنا ہے اور باطل سے مراد استحصال اور ظلم و جبر بلا امتیاز مسلم وغیر مسلم جو طبقہ حق کے لئے یعنی انسانیت کی بقاء و ارتقاء کی جنگ لڑے گا کامیاب و کامران ہوگا اور جو طبقہ باطل کے لئے یعنی انسانی مفادات کے خلاف لڑے گا ناکام و نامراد ہوگا۔ یہی فلسفہ ارتقاء یا قانون نشوونما ہے جس سے تاریخ اسلام میں عروج و زوال کا رخ متعین ہوتا چلا آتا ہے۔ اسی کو قرآن ان لفظوں میں بیان کرتا ہے:

۳۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاo وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاo (۱)

’’بیشک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشوونما کی)o اور بیشک وہ شخص نامراد ہوگیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا (اور نیکی کو دبا دیا)o‘‘

دراصل اسی قانون کے اطلاق کو ’’مشیت ایزدی‘‘ کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ امر طے پا گیا کہ تاریخِ اسلام میں جب تک مسلمان اس حقیقت سے آگاہ ہو کر انسانیت کی فلاح اور حق کی حفاظت کے لئے خون کی بازی لگاتے رہے اور بصورتِ جہاد جانیں قربان کرتے رہے۔ وہ کامیابی اور فتح و کامرانی سے ہمکنار رہے اور جب سے وہ باطل کی استحصالی و طاغوتی قوتوں سے ٹکر لینے کی بجائے خود مزعومہ مفادات کا شکار ہو گئے۔ ناکامی و نامرادی ان کا مقدر بن گئی۔ آپ اسلام کی پہلی صدی کی عظمت وسطوت اور اس میں کامیابیوں کی رفتار کا جائزہ لیں تو اس کے مقابل کوئی دوسرا دور نظر نہ آئے گا۔ کبھی آپ نے اس کی اصل وجہ پر غور کیا۔ وہ یہ تھی کہ اس دور کے مسلمان ہر وقت حق کی خاطر کٹ مرنے کو تیار تھے۔ اسلامی وقار کا مسئلہ ہو یا قومی بدعہدی کا، انکار زکوٰۃ کا مسئلہ ہو یا کسی ایک بیٹی کی عصمت کا۔ الغرض جہاں بھی باطل حق سے متصادم ہوا، اہل ایمان کی تلوار نکل آئی اور معرکۂ جہاد میں ہزاروں جانوں کا نذرانہ دے کر حق کی آبرو کو بچا لیا۔ یہی وہ غیرت وحمیت تھی جس نے اسلام کو پورے عالم میں سرخرو کیا اور فتنہ وفساد بپا کرنے کی سازشیں بالآخر ہمیشہ ناکام ہو جاتی رہیں۔ قرآن حکیم کا حکم ملاحظہ ہو:

(۱) الشمس، ۹۱: ۹، ۱۰

۴۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ○ (۱)

”اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے نہ ہٹاتا رہتا تو زمین (میں انسانی زندگی بعض جابروں کے مسلسل تسلّط اور ظلم کے باعث) برباد ہو جاتی○“

ایک اور مقام پر مذکور ہے

۵۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللهِ كَثِيْرًا۔ (۲)

”اور اگر اللہ انسانی طبقات میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ (جہاد و انقلابی جدوجہد کی صورت میں) ہٹاتا نہ رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں (یعنی تمام ادیان کے مذہبی مراکز اور عبادت گاہیں) مسمار اور ویران کر دی جاتیں جن میں کثرت سے اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے۔“

گویا حق اور مذہب کی سلامتی کا راز بھی جان کی بازی لگانے میں مضمر رہا ہے اس تصور کو مزید یوں واضح کیا گیا ہے:

۶۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ۔ (۳)

”اور تمہارے لئے قصاص (یعنی خون کا بدلہ لینے) میں ہی زندگی (کی ضمانت) ہے اے عقلمند لوگو!“

زوالِ بغداد کے بعد عثمانی ترکوں کی صورت میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ ہوئی تھی لیکن اس کے خلاف طاغوتی و سامراجی قوتیں متحد ہو گئیں اور بالآخر اسلام کا شیرازہ پھر منتشر ہو گیا۔ آج مغربی و صیہونی فکر کے اساطین نے اسلام کے تصورِ جہاد کو جارحیت اور اپنی بہیمانہ توسیع پسندی کو بحالی جمہوریت کا نام دے کر مسلمانوں کو محض دفاع کے لئے جینے پر آمادہ کر لیا ہے اور ملت اسلامیہ اس حیثیت کو نظر انداز کر چکی ہے کہ دفاع کسی باعزم اور باہمت قوم کا مقصد نہیں ہو سکتا محض دفاع تدریجی خودکشی کا نام ہے۔ زندگی دفاع سے نہیں اپنے حق کے لئے آگے بڑھ کر وار کرنے سے میسر آتی ہے۔

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۱

(۲) الحج، ۲۲: ۴۰

(۳) البقرة، ۲: ۱۷۹

علامہ اقبال مغربی اندازِ فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر
میں پوچھتا ہوں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قانون عروج و زوال جو قرآن، سنت، سیرت نبوی اور تاریخ اسلام سے متعین ہوتا ہے دو اصولوں پر مشتمل ہے:

۱۔ اُصول جہاد

۲۔ اُصول انفاق

(ا) جہاد سے بقاء کی ضمانت ملتی ہے

اس سے مراد یہ ہے کہ جان کی بازی لگانے سے گریز کرنے والی قوم صفحہ ہستی سے مٹا دی جاتی ہے اور جہاد کو سیرت بنانے والی قوم کی بقاء کی ضمانت باقی رہتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○(۱)

”(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا○“

(۱) التوبۃ، ۹: ۲۴

۲۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ○ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۚ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ○ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ○[1]

"اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں (ہاں) مگر حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا○ اور (دورانِ جنگ) ان (کافروں) کو جہاں بھی پاؤ مار ڈالو اور انہیں وہاں سے باہر نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت (جرم) ہے اور ان سے مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) کے پاس جنگ نہ کرو جب تک وہ خود تم سے وہاں جنگ نہ کریں، پھر اگر وہ تم سے قتال کریں تو انہیں قتل کر ڈالو، (ایسے) کافروں کی یہی سزا ہے○ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے○ اور ان سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی روا نہیں○"

۳۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۚ وَاللهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○[2]

"(اللہ کی راہ میں) قتال تم پر فرض کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں طبعاً ناگوار ہے، اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بہتر ہو، اور (یہ بھی) ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو، اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بری ہو، اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے○"

۴۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۹۰۔۱۹۳

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۱۶

بَعْضُکُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ج فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللهِ ط وَاللهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○ (۱)

’’پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرما لی (اور فرمایا) یقیناً میں تم میں سے کسی محنت والے کی مزدوری ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے میں سے (ہی) ہو، پس جن لوگوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیے اور (اسی کے باعث) اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور (میری خاطر) لڑے اور مارے گئے تو میں ضرور ان کے گناہ ان (کے نامۂ اعمال) سے مٹا دوں گا اور انہیں یقیناً ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ اللہ کے حضور سے اجر ہے اور اللہ ہی کے پاس (اس سے بھی) بہتر اجر ہے ○‘‘

۵۔ فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ط وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ○ وَمَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ ج وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ج اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ○ (۲)

’’پس ان (مومنوں) کو اللہ کی راہ میں (دین کی سربلندی کے لئے) لڑنا چاہیے جو آخرت کے عوض دنیوی زندگی کو بیچ دیتے ہیں، اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرے، خواہ وہ (خود) قتل ہو جائے یا غالب آجائے تو ہم (دونوں صورتوں میں) عنقریب اسے عظیم اجر عطا فرمائیں گے ○ اور (مسلمانو!) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں (غلبۂ دین کے لئے) اور ان بے بس (مظلوم و مقہور) مردوں، عورتوں اور بچوں (کی آزادی) کے لئے

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹۵

(۲) النساء، ۴: ۷۴۔ ۷۶

جنگ نہیں کرتے جو (ظلم وستم سے تنگ ہو کر) پکارتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جہاں کے (وڈیرے) لوگ ظالم ہیں اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا کارساز مقرر فرما دے اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا مددگار بنا دے!o جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں (نیک مقاصد کے لئے) جنگ کرتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ شیطان کی راہ میں (طاغوتی مقاصد کے لئے) جنگ کرتے ہیں، پس (اے مومنو!) تم شیطان کے دوستوں (یعنی شیطانی مشن کے مددگاروں) سے لڑو، بیشک شیطان کا داؤ کمزور ہےo‘‘

۶۔ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًاo دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo(۱)

’’مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو (جہاد سے جی چرا کر) بغیر کسی (عذر) تکلیف کے (گھروں میں) بیٹھ رہنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں (یہ دونوں درجہ وثواب میں) برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر مرتبہ میں فضیلت بخشی ہے اور اللہ نے سب (ایمان والوں) سے وعدہ (تو) بھلائی کا (ہی) فرمایا ہے، اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو (بہر طور) بیٹھ رہنے والوں پر زبردست اجر (و ثواب) کی فضیلت دی ہےo اس کی طرف سے (ان کے لئے بہت) درجات ہیں اور بخشائش اور رحمت ہے، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہےo‘‘

۷۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌo(۲)

’’اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ (ان کی

(۱) النساء، ۴: ۹۵، ۹۶

(۲) المائدۃ، ۵: ۵۴

جگہ) ایسی قوم کو لائے گا جن سے وہ (خود) محبت فرماتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے وہ مومنوں پر نرم (اور) کافروں پر سخت ہوں گے اللہ کی راہ میں (خوب) جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ یہ (انقلابی کردار) اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ وسعت والا (ہے) خوب جاننے والا ہے٥‘‘

۸۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ج وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ٥ (۱)

’’بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیئے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے (مگر انہوں نے (اللہ کے لئے) گھر بار نہ چھوڑے تو تمہیں ان کی دوستی سے کوئی سروکار نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین (کے معاملات) میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر (ان کی) مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں (مدد نہ کرنا) کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح و امن کا) معاہدہ ہو، اور اللہ ان کاموں کو جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے٥‘‘

۹۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ٥ (۲)

’’ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے،

---

(۱) الانفال، ۸: ۷۲

(۲) الحجرات، ۴۹: ۱۵

یہی وہ لوگ ہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں٥‘‘

۱۰۔ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ٥(۱)

’’بیشک اللہ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اُس کی راہ میں (یوں) صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں٥‘‘

۱۱۔ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ٥ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ٥ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ٥ وَأُخْرٰى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ٥(۲)

’’اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتادوں جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے٥ (وہ یہ ہے کہ) تم اللہ پر اور اُس کے رسول (ﷺ) پر (کامل) ایمان رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو٥ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور نہایت عمدہ رہائش گاہوں میں (ٹھہرائے گا) جو جناتِ عدن (یعنی ہمیشہ رہنے کی جنتوں) میں ہیں، یہی زبردست کامیابی ہے٥ اور (اس اُخروی نعمت کے علاوہ) ایک دوسری (دنیوی نعمت بھی عطا فرمائے گا)۔ جسے تم بہت چاہتے ہو، (وہ) اللہ کی جانب سے مدد اور جلد ملنے والی فتح ہے، اور (اے نبیِ مکرّم!) آپ مومنوں کو خوشخبری سنادیں (یہ فتحِ مکہ اور فارس و روم کی فتوحات کی شکل میں ظاہر ہوئی)٥‘‘

اسی اصول کی تصریح کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے اُمت کو جہاد کی ترغیب ان الفاظ میں دی:

۱۔ عَن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من مات ولم يغز، ولم يحدّث به

(۱) الصف، ۶۱: ۴

(۲) الصف، ۶۱: ۱۰۔۱۳

نفسه مات على شعبة من نفاق۔(۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مر جائے اور جہاد نہ کرے اور نہ جہاد کرنے کی نیت کرے تو وہ منافق کی حیثیت سے مرا۔''

۲۔ ما ترک قوم الجهاد إلّا عمّهم الله بالعذاب۔(۲)

''(جب بھی) کسی قوم نے جہاد کو ترک کیا تو اللہ نے اسے عذاب میں مبتلا کر دیا۔''

چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس اُصول کی عملی تفسیر اپنی سیرت طیبہ سے فراہم فرمائی جس کا ظہور ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔ اس میں آپ ﷺ نے کفر و شرک، فسق و منافقت، ظلم و استحصال، جبر و تشدد، مکر و فریب، جہالت و گمراہی اور حق تلفی و ناانصافی کی بنیادوں پر قائم کیے گئے نظام کو چیلنج کر دیا۔

آپ ﷺ نے معاشرت، معیشت اور سیاست کے تمام غیر منصفانہ ضابطے عملاً مسترد کر دیئے اور ان کی جگہ دینِ حق کی اقامت اور غلبہ و نفاذ اسلام کی انقلابی جدوجہد کا آغاز فرما دیا۔ یہ جدوجہد سرزمینِ مکہ و مدینہ، بلکہ خطہ عرب سے نکل کر روم و ایران کی سلطنتوں تک جا پہنچی اور اس کی صدائے بازگشت شرق سے غرب تک سنائی دینے لگی۔ اس دور میں کبھی آپ ﷺ میدانِ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صف آراء کرتے نظر آتے ہیں، کبھی انہیں اُحد کے موروچوں پر متعین کرتے دکھائی دیتے ہیں، کبھی اُحد ہی میں دشمنوں کے پتھروں اور تیروں سے آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید اور رخسار انور زخمی ہوتی ہیں، کبھی شکم اقدس پر بھوک کے باعث پتھر باندھ کر خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ خندق کھودتے ہیں، کبھی خیبر اور قریظہ کے غزوات میں نظر آتے ہیں، کبھی حنین اور طائف کے غزوات میں، کبھی بنی نضیر میں اور کبھی وادیٔ قریٰ میں، کبھی ذات العشیرہ میں، کبھی غلبہ میں، کبھی ودان میں، کبھی ابواء میں اور کبھی بواط میں۔ الغرض اعلاء حق کی انقلابی جدوجہد کے آغاز کے ساتھ ہی مخالفتوں،

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب ذم من مات، ۳: ۱۵۱۷، رقم: ۱۹۱۰

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الجهاد، باب كراهية ترك الغزو، ۳: ۱۰، رقم: ۲۵۰۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۷۴، رقم: ۸۸۵۲

۴۔ أبو عوانه، المسند، ۴: ۴۹۲، رقم: ۷۴۵۱

(۲) طبراني، المعجم الأوسط، ۴: ۱۴۹، رقم: ۳۸۳۹

عداوتوں اور مزاحمتوں کا ہر طرف سے گھیر لینے والا طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور پے در پے جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مدنی دور صرف دس برس کا ہے مگر اس میں کم و بیش تراسی (۸۳) جنگیں ہوئی ہیں۔ طبقات ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق ان میں سے ستائیس (۲۷) غزوات ہیں جن میں حضور ﷺ بذاتِ خود شریکِ جہاد ہوئے اور چھپن (۵۶) سرایا ہیں جن میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر روانہ فرمائے۔ الغرض آپ ﷺ کی پوری حیات مبارکہ اور سیرت طیبہ سراپا جہاد نظر آتی ہے۔

(۲) اِنفاق سے نشو و نما کے راستے کھلتے ہیں

اس سے مراد یہ ہے کہ مختلف انسانی طبقات کی بقاء، فروغ اور ان کے ارتقاء و نشو و نما کے لئے وسائل خرچ کر کے ان کے حقوق و مفادات کے لئے لڑنے والے کامیاب ہوتے ہیں اور بخل و اکتناز اور دسیسہ کاری میں مبتلا اقوام تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ قرآن اس اصول کی تائید اس طرح کرتا ہے:

۱۔ هَـٰٓأَنتُمْ هَـٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ۖ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ۖ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ ٱلْغَنِىُّ وَأَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا۟ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوٓا۟ أَمْثَـٰلَكُم ۝ (۱)

”یاد رکھو تم وہ لوگ ہو جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بُخل کرتے ہیں، اور جو کوئی بھی بُخل کرتا ہے وہ محض اپنی جان ہی سے بخل کرتا ہے، اور اللہ بے نیاز ہے اور تم (سب) محتاج ہو، اور اگر تم (حکمِ الٰہی سے) رُوگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ بدل کر دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے۝“

۲۔ ٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِٱلْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَـٰهُمْ يُنفِقُونَ ۝ (۲)

”جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں۝“

---

(۱) محمد، ۴۷: ۳۸

(۲) البقرۃ، ۲: ۳

۳۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۝(۱)

”اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)، اسی طرح اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۝“

۴۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝(۲)

”اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور (کافروں کے لئے) نہ کوئی دوستی (کارآمد) ہوگی اور نہ (کوئی) سفارش، اور یہ کفار ہی ظالم ہیں۝“

۵۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ج فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۝(۳)

”اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے آپ کو (ایمان و اطاعت پر) مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو اس پر زوردار بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے اور اگر اسے زوردار بارش نہ ملے تو (اسے) شبنم (یا ہلکی سی پھوار) بھی کافی ہو، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۝“

۶۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۹

(۲) البقرة، ۲: ۲۵۴

(۳) البقرة، ۲: ۲۶۵

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌo [1]

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کر لو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز لائقِ ہر حمد ہےo‘‘

۷۔ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَيُدْخِلُهُمُ اللهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُo [2]

’’اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo اور مہاجرین اور ان کے مددگار (انصار) میں سے سبقت لے جانے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے اور درجۂ احسان کے ساتھ اُن کی پیروی کرنے والے، اللہ ان (سب) سے راضی ہوگیا اور وہ (سب) اس سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی زبردست کامیابی ہےo

۸۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌo اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۶۷

(۲) التوبۃ، ۹: ۹۹، ۱۰۰

وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○(1)

"آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرما دیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے○ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے○"

۹۔ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ○(2)

"اورتم اس (مال) میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اِس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کی مہلت اور کیوں نہ دے دی کہ میں صدقہ و خیرات کرلیتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتا○"

۱۰۔ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ○ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ○ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا○ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا○(3)

"یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتے○ اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو○"

۱۱۔ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ○ فَكُّ رَقَبَةٍ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ○ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ○ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ○(4)

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۳، ۱۰۴

(۲) المنافقون، ۶۳: ۱۰

(۳) الفجر، ۸۹: ۱۷۔۲۰

(۴) البلد، ۹۰: ۱۲۔۱۶

''اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہے○ وہ (غلامی ومحکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہے○ یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)○ قرابت دار یتیم کو○ یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہے○''

۱۲۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی○ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی○ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی○(۱)

''پس جس نے (اپنا مال اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری اختیار کی○ اور اس نے (اِنفاق وتقویٰ کے ذریعے) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کی تصدیق کی○ تو ہم عنقریب اسے آسانی (یعنی رضائے الٰہی) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے○ اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پرواہ رہا○ اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا○ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)○''

۱۳۔ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی○ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی○ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی○ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی○ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی○(۲)

''اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیزگار شخص کو بچا لیا جائے گا○ جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرے○ اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو○ مگر (وہ) صرف اپنے ربِ عظیم کی رضا جوئی کے لئے (مال خرچ کر رہا ہے)○ اور عنقریب وہ (اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے) راضی ہو جائے گا○''

(۱) اللیل، ۹۲: ۵۔۱۰

(۲) اللیل، ۹۲: ۱۷۔۲۱

عملِ انفاق میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ ہی نمونہ کمال ہے

معاشرتی زندگی میں حضور نبی اکرم ﷺ کا طرزِ عمل نفع بخشی، فیض رسانی اور ایثار و انفاق کا اس قدر نمونہ کامل تھا کہ آپ ﷺ نے معاشرے سے فقر و فاقہ اور معاشی تعطل رفع کرنے کے لئے اپنی ساری کی ساری دولت لٹا دی تھی۔ اس حقیقت کا اندازہ حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتا ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا:

۱۔ **قال ﷺ: لو كان لي مثل أحد ذهبا لسرّني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلّا شيئًا أرصده لدين۔**(۱)

''آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے پاس اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے اس بات میں دلی مسرت ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس میں سے کچھ نہ بچے سوائے اس کے کہ جس سے میں قرض ادا کرسکوں۔''

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے پیش کردہ نمونہ انفاق کی عملی جھلک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ملتی ہے اور اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی فقر و فاقہ میں کیوں بسر ہوتی تھی۔ وہ فرماتے ہیں:

فلمّا فتح الله عليه الفتوح فقال: أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفّي من المؤمنين فترك دينًا فعليّ قضاؤه ومن ترك مالا فلورثته۔(۲)

''جب فتوحات کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ کے وسائل کشادہ ہوگئے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ پس آپ اہلِ ایمان میں سے جو شخص بھی قرض چھوڑ کر مرے گا تو وہ میں ادا کروں گا اور اگر مال چھوڑ کر مرے گا تو اس کے مالک اس کے ورثا ہوں گے۔''

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے انفاق کا معمول بیان کرتے ہوئے یہاں تک

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب فضل الفقر، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۶، رقم: ۷۴۷۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب النفقات، باب الدين، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶
۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الفتن، باب ما جاء في سوال، ۳: ۳۸۲، رقم: ۲۱۷۶

روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ چھ سات دینار ہمارے گھر میں بچ گئے، جب کہ باقی سب کچھ راہ خدا میں انفاق کر دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ حضور ﷺ کے ایام مرض الموت کا ہے۔ آپ ﷺ ساری رات بے چین رہے، کروٹیں بدل کر رات گزار دی۔ صبح میں نے بے چینی کا سبب پوچھا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ دینار ابھی گھر میں ہی ہیں۔ کسی ضرورت مند کو کیوں نہیں دیئے گئے۔

ما ظن نبي الله لو لقي الله ﷻ وهذه عنده۔(۱)

''اگر ان دیناروں کے گھر میں ہوتے ہوئے خدا کا نبی خدا سے جا ملتا تو اس کا کیا حال ہوتا۔''

اسی تصور نے حضور نبی اکرم ﷺ کو رات بھر پریشان رکھا اور نیند تک نہ آنے دی۔ گویا اسوہ مصطفوی ﷺ یہ تھا کہ ۶، ۷ دینار بھی گھر میں چھوڑ کر وصال الٰہی کے تصور سے پریشان تھے اور حجاب محسوس فرما رہے تھے۔

۴۔ اصحاب سیر و حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سونے کی ڈلی بطور نذرانہ پیش کی گئی۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دے کر اسے ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیا۔ اتنے میں رات ڈھل گئی، مزید کوئی حاجتمند نہ آیا اور ڈلی کا کچھ ٹکڑا گھر میں باقی رہ گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہمارے گھر اطلاع کر دو۔ جب تک سونے کا ٹکڑا گھر پڑا ہے اور راہ خدا میں خرچ نہیں ہو جاتا میں رات مسجد میں ہی بسر کروں گا گھر نہیں لوٹوں گا۔

۵۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر کے دوران حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا:

من كان عنده فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان عنده فضل زاد فليعد به على من لا زاد له حتّى ظننا أنّه لا حق لأحد منّا في الفضل۔(۲)

''تم میں سے جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو وہ اس شخص کو لوٹا دے جسے کے

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۰۴، رقم: ۲۴۷۷۷

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكوٰة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۴: ۲۰۰، رقم: ۶۳۹۰

پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانا ہو وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہ ہو۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ فرماتے ہیں حتی کہ ہم نے یہ سمجھا کہ زائد از ضرورت کسی چیز میں بھی ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔"

۶۔ ایک اور مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا ابن آدم إنک أن تبذل الفضل خیر لک وأن تمسکه شر لک ولا تلام علی کفاف وأبدأ بمن تعول۔[1]

"اے بنی آدم اگر تو اپنی ضرورت سے بچا ہوا مستحقین پر خرچ کر دے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر تو اسے بچا کر رکھے تو یہ تیرے لئے نقصان دہ ہے اپنی ضرورت کے لئے بچا کر رکھنے پر کوئی ملامت نہیں اور تو انفاق و احسان ان لوگوں سے شروع کر جن کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہوتی ہے۔"

۷۔ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لیس المؤمن من الّذی یشبع وجاره جائع۔[2]

"وہ شخص ایمان دار نہیں ہوسکتا جو رات کو پیٹ بھر کر سو جائے درآنحالیکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔"

۸۔ حضور ﷺ کے جود و سخا کا یہی عالم دیکھ کر حضرت جابر ؓ روایت کرتے ہیں:

ما سئل رسول اللہ ﷺ شیئًا قط فقال: لا۔[3]

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب بیان أن الید العلیا، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الزھد، باب منه، ۴: ۵۷۵، رقم: ۲۳۴۳

(۲) ۱۔ بیھقی، السنن الکبری، ۱۰: ۳، رقم: ۱۹۴۵۲

۲۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۵۲

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب ما سئل رسول اللہ، ۴: ۱۸۰۵، رقم: ۲۳۱۱

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب، باب حسن الخلق، ۵: ۲۲۴۴، رقم: ۵۶۸۷

''حضور نبی اکرم ﷺ سے جب بھی کوئی چیز مانگی گئی آپ ﷺ کی زبان اقدس سے کبھی بھی ''نہیں'' کا لفظ نہ آیا۔''

انسانی تاریخ کے تناظر میں اگر ہم اقوامِ عالم کے احوال کے بدلنے اور بہتری کے لئے کی جانے والی کوششوں کا تجزیہ کریں تو تاریخ میں قوموں کے عروج و زوال کی توضیح کے حوالے سے کئی نظریات سامنے آتے ہیں:

۱۔ اولین نظریہ تاریخ کا میکانی نظریہ کائنات ہے۔جس کے مطابق وہ نظام کائنات میں کوئی مقصد مضمر نہیں ہے۔اس سے تاریخی حرکت کا عروج و زوال متعین ہو سکے۔

۲۔ تاریخی حرکت انسانیت کو زوال کی طرف لے جارہی ہے اور یہ مسیحی روایت سے میسر آنے والی فکر کا نتیجہ ہے۔

۳۔ تاریخی حرکت انسان کو عروج کی طرف لے جارہی ہے یہ نظریہ حیاتیاتی علوم او رنظریہ ارتقاء کے زیر اثر پیدا ہوا ہے۔

۴۔ تاریخی حرکت تصورات کی جدلیت کا نتیجہ ہے اس نظریہ کا بانی مغربی فلاسفر ہیگل ہے۔

۵۔ تاریخی حرکت معاشی کشمکش کی بنیاد پر مبنی ہے اور اس سے آگے بڑھتی ہے یہ نظریہ کارل مارکس کا دیا ہوا ہے الغرض قوموں کے عروج و زوال کا جو بھی نظریہ ہمارے سامنے آئے اس میں وہ واضح منہج موجود نہیں جس سے اقوام عالم کے زوال کے اسباب کا ادراک اور زوال کے تدارک کے ساتھ عروج کے حصول کا واضح منہاج میسر آتا ہو جبکہ قرآن حکیم کا دیا ہوا جو تصور اپنے اندر جامعیت کی شان رکھتا ہے کہ تاریخ تخلیق اقوام اور ان کی تجدید کا عمل ہے کہ جب بھی کوئی قوم زوال کا شکار ہوجائے تو حیات بخشی کے ضامن نصب العین کے ذریعے سے اس کے زوال کو عروج میں بدلا جا سکتا ہے۔قرآن حکیم نے بے شمار مقامات پر سابقہ اقوام اور ملل کے احوال کو بیان کر کے ان کے زوال کے اسباب کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے ہم نے اپنی تصنیف '' مقصد بعثت انبیاء کی جامعیت اور ہمہ گیریت'' میں اس کا تفصیلی بیان کیا ہے۔

قرآن حکیم ان بنیادی قوانین اور ضابطوں کو بھی بیان کرتا ہے جو قوموں کے مبتلائے زوال ہونے کے بعد مائل بہ عروج کرنے کی ضمانت دیتے ہیں اور سیرت الرسول ﷺ کی مکمل دور اور مدنی

دور میں کی جانے والی جدوجہد اور اس کی جزئیات قرآن حکیم کے بیان کردہ قوانین کی عملی تشریح کرتی ہیں۔

گویا سیرت الرسول ﷺ نظریاتی اور انقلابی حوالے سے بھی وہ جامع راہنمائی فراہم کرتی ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کو منزل آشنا کرنے کے لیے ایسا نظریہ اور فکر میسر ہو جس میں کسی قسم کی کمی نقص یا تشنگی نہ ہو اور اس فکر اور نظریے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اقوام منزل آشنا بھی ہو سکیں۔

باب ہفتم

سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت حقوقِ اِنسانی کے تناظر میں

سیرۃُ الرسول ﷺ کا انسانی حقوق کے حوالے سے مطالعہ کئی ایسے گوشوں کو ہمارے سامنے لاتا ہے جو اسلامی تہذیب کے ارتقاء کے فہم میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ اگر انسانی تہذیب کی تاریخ میں تصورِ حق کے متعارف ہونے اور نافذ ہونے کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہیکہ اسلام سے پہلے حقوق کا واضح تصور اور اس کے خدوخال کسی بھی تہذیب یا نظام میں موجود نہ تھے بلکہ طاقت ور کا قول ہی قانون ہوتا تھا۔ جملہ حقوق کا مستحق بھی طاقت ور ہی کو گردانا جاتا تھا حتیکہ ارسطو جیسے مفکر نے بھی غلامی کے ادارے کے لیے اپنی ریاست میں جواز فراہم کیا۔ لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے حق کا ایک ایسا جامع تصور دیا جو ذاتِ ربانی سے لیکر افرادِ معاشرہ پر عائد فرائض اور ذمہ داریوں تک سب پر محیط ہے یعنی ذاتِ الٰہی، درست بات، حقیقت پر مبنی قول اور افرادِ معاشرے کی عائد ایک دوسرے پر ذمہ داریاں، یہ سب حق کہلاتی ہیں۔ صرف یہ پہلو کہ افرادِ معاشرہ کے ایک دوسرے پر حقوق کیا ہیں ان کا دائرہ کار بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں اتنا وسیع ہے کہ اتنا جامع تصور آج کی جدید ترقی یافتہ دنیا میں بھی شائد ہی ملے۔ یعنی ایک فرد کے حقوق کو بیان کرتے ہوئے آپ نے پیدائش سے پہلے جب کہ فرد ابھی مرحلہ حمل میں ہے، اس کے حقوق کا آغاز کیا اور مرنے کے بعد تک فرد کے حقوق کو آپ ﷺ نے بیان فرمایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا دیا ہوا تصورِ حق، ذات، نسل، عقیدہ، علاقہ، زبان، عمر یا کسی بھی دوسرے امتیاز سے ماوراء ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کی تعریف و تحدید عادلانہ قوانین اور ضابطوں کے مطابق کر دی گئی ہو۔ اس باب میں ہم سیرت الرسول ﷺ کا اس تناظر میں مطالعہ کر رہے ہیں۔

اسلام پوری انسانیت کے لئے رحمت بن کر آیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانیت کو اسلام کی آفاقی تعلیمات عطا کر کے ہر نوع کی غلامی، جبر اور استحصال سے آزاد کر دیا۔ انسانیت پر آپ ﷺ کے اس احسان اور منصبِ نبوت کے اس پہلو کا تذکرہ قرآن حکیم نے یوں کیا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔(1)

---

(1) الأعراف، 7: 157

’’اور (یہ رسول گرامی ﷺ) اہلِ ایمان پر سے ان کے بارگراں اور طوق (قیود) جو ان پر (مسلط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔‘‘

آپ کی شانِ ’’إضاع إصر والأغلال‘‘ کا فیضان انفرادی و اجتماعی دونوں سطح پر رُو بہ عمل ہوا۔ انفرادی سطح پر اسلام نے افرادِ معاشرہ کو وہ حقوق عطا کیے جن کا شعور انسانیت آج حاصل کر رہی ہے۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ کے عطا کردہ بعض بنیادی اِنسانی حقوق

آپ ﷺ کے عطا کردہ نمایاں انفرادی حقوق یہ ہیں:

۱۔ زندگی کے تحفظ کا حق

۲۔ اِنسانی جان کی حرمت کا حق

۳۔ رحمِ مادر میں جنین کا حق

۴۔ عزتِ نفس کا حق

۵۔ عزت کی حفاظت کا حق

۶۔ نجی زندگی کے تحفظ کا حق

۷۔ شخصی راز داری کا حق

۸۔ سلامتی کا حق

۹۔ سماجی مساوات کا حق

۱۰۔ قانونی مساوات کا حق

۱۱۔ حصولِ اِنصاف کا حق

۱۲۔ آزادانہ سماعت کا حق

۱۳۔ دوسروں کے جرائم سے برات کا حق

۱۴۔ صفائی پیش کرنے کا حق

۱۵۔ آزادی کا حق

۱۶۔ شخصی آزادی کا حق

۱۷۔ مذہبی آزادی کا حق

۱۸۔ اِظہارِ رائے کی آزادی کا حق

۱۹۔ مریض کا حق

۲۰۔ طبی سہولیات کی فراہمی کا حق

۲۱۔ ملکیت کا حق

۲۲۔ بنیادی ضروریات کی کفالت کا حق

۲۳۔ تعلیم کا حق

۲۴۔ معاہدہ کرنے کا حق

۲۵۔ اَزدواجی زندگی کا حق

۲۶۔ خاندان کے قیام کا حق

۲۷۔ میت کا حق

اب ذیل میں ان حقوق کی وضاحت کی جاتی ہے:

۱۔ زندگی کے تحفظ کا حق

زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ عظیم نعمت ہے اور کسی بھی معاشرہ اور ریاست کی طرف سے فرد کو دیے جانے والے جملہ حقوق زندگی پر ہی منحصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں زندگی کے تحفظ کا حق اساسی نوعیت رکھتا ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے تقدس پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن حکیم نے بے شمار مقامات پر انسانی زندگی کی اہمیت اور تقدس کو بیان کیا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًاؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔[۱]

’’جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد (پھیلانے یعنی خونریزی اور ڈاکہ زنی

(۱) المائدہ، ۵: ۳۲

وغیرہ کی سزا) کے (بغیر ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے اسے (ناحق مرنے سے بچا کر) زندہ رکھا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو زندہ رکھا (یعنی اس نے حیاتِ انسانی کا اجتماعی نظام بچا لیا)۔"

اس آیت مبارکہ میں انسانی زندگی کی قدر و قیمت کو بیان کیا گیا ہے اور قرآن حکیم کے نزدیک انسانی زندگی کے تقدس کا یہ عالم ہے کہ ایک آدمی کا قتل پوری انسانیت کے قتل اور ایک فرد کی زندگی کا تحفظ پوری انسانیت کے تحفظ کے مترادف گردانا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے آخری تاریخی خطبہ میں اس بات پر زور دیا کہ اہلِ ایمان کی جان و مال اور عزت ایک دوسرے کیلئے اتنی ہی مقدس ہے جتنا کہ حجۃ الوداع۔ اسلام کے نزدیک کسی بھی شخص کو قتل کرنا انتہائی قبیح ترین جرم ہے۔ اِلاّ یہ کہ وہ قتل کسی انسانی جان کے بدلے میں ہی کیا جائے، کیونکہ قاتل کو زندگی کی امان دینے کا مطلب معاشرے میں بدامنی، بغاوت اور اللہ کے قانون سے سرکشی کے رجحانات کو راہ دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے قتل کے جرم کے خاتمہ کیلئے قصاص کا قانون دیا ہے۔ انسانی جان کی حرمت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۱۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔ (۱)

"اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔"

۲۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۲)

"اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے (قتل کرنا) اللہ نے حرام کیا ہے بجز حق (شرعی) کے، یہی وہ (اُمور) ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو ۝"

۳۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (۳)

(۱) الأنعام، ۶: ۱۵۱

(۲) الأنعام، ۶: ۱۵۱

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۱

''اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ہی انہیں (بھی) روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''

۴۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ (۱)

''تم کسی جان کو قتل مت کرنا جسے (قتل کرنا) اللہ نے حرام قرار دیا ہے سوائے اس کے کہ (اس کا قتل کرنا شریعت کی رو سے) حق ہو، اور جو شخص ظلماً قتل کر دیا گیا تو بیشک ہم نے اس کے وارث کے لئے (قصاص کا) حق مقرر کر دیا ہے سو وہ بھی (قصاص کے طور پر بدلہ کے) قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے، بیشک وہ (اللہ کی طرف سے) مدد یافتہ ہے (سو اس کی مدد و حمایت کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی)۔''

۵۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ قف وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ۝ (۲)

''اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو، اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے۔''

اسلام نہ صرف قتل کی ممانعت کرتا ہے بلکہ خودکشی کو بھی اتنا ہی برا عمل تصور کرتا ہے۔

زندگی کے تحفظ کے حق میں اپنے آپ کو کسی حملہ سے بچانے کا حق بھی شامل ہے۔ اسلام نہ صرف زندگی کو درپیش خطرات سے بچنے کا حق دیتا ہے بلکہ خطرے کے خلاف اقدام کا حق بھی دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

۶۔ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ۔ (۳)

''پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو مگر اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی۔''

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۳

(۲) النساء، ۴: ۲۹

(۳) البقرہ، ۲: ۱۹۴

اسلام کا عطا کردہ تحفظِ زندگی کا حق مطلق نہیں ہے بلکہ جب اسلامی ریاست خطرات سے دو چار ہو تو اہلِ ایمان اسلامی ریاست کو ان خطرات سے نجات دلائیں گے۔ چاہے انہیں اس کی قیمت اپنی زندگی ہی کی صورت میں ادا کرنی پڑے۔

ارشادِ ربانی ہے:

۷۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○[1]

”اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں (ہاں) مگر حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا○“

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

۸۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○[2]

”ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے، یہی وہ لوگ ہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں○“

(ا) حقِ زندگی اور سزائے موت

اسلام نے معاشرے سے مختلف جرائم کے قلع قمع کیلئے سزائے موت بھی تجویز کی ہے۔ جو کسی طور بھی انسان کے حق زندگی سے متصادم نہیں کیونکہ سزائے موت کے نفاذ کا مقصد ان محرکات کا خاتمہ ہے جو معاشرے میں کئی افراد کی زندگی کو خطرے سے دوچار کر سکتے ہیں۔ تاہم مغرب میں سزائے موت کا تصور مختلف ہے۔

سزائے موت کی تنسیخ کی حوصلہ افزائی کے باب میں 1969ء کے The Amercian Convention of Human Rights نے ان ملکوں میں جہاں سزائے موت پہلے ہی ختم کی جا

(۱) البقرہ، ۲: ۱۹۰

(۲) الحجرات، ۴۹: ۱۵

چکی ہے اسے دوبارہ قائم کرنے سے منع کر دیا ہے۔ ماسوائے دیگر بین الاقوامی معاہداتی قوانینِ قانونی جسمانی سزا کو جو عدالتِ مجاز نے قانون کے مطابق دی ہو ظالمانہ، غیر انسانی اور ہتک آمیز تصور نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر 1966ء کا The International Covenant on Civil and Political Rights سزائے بامشقت کی اجازت دیتا ہے۔ اس لئے بادی النظر میں تصور سزائے جسمانی اور ظالمانہ سلوک کے درمیان کیا فرق ہے۔ 1975ء کے Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment میں خصوصیت کے ساتھ اس کا کوئی تعین نہیں کیا گیا یعنی دردناک سزا اور اس نوع کے ظالمانہ رویوں کے امتناع کا ذکر Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment, 1975 کے ابتدائیہ میں بحوالہ United Nations Charter, 1945 کے آرٹیکل 55 اور آرٹیکل 7 میں کیا گیا ہے لیکن یہ آرٹیکلز سزا کی نوعیت اور ظالمانہ سلوک کے بارے میں خاموش ہیں جبکہ Universal Declaration of Human Rights, 1948 کا آرٹیکل 5 - ظالمانہ سلوک اور سزا- ان دونوں تصورات میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں کرتا۔ تاہم وہ سزا ظالمانہ، غیر انسانی یا ہتک آمیز تصور کی جا سکتی ہے جب وہ ماورائے قانون ہو۔ اس کے برعکس جب کسی مجرم کو قانون میں جتنی گنجائش ہے اس سے زیادہ سزا دی جاتی ہے تو یہ صورت حال اسے عدم انصاف سے دوچار کر دیتی ہے۔ لہٰذا یہ بات طے شدہ سمجھی جائے کہ وہ سزا جو کردہ جرم کی مناسبت سے دی جائے وہ ظالمانہ، غیر انسانی اور ہتک آمیز تصور نہیں کی جا سکتی۔ نتیجتاً Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment, 1975 اور Universal Declaration of Human Rights, 1948 کو ظالمانہ سلوک اور قانونی سزا کے تصور کے درمیان واضح فرق اور تمیز کی بنیاد پر ترمیم کے عمل سے گزارنا چاہئے۔ یہ فطری ضرورت کا معاملہ ہے کہ عوامی مفاد کو محفوظ کرنے کے لئے (جو قانون کا بنیادی مقصد ہے) ان قوانین کی متعلقہ شقوں کو بڑھا کر لوگوں کے سیاسی حقوق تک لے جایا جائے اور وہ اپنی حکومتوں کو زیادہ جمہوریت اور انسانی حقوق دینے کی ترغیب دیں۔

متعدد ممالک میں سزائے موت اور قید بامشقت اب بھی رائج ہیں باوجود اس کے کہ یہ سزائیں شدید ذہنی تکلیف اور جسمانی اذیت کا باعث بنتی ہیں۔ قیدیوں سے متعلق کم از کم معیاری ضابطے ابھی اتنے موثر نہیں کہ ان سے سزاؤں کی شدت میں تخفیف ہو سکے۔ پھر یہ ضابطے معاشرے

کے تحفظ کے لئے ضروری اور مناسب اقدام کے پیشِ نظر حقیقت پسندانہ بھی نہیں۔ چنانچہ جن ملکوں میں جسمانی سزاؤں کا خاتمہ ہوا ہے وہاں جرائم میں بتدریج اضافہ اس پر شاہد ہے۔ چونکہ بڑھتے ہوئے جرائم سے اجتماعی عوامی سلامتی کو سنگین خطرہ ہے لوگوں کے پاس اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ یا تو حوصلہ شکن سزاؤں کے نفاذ کا مطالبہ کریں یا پھر مجرموں کو معاشرے کا امن و امان برباد کرنے کی کھلی چھٹی دے دیں۔ اس عذر کی بناء پر بہت سے ممالک میں موت اور قید بامشقت کی سزاؤں کے خاتمے میں ہچکچاہٹ قابلِ فہم ہے اور اس کا جواز موجود ہے۔ چونکہ قانونی نظام کا مطمحِ نظر عوامی مفاد کو ترجیح دینا ہے اس لیے اسے ظالمانہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ انسانیت نوازی اور جذبۂ رحم کو قانون سے ہم آہنگ کرنا ایک ترجیحی مسئلہ ہے۔ تاہم بین الاقوامی معاہدات اور قوانین کی رو سے انسانی زندگی کی بقا کے لئے چند حفاظتی اقدامات فراہم کئے گئے ہیں:

۱۔ **سزائے موت کا امتناع:** ان افراد پر جن کی عمر جرم کے ارتکاب کے وقت اٹھارہ سال سے کم تھی۔ اس میں اس فرد کو رعایت نابالغ ہونے کی حیثیت سے اور قانونی نااہلیت کے اعتراف کے طور پر دی گئی جائے۔ اسی طرح حاملہ خواتین کو بھی موت کی سزا نہ دی جائے جس سے جنین کی زندگی کا تحفظ مقصود ہے۔ ستر سال سے زیادہ معمر افراد کو بھی اس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔[1]

۲۔ اسی طرح 'اسقاطِ حمل' اور 'بانجھ کاری' کی حیثیت کا تعین کرنا بھی باقی ہے کہ آیا یہ بھی بالارادہ اور بالقصد زندگی سے محروم کرنے کے عمل متصور ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بین الامریکی کمیشن برائے حقوقِ اِنسانی (Inter American Commission of Human Rights) کے نزدیک آبادی کے بے تحاشا اضافے کی وجہ سے معاشی اور روزگار کے مسائل پر قابو پانے کے لئے اسقاطِ حمل کا استعمال انسانی حقوق کی واضح اور سنگین خلاف ورزی ہے۔

قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝[2]

''اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم ہی انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں

(1) Van Boven, *Survey of the Positive International Law of Human Rights*, 1:97-99.

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۱

بھی۔ بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہےo‘‘

قرآن پاک کی آیات (۶: ۱۴۰ اور ۱۵۱) میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا امریکی کمیشن (Inter-American Commission of Human Rights) کی رائے تحفظِ تولید کے اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ ہے جو ایک طرح سے نسلِ انسانی کی بقا اور انسان کے حقِ زندگی پر دلالت کرتے ہیں جس کے پیشِ نظر اسقاطِ حمل کو بالعموم ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ یورپی کمیشن برائے حقوق انسانی (European Commission of Human Rights) یا European Convention for the Protection of Human Rights, 1950 اپنے آرٹیکل نمبر ۲ کے حوالے سے یہ تصور کرتا ہے کہ اسقاطِ حمل کے امتناع کا قانون اس حد کے تابع ہے کہ ماں کی زندگی اور صحت کو بچانے کے لئے حمل ختم کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔[1]

یورپی کمیشن برائے حقوق انسانی European Commission of Human Rights) کی رائے میں بانجھ کاری کے لئے کیے گئے آپریشن کو بعض مخصوص حالات میں حق زندگی کی خلاف ورزی پر محمول کیا جائے گا۔

۳۔ اسلامی قانون نے گزشتہ چودہ صدیوں سے آسان موت یا سہل مرگی کے سوال پر جو امتناعی پابندی لگائی ہے اس پر ابھی تک کسی بین الاقوامی معاہدے میں کوئی قانونی رائے زنی نہیں کی گئی۔

چونکہ اسلامی قانون خودکشی سے منع کرتا ہے اس لیے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کو بھی حکم دے کہ مجھے مار ڈالو۔ بصورت دیگر جب بھی ایسے جرم کا ارتکاب ہو گا تو وہ شخص مجرم گردانا جائے گا اور قاتل کی حیثیت سے مستوجب سزا ہو گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقۡتُلُوۡٓا اَنۡفُسَكُمۡ۔[2]

’’اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو۔‘‘

(۲) اِضطراری حالت میں زندگی کے تحفظ کا حق

اسلام شدید بھوک اور پیاس کی حالت میں زندگی بچانے کے لئے کیے گئے ایسے اقدامات

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, p. 132.

(۲) النساء، ۴: ۲۹

پر گرفت نہیں کرتا جو عام حالات میں قابل گرفت ہوں۔

حضرت سعید بن مسیّب روایت کرتے ہیں:

أنّ عمر بن الخطاب أُتي بامرأة لقيها راع بفلاة من الأرض وهي عطشى، فاستسقه، فأبى أن يسقيها إلّا أن تتركه فيقع بها، فناشدته بالله فأبى، فلمّا بلغت (جهدها) أمكنته فدرأ عنها عمر الحدّ بالضرورة۔(۱)

’’حضرت عمر ﷺ کے پاس ایک عورت لائی گئی جسے صحراء میں جبکہ وہ شدید پیاسی تھی، ایک چرواہا ملا۔ عورت نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے اسے پانی دینے سے انکار کیا، سوائے اس شرط کے کہ وہ اس کے ساتھ بدکاری کرے۔ عورت نے اسے اللہ کا واسطہ دیا مگر وہ نہیں مانا۔ جب اس عورت کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تو اس نے اس شخص کو اپنے آپ پر قدرت دے دی۔ حضرت عمر ﷺ نے اضطرار کی اس حالت کی بناء پر اس عورت سے حد ساقط کر دی۔‘‘

اسی طرح حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے مزینہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرا لی تھی تو حضرت عمر ﷺ نے ان کا ہاتھ نہیں کاٹا، کیونکہ انہوں نے شدید بھوک سے مجبور ہو کر یہ اونٹنی چرائی تھی۔ اسی طرح حضرت عمر ﷺ نے قحط سالی کے زمانے میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی اور فرمایا کہ ہم قحط سالی اور سختی کے دنوں میں قطع ید کی سزا نہیں دیں گے۔(۲)

---

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۷: ۴۰۷، رقم: ۱۳۶۵۴

۲۔ بیهقي، السنن الكبرى، ۸: ۲۳۶

۳۔ ابن قدامه، المغني، ۸: ۱۸۷

(۲) ۱۔ مالك، المؤطا، ۲: ۷۴۸، رقم: ۱۴۳۶

۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۴۲، رقم: ۱۸۹۹۰

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۳۸، رقم: ۱۸۹۷۷

۴۔ بیهقي، السنن الكبرى، ۸: ۲۷۸

۵۔ شافعي، المسند، ۱: ۲۲۴

۶۔ ابن حزم، المحلى، ۱۱: ۳۴۳

۷۔ ابن قدامه، المغني، ۸: ۲۷۸

عبد الملک بن قدامہ جمحی روایت کرتے ہیں کہ اُن سے ان کے والد نے بیان کیا:

أنّ رجلا تدلی بحبل لیسار عسلا فأتت امرأته فقالت له: لأقطعن الحبل أو لتطلقني فناشدها اﷲ تعالی فأبت فطلّقها فلمّا ظهر اتی عمر بن الخطاب فذکر ذلک له فقال له عمر ارجع إلی امرأتک فإن هذا لیس بطلاق۔(۱)

’’ایک شخص رسی باندھ کر (کنویں میں) لٹکا، تا کہ شہد اتارے۔ اسی حالت میں اس کی بیوی آئی اور اس سے کہا کہ یا تو تو مجھے طلاق دے دے یا میں یہ رسی کاٹ دیتی ہوں۔ اس شخص نے اپنی بیوی کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیا مگر وہ نہ مانی۔ پس اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ پھر وہ شخص حضرت عمر ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمر ﷺ نے اس سے کہا کہ اپنی بیوی کے پاس لوٹ جاؤ کیونکہ یہ طلاق نہیں ہوئی۔‘‘

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

أنّ عمر بن الخطاب أُتي بسارق، فاعترف قال: أری ید رجل ما هي بید سارق، فقال الرّجل: واﷲ! ما أنا بسارق ولکنهم تهدّدوني، فخلّی سَبیله، ولم یقطعه۔(۲)

’’حضرت عمر ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے اعتراف جرم کر لیا۔ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا: میرے خیال میں اس شخص کے ہاتھ چور کے ہاتھ نہیں ہیں۔ اس پر وہ شخص بولا: قسم بخدا میں سارق نہیں ہوں، دراصل انہوں نے ڈرا دھمکا کر مجھ سے اعتراف کروا لیا ہے۔ حضرت عمر ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور قطع ید کی سزا نہیں دی۔‘‘

۲۔ اِنسانی جان کی حرمت کا حق

انسان کو حاصل جملہ حقوق کی بنیاد اس کی اپنی جان کی حفاظت سے منسلک ہے۔ یعنی جب

---

(۱) ۱۔ ابن حزم، المحلی، ۱۰: ۲۰۲

۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۷: ۱۱۹

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۷: ۳۵۷، رقم: ۱۴۸۷۶

(۲) عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۱۹۳، رقم: ۱۸۷۹۳

تک کسی معاشرے میں انسانی جان کو تحفظ حاصل نہ ہو، بقیہ حقوق کے نفاذ و حصول کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ اسلام نے اسی بنیادی حق کو بیان کرتے ہوئے اہلِ ایمان کے کردار کو یوں بیان کیا:

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔(۱)

''اور نہ (ہی) کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے بغیرِ حق مارنا اللہ نے حرام فرمایا ہے۔''

(ا) خودکشی کی ممانعت

زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی عظیم نعمت ہے جو بقیہ تمام نعمتوں کے لئے ایک اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے زندگی کے تحفظ کا حق عطا کرتے ہوئے افرادِ معاشرہ کو اس بات کا بھی پابند کیا ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں خودکشی کے مرتکب نہ ہوں۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رحمتِ دو عالم حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من تردّى من جبل فقتل نفسه فهو في نار جهنّم يتردّى فيه خالدا مخلدا فيها أبدا، ومن تحسّى سمّا فقتل نفسه فسمّه في يده يتحسّاه في نار جهنّم خالدا مخلّدا فيها أبدا ومن قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يجأ بها في بطنه في نار جهنّم خالدا مخلّدا فيها أبدا۔(۲)

---

(۱) الفرقان، ۲۵: ۶۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الطب، باب شرب السم والدواء ۵: ۲۱۷۹، رقم: ۵۴۴۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم، ۱: ۱۰۳، رقم: ۱۰۹

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الطب، باب ما جاء فیمن قتل، ۴: ۳۸۶، رقم: ۲۰۴۳

۴۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب ترک الصلاۃ علی من قتل نفسہ، ۴: ۶۶، رقم: ۱۹۶۵

۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۶۳۸، رقم: ۲۰۹۲

۶۔ دارمی، السنن، ۲: ۲۵۲، رقم: ۲۳۶۲

۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۴، ۴۷۸، ۴۸۸

’’جو اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کرے وہ دوزخ میں جائے گا، ہمیشہ اس میں گرتا رہے گا۔ جو زہر کھا کر اپنے آپ کو ختم کرے تو وہ زہر دوزخ میں اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے دوزخ میں کھاتا ہوگا اور ہمیشہ اس میں رہے گا جو لوہے کے ہتھیار سے اپنے آپ کو قتل کرے تو وہ ہمیشہ اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے دوزخ کی آگ کے اندر ہمیشہ اپنے پیٹ کے اندر مارتا رہے گا اور ہمیشہ اس کے اندر رہے گا۔‘‘

۲۔ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من حلف علی ملّة غیر الإسلام فهو کما قال، ولیس علی ابن آدم نذر فیما لا یملک ومن قتل نفسه بشيء في الدّنیا عذب به یوم القیامة، ومن لعن مؤمنا فهو کقتله ومن قذف مؤمنا بکفر فهو کقتله۔(۱)

’’جس نے اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھائی تو وہ اس کے مطابق ہے جو کہا اور جس نے کسی چیز کے ساتھ خودکشی کی تو وہ جہنم کی آگ میں اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا اور مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے اور جس نے کسی مسلمان پر کفر کا الزام لگایا تو یہ اسے قتل کرنے جیسا ہے۔‘‘

(۲) زندگی کا مفہوم اور اُس کے مضمرات

مغربی قانون کی دستاویزات اور معاہدات میں کسی میں بھی زندگی کی تعریف نہیں کی گئی۔ پس اس کا مفہوم وہی ہے جو عام طور لیا جاتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دستور کی چالیسویں ترمیم کا ذکر کرتے ہوئے سیگھارٹ (Sieghart) نے زور دے کر کہا ہے کہ زندگی حیوانوں کی طرح

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الأدب، باب ما ینهی من اسباب، ۵: ۲۲۴۷، رقم: ۵۷۰۰

۲۔ بخاري، الصحیح، کتاب الأدب، باب من کفر اخاه بغیر، ۵: ۲۲۶۴، رقم: ۵۷۵۴

۳۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲: ۷۵، رقم: ۱۳۳۷

۴۔ خطیب تبریزي، مشکوٰة المصابیح، ۲: ۲۷۷، رقم: ۳۴۱۰

۵۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۳۰: ۲۱۴

جینے سے کہیں وسیع تر مفہوم رکھتی ہے، یعنی بطور اصطلاح زندگی کا دائرہ پھیل کر انسانی جسم کے تمام اعضاء پر محیط ہو جاتا ہے اور حق زندگی کے دعوے کا مدعا یہ ہے کہ کوئی بھی اپنی شخصیت کے آزادانہ ارتقاء سے محروم نہ کیا جائے۔(۱)

جب کہ اسلام کا تصور حقوق انسانی اس بارے میں امتیاز رکھتا ہے کیونکہ اس کے دائرے کو توسیع دے کر اس میں زندہ انسانوں کے علاوہ مردہ انسان بھی شامل کر لئے گئے ہیں۔ اس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ جس طرح زندگی میں انسانی شخصیت کو تقدس حاصل ہے اسی طرح موت کے بعد بھی اس کے شخصی تقدس کو پامال نہیں کیا جائے گا۔ بعد از مرگ بھی اس کو متبرک شے کی طرح دفن کیا جائے گا۔

اس کے مضمرات کی تفہیم تمام قوانین اور معاہدات بالخصوص تمام افراد کے اذیت سے تحفظ کے اعلان (Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment, 1975) سے ہوتی ہے۔(۲)

تحفظِ زندگی کے لئے وہ عملی اقدامات جن سے زندگی کی سلامتی کے حق کو یقینی بنایا گیا ہے جدید بین الاقوامی اعلانات ہیں۔ ان میں غیر انسانی سلوک، جسمانی سزا اور سزائے موت کے خاتمے کے ارادے کا اظہار کیا گیا ہے۔ تاہم اس میں قانونی جسمانی سزا اور اذیت کے درمیان فرق کو ہتک آمیز غیر انسانی سلوک کے حوالے سے واضح نہیں کیا گیا۔ اس ضمن میں Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment, 1975 کی تعریف میں اس بات پر زور دیا گیا ہے:

۱۔ اعلان میں مذکور مقصد کی خاطر اذیت سے مراد وہ فعل ہے جس سے شدید درد یا تکلیف خواہ جسمانی ہو یا ذہنی بالارادہ کسی سرکاری عہدیدار یا شخص کے ایماء پر کسی کو اس نیت سے دی جائے کہ اس سے یا کسی تیسرے شخص سے معلومات یا اقبالی بیان حاصل کرنا مقصود ہے یا اسے کسی ایسے فعل کے لئے دی جائے جو اس نے کیا ہے یا اس کے مرتکب ہونے کا شبہ ہے، اس میں اس کو اور دیگر اشخاص کو دھمکی دینا بھی شامل ہے۔ اعلان میں پوشیدہ یا ظاہری قانونی پابندیوں کے نفاذ میں درد یا تکلیف کا عنصر شامل نہیں اور اس کا اطلاق قیدیوں سے سلوک کے قواعد میں متعین کم سے کم معیار کے مطابق کیا جانا مطلوب ہے۔

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights* , p. 134.
(2) Sieghart, *The International Law of Human Rights* , p. 173.

۲۔ اذیت کسی سنگین اور دیدہ و دانستہ ظالمانہ غیر انسانی یا ہتک آمیز سلوک یا سزا پر مبنی رویے سے عبارت ہے۔ اذیت کی تعریف ابتداءً ایسے فعل کے طور پر کی جاتی ہے جو تحقیق و تفتیش کے دوران کسی شخص کے ساتھ سزا کے طور پر روا رکھا جاتا ہے۔ بعد میں توسیع دے کر قانونی جسمانی سزا کو بھی اس تعریف میں شامل کرلیا گیا ہے۔

اپنے اوّل الذکر مفہوم میں وہ فعل جو منصفانہ مقدمے اور حتمی عدالتی فیصلے کی خاطر زیر حراست کسی شخص سے روا رکھا جاتا ہے Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment, 1975 کے مطابق مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر اذیت کے استعمال کو مکمل طور پر ممنوع قرار دے دینا چاہئے:

ا۔ سزا کی کوئی بھی نوعیت ہو اس کا فیصلہ عدالت کے حکم سے ہونا چاہئے۔ اس لئے منصفانہ مقدمے سے پہلے روا رکھا جانے والا کوئی بھی فعل یا سلوک عدالتی اتھارٹی کے منافی ہے اور شائد قانون کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کے تصور کی بھی خلاف ورزی ہے۔ یعنی وہ اہلکار جو پولیس یا محکمہ سراغرسانی کا کوئی افسر ہو اگر وہ لوگوں کو گرفتار کرتا ہے عدالت لگا کر ان کے فیصلے کرتا ہے اور اذیت رسانی کرتا ہے گویا وہ خود مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ تینوں کا نمائندہ ہے۔ وہ قانون کو سبوتاژ کرتا ہے اور اپنے فعل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہی قانون اور سب کچھ ہے۔ اس لئے ایسی صورت حال میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے حاکمانِ مجاز کی کیا ذمہ داری ہے اور قانون کا کیا مقصد ہے؟

ب۔ وہ معلومات اور امثالی بیان جو بالجبر اور طاقت کے بل بوتے پر حاصل کیا جائے وہ نہ تو مستند طور پر قابلِ اعتبار ہوتا ہے نہ ہی اس کی کوئی قانونی حیثیت ہوتی ہے تاآنکہ اس کو دیگر معتبر ذرائع سے ثابت نہ کردیا جائے۔[1]

بہت سے سیاسی جرائم میں یہ ثابت کر دیا جاتا ہے (جیسا کہ بعض تیسری دنیا کے ممالک میں مجرموں اور مشتبہ افراد کو پرتشدد اذیتی کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے) کہ شدید اذیت اور ظالمانہ سزا کے نتیجے میں جرائم پیشہ افراد اپنی جان چھڑانے اور غیر انسانی سلوک سے بچنے کے لئے صرف افسران کو مطمئن کرنے کی خاطر جھوٹی معلومات فراہم کرتے ہیں۔

جسمانی سزا کے تصور کی مؤخر الذکر غلط تعبیر کے بارے میں ...... جسے Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or

(1) *The International Covenant on Civil and Political Rights*, 1966.

Punishment, 1975 کے تحت ایک قسم کی اذیت گردانا گیا ہے ...... یہ بات وضاحت طلب ہے کہ The Universal Declaration of Human Rights, 1948، International Covenant on Civil and Political Rights, 1966 اور European Convention for the Protection of Human Rights, 1950 کی متعلقہ شقوں کی رو سے سزائے موت کو ممنوع قرار دینے کی کوئی بات نہیں کی گئی صرف The American Convention of Human Rights, 1969 نے سیاسی مواخذوں کی صورت میں سزائے موت پر قدغن عائد کی ہے۔ بہت سے ملکوں بالخصوص جنوبی امریکہ اور تیسری دنیا کے اکثر علاقوں میں اس اصول شکنی کا باعث وہاں پائے جانے والا سیاسی عدمِ استحکام ہے۔ لہذا The Amercian Convention of Human Rights, 1969 میں لوگوں کے سیاسی حقوق کو توسیع دے کر انہیں اپنی حکومتوں کو زیادہ جمہوری آزادی اور انسانی حقوق دینے کی ترغیب دی جاسکتی ہے۔[1]

۳۔ رحم مادر میں جنین کا حق

اسلام نے انسانیت کو اتنا شرف عطا کیا کہ اس کے حقوق کا آغاز اس وقت سے کیا جب سے وہ مرحلہ تخلیق میں داخل ہوا۔ اولاد کو قتل کرنے سے منع کر کے جنین کو نہ صرف حق زندگی دیا گیا بلکہ اسے میراث کا حقدار بھی ٹھہرایا گیا۔

۱۔ أخبرني عطاء أن سعد بن عبادة قسم ماله بين بنيه، ثم توفي، وامراته حبلى لم يعلم بحملها، فولدت غلاماً فارسل أبوبكر وعمر في ذلك إلى قيس ابن سعد بن عبادة قال: أنا أمر قسمه سعد وأرضاه فلن أعود فيه ولكن نصيبي له قلت أعلى كتاب الله قسم؟ قال: لا نجدهم كانوا يقسمون إلّا على كتاب الله۔[۲]

(1) *The International Covenant on Civil and Political Rights*, 1966.

(۲) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۹: ۹۹

۲۔ ابن حزم، المحلى، ۹: ۱۴۲

۳۔ ہندي، کنز العمال، ۱۱: ۲۳

۴۔ ابن قدامه، المغني، ۵: ۱۷۷

’’حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ ﷛ نے اپنی ساری جائداد اپنی اولاد میں تقسیم کردی اور ملک شام کے سفر پر چلے گئے۔ پھر ان کی وفات ہوگئی۔ وفات کے وقت ان کی بیوی حاملہ تھیں لیکن حضرت سعد کو اس کی خبر نہیں تھی جب بچہ پیدا ہوا تو حضرت ابوبکر ﷛ اور حضرت عمر ﷛ نے حضرت سعد کے بیٹے قیس بن سعد کو کہلا بھیجا کہ سعد کو اپنی وفات کے وقت اس حمل کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا اب ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کی جائیداد میں اس نوزائیدہ کا بھی حصہ ہونا چاہئے جو اسے دے دیا جائے۔ قیس بن سعد نے جواب میں کہا ’’میرے والد نے جس طرح جائداد تقسیم کی اور اس پر عملدرآمد کیا اس میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔ البتہ میں اپنا حصہ اس نوزائیدہ کو دیتا ہوں‘‘۔ ابن جریج نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا: حضرت سعد نے یہ تقسیم کتاب اللہ کے مطابق کی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا: صحابہ کرام ﷡ کتاب اللہ کے مطابق ہی تقسیم کرتے تھے۔‘‘

۲۔ **عن عائشة ﷞ زوج النّبي ﷺ أنها قالت: أنّ أبابكر الصديق ﷛ نحلها جداد عشرين وسقا من مال بالغابة فلمّا حضرته الوفاة قال: واللہ يا بنية ما من النّاس أحد أحب إلى عنّي بعدى منک ولا أعزّ على فقرأ بعدى منک وإنّي كنت نحلتک من مالي جداد عشرين وسقا فلو كنت جددتيه واحتزتيه كان لک ذالک وإنّما هو مال الوارث وإنّما هو أخواک وأختاک فاقتسموه على كتاب الله فقالت: يا ابت واللہ لو كان كذا وكذا لتركته إنّما هو اسماء فمن الأخرى قال: ذو بطن بنت خارجة أراها جارية۔**[1]

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے حضرت ابوبکر ﷛ نے مقام غابہ میں اپنے کھجور کے درختوں میں بیس وسق (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶: ۱۶۹، رقم: ۱۱۷۲۸
۲۔ مالک، المؤطا، ۲: ۷۵۲، رقم: ۱۴۳۸
۳۔ طحاوی، شرح معانی الاثار، ۴: ۸۸

سیر کا) کھجور انہیں بطور ہبہ دینے کے لئے مخصوص کرلیا تھا۔ جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو انہیں بلا کر فرمایا ''بیٹی! بخدا دنیا میں میرے لئے تم سے بڑھ کر کوئی پیارا نہیں اور نہ ہی میرے بعد تمہاری تنگ دستی سے بڑھ کر کوئی چیز میرے لئے تکلیف دہ ہے۔ میں نے بیس وسق کھجور دینے کے لئے مخصوص کر لئے تھے اگر تم نے یہ کھجور اتروا لئے ہیں اور ان کا ذخیرہ کرلیا ہے تو پھر یہ تمہارے ہیں۔ اب یہ آج کے بعد سے وارث کا مال ہیں، اور اس کے وارث تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اس لئے اس متروکہ مال کو میرے بعد کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کرلینا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اباجان! اگر آپ مجھے اس لئے بھی زیادہ مال بطور عطیہ دے دیتے تو پھر بھی میں وارث کی تقسیم کی خاطر اس مال سے دست بردار ہو جاتی، اباجان! ایک بہن تو اسماء ہوئی دوسری بہن کونسی ہے۔؟ فرمایا: ذو بطن بنت خارجة أراها جارية۔ ''جو میری بیوی کے رحم میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی ہوگی۔''

جنین کے علاوہ حمیل کے حق کا تعین بھی کیا گیا۔ حمیل سے مراد وہ بچہ ہے جو اسیر عورت اپنے ساتھ لائے اور کہے کہ یہ میرا بچہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں دو اقوال مروی ہیں:

ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شریح کو لکھا:

لا یورث الحمیل إلّا ببیّنة۔[1]

''گواہوں کے بغیر حمیل کو وارث نہ بنایا جائے۔''

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۹۹، رقم: ۱۹۱۷۳

۲۔ ابن أبی شیبہ، المصنف، ۶: ۲۷۸، رقم: ۳۱۳۷۳

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۱۳۰

۴۔ دارمی، السنن، ۲: ۴۸۰، رقم: ۳۰۹۵

۵۔ ابن حزم، المحلی، ۹: ۳۰۳

كل نسب يتواصل عليه في الإسلام فهو وارث موروث۔(۱)

''جو نسب اسلام میں جڑا ہوا ہو وہ وارث بھی ہے اور موروث بھی۔''

مغربی قانون اور اِمتناعِ جرائمِ نسل کشی

جُرمِ نسل کشی کی تعریف اقوامِ متحدہ کے کنونشن برائے تحفظ وتعزیرات جرم نسل کشی (crime of genocide) میں اس طرح کی گئی ہے:

درج ذیل افعال میں سے کوئی بھی فعل جو قومی، نسلی یا مذہبی گروہ کو کلی یا جزوی طور پر تباہ و برباد کرنے کے لئے کیا جائے جیسے:

(۱) اس گروہ کے افراد کا قتل کرنا

(۲) اس گروہ کے افراد کو جسمانی یا ذہنی طور پر شدید گزند پہنچانا

(۳) دیدہ و دانستہ اس گروہ پر ایسے حالاتِ زندگی مسلط کر دینا جن سے ان کی کلی یا جزوی تباہی مقصود ہو

(۴) ایسی تدابیر اور اقدامات کرنا جن کا مقصد اس گروہ کے اندر تولید (عملِ پیدائش) کی روک تھام ہو

(۵) جبری طور پر اس گروہ کے بچوں کو دوسرے گروہ میں منتقل کرنا۔

درج ذیل افعال قابلِ سزا متصور ہوں گے:

(i) نسل کُشی

(ii) نسل کُشی کے لئے کی جانے والی سازش

(iii) نسل کُشی کے ارتکاب کی بالواسطہ اور سرِ عام ترغیب و دعوت

(iv) نسل کُشی کے اِرتکاب کی کوشش

(v) نسل کُشی کے لئے شریک جرم ہونا۔

---

(۱) ۱۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۶: ۲۷۸، رقم: ۳۱۳۷۸

۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۳۰۱، رقم: ۱۹۱۸۰

۳۔ ابن حزم، المحلی، ۹: ۳۰۳

CG یعنی (crime of genocide) کے آرٹیکل نمبر 1 میں مزید اس پابندی کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں امتناعِ جُرمِ نسل کشی کو قابلِ سزا گردانا گیا ہے خواہ اس کا ارتکاب زمانہ امن میں ہو یا حالتِ جنگ میں یہ ایک قسم کا احتیاطی اقدام تھا جس کا مقصد حالتِ جنگ کے غلط استعمال کی روک تھام ہے۔ جیسا کہ ماضی میں جنگ کے دوران نسل کشی کی وارداتوں میں اضافہ رونما ہو گیا تھا۔(۱)

۴۔ عزتِ نفس کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کی اہم خصوصیت باہمی اکرام و احترام ہے۔ آپ ﷺ نے ہر فردِ معاشرہ کو عزتِ نفس اور احترام کا حق عطا کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أنزلو النّاس منازلهم.(۲)

”لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق سلوک کیا کرو۔“

جب بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر اپنے قلعوں سے نکلنا منظور کیا اور حضرت سعد وہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

قوموا إلى سيّدكم۔(۳)

---

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, p. 142.

(۲) ۱۔ أبو داؤد، السنن، كتاب الأدب، باب فی تنزيل الناس منازلهم، ۴: ۲۶۱، رقم: ۴۸۴۲

۳۔ حكيم ترمذی، نوادر الاصول فی احاديث الرسول، ۱: ۴۱۰

۴۔ قزوينی، التدوين فی اخبار قزوين، ۳: ۳۵۴

۵۔ حسينی، البيان والتعريف، ۱: ۲۹۹، رقم: ۷۹۹

۶۔ عظيم آبادی، عون المعبود، ۱۳: ۱۳۱

۷۔ مناوی، فيض القدير، ۵: ۴۲۷

(۳) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المغازی، باب مرجع النبی من الأحزاب، ۲: ۹۰۰، رقم: ۳۸۹۵

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجهاد، باب إذا نزل العدو، ۳: ۱۱۰۷، رقم: ۲۸۷۸

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد، باب جواز قتال، ۳: ۱۳۸۸، رقم: ۱۷۶۸

۴۔ أبوداؤد، السنن، كتاب الأدب، باب ما جاء فی القيام، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۶

۵۔ نسائی، السنن الكبریٰ، ۵: ۶۲، رقم: ۸۲۲۲

’’اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔‘‘

آپ ﷺ نے عام معاملات زندگی اور معاشرتی طرزِ عمل میں بھی ایک دوسرے کے عزت نفس کے حق کا احترام کرنے کی تعلیم دی تاکہ باہمی میل جول میں بھی ایسا طرزِ عمل ہرگز نہ اختیار کیا جائے جس سے کسی کی عزت نفس کا حق مجروح ہوتا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا كانوا ثلاثة فلا يتناجي اثنان دون الثالث.(1)

’’جب تم تین آدمی ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی (آپس میں) سرگوشی نہ کریں۔‘‘

۵۔ عزت کی حفاظت کا حق

اسلامی ریاست میں رنگ، نسل، عقیدہ، مال و دولت، سماجی مرتبہ اور سیاسی عزت و وقار سے قطع نظر ہر شخص کو وہ عزت اور مقام حاصل ہے جسے کوئی فرد یا معاشرہ پامال نہیں کر سکتا۔ یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی عزت اور وقار کی حفاظت کرے اور کوئی ایسا قانون لاگو نہ ہونے دے جس سے کسی بھی شہری کی عزت اور وقار کی پامالی کی راہ نکلتی ہو۔ اسلام نہ صرف حکومت کو اس فرض کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام سرانجام نہ دے جس سے معاشرے کے کسی بھی فرد کی عزت و وقار مجروح ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا**

---

(1) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاستیذان، باب لا یتناجی اثنان، ۵: ۲۳۱۸، رقم: ۵۹۳۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب السلام، باب تحریم مناجاہ الاثنین، ۴: ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، رقم: ۲۱۸۳، ۲۱۸۴

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۲۳۲، رقم: ۵۶۸۸

۴۔ ابن حبان نے ’الصحیح (۲:۳۴۴، رقم: ۵۸۳)‘ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت لی ہے۔

بِالْاَلْقَابِ۔ (۱)

''اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ اُن (تمسخر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں اُن (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں، اور نہ آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو۔''

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا۔ (۲)

''اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بیشک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی ہے) اور (کسی کے غیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو۔''

قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیت مبارکہ یہ تعلیم دیتی ہے کہ مسلم معاشرے کا کوئی بھی فرد کسی دوسرے کا نہ مذاق اڑائے نہ ہی بے توقیری کرے حتی کہ غیبت، شخصی رازداری میں مداخلت کو بھی گناہ اور جرم ٹھہرایا گیا ہے۔

شخصی عزت و وقار کے تحفظ کو یقینی بنانے کیلئے قرآن حکیم نے کسی پر جھوٹے الزامات اور بہتان تراشی کو بھی جرم اور گناہ قرار دیا ہے:

۳۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (۳)

''اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو تم انہیں (سزائے قذف کے طور پر) اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ بدکردار ہیں ○''

---

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱۱

(۲) الحجرات، ۴۹: ۱۲

(۳) النور، ۲۴: ۴

۴۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا○ (۱)

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دیتے ہیں بغیر اِس کے کہ انہوں نے کچھ (خطا) کی ہو تو بیشک انہوں نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (اپنے سَر) لے لیا○''

۶۔ نجی زندگی کے تحفظ کا حق

اسلام ہر شخص کو شخصی رازداری اور نجی زندگی کا حق عطا کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں بہت واضح طور پر دوسروں کے شخصی اور نجی معاملات کی ٹوہ لگانے اور عیب جوئی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؗ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ○ (۲)

''اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بیشک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی ہے) اور (کسی کے غیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس سے نفرت کرتے ہو۔ اور (ان تمام معاملات میں) اللہ سے ڈرو بیشک اللہ توبہ کو بہت قبول فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے○''

یعنی لوگوں کے عیب تلاش نہ کرو، دوسروں کے حالات اور معاملات کی ٹوہ نہ لگاتے پھرو۔ لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی باتیں کان لگا کر سننا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کے ذاتی معاملات کی کھوج لگانا ایک بہت بڑی بد اخلاقی ہے۔ جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں، اس لئے ہر انسان کو اپنی نجی زندگی کے تحفظ کا حق دیا گیا ہے اور دوسروں کو اس میں دخل اندازی سے منع کیا گیا ہے۔

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۵۸

(۲) الحجرات، ۴۹: ۱۲

۷۔ شخصی رازداری کا حق

اسلام ہر شخص کو شخصی رازداری کا حق عطا کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دوسروں کے شخصی اور ذاتی معاملات کی بلا وجہ کھوج لگانے سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ حکم قرآنی تعلیم (الحجرات، ۴۹:۱۲) کا مظہر تھا۔ ایک دوسرے کے خفیہ اور شخصی معاملات میں عدم مداخلت کی تعلیم فرما کر آپ ﷺ نے ہر فردِ معاشرہ کو شخصی رازداری کا حق عطا کر دیا کیونکہ وہ معاشرہ جس میں شخصی رازداری کے حق کا احترام موجود نہ ہو وہاں سماجی اور معاشرتی فتنے پیدا ہونے کا اندیشہ موجود رہتا ہے۔ قرآن حکیم نے شخصی رازداری کے حق کے احترام کی تعلیم دے کر ایک بنیادی انسانی حق محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ کئی سماجی اور معاشرتی خرابیوں کا سدِ باب بھی کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ٥ (۱)

’’اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کہا کرو یہ تمہارے لیے بہتر (نصیحت) ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کرو٥‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

۲۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ٥ (۲)

’’اے ایمان والو! چاہئے کہ تمہارے زیردست (غلام اور باندیاں) اور تمہارے ہی وہ بچے جو (ابھی) جوان نہیں ہوئے (تمہارے پاس آنے کیلئے) تین مواقع پر تم سے اجازت لیا

(۱) النور، ۲۴:۲۷

(۲) النور، ۲۴:۵۸

کریں (ایک) نماز فجر سے پہلے اور (دوسرے) دوپہر کے وقت جب تم (آرام کیلئے) کپڑے اُتارتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد (جب تم خوابگاہوں میں چلے جاتے ہو۔) (یہ) تین (وقت) تمہارے پردے کے ہیں ان (اوقات) کے علاوہ نہ تم پر گناہ ہے اور نہ ان پر (کیونکہ بقیہ اوقات میں وہ) تمہارے ہاں کثرت کے ساتھ ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں اسی طرح اللہ تمہارے لئے آیتیں واضح فرماتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے○''

شخصی آزادی و رازداری کے حق کی یہی تعلیم ہمیں احادیثِ نبوی ﷺ میں ملتی ہے۔

۱۔ **عن أبي هريرة، قال : قال رسول الله ﷺ: من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدّنيا نفس الله عنه كربة من كرب الآخرة، ومن ستر على مسلم ستره الله في الدّنيا والآخرة۔**(۱)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مومن کی دنیا میں تکلیف دور کی اللہ تعالیٰ اس کی آخرت میں تکلیف دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی دنیا میں ستر پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی فرمائے گا۔''

۲۔ **عن سالم، عن أبيه، أنّ رسول الله ﷺ قال: المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرّج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كرب يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة۔**(۲)

(۱) ۱۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۵: ۳۲۷، رقم: ۲۶۵۶۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹

۳۔ أبوداؤد، السنن، كتاب الأدب، باب في المعونة، ۴: ۲۸۷، رقم: ۴۹۴۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المظالم، باب لا يظلم المسلم، ۲: ۸۶۲، رقم: ۲۳۱۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم، ۴: ۱۹۹۶، رقم: ۲۵۸۰ ←

''حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے کسی ظالم کے سپرد کرتا ہے۔ جو مسلمان اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف دور کرے گا۔ اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ستر پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی کرے گا۔''

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

۳۔ إيّاكم والظّن، فإنّ الظّن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تباغضوا، وكونوا عباد الله إخوانًا۔(۱)

''تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور دوسروں کے عیب تلاش نہ کرو اور نہ ہی کسی کی جاسوسی کرو، کسی سے حسد کرو نہ کسی سے بغض و کینہ رکھو، اور اے بندگانِ خدا! بھائیوں کی طرح ہو جاؤ۔''

حضرت انس بن مالک ﷺ روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

۴۔ لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا، وكونوا عباد الله إخوانا، ولا يحلّ

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الحدود، باب ما جاء فی الستر علی السلم، ۴: ۳۴، رقم: ۱۴۲۶

۴۔ أبو داؤد، السنن، کتاب الأدب، باب المؤخاة، ۴: ۲۷۳، رقم: ۴۸۹۳

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۲۸۷، رقم: ۱۳۱۳۷

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب ما ینهی عن التحاسد، ۵: ۲۲۵۳، رقم: ۵۷۱۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظن، ۴: ۱۹۸۵، رقم: ۲۸

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی الظن، ۴: ۳۰۳، رقم: ۴۹۱۷

لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاثة أيام۔[1]

’’کسی سے بغض نہ رکھو، نہ کسی سے حسد کرو اور نہ کسی کی غیبت کرو، اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق رکھے۔‘‘

۸۔ سلامتی کا حق

اسلام سلامتی کا دین ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مسلمان کی بنیادی خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے اسم کا مظہر ہوتا ہے یعنی وہ اپنے ماحول اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے سراپا سلامتی و آشتی ہوتا ہے۔ جہاں ایک طرف آپ ﷺ نے سب افرادِ معاشرہ کو سلامتی کا حق عطا کیا تو دوسری طرف انہیں اس بات کا بھی پابند کیا کہ وہ اپنے قول اور فعل سے دوسروں کیلئے سلامتی کا سامان پیدا کریں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔[2]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، ۵: ۲۲۵۳، رقم: ۵۷۱۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة، باب تحريم، ۴: ۱۹۸۳، رقم: ۲۵۵۹

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فيمن يهجر أخاه، ۴: ۳۰۱، رقم: ۴۹۱۰، ۴۹۱۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۵، ۳: ۲۲۵

۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۲۳۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون، ۱: ۱۳، رقم: ۱۰

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقائق، باب الانتهاء عن المعاصی، ۵: ۲۳۷۹، رقم: ۶۱۱۹

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان تفاضل الإسلام، ۱: ۶۵، رقم: ۴۱ ←

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان ایذا نہ پائیں۔''

حضرت ابوموسیٰ ﷺ روایت کرتے ہیں:

۲۔ قالوا: یا رسول اللہ! أیّ الإسلام أفضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔(۱)

''صحابہ کرام ﷺ نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا: کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (اس شخص کا اسلام افضل ہے) جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

۳۔ أنّ رجلا سأل رسول اللہ ﷺ: أيّ الإسلام خیر؟ قال: تطعم الطعام وتقرء السلام علی من عرفت ومن لم تعرف۔(۲)

''ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: کس قسم کا اسلام بہتر ہے تو آپ نے فرمایا: کھانا کھلاؤ اور جس کو جانتے ہو اور جس کو نہ جانتے ہو (سب کو) سلام کرو۔''

۴۔ ترمذی، السنن، کتاب الإیمان، باب ما جاء فی أن المسلم، ۵: ۱۷، رقم: ۲۶۲۶

۵۔ أبو داؤد، السنن، کتاب الجهاد، باب فی الهجرة، ۳: ۴، رقم: ۲۴۸۱

۶۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۰، رقم: ۱۱۷۲۶

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب أيّ الاسلام أفضل، ۱: ۱۳، رقم: ۱۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب تفاضل الإسلام، ۱: ۶۶، رقم: ۴۲

۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۱، رقم: ۱۱۷۳۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۵۹، رقم: ۶۴۸۷

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب إطعام الطعام، ۱: ۱۳، رقم: ۱۲

۴۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب تفاضل الإسلام، ۱: ۶۵، رقم: ۳۹

۵۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاطعمة، باب إطعام الطعام، ۲: ۱۰۸۳، رقم: ۳۲۵۳

۶۔ أبو داؤد، السنن، کتاب الأدب، باب إفشاء السلام، ۴: ۳۵۰، رقم: ۵۱۹۴

۷۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۱، رقم: ۱۱۷۳۱

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۴۔ **لا یؤمن أحدکم حتّی یحب لأخیه ما یحب لنفسه۔**(۱)

''آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔''

۹۔ سماجی مساوات کا حق

اسلام نے تمام بنی نوع انسان کو برابر حقوق عطا کیے ہیں اور اس میں نسب، ذات، رنگ، قومیت، جنس، زبان، عقیدے اور وطن کی کوئی تمیز نہیں رکھی۔ اس باب میں اسلام نے جملہ حدود و قیود سے وراء ہر شخص کو سماجی، معاشی اور سیاسی مساوات عطا کی ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق تمام انسانیت ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا ہوئی۔ پس ایک ہی والدین کی اولاد میں کسی بھی طرح کا امتیاز روا نہیں رکھا جا سکتا۔ اسی طرح مرد و زن میں جنسی بنیاد پر بھی امتیاز کی کوئی گنجائش نہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰـكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰـكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْاط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْط اِنَّ اللهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌo(۲)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہےo''

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب، ۱: ۱۴، رقم: ۱۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی، ۱: ۶۷، رقم: ۱۳

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الصفة القیامة، باب منه، ۴: ۶۶۷، رقم: ۲۵۱۵

۴۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب في الإیمان، ۱: ۲۶، رقم: ۶۶

۵۔ نسائي، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۴، رقم: ۱۱۷۴۷

۶۔ نسائي، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۸، رقم: ۱۱۷۷۰

(۲) الحجرات، ۴۹: ۱۳

یعنی کسی بھی شخص کی دوسرے پر برتری کی بنیاد صرف تقویٰ اور کردار ہوگا۔

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام ﷺ کے اجتماع سے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ألا لا فضل لعربي علی عجمي ولا لعجمي علی عربي ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی أحمر إلّا بالتقوی.(۱)

''بے شک! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، اور کسی سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر سوائے تقویٰ کے فضیلت حاصل نہیں۔''

اسلام کے عطا کردہ یہی انقلابی تصورات تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک حبشی غلام کو موذن مقرر فرمایا اور ایک غلام حضرت زید کی شادی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کی اور حضرت اسامہ ﷺ کو روم کے خلاف جنگ کے دوران اکابر صحابہ کی موجودگی میں امیر عساکر مقرر فرمایا۔ اسلام کا عطا کردہ حق مساوات امیر و غریب، حاکم و محکوم، مسلم و ذمی اور مرد و عورت سب کو حاصل ہے۔ اسلامی معاشرے میں کوئی بھی فرد اپنے شخصی اوصاف، نیک کردار اور محنت کی بنیاد پر کوئی بھی مرتبہ حاصل کرسکتا ہے۔

۱۰۔ قانونی مساوات کا حق

اسلام کا عطا کردہ حق مساوات صرف عمومی یا سماجی و معاشرتی نوعیت ہی کا نہیں بلکہ قانونی اور ریاستی سطح کا بھی حامل ہے۔ اسلامی ریاست کے تمام شہری یکساں حیثیت کے حامل ہیں۔ اسلام کے عطا کردہ قوانین کے نفاذ کے باب میں شہریوں سے کسی بھی نوعیت کا امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا بلکہ حقوق و فرائض کے تعین کیلئے جب بھی قانون کے نفاذ کی ضرورت پڑے گی وہ مساوی بنیادوں پر نافذ کیا جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اُسوہ حسنہ اس نوعیت کے بے شمار نظائر کا حامل ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث مبارکہ سے ظاہر ہے:

۱۔ عن حسن بن محمد بن علي قال: سرقت امرأة قال عمرو: حسبت أنّه

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۱۱، رقم: ۲۳۵۳۶

۲۔ بیهقي، شعب الایمان، ۴: ۲۸۹، رقم: ۵۱۳۷

۳۔ قرطبي، الجامع لأحکام القرآن، ۱۶: ۳۴۲

قال: من بنات الكعبة، فأتي بها النبيّ ﷺ، فجاء عمر بن أبی سلمة، فقال للنبيّ ﷺ: إنّها عمّتی، فقال النبيّ ﷺ: لو كانت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها۔(۱)

''حضرت حسن بن محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ایک عورت نے چوری کی۔ عمرو کا کہنا ہے کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ قریش کے معزز خاندان میں سے تھی۔ پس اسے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا تو عمر بن ابی سلمہ آئے اور حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: یہ میری پھوپھی ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹتا۔''

۲۔ **عن عائشة زوج النّبيّ ﷺ؛ أنّ قريشا أهمهم شآن المرأة الّتی سرقت في عهد النّبیّ ﷺ، فی غزوة الفتح فقالوا: من يكلم فيها رسول الله ﷺ؟ فقالوا: ومن يجترئ عليه إلّا أسامة بن زيد، حب رسول الله ﷺ؟ فأتی بها رسول الله ﷺ. فكلمه فيها أسامة بن زيد. فتلوّن وجه رسول الله ﷺ. فقال: أتشفع فی حد من حدود الله؟ فقال له أسامة: استغفرلی. يا رسول الله! فلمّا كان العشی قام رسول الله ﷺ فاختطب فاثنی علی الله بما هو أهله. ثم قال: أما بعد. فإنّما أهلک الّذين من قبلكم، أنّهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف، تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف، أقاموا عليه الحدّ. وإنّی،**

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۰۲

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأحاديث الأنبياء، باب حديث الغار، ۳: ۱۲۸۲، رقم: ۳۲۸۸

۳۔ بخاری، الصحيح، كتاب المناقب، باب ذكر أسامه بن زيد، ۳: ۱۳۶۶، رقم: ۳۵۲۶

۴۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحدود، باب قطع السارق، ۳: ۱۳۱۶، رقم: ۱۶۸۹

۵۔ ترمذی، السنن، كتاب الحدود، باب ما جاء فی الكراهية، ۴: ۳۷، رقم: ۱۴۳۰

۶۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الحدود، باب الشفاعة فی الحدود، ۲: ۸۵۱، رقم: ۲۵۴۷

والّذی نفسی بیده لو أنّ فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها ثم أمر بتلك المرأة الّتی سرقت فقطعت يدها۔(۱)

''اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کو اس عورت کی خاندانی شرافت کا خیال آیا کہ جس نے فتح مکہ کے موقع پر چوری کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کون رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کرے گا؟ انہوں نے کہا کہ وہ صرف اسامہ بن زید ہی ہیں کہ جو حضور ﷺ کے لاڈلے ہیں۔ اس عورت کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو اسامہ بن زید نے اس کے حق میں سفارش کی تو آپ ﷺ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہوگیا اور فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کر رہے ہو۔ پس حضرت اسامہ ؓعرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے معاف فرما دیجئے جب عشاء کا وقت ہوا تو حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اللہ تعالیٰ کی اس کے لائق تعریف کی پھر فرمایا: بے شک تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ جب کبھی کسی امیر نے چوری کی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور جب کبھی کسی کمزور نے چوری کی تو اس پر حد قائم کر دیتے اور میں وہ ہوں قسم ہے اس ذات کی جس قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا پھر آپ ﷺ نے حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔''

۳۔ عن أبي ليلى عن أبيه قال: كان أسيد بن حضير رجلا ضاحكا مليحا قال فبينما هو عند رسول الله ﷺ يحدّث القوم ويضحكهم فطعن رسول الله بأصبعه في خاصرته فقال: أوجعتني قال: اقتص قال يا رسول الله إنّ عليك قيمصا ولم يكن عليّ قميص قال: فرفع رسول الله ﷺ قميصه فاحتضنه ثم جعل يقبل كشحه فقال: بأبي أنت وأمّي يا رسول الله أردت هذا۔(۲)

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الحدود، باب قطع السارق، ۳: ۱۳۱۵، رقم: ۱۶۸۸

(۲) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸: ۴۹

۲۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۷: ۱۰۲

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۳: ۳۲۷، رقم: ۵۲۶۲

۴۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱: ۲۰۵، رقم: ۵۵۶

''ابو لیلیٰ نے اپنے والد سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ اسید بن حضیر بڑے ہنس مکھ آدمی تھے ایک دفعہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لوگوں کو باتیں کر کے ہنسا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگشت مبارک ان کی کمر میں چبھوئی انہوں نے درد کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم بدلہ لے لو انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ کے بدن اقدس پر قمیص ہے جبکہ میرے جسم پر قمیص نہیں تھی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے قمیص مبارک اوپر اٹھائی تو حضرت اسید حضور سے لپٹ گئے اور آپ کے پہلو کے بوسے لینے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان میں یہی چاہتا تھا۔''

۱۱۔ حصولِ اِنصاف کا حق

قرآن حکیم نے زندگی کے تمام معاملات کو عدل اور انصاف پر استوار کرنے کی تعلیم دے کر ہر شخص کو بے لاگ انصاف کے حصول کا حق عطا کر دیا ہے۔ قرآن حکیم کی مختلف آیات سے یہ مضمون واضح ہے کہ قرآن حکیم کے نزول کا بنیادی مقصد معاشرتی اور ریاستی معاملات کو عدل و انصاف پر استوار کرنا ہے تاکہ اسلامی معاشرے کا کوئی فرد ظلم اور استحصال کا شکار نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ إِنَّ اللهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ إِنَّ اللهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ○ (۱)

''بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے○''

۲۔ إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ○ (۲)

''(اے رسول گرامی) بے شک ہم نے آپ کی طرف حق پر مبنی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس (حق) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اور آپ (کبھی) بددیانت لوگوں کی طرف داری میں بحث کرنیوالے نہ بنیں○''

---

(۱) النساء، ۴: ۵۸

(۲) النساء، ۴: ۱۰۵

۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ‌ۚ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا‌ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا‌ ۚ وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا۝(۱)

”اے ایمان والو! تم انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے (محض) اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ (گواہی) خود تمہارے اپنے یا (تمہارے) والدین یا (تمہارے) رشتہ داروں کے ہی خلاف ہو اگرچہ (جس کے خلاف گواہی ہو) مالدار ہے یا محتاج، اللہ ان دونوں کا (تم سے) زیادہ خیرخواہ ہے۔ سو تم خواہش نفس کی پیروی نہ کیا کرو کہ عدل سے ہٹ جاؤ (گے) اور اگر تم (گواہی میں) پیچدار بات کرو گے یا (حق سے) پہلوتہی کرو گے تو بے شک اللہ (ان سب کاموں سے) جو تم کر رہے ہو خبردار ہے۝“

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ‌ۖ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا‌ ؕ اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى‌ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۝(۲)

”اے ایمان والو! اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرا کرو۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب آگاہ ہے۝“

۵۔ وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَاۤ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ‌ فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ‌ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ۝(۳)

”اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے عوض آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے عوض کان اور دانت کے بدلے دانت

(۱) النساء، ۴: ۱۳۵

(۲) المائدۃ، ۵: ۸

(۳) المائدۃ، ۵: ۴۵

اور زخموں میں (بھی) بدلہ ہے تو جو شخص اس (قصاص) و صدقہ (یعنی معاف) کردے تو یہ اس (کے گناہوں) کے لیے کفارہ ہوگا اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت) نہ کرے سو وہی لوگ ظالم ہیں o‘‘

۶۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ o(۱)

’’اور یتیم کے مال کے قریب مت جانا مگر ایسے طریق سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پیمانے اور ترازو (یعنی ناپ اور تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم (کسی کی نسبت کچھ) کہو تو عدل کرو اگرچہ وہ (تمہارا) قرابت دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کیا کرو یہی (باتیں) ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کروo‘‘

۷۔ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ o(۲)

’’فرما دیجیے: میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور تم ہر سجدہ کے وقت و مقام پر اپنے رخ (کعبہ کی طرف) سیدھے کرلیا کرو اور تمام تر فرمانبرداری اس کے لیے خاص کرتے ہوئے اس کی عبادت کیا کرو جس طرح اس نے تمہاری (خلق و حیات کی) ابتداء کی تم اسی طرح (اس کی طرف) پلٹو گےo‘‘

۸۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ o(۳)

’’بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے

---

(۱) الأنعام، ۶: ۱۵۲

(۲) الأعراف، ۷: ۲۹

(۳) النحل، ۱۶: ۹۰

رہنے کا، اور بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی و نافرمانی سے منع فرماتا ہے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم خوب یاد رکھو٥"

۹۔ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ؕ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ؕ لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ؕ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ٥ (۱)

"پس آپ اسی (دین) کے لئے دعوت دیتے رہیں اور جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے (اسی پر) قائم رہئے اور اُن کی خواہشات پر کان نہ دھریئے، اور (یہ) فرما دیجئے: جو کتاب بھی اللہ نے اتاری ہے میں اُس پر ایمان رکھتا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں۔ اللہ ہمارا (بھی) رب ہے اور تمہارا (بھی) رب ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث و تکرار نہیں، اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کا) پلٹنا ہے٥"

۱۰۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ. (۲)

"بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں۔"

۱۲۔ آزادانہ سماعت کا حق

عدل و انصاف کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام فریقوں کو سماعت کا مساوی حق نہ دے دیا جائے چونکہ نزول قرآن کا بنیادی مقصد معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام ہے اس لئے ہر فرد معاشرہ کو سماعت کا حق عطا کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم سے یہ امر واضح ہے کہ اس حق کا تعین خود اللہ رب العزت نے اپنی سنت سے کیا جب آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا گیا تو ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس سرتابی پر ابلیس کو سزا دینے سے پہلے وضاحت کا موقع

(۱) الشوریٰ، ۴۲: ۱۵

(۲) الحدید، ۵۷: ۲۵

دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ o (۱)

''بیشک ہم نے تمہیں (یعنی تمہاری اصل کو) پیدا کیا پھر تمہاری صورت گری کی (یعنی تمہاری زندگی کی کیمیائی اور حیاتیاتی ابتداء و ارتقاء کے مراحل کو آدم کے وجود کی تشکیل تک مکمل کیا) پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ سجدہ کرنیوالوں میں سے نہ ہواo''

۲۔ قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ ط قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ o (۲)

''ارشاد ہوا (اے ابلیس) تجھے کس (بات) نے روکا تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا ہےo''

۳۔ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَکُوْنُ لَکَ اَنْ تَتَکَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ o (۳)

''ارشاد ہوا پس تو یہاں سے اُتر جا! تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو یہاں تکبر کرے پس (میری بارگاہ سے) نکل جا۔ بیشک تو ذلیل وخوار لوگوں میں سے ہےo''

اسی طرح جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی ریاستی انتظامیہ (state bureaucracy) کا ایک حصہ یعنی ہدہد بغیر آپ کو اطلاع دیئے لشکر سے غائب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے سخت سزا دوں گا۔ اِلّا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو سزا دینے سے پہلے حقِ سماعت عطا کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

(۱) الأعراف، ۷: ۱۱
(۲) الأعراف، ۷: ۱۲
(۳) الأعراف، ۷: ۱۳

۴۔ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ○[1]

’’اور سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے مجھے کیا ہوا ہے کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھ پا رہا یا وہ (واقعی) غائب ہو گیا ہے○‘‘

۵۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ○[2]

’’میں اسے (بغیر اجازت غائب ہونے پر) ضرور سخت سزا دوں گا یا اسے ضرور ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس (اپنے بے قصور ہونے کی) واضح دلیل لائے گا○‘‘

۱۳۔ دوسروں کے جرائم سے براءت کا حق

عدل و انصاف کا لازمی تقاضا ہر شخص کو صرف اس کے اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دینا ہے۔ اسلام نے ہر فردِ معاشرہ کو عدل و انصاف کی اس روح کے پیش نظر دوسروں کے جرائم سے برات کا بنیادی حق عطا کیا ہے، کہ ہر شخص صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور دنیا یا آخرت میں کہیں بھی کسی کو دوسرے کے اعمال و افعال کا ذمہ دار نہیں قرار دیا جائے گا:

۱۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○[3]

’’وہ ایک اُمت تھی جو گزر چکی، ان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے، اور تم سے ان کے اعمال کی باز پرس نہ کی جائے گی○‘‘

۲۔ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا○[4]

’’جو کوئی راہ ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کے لیے ہدایت پر چلتا ہے اور جو شخص

(۱) النمل، ۲۷: ۲۰

(۲) النمل، ۲۷: ۲۱

(۳) البقرہ، ۲: ۱۳۴

(۴) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۵

گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال (بھی) اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے (گناہوں کا) بوجھ نہیں اٹھائیگا اور ہم ہرگز عذاب دینے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ہم (اس قوم میں) کسی رسول کو بھیج لیں۝“

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝ (۱)

”بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جاننے والا ہے، یقیناً وہ سینوں کی (پوشیدہ) باتوں سے خوب واقف ہے۝“

۱۴۔ صفائی پیش کرنے کا حق

اسلام ہر شخص کو اپنی صفائی پیش کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔ چونکہ جملہ معاملات کے تصفیہ میں اسلام کا بنیادی اُصول عدل و انصاف کا قیام ہے۔

۱۔ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ط اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا۝ (۲)

”اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔“

۲۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ ط وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا۝ (۳)

”(اے رسولِ گرامی) بیشک ہم نے آپ کی طرف حق پر مبنی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس (حق) کے متعلق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اور آپ (کبھی) بددیانت لوگوں کی طرفداری میں بحث کرنے والے نہ بنیں۝“

عدل و انصاف کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہر شخص کو اپنی صفائی پیش کرنے اور اپنا موقف بیان کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ بنیادی حق عطا فرماتے ہوئے

(۱) الفاطر، ۳۵: ۳۸

(۲) النساء، ۴: ۵۸

(۳) النساء، ۴: ۱۰۵

ارشاد فرمایا:

إذا جلس إليک خصمان فلا تکلم حتّى تسمع من الآخر كما سمعت من الأوّل. (۱)

''جب تیرے پاس دو فریق فیصلہ کروانے کیلئے آئیں تو اس وقت تک (فیصلے) کے بارے میں) کلام نہ کرو جب تک دوسرے فریق کو بھی اسی طرح نہ سن لو جس طرح پہلے فریق سے سنا تھا۔''

۱۵۔ آزادی کا حق

اسلام کی آمد انسانیت کیلئے حقیقی آزادی کا ایک پیغام تھی۔ اس سے قبل عالم انسانیت کئی طرح کی غلامی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اسلام کے تصور مساوات اور تکریمِ انسانیت کی تعلیم نے آزادی کا وہ تصور عطا کیا جو بتدریج آج کی جدید تہذیب اختیار کر رہی ہے۔

امریکی اور بھارتی سپریم کورٹس کی عدالتی تشریح کے مطابق آزادی کا تصور وسیع تر مضمرات کا حامل ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ آزادی ان حقوق اور مراعات کو محیط ہے جن کا حصول زمانہ دراز سے آزاد انسانوں کی مسرت و شادمانی کے لئے لازمی تسلیم کیا جاتا ہے۔

امریکی سپریم کورٹ کی نظر میں آزادی ایک وسیع اصطلاح ہے جو کہ تجربے اور معاشی و معاشرتی حقیقتوں کی پابندی اور نمو کے باعث آئینی طور پر ترقی کے عمل سے گزر رہی ہے۔ بنابریں عدالتِ عظمٰی نے اس کا دائرہ ان اُمور تک بڑھا دیا:

''منصفانہ عدالتی فیصلے کا حق، آزادیِ عبادت، آزادیِ گفتار، آزادیِ اجتماع، آزادیِ خیال، تخلیے کا حق، معاہدہ کرنے کی آزادی، روزگار اور قانونی طور پر جائز پیشہ اپنانے کی آزادی، گزر و بسر کے لئے عوامی سطح پر کام کرنے کا حق، علم کے حصول کی آزادی، والدین اور سرپرستوں کی آزادی کہ وہ اپنے زیرِ تحویل اپنے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کر سکیں، شادی اور عائلی زندگی گزارنے کے لئے ذاتی انتخاب کا حق اور بیرونِ ملک سفر کا حق ملاحظہ ہوں:

Universal Declaration of Human Rights, 1948., Art. 2-4, 8-10,

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۳۷

۲۔ سمرقندی، تحفۃ الفقہاء، ۳: ۳۷۲

13,14,18-21, 28-27

The International Covenant on Civil and Political Rights, 1966., Art. 8-10, 13,14, 18, 19, 21, 22, 25-27

European Convention for the Protection of Human Rights, 1950., Art. 4,5, 8-11

The American Declaration of Rights and Duties of Man, 1948., Art. 6-8, 12,13,15,16,22,23

The African Charter on Human and People's Rights, 1981., Art. 2, 8-13

ذاتی آزادی کی جو تشریح بھارتی سپریم کورٹ نے کی ہے وہ پابندیوں، مداخلت اور تجاوزات سے فرد کی آزادی پر دلالت کرتی ہے۔ عدالت عظمیٰ نے بیرون ملک سفر کے حق کو ذاتی آزادی کے تصور کے مفہوم میں لیا اور یہ تسلیم کیا کہ قانون کے مطابق قید و بند وہ استثنائی صورت ہے جس میں قانونی مقصد کے تحت ضروری اقدام کے طور پر کسی شخص کے حقوق اور آزادیوں پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا کسی قیدی کو دوسرے بنیادی حقوق اور بہبود سے محروم نہ کیا جائے۔(۱)

عدالت کی طرف سے مذکورہ توجیہہ وتعبیر فی الواقعہ معقول ہے۔ اس کا مزید مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کا بنیادی حقِ آزادی مسلمہ ہے اور عدالت مجاز کے حتمی فیصلے کے بغیر ان کے اس حق پر قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ عدالت نے مزید فیصلہ دیا کہ پولیس افسران کی طرف سے جاسوسی کی غرض سے اور نگرانی کے لئے لوگوں کی اقامت گاہوں پر رات کے چھاپے آزادی سے محروم کرنے کے اقدام متصور ہوں گے۔(۲)

وہ حدبندی جس کے اندر ایک فرد آزادی سے محظوظ ہوسکتا ہے اور جس حد سے آگے کوئی قانونی اتھارٹی کسی شخص کی ذاتی آزادی پر ازروئے قانون پابندی عائد کرنے کی مجاز ہے اور وہ ماورائے قانون اقدامات جو ذاتی آزادی کی پامالی کا موجب بنتے ہیں بین الاقوامی سطحوں پر اور مختلف قومی حلقوں میں ماہرین قانون کی محتاط توجہ حاصل کر کے زیر بحث لائے جا رہے ہیں۔

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, p. 143.
(2) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, p. 143.

۱۶۔ شخصی آزادی کا حق

شخصی آزادی کے حق کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں کسی کو بھی بغیر قانونی جواز کے نہ ہی تو گرفتار کیا جائیگا اور نہ اس کی شخصی آزادی پر کوئی قدغن لگائی جائے گی۔ کسی بھی فرد معاشرہ کی شخصی آزادی پر کسی قانونی جواز کی بنیاد پر باقاعدہ اور شفاف عدالتی اور قانونی کارروائی کے بعد ہی پابندی لگائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اسلام شخصی آزادی کو اللہ کی ایک نعمت شمار کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر سے اہل مصر سے برے سلوک پر فرمایا: اے عمرو تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کردیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔(۱)

اسلام کے عطا کردہ شخصی آزادی کے حق میں کسی جگہ رہنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا حق بھی شامل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہی حق خارجیوں کو بھی جو کہ آپ کے شدید ترین دشمن تھے عطا کیا تھا۔

اسلام کے عطا کردہ شخصی آزادی کے حق کو محض شک کی بنیاد پر پامال نہیں کیا جاسکتا۔ ارشاد ربانی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝(۲)

”اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بیشک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی ہے) اور (کسی کے غیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس سے نفرت کرتے ہو۔ اور (اِن تمام معاملات میں) اللہ سے ڈرو بیشک اللہ توبہ کو بہت قبول فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔“

(۱) محمد حسین ہیکل، الفاروق، ۲: ۱۹۸

(۲) الحجرات، ۴۹: ۱۲

اسلام کے تعزیری نظام کا مقصد بھی لوگوں کو سزائیں دینا نہیں بلکہ اصلاح کرنا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إدرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإن كان له مخرجا فخلّوا سبيله فإنّ الإمام أن يخطئ في العفو خير من أن يخطئ بالعقوبة۔[1]

''جہاں تک ممکن ہو سکے لوگوں سے سزاؤں کو دور کرو اگر اس کے لیے کوئی پناہگاہ ہے تو اسے پناہ میں جانے دو کیونکہ امام کا غلط سزا دینے سے معاف کرنا بہتر ہے۔''

مغرب میں شخصی آزادی کا حق

انسانی حقوق کے تناظر میں آزادی کا حق تمام متفقہ بین الاقوامی معاہدات میں زیرِ غور رہا ہے۔ تاہم اس دائرے کے بارے میں کوئی خصوصی تعریف وضع نہیں ہوئی جس کے اندر آزادی کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ لیکن اس تصور کو بنظرِ غائر دیکھنے کی کوششیں ضروری ہوئی ہیں تاکہ آزادی کی اصطلاح کے مفہوم، معنی اور مضمرات کو واضح کیا جا سکے۔ بطور مثال یورپی کنونشن برائے تحفظ حقوق انسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) میں مذکور حق آزادی سے مراد طبعی فطری آزادی ہے۔ بعد ازاں (European Commission of Human Rights) نے اس تصور کو پھیلا دیا اور ایسی تراکیب استعمال ہونے لگیں جیسے ''شخصی آزادی'' ''اور فرد کی آزادی اور سلامتی'' جو یک طرفہ گرفتاری اور نظر بندی سے آزادی پر دلالت کرتی ہیں۔ مزید برآں Inter-Amercian Commission of Human Rights کے نزدیک یہ طے شدہ امر ہے کہ اذیت، وارنٹ گرفتاری، زیرِ حراست شخص کے بارے میں معلومات دینے سے انکار یا ان اشخاص کے معاملات سے متعلق بتانے سے انکار جو قانونی جواز کے بغیر تفتیش کے لیے منظر سے غائب کر دیے گئے ہیں یہ سب کچھ امریکی اعلامیہ برائے انسانی حقوق و فرائض (The American Declaration of Rights & Duties of Man, 1948) کی خلاف ورزی کے ذیل میں آتا ہے۔

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الحدود، باب فی درء الحدود، ۴: ۳۳، رقم: ۱۴۲۴

۲۔ ابن أبی شیبہ، المصنف، ۵: ۵۱۲، رقم: ۲۸۵۰۲

۳۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۸۴، رقم: ۸

۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۴۲۶، رقم: ۸۱۶۲

۱۷۔ مذہبی آزادی کا حق

کسی بھی معاشرے میں مذہبی آزادی اور اپنے ضمیر کے مطابق عمل کرنے کی سہولت ہی ایمان اور عبادت کی آزادی کی بنیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے شعور اور ضمیر کے مطابق مذہب اختیار کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اسلام ہر شخص کو مذہبی آزادی کی ضمانت فراہم کرتا ہے اسلامی ریاست میں کوئی بھی شخص اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اس کے مطابق عبادت بجا لانے کا حق رکھتا ہے۔ اسلامی ریاست کسی بھی شخص کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرتی۔ اسلام نے افراد معاشرہ کو مذہبی فرائض و رسومات کی ادائیگی کا پورا حق عطا کیا ہے۔ اور اختیار مذہب میں کسی بھی نوعیت کے جبر کو روا نہیں رکھا۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ (۱)

”دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔“

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

۲۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (۲)

”اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور سب کے سب لوگ جو زمین میں آباد ہیں ایمان لے آتے (جب رب نے انہیں جبراً مومن نہیں بنایا) تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں؟ ○“

۳۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○ (۳)

”آپ فرما دیجئے: اے کافرو! ○ میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جنہیں تم پوجتے

---

(۱) البقرہ، ۲: ۲۵۶

(۲) یونس، ۱۰: ۹۹

(۳) الکافرون، ۱۰۹: ۱۔ ۶

ہو○ اور نہ تم اس (رب) کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں○ اور نہ (ہی) میں (آئندہ کبھی) ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن (بتوں) کی تم پرستش کرتے ہو○ اور نہ (ہی) تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس (رب) کی میں عبادت کرتا ہوں○ (سو) تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے ہے○"

۴۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ○ (۱)

"اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (خدا و رسول کی مخالفت سے) بچتے رہو پھر اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف (احکام کا) واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے○"

قرآن حکیم اس امر کی تشریح کرتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بنی نوع انسان تک اللہ کا پیغام پہنچانے کیلئے بھیجا گیا۔ آپ کو بالجبر مسلمان بنانے کیلئے نہیں بھیجا گیا۔ آپ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا کہ انسانیت پیغامِ حق کے ہر پہلو سے آگاہ ہوجائے۔ آپ کے اس منصب کو مختلف مقامات پر یوں بیان کیا گیا:

۵۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ○ (۲)

"رسول پر (احکام کاملاً) پہنچا دینے کے سوا (کوئی اور ذمہ داری) نہیں اور اللہ وہ (سب) کچھ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو○"

۶۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ○ (۳)

"اور اگر اللہ (ان کو جبراً روکنا) چاہتا تو یہ لوگ (کبھی) شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو (بھی) ان پر نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان پر پاسبان ہیں○"

(۱) المائدہ، ۵: ۹۲

(۲) المائدہ، ۵: ۹۹

(۳) الانعام، ۶: ۱۰۷

۷۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ○[۱]

’’فرما دیجئے: اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق آ گیا ہے، سو جس نے راہِ ہدایت اختیار کی بس وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوگیا بس وہ اپنی ہی ہلاکت کے لئے گمراہ ہوتا ہے اور میں تمہارے اوپر داروغہ نہیں ہوں (کہ تمہیں سختی سے راہِ ہدایت پر لے آؤں)○‘‘

۸۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○[۲]

’’سو اگر (پھر بھی) وہ روگردانی کریں تو (اے نبی معظم) آپ کے ذمہ تو صرف (میرے پیغام اور احکام کو) صاف صاف پہنچا دینا ہے○‘‘

۹۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ○[۳]

’’اور فرما دیجئے کہ (یہ) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے بیشک ہم نے ظالموں کے لیے (دوزخ کی) آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی اور اگر وہ (پیاس اور تکلیف کے باعث) فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا ان کے چہروں کو بھون دیگا کتنا برا مشروب ہے اور کتنی بری آرامگاہ ہے○‘‘

۱۰۔ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○[۴]

’’پس آپ نصیحت فرماتے رہیے، آپ تو نصیحت ہی فرمانے والے ہیں○ آپ ان پر جابر وقاہر (کے طور پر) مسلط نہیں ہیں○‘‘

---

(۱) یونس، ۱۰: ۱۰۸

(۲) النحل، ۱۶: ۸۲

(۳) الکہف، ۱۸: ۲۹

(۴) الغاشیہ، ۸۸: ۲۱، ۲۲

ان آیات مبارکہ میں مذہبی آزادی پر کسی قسم کی قدغن لگانے کی نفی کی گئی ہیں۔ اب آیات سے اس مغالطے کی بھی نفی ہوجاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ قرآن حکیم کسی بھی طور پر عدم برداشت کی اجازت نہیں دیتا حتیٰ کہ اہلِ کفر کے مذہب اور طریقہ عبادت کی مذمت اور بے حرمتی کی اجازت نہیں۔

۱۱۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝[1]

''اور (اے مسلمانو!) تم ان جھوٹے معبودوں کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے اسی طرح ہم نے ہر فرقہ (و جماعت) کے لیے ان کا عمل (ان کی آنکھوں میں) مرغوب کر رکھا ہے (اور وہ اسی کو حق سمجھتے رہتے ہیں) پھر سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ انہیں ان (اعمال کے نتائج) سے آگاہ فرمادیگا جو وہ انجام دیتے تھے۝''

حتیٰ کہ دین کی تبلیغ کے معاملے میں بھی اہل اسلام کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اہل کفر سے انتہائی وقار اور تحمل سے بات کریں اور ان سے کوئی بھی جارحانہ و متشددانہ زبان استعمال نہ کریں۔

ارشاد ربانی ہے:

۱۲۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۝[2]

''(اے رسول معظم!) آپ اپنے رب کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو بیشک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۝''

۱۳۔ وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْا

---

(۱) الأنعام، ۶: ۱۰۸

(۲) النحل، ۱۶: ۱۲۵

آمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰـھُنَا وَاِلٰـھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَo(۱)

’’اور اہلِ کتاب سے جب بحث و مباحثہ کرو تو بہت شائستہ انداز سے سوائے ان کے جو ان میں سے ظلم اور زیادتی کریں۔ اور ان سے کہو کہ ہم تو جو ہم پر اترا اس پر اور (جو) تم پر اترا اس پر بھی ایمان لائے اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیںo‘‘

اسلام نے نومسلموں کے ایمان پر شک کرنے سے بھی منع کیا۔ ایک ثقہ روایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے اس بات پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ انہوں نے ایسے شخص کو قتل کیا جو قتل کے وقت کلمہ پڑھ رہا تھا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر رہا تھا جب حضرت اسامہ نے عرض کیا کہ وہ اپنی جان کے تحفظ کے لیے کلمہ پڑھ رہا تھا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أفلا شققت عن قلبه حتّی تعلم أقالها أم لا۔(۲)

’’کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ تجھے معلوم ہوگیا کہ اُس نے دل سے پڑھا ہے یا نہیں۔‘‘

ان آیات و احادیث سے واضح ہے کہ اِسلام نے حجت اور دلیل سے ہدایت و گمراہی کا فرق واضح کردیا۔ اب اختیار مذہب کے معاملات میں مسلم معاشرے کے اقلیتی افراد کو مذہبی آزادی کا حق دیا جائے گا کہ وہ اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے دلائل وبراہین کی روشنی میں قبول اسلام کی راہ اپنائیں یا اپنے مذہب کی پیروی کریں۔

---

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۲۔ ۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب تحریم قتل الکافر، ۱: ۹۶، رقم: ۹۶

۲۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الجهاد، باب علی ما یقاتل، ۳: ۴۴، رقم: ۲۶۴۳

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۱: ۶۸، رقم: ۱۹۲

۴۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۲۵، رقم: ۴۵۹۹

۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۹، ۱۹۱، ۱۹۵

تاریخ انسانی میں مذہبی آزادی کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں دی جا سکتی جہاں نہ صرف اپنے مذہب اور عقیدہ کے فروغ کے لیے طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ دوسروں کے مذہب اور عقیدہ سے مداخلت کرنے سے بھی منع کیا گیا۔

۱۸۔ اِظہارِ رائے کی آزادی کا حق

اسلام جہاں اُلوہی اصولوں پر جمہوری معاشرے کے قیام کی تعلیم دیتا ہے وہاں وہ ان تمام حقوق و فرائض کا بھی جامع اور واضح انداز سے تعین کرتا ہے جو ایک فلاحی اور جمہوری معاشرے کے قیام کیلئے ضروری ہیں۔ اظہارِ رائے کی آزادی کے بغیر کسی بھی معاشرے میں جمہوری اقدار اور عدل و انصاف کی روایت تشکیل پذیر نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے اسلام نے نہ صرف ہر فرد کو اظہار رائے کی آزادی کا حق عطا کیا ہے بلکہ اہلِ اسلام کو اپنے اجتماعی معاملات اُصولِ مشاورت پر استوار کرنے کی تعلیم بھی دی ہے:

۱۔ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○(۱)

’’اور جو لوگ اپنے رب کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور اُن کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور اس مال میں سے جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے خرچ کرتے ہیں○‘‘

۲۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○(۲)

’’اور آپ (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں۔ بے شک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے○‘‘

اظہار رائے کی آزادی میں حق تقریر، حق رائے، اختلاف اور تنقید کا حق اور جدید الفاظ میں صحافتی آزادی بھی شامل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شہریوں کے سوچنے، رائے رکھنے اور اپنی رائے

(۱) الشوریٰ، ۴۲: ۳۸

(۲) آل عمران، ۳: ۱۵۹

کے اظہار کرنے میں ریاست کبھی بھی مداخلت نہیں کرے گی۔ اسلام نے یہ حق ہر فرد کو عطا کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠ [1]

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ امر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اپنے تنازعات کو الوہی قانون کی روشنی میں حل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ انسانی سطح پر کوئی بھی قانون اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ وہ کسی بھی تنازع کو طے کرتے ہوئے عدل کے تقاضے کو اس طرح پورا کرے کہ افراد معاشرہ کے اظہار رائے کا حق بھی محفوظ رہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

۴۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۠ [2]

''(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں بھی نیکی کے پھیلانے اور برائی سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حکم کی حکمت بھی یہی ہے کہ کسی بھی معاشرے میں اس وقت ہی نیکی کا فروغ اور برائی کا قلع قمع ہوسکتا

(۱) النساء، ۴: ۵۹

(۲) الحج، ۲۲: ۴۱

ہے جب وہاں اظہار رائے کی آزادی کا حق محفوظ ہو۔

قرآن حکیم نے حکومتی معاملات میں بھی مشاورت کے اصول کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

۵۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ۚ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ (۱)

''(اے حبیبِ والاصفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تندخو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش مانگا کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں بے شک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے۝''

اُصولِ مشاورت بیان کرنے والی یہ آیات بھی اظہار رائے کی آزادی کو بیان کرتی ہے۔ کیونکہ مشاورت کا عمل اس وقت تک انجام پذیر نہیں ہوسکتا جب تک حکمران عوام سے مشورہ طلب نہ کرے اور عوام اس وقت تک مشورہ نہیں دے سکتے جب تک کہ انہیں اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل نہ ہو۔ لہٰذا قرآن حکیم کا اصول مشاورت کو اپنانے کا حکم اس حکمت کا حامل ہے کہ اسلامی ریاست میں ہر شہری کو اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہوگا۔

سیرت نبوی میں ہمیں اس امر کی کئی مثالیں ملتی ہیں جہاں حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے مختلف معاملات پر مشاورت کی غزوہ بدر، اسیرانِ بدر، غزوہ احد، غزوہ احزاب اور معاہدہ حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ایک مشہور حدیث کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا:

إنّ من أعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر۔ (۲)

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۵۹

(۲) ا۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب ما جاء أفضل الجهاد، ۴: ۴۷۱، رقم: ۲۱۷۴

''بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اسلام کی انہی زریں تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے جملہ معاملات میں باہمی مشاورت کے اصول پر عمل کیا۔ ان کے دور خلافت میں اظہار رائے کی آزادی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ جمعہ کے دوران ایک شخص نے کھڑے ہوکر آپ سے اعتراض کیا کہ وہ آپ کے خطبہ کو اس وقت تک نہیں سنیں گے جب تک کہ وہ اپنے کرتے کے لیے بیت المال سے زیادہ کپڑا لینے پر جواز فراہم نہ کردے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواتین کے حق مہر کی مقدار کے تعین کا ارادہ کیا تو ایک خاتون نے آپ کے اس فیصلے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ کیا آپ نے قرآن حکیم کی یہ آیت نہیں پڑھی:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۝ (۱)

''اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم ناحق الزام اور صریح گناہ کے ذریعے وہ مال (واپس) لینا چاہتے ہو؟۝''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے والی خاتون کی دلیل کو تسلیم کرتے ہوئے نہ صرف اپنا فیصلہ واپس لے لیا بلکہ اس کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے انہیں ایک غلطی سے بچالیا۔ (۲)

۲۔ نسائی، السنن، کتاب البیعة، باب فضل من تکلم بالحق، ۷: ۱٦۱، رقم: ۴۲۰۹

۳۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب الأمر والنھی، ۴: ۱۲۴، رقم: ۴۳۴۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف، ۲: ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، رقم: ۴۰۱۱، ۴۰۱۲

(۱) النساء، ۴: ۲۰

(۲) ۱۔ ابن حزم، الاحکام، ۲: ۲۴۵، ۲۴۴

۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵: ۹۹

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۴٦۸

۴۔ عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۲۰۴

۱۹۔ مریض کا حق

اسلام ہر فرد معاشرہ کو ایسا سماجی مقام دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاشرے کا ایسا جزو تصور کرے جہاں اس کے ماحول کا ہر فرد اس کے دکھ درد میں برابر کا شریک ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کی تعلیمات اس کا ہمہ گیر احاطہ کرتی ہیں۔ مریض جو قدرتی معذوری کے سبب معاشرے کا عضو فعال نہیں رہتا، اس امر کا مستحق ہے کہ اسے بھرپور توجہ دی جائے اسلام نے مریض کو وہ حقوق عطا کئے ہیں جو کسی دوسرے معاشرے میں نہیں دیکھے جاسکتے۔ آپ ﷺ نے افراد معاشرہ کو مریض کے معاشرتی، نفسیاتی، طبی اور سماجی حقوق کے تحفظ کی تلقین فرمائی کہ نہ صرف مریض کی صحت یابی کے لئے جملہ اقدامات کئے جائیں بلکہ اس کے نفسیاتی و سماجی مورال کو بھی بلند رکھا جائے:

عن ثوبان، عن النّبي ﷺ، قال: إنّ المسلم إذا عاد أخاه المسلم لم يزل في خرفة الجنّة حتّى يرجع۔(۱)

’’حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو لوٹنے تک گویا وہ جنت کے باغات میں ہوتا ہے۔‘‘

عن ثوير، هو ابن أبي فاختة، عن أبيه، قال: أخذ علي بيدي، قال: انطلق بنا إلى الحسن نعوده. فوجدنا عنده أبا موسى، فقال علي: أعائدا جئت، يا أبا موسى أم زائراً؟ فقال لا، بل عائدا۔(۲)

’’حضرت ثُویر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر

---

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۲۲۳، رقم: ۲۹۵۷
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۷۹، رقم: ۲۲۴۶۰

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الجنائز، باب فی عیادۃ المریض، ۳: ۳۰۰، رقم: ۹۶۹
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۷۰۲
۳۔ أبویعلی، المسند، ۱: ۲۲۷، رقم: ۲۶۲
۴۔ ابن أبی شیبہ، المصنف، ۲: ۴۴۳، رقم: ۱۰۸۳۵
۵۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۷: ۲۶۶، رقم: ۷۴۶۴
۶۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۵۰۱، رقم: ۱۲۹۴

فرمایا: میرے ساتھ آؤ حسن کی عیادت کریں اور ہم نے دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ حسن کے پاس ہیں تو حضرت علی نے فرمایا: اے ابوموسیٰ! کیا تم حسن کی عیادت کے لئے آئے تھے یا ملنے کے لئے تو ابوموسیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ میں عیادت کے لئے آیا ہوں۔“

۲۰۔ طبی سہولیات کی فراہمی کا حق

اسلام نے جملہ فرائض کی ادائیگی کو صحت کے ساتھ مشروط ٹھہرایا ہے۔ مریضوں کو فرائض کی ادائیگی میں رعایت عطا کی گئی ہے۔ مریضوں کو جہاں عیادت اور مزاج پرسی کا سماجی و معاشرتی حق عطا کیا گیا ہے وہاں انہیں یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنی صحت کی بحالی کیلئے علاج و معالجہ کے لئے اقدامات کرسکیں۔ بیماری کی وجہ سے عبادات اور فرائض میں رعایت کے احکامات قرآن حکیم نے یوں بیان کئے:

۱۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝ (۱)

”اور حج اور عمرہ (کے مناسک) اللہ کے لئے مکمل کرو، پھر اگر تم (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جو قربانی بھی میسر آئے (کرنے کے لیے بھیج دو) اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (اس وجہ سے قبل از وقت سر منڈوالے تو اس کے) بدلے میں روزے (رکھے) یا صدقہ (دے) یا قربانی (کرے) پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو تو جو کوئی عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو جو بھی قربانی میسر آئے (کردے) پھر جسے یہ بھی میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے (زمانہ) حج میں رکھے اور سات جب تم حج سے واپس لوٹو، یہ پورے دس (روزے) ہوئے، یہ (رعائیت) اس کے

(۱) البقرہ، ۲: ۱۹۶

لئے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے○"

۲۔ لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○(۱)

"ضعیفوں (کمزوروں) پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ (ہی) ایسے لوگوں پر ہے جو اس قدر (وسعت بھی) نہیں پاتے جسے خرچ کریں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کیلئے خالص و مخلص ہو چکے ہوں، نیکوکاروں (یعنی صاحبان احسان) پر الزام کی کوئی راہ نہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے○"

۳۔ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِیْمًا○(۲)

"(جہاد سے رہ جانے میں) نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ (ہی) بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا وہ اسے بہشتوں میں داخل فرما دے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی، اور جو شخص (اطاعت سے) منہ پھیرے گا وہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا○"

مغربی قانون اور طبی سہولیات کا حق

صحت کی نگہداشت اور طبی سہولیات پر ہر ایک کا حق ہے تاکہ ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ معیارِ صحت برقرار رکھا جاسکے۔ اس کی یقین دہانی 1948ء کے Universal Declaration of Human Rights، 1966ء کے The International Covenant on Economic, Social and Cultural Rights، 1948ء کے The American

(۱) التوبۃ، ۹: ۹۱

(۲) الفتح، ۴۸: ۱۷

Declaration of Rights and Duties of Man اور 1981ء کے The African Charter on Human and People's Rights میں کرائی گئی ہے۔ یورپی ماہرین کی کمیٹی (European Committee of Experts) نے جانچ پرکھ کے لئے کچھ بنیادی اصول مقرر کئے ہیں جن کی موجودگی کسی ملک کی طرف سے فرائض اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کی شہادت فراہم کرسکتی ہے۔ جانچ پرکھ کے ان اصولوں کے مطابق یورپین سوشل چارٹر 1961ء کے تحت ایک ریاست اپنے فرض کو ادا کرنے کی حالت میں اس وقت متصور ہوگی جب وہ طبی اور صحت کے علاج معالجہ کا نظام قائم کرے گی تاکہ لوگوں کو ضروری حد تک مناسب طبی خدمات فراہم کی جاسکیں۔

European Committee of Experts نے طے کیا ہے کہ منشور کا پابند کوئی ملک مذکورہ آرٹیکل کے تحت اپنی ذمہ داری سے سبکدوش سمجھا جائے اگر وہ اس امر کی شہادت فراہم کر دے کہ وہ درج ذیل پر مشتمل طبی خدمات اور صحت کے نظام کو وجود میں لے آیا ہے:

۱۔ عوامی صحت کے لیے کئے گئے انتظامات کے تحت میڈیکل اور تربیت یافتہ نگران طبی عملہ اور صحت کے بڑے مسائل کی مناسبت سے موزوں سامان و آلات اور ان انتظامات کو یقینی بنانا ہوگا:

ا۔ تمام تر آبادی کے لئے مناسب طبی سہولیات

ب۔ بیماری کی تشخیص اور روک تھام

۲۔ ماؤں، بچوں اور بوڑھوں کے لئے حفظانِ صحت کے خصوصی اقدامات

۳۔ عمومی اقدامات جو پانی اور ہوا کی آلودگی روکنے کے لئے بالخصوص اٹھائے جائیں۔ تابکار اشیاء کے اثرات سے تحفظ، شور میں کمی، غذائی کنٹرول، تحفظِ ماحول وصحت اور شراب نوشی ومنشیات کی روک تھام

۴۔ تعلیمِ صحت کا نظام

۵۔ حفاظتی ٹیکے، جراثیم کش ادویات کا چھڑکاؤ اور متعدی و بائی امراض کی روک تھام، علاقائی اور وبائی امراض پر قابو پانے کے ذرائع کی فراہمی، اجتماعی تنظیموں کی طرف سے تمام یا کم از کم خدمات صحت کے مصارف کے خاطر خواہ حصے کی برداشت۔(1)

یہاں یہ ذکر کرنا اہم ہوگا کہ اسلامی قانون کے تحت مذکورہ بالا اصولوں کا محکمہ عدالت کے

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, pp. 195-198.

مسلم اربابِ اختیار محتاط انداز سے جائزہ لیتے رہیں۔ معاصر ممالک بالخصوص وہ جنہیں ہم ترقی یافتہ کہتے ہیں سے متعلق یہ بات عیاں ہے کہ محولہ بالا تصوراتِ حقوق انسانی میں عوامی ویلفیئر کا پہلو نمایاں طور پر قابلِ ذکر ہے۔[1]

وہ بین الاقوامی قوانین و معاہدات جن کا ہم جائزہ لیتے رہے ہیں انہوں نے مزید حقوق کو انسانی حقوق کے دائرے میں شامل کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ان حقوق کی شمولیت سے فی الواقعہ انسانی حقوق میں مزید وسعت پیدا ہوگئی ہے اور انسانی غور طلب امور کے بہت سے اہم گوشے خاص طور پر ہمارے سامنے آئے ہیں۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ ''سول اور سیاسی حقوق'' اور'' اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق'' کے دو گروہ جن کی بین الاقوامی معاہدات نے توثیق کی ہے، سے کئی حقوق اور بنی نوع انسان سے متعلق امور نکھر کر سامنے آئے ہیں جو انسانی حقوق کے جدید تصور سے مطابقت رکھتے ہیں۔

۲۱۔ ملکیت کا حق

اسلام کے عطا کردہ حق ملکیت میں کمانے، مال رکھنے، مال و متاع سے نفع حاصل کرنے اور مال و متاع کو قانونی طور پر فروخت کرنے، تحفہ دینے، تبادلہ کرنے یا اس کے بارے میں وصیت کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ اسلام نے ملکیت کے باب میں انسان کو یہ حقوق آج سے چودہ سو سال قبل عطا کئے جب ابھی انسانی تہذیب نے ارتقا کا یہ سفر طے نہیں کیا تھا۔ قرآن نے حق ملکیت کی ان مختلف جہتوں کو درج مقامات پر بیان کیا

۱۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ○[2]

''اور تم اس چیز کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○''

(1) Levine, *Human Rights and Freedom*, p. 140.

(۲) النساء، ۴: ۳۲

۲۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ○ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ○[۱]

’’اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہوگی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)○ اور یہ کہ اُس کی ہر کوشش عنقریب دکھا دی جائے گی (یعنی ظاہر کر دی جائے گی)○ پھر اُسے (اُس کی ہر کوشش کا) پورا پورا بدلہ دیا جائے گا○‘‘

۳۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○[۲]

’’اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطور رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)○‘‘

اسلام انسان کو جائز ذرائع سے حاصل کردہ دولت رکھنے اور اسے استعمال کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی کئی آیات انفرادی حق ملکیت کو بیان کرتی ہے ارشاد ربانی ہے:

۴۔ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○[۳]

’’اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے○‘‘

۵۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○[۴]

(۱) النجم، ۵۳: ۳۹۔۴۱

(۲) البقرہ، ۲: ۱۸۸

(۳) البقرہ، ۲: ۱۹۵

(۴) البقرہ، ۲: ۲۶۷

"اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو، اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز لائق ہر حمد ہے٥"

۲۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ٥[1]

"آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعث) تسکین ہے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے٥"

قرآن حکیم کی وہ آیات جن میں اہل ایمان کو صدقات، زکوۃ اور خیرات کی تلقین کی گئی ہیں ان سے انفرادی حق ملکیت از خود ثابت ہو جاتا ہے۔ تاہم انفرادی حق ملکیت کو اسلام نے تصور امانت پر استوار کرتے ہوئے کچھ شرائط سے مشروط کیا ہے۔ کوئی بھی اپنی دولت غیر شرعی امور پر خرچ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اسراف اور بے جا خرچ کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اسلام نے انفرادی ملکیت کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کے افراد پر ایسی معاشی ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں جن کا تعلق اجتماعی مفاد سے ہیں۔

۲۲۔ بنیادی ضروریات کی کفالت کا حق

اسلام نے ہر شخص کو خوراک، لباس اور رہائش کی بنیادی ضروریات کا حق ادا کیا ہے۔ یہ ہر شخص کا بنیادی حق ہے کہ اسے اور اس کے خاندان کو بنیادی انسانی ضروریات فراہم کی جائیں۔ افراد معاشرہ کو یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ ریاست کی اطاعت سے قبل اس سے ان حقوق کا مطالبہ کریں۔ اس لیے اسلامی ریاست کو صاحب حیثیت شہریوں سے زکوۃ، عشر اور دیگر مدات میں رقم لینے کا حق دیا گیا ہے تاکہ مستحق لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے ذرائع میسر کرسکیں۔

(۱) التوبہ، ۹: ۱۰۳

قرآن حکیم کی درج ذیل آیات اس مضمون کو بیان کرتی ہیں:

۱۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (۱)

''اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے (ہے) اور یتیموں اور مسافروں اور محتاجوں کے لئے ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس (وحی) پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر (حق و باطل کے درمیان) فیصلے کے دن نازل فرمائی وہ دن (جب میدان بدر میں مومنوں اور کافروں) کے دونوں لشکر باہم مقابل ہوئے تھے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے○''

۲۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (۲)

''بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کیے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرضہ داروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں پر) مسافروں پر زکوٰۃ (کا خرچ کیا جانا حق ہے) یہ سب اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے○''

۳۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

(۱) الانفال، ۸: ۴۱

(۲) التوبہ، ۹: ۶۰

الْعِقَابِ ○[1]

''جو (اموالِ فَے) اللہ نے (قُرَیظہ، نَضِیر، فِدَک، خَیبر، عُرَینہ سمیت دیگر بغیر جنگ کے مفتوحہ) بستیوں والوں سے (نکال کر) اپنے رسول (ﷺ) پر لوٹائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے ہیں اور (رسول ﷺ کے) قرابت داروں (یعنی بنو ہاشم اور بنو المطّلب) کے لئے اور (معاشرے کے عام) یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہیں (یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے) اور جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی رسول ﷺ کی تقسیم و عطا پر کبھی زبانِ طعن نہ کھولو)، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے○''

۴۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ○[2]

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیجئے جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے) مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے○''

۵۔ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○[3]

''اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھا○''

۶۔ مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ○ وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ ○[4]

---

(۱) الحشر، ۵۹: ۷

(۲) البقرہ، ۲: ۲۱۵

(۳) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۴) المدثر، ۷۴: ۴۲۔ ۴۴

''(اور کہیں گے:) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی۔ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے۔ اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۝''

۷۔ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا۝[۱]

''(یہ بندگانِ خاص وہ ہیں) جو (اپنی) نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی خوب پھیل جانے والی ہے۝ اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۝ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو محض اللہ کی رضا کیلئے تمہیں کھلا رہے ہیں، نہ تم سے کسی بدلہ کے خواستگار ہیں اور نہ شکرگزاری کے (خواہشمند) ہیں۝''

مغربی قانون میں بنیادی ضروریات کا حق

1948ء کے Universal Declaration of Human Rights کے مطابق معیارِ بود و باش میں ابتدائی ضروریات شامل ہیں جو انسانی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے درکار ہیں۔ اس ڈیکلیریشن کے آرٹیکل 22 میں ہر ایک کو معاشرتی تحفظ کا حق دیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ اس حق کی فراہمی کے لئے قومی مساعی اور بین الاقوامی تعاون کو بروئے کار لایا جائے۔ آرٹیکل نمبر 25 معاشرتی سلامتی کی اصطلاح کے مفہوم اور شرائط کو خصوصی طور پر اجاگر کرتا ہے جس سے مراد زندگی گذارنے کا وہ معیار ہے جو افراد کی صحت اور بہبود کے لئے مناسب ہے جس میں خوراک، کپڑے، مکان، طبی علاج معالجہ اور ضروری معاشرتی خدمات شامل ہیں بالخصوص بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور افلاس و غربت کے ان حالات میں جو کسی کے بس سے باہر ہیں۔[۲]

1966ء کے The International Covenant on Economic, Social and Cultural Rights میں بالصراحت ان ریاستوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کنونشن کی فریق

---

(۱) الدھر، ۷۶: ۷۔۹

(2) i. Levine, *Human Rights and Freedom*, p. 140.
ii. Sieghart, *The International Law of Human Rights*, pp. 193, 194.

ہیں اور انہوں نے ذمہ داری لی ہے کہ وہ ہر فرد کو احتیاج اور بھوک سے محفوظ کرنے اور لوگوں کے حالاتِ زندگی بہتر بنانے کے لئے مسلسل ضروری طور پر مناسب اقدام کریں گے۔ یہ اصول 1948ء کے Universal Declaration of Human Rights سے اخذ کئے گئے ان ناگزیر امور کا بیان ہیں جو انسان کے شرف و وقار اور اس کی شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لئے درکار ہیں۔

۲۳۔ تعلیم کا حق

اسلام اس لحاظ سے دنیا کے دیگر تمام مذاہب اور نظام ہائے حیات سے ممتاز ہے کہ اس کا حرف آغاز اِقرا یعنی تعلیم سے متعلق ہے۔ اقراء سے قرآن حکیم کا آغاز کر کے جہاں اہل اسلام کو حصول علم کا پابند ٹھہرایا گیا وہاں دوسرے الفاظ میں انہیں یہ حق بھی عطا کر دیا گیا کہ وہ اسلامی ریاست میں بغیر کسی قدغن یا پابندی کے علم حاصل کر سکے۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○[۱]

''(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھئے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا ○ اس نے انسان کو (رحم مادر میں جونک کی طرح) معلق وجود سے پیدا کیا ○ پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے ○ جس نے قلم کے ذریعے لکھنے پڑھنے کا علم سکھایا ○ جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا ○''

قرآن حکیم نے اہل علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ صرف اہل علم و دانش ہی ہیں جو قرآن حکیم سے اخذ نصیحت کر سکتے ہیں:

۲۔ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○[۲]

''اور صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو صاحب عقل و دانش ہیں ○''

قرآن حکیم نے نہ صرف علم کی فضیلت کو بیان کیا ہے بلکہ متعلقات علم کو بھی سزاوار شرف و منزلت ٹھہرایا:

(۱) العلق، ۹۶: ۱۔ ۵

(۲) البقرہ، ۲: ۲۶۹

۳۔ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَo مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍo(۱)

’’نون (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں) قلم کی قسم اور اُس (مضمون) کی قَسم جو (فرشتے) لکھتے ہیںo (اے حبیبِ مکرّم!) آپ اپنے رب کے فضل سے (ہرگز) دیوانے نہیں ہیںo‘‘

اللہ تعالٰی نے حضور نبی اکرم ﷺ کو جس واحد شے کی طلب کی تلقین کی وہ علم ہے:

۴۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْکَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًاo(۲)

’’پس اللہ بلند شان والا ہے وہی بادشاہِ حقیقی ہے اور آپ قرآن (کے پڑھنے) میں جلدی نہ کیا کریں قبل اس کے کہ اس کی وحی آپ پر پوری اتر جائے اور آپ (رب کے حضور یہ) عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دےo‘‘

۲۴۔ معاہدہ کرنے کا حق

اسلام نے تجارتی اور دیگر سرگرمیوں کے حوالے سے مختلف اُصول و ضوابط بیان کرتے ہوئے معاہدہ کرنے کے بنیادی حق کو بھی بیان کیا۔ اسلامی ریاست کا ہر شہری دوسرے شہری سے معاہدہ کرسکتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی قانونی مانع حائل نہ ہو۔ معاہدہ کرنے کی اخلاقیات کو بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم نے یہ تعلیم دی کہ اہل ایمان کا کردار یہ ہے کہ وہ ہمیشہ امانتوں کا لحاظ اور معاہدوں کی پابندی کرتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَo(۳)

’’اور (یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیںo‘‘

۲۵۔ اَزدواجی زندگی کا حق

نسل انسانی کے فروغ کے لئے معاشرے میں پاکیزہ ازدواجی زندگی کا قیام اور افراد

(۱) القلم، ۶۸: ۱، ۲

(۲) طٰہٰ، ۲۰: ۱۱۴

(۳) المعارج، ۷۰: ۳۲

معاشرہ کو ازدواجی زندگی کا حق دیا جانا ضروری ہے۔ قرآن حکیم نے اسلامی معاشرے کے افراد کو نہ صرف ازدواجی زندگی کا حق عطا کیا بلکہ ازدواجی زندگی کے قیام کو اپنی نشانی قرار دیا:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔(۱)

''اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔''

ایک پاکیزہ معاشرے میں یہ ضروری ہے کہ شادی کے قابل لوگ زیادہ دیر مجرد نہ رہیں تاکہ بلا وجہ کی شہوانی لہر سماج کی فضا کو زہر آلود نہ کر سکے۔ شادی کے نتیجے میں ایک دوسرے کے لئے سکون و اطمینان کے ساتھ مودّت و رحمت وہ بنیادی چیز ہے جو انسانی نسل کے برقرار رہنے کے علاوہ انسانی تہذیب و تمدن کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنتی ہے، اس کی بدولت گھر بنتا ہے، خاندان اور قبیلے وجود میں آتے ہیں اور اس کی بدولت انسانی زندگی اور تمدن میں نشوونما ہوتی ہے۔ اس لئے ازدواجی زندگی کو، جو ایک سماجی حق بھی ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت اور طریقہ قرار دے کر عبادت کا تقدس عطا کر دیا۔

۲۶۔ خاندان کے قیام کا حق

معاشرتی زندگی کے صحت مندانہ فروغ کیلئے خاندان کی تشکیل بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام نے ہر فرد کو خاندانی زندگی کا حق عطا کیا ہے اور پھر ان تمام عوامل و موثرات کا مناسب سدباب بھی کیا ہے جو ایسے اسباب کا باعث بن سکتے ہیں جن سے خاندانی زندگی اختلال کا شکار ہوجائے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ○(۲)

''اور تم اپنے مردوں اور عورتوں میں سے ان کا نکاح کر دیا کرو (عمرِ نکاح کے باوجود) جو

(۱) الروم، ۳۰: ۲۱

(۲) النور، ۲۴: ۳۲

بغیر ازدواجی زندگی کے (رہ رہے) ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کا بھی (نکاح کردیا کرو) اگر وہ محتاج ہوں گے (تو) اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کردیگا اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہےo''

۲۷۔ میت کا حق

اسلام تکریم انسانیت کی تعلیم عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسان کی پیدائش سے اس کے حقوق کا تعین کیا اور پھر یہ حقوق بعد از موت بھی اسے حاصل ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد اگرچہ اس کا رابطہ اس عالم ارضی سے منقطع ہوجاتا ہے مگر اس کے حقوق ہرگز ختم نہیں ہوتے بلکہ اس کی تکریم، عزت اور میت کے وقار کا لحاظ دوسرے افراد معاشرہ پر لازم ہوتا ہے:

۱۔ **عن أنس، قال: مرّ علی رسول اللہ ﷺ بجنازۃ فأثنوا علیہا خیرا، فقال رسول اللہ ﷺ وجبت ثم قال: أنتم شہداء اللہ في الأرض۔**[1]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس میت کی تعریف کی۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کے لئے (جنت) واجب ہوگئی۔ پھر ارشاد فرمایا: تم لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔''

۲۔ **من شہد الجنازۃ حتّی یصلی فلہ قیراط ومن شہد حتّی تدفن کان لہ قیراطان قیل وما القیراطان؟ قال مثل الجبلین العظیمین۔**[2]

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الثناء، ۳: ۳۷۳، رقم: ۱۰۵۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب ثناء الناس علی المیت، ۲: ۹۳۴، رقم: ۲۴۹۹

۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۲۲۹، رقم: ۲۰۶۰

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۶۱، رقم: ۷۵۴۳

۸۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۲۹۲، رقم: ۳۰۲۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب من انتظر، ۱: ۴۴۵، رقم: ۱۲۶۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، باب فضل الصلاۃ علی الجنازۃ، ۲: ۶۵۳، رقم: ۹۴۵

’’جو شخص جنازہ کے ساتھ چلے حتی کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے، اس کے لئے ایک قیراط اجر ہے اور جو اس کے ساتھ چلے یہاں تک کہ دفن کیا جائے اس کے لئے دو قیراط ہیں آپ سے پوچھا گیا کہ یہ دو قیراط کیا ہیں؟ فرمایا: جیسے دو بڑے بڑے پہاڑ۔‘‘

۳۔ **عن أبي الأسود الديلي، قال: قدمت المدينة فجلست إلى عمر بن الخطاب، فمرّوا بجنازة فأثنوا عليها خيرا، فقال عمر: وجبت فقلت لعمر: وما وجبت؟ قال: أقول كما قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم يشهد له ثلاثة إلّا وجبت له الجنّة قال:قلت: واثنان؟. قال: واثنان، قال: ولم نسأل رسول الله ﷺ عن الواحد۔**(۱)

’’حضرت ابو الاسود الدیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مدینہ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ وہاں ایک جنازہ آیا اور لوگوں نے میت کی تعریف کی تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: واجب ہوگئی میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا واجب ہوگئی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب بھی کسی مسلم کے لئے تین آدمی (اچھی) گواہی دیں تو اس کے لئے جنت واجب ہوجاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا اگر دو گواہی دیں تو؟ آپ نے فرمایا: ہاں دو پر بھی۔ پھر

۳۔ نسائی، السنن، كتاب الجنائز، باب ثواب من صلى على جنازة، ۴: ۵۸، رقم: ۱۹۹۵

۴۔ نسائی، السنن الكبرىٰ، ۱: ۶۴۵، رقم: ۲۱۲۲

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۰۱، رقم: ۹۱۹۷

۶۔ ابن حبان، صحيح، ۷: ۳۴۷، رقم: ۳۰۷۸

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الثناء، ۳: ۳۷۳، رقم: ۱۰۵۹

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجنائز، باب ثناء الناس، ۱: ۴۶۰، رقم: ۱۳۰۲

۳۔ نسائی، السنن الكبرىٰ، ۱: ۶۶۹، رقم: ۲۰۶۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۰، رقم: ۲۰۴

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۷: ۲۹۷، رقم: ۳۰۲۸

۶۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۳: ۴۷، رقم: ۱۱۹۹۶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اور ہم نے آپ ﷺ سے ایک کی گواہی کے بارے میں نہیں پوچھا۔"

۴۔ **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **عن النبی** ﷺ **أنّه مربقبرين يعذبان فقال انهما ليعذبان و ما يعذبان في كبير اما احدهما فكان لايستتر من البول واما الاخر فكان يمشي بالنميمة ثم اخذ جريدة رطبة فشقها بنصفين ثم غرز في كل قبر واحدة فقالوا يا رسول الله لم صنعت هذا فقال لعله ان يخفف عنهما ما لم ييبسا۔**(1)

"حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے ان دونوں پر عذاب ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ان دونوں پر عذاب اور کسی بڑے امر میں ان پر عذاب نہیں ہو رہا ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا پھر ایک تر شاخ لی اور اس کے دو ٹکڑے کیے پھر ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے یہ کس مصلحت کی بنا پر کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے جب تک کہ یہ خشک نہ ہوں۔"

حضور نبی اکرم ﷺ نے مردوں کو برا بھلا کہنے اور ان کی عزت و تکریم کے منافی گفتگو کرنے سے منع فرمایا:

۵۔ **عن عائشة قالت قال النبي ﷺ: لا تسبوا الأموات فإنّهم قد افضوا إلى ما**

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب ما جاء فی غسل البول، ۱: ۸۸، رقم: ۲۱۵

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب الجريد على القبر، ۱: ۴۵۸، رقم: ۱۲۹۵

۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۶۶۴، رقم: ۲۱۹۶

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۶

۵۔ دارمی، السنن، ۱: ۲۰۵ رقم: ۷۳۹

۶۔ أبو عوانہ، المسند، ۱: ۱۶۸، رقم: ۴۹۵

۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۳: ۵۸۹، رقم: ۶۷۵۴

قدموا۔(۱)

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مُردوں کو برا بھلا نہ کہو، اس لئے کہ وہ لوگ اس سے مل چکے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیجا ہے۔‘‘

میت کے حقوق میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کے پس ماندگان اس پر واجب حج، نذر یا قرض کی ادائیگی کریں۔ درج ذیل حدیث مبارکہ اس باب میں رہنمائی فراہم کرتی ہے:

۲۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أنّ امراۃ من جھینۃ جآء ت إلی النبی ﷺ فقالت: إنّ أمی نذرت أن تحج فلم تحج حتّی ماتت أفحج عنھا قال: نعم حجی عنھا أرایت لوکان علی أمّک دین أکنت قاضیته اقضوا اللہ فاللہ أحق بالوفآء۔(۲)

’’حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جہینہ کی ایک عورت حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ حج نہ کرسکی اور مرگئی تو کیا میں اس طرف سے حج کروں، آپ نے فرمایا: ہاں اس کی طرف سے حج کر اگر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا نہ کرتی اللہ تعالیٰ کا حق تو اور بھی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب ما ینھی من، ۱: ۴۷۰، رقم: ۱۳۲۹

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقائق، باب سکرات الموت، ۵: ۲۳۸۸، رقم: ۶۱۵۱

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب النھی عن سبب الأموات، ۴: ۵۳، رقم: ۱۹۳۶

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۶۳۰، رقم: ۲۰۶۳

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۰، رقم: ۲۵۵۰۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الحج والنزور، ۲: ۶۵۶، رقم: ۱۷۵۴

۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۱۵۲

۳۔ عسقلانی، الاصابۃ، ۳:۱۸۹، رقم: ۳۵۰۹

۴۔ حسینی، البیان والتعریف، ۱: ۱۲۸، رقم: ۳۳۳

۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۲: ۷۰

پورا کئے جانے کا مستحق ہے۔‘‘

اگر میت پر کسی کا قرض ہو تو اس کا حق ہے کہ اسے دوسرے کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

۷۔ **عن سلمة بن الأكوع قال: كنّا جلوسا عند النبی ﷺ إذ اتی بجنازة فقالوا: صل عليها فقال: هل عليه دين؟ قالوا: لا قال فهل ترک شيئا قالوا: لا فصلی عليه ثم اتی بجنازة أخری فقالوا: يا رسول الله صل عليها قال هل عليه دين قيل نعم قال فهل ترک شيئا قالوا ثلثة دنا نير فصلی عليها ثم اتی بالثالثة فقالوا صل عليها قال هل ترک شيئا قالوا لا قال فهل عليه دين قالوا ثلثة دنانير قال صلوا علی صاحبكم قال ابو قتادة صل عليه يا رسول الله و علیّ دينه فصلی عليه۔**(1)

’’حضرت سلمہ بن اکوع ﷛ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس اثنا میں ایک جنازہ لایا گیا لوگوں نے عرض کیا اس پر نماز پڑھ دیں آپ نے فرمایا اس پر کوئی قرض ہے ہم نے کہا نہیں آپ نے فرمایا اس نے کوئی چیز چھوڑی ہے لوگوں نے کہا تین دینار تو آپ نے اس پر نماز پڑھی پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس پر نماز پڑھ دیں آپ نے فرمایا کیا اس پر کوئی قرض ہے لوگو ں نے جواب دیا ہاں آپ نے فرمایا اس نے کوئی چیز چھوڑی ہے، لوگوں نے کہا نہیں تو آپ نے اس پر نماز پڑھی، پھر ایک تیسرا جنازہ لایا گیا۔ تو لوگوں نے عرض کیا آپ اس پر نماز پڑھ دیں آپ نے فرمایا اس نے کوئی چیز چھوڑی ہے لوگوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا اس پر قرض ہے لوگوں نے کہا تین دینار، آپ نے فرمایا تم اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو، ابو قتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس پر نماز پڑھیں میں اس کے قرض کا ذمہ دار ہوں چنانچہ آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الحوالات، باب أن أحال دين الميت، ۲: ۷۹۹، رقم: ۲۱۶۸

۲۔ منذری، الترغيب و الترهيب، ۲: ۳۱، رقم: ۱۳۸۱

۳۔ هيثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۴۰

۴۔ أندلسی، تحفة المحتاج، ۲: ۲۶۸، رقم: ۱۲۷۴

اس باب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کی روشنی میں انسانی حقوق کے بنیادی تصورات اور قوانین کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ ان تفصیلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد دراصل انسانی وقار کی بحالی اور انسانیت کو ان کے حقوق سے آشنا کرنے اور حقوق عطا کرنے کی جدوجہد ہے یعنی آپ کی عملی زندگی میں پہلا بڑا قدم جو تاریخ میں ملتا ہے وہ معاہدہ حلف الفضول ہے جس میں آپ نے شمولیت فرمائی تھی اس معاہدے میں یہ طے پایا تھا کہ

لیکونن یدا واحدة مع المظلوم علی الظالم حتّی یؤدی إلیه حقّه ما بل بحر صوفة وما رسا حراء وثبیر مکانهما وعلی التاسی فی المعاش۔(1)

’’وہ سب متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے یہاں تک کہ ظالم، مظلوم کو اس کا حق ادا کر دے۔ اور ہم اس عہد پر پابند رہیں گے جب تک سمندر، صوف (اون) کو تر کرتا ہے اور جب تک حراء اور ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں۔ اور معاش میں ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔‘‘

یعنی اہل مکہ اس وقت تک مصروف جدوجہد رہیں گے جب تک طاقت ور سے کمزور کا حق لے کر کمزور کو لوٹا نہ دیا جائے۔ یہ وہ پہلا معاہدہ یا سماجی اور معاشرتی اور سیاسی سرگرمی جس کا حضور نبی اکرم ﷺ حصہ بنے وہ دراصل انسانی حقوق کی بحالی کا معاہدہ تھا وہ مرحلہ جہاں آپ کی زندگی کا سفر اور آپ کی جدوجہد اختتام پذیر ہوئی وہ حجۃ الوداع ہے اس میں بھی آپ نے جب صحابہ کرام کو اور ان کے ذریعے سے آنے والی پوری امت مسلمہ اور انسانیت کو اپنا آخری پیغام دیا تو اس میں سرفہرست افراد معاشرہ کے ایک دوسرے پر حقوق تھے جن میں خواتین، بوڑھے، بچے، جوان، آزاد، غلام، عربی، غیر عربی، عجمی ہر طرح کے افراد کے حقوق کا اور ہر نوع کے حقوق کا مذہبی، دینی، سماجی، معاشرتی، معاشی، اقتصادی، ملکی اور بین الاقوامی حقوق کا احاطہ کیا گیا۔ یہی سبب ہے کہ حقوق انسانی کا کوئی بھی باب حضور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد اور آپ کی تعلیمات کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔

---

(1) ۱۔ سہیلی، الروض الأنف، ۱: ۲۴۳

۲۔ ابن کثیر، السیرة النبویة، ۲: ۲۹۲

۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۱۲۹

۴۔ حلبی، السیرة الحلبیة، ۱: ۲۱۲

باب ہشتم

سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت
اَقلیتوں کے حقوق کے تناظر میں

اسلام شرفِ انسانیت کا علم بردار دین ہے۔ ہر فرد سے حسنِ سلوک کی تعلیم دینے والے دین میں کوئی ایسا اصول یا ضابطہ روا نہیں رکھا گیا جو شرفِ انسانیت کے منافی ہو۔ دیگر طبقاتِ معاشرہ کی طرح اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی ان تمام حقوق کا مستحق قرار دیا گیا ہے، جن کا ایک مثالی معاشرے میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کی اساس معاملاتِ دین میں جبر و اکراہ کے عنصر کی نفی کر کے فراہم کی گئی ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (۱)

’’دین میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، سو جو کوئی معبودانِ باطلہ کا انکار کر دے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لیے ٹوٹنا (ممکن) نہیں، اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے ○‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○ (۲)

’’(سو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہے ○‘‘

اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق کو کتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے اس کا اندازہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمانِ مبارک سے ہوتا ہے:

۱۔ ألا من ظلم معاهداً أو انتقصه أو كلفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئا بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة۔ (۳)

---

(۱) البقرہ، ۲: ۲۵۶

(۲) الکافرون، ۱۰۹: ۶

(۳) ۱۔ أبوداؤد، السنن، كتاب الخراج، باب في تعشير، ۳: ۱۷۰، رقم: ۳۰۵۲ ←

”خبردار! جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا یا اُس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو بروز قیامت میں اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔“

یہ صرف ایک تنبیہ ہی نہیں بلکہ ایک قانون ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے دورِ مبارک میں اسلامی مملکت میں جاری تھا، جس پر بعد میں بھی عمل درآمد ہوتا رہا اور اب بھی یہ اسلامی دستورِ مملکت کا ایک حصہ ہے۔

۲۔ ایک روایت میں ہے:

إنّ رجلا من المسلمين قتل رجلا من أهل الكتاب، فرفع إلى النّبيّ ﷺ، فقال رسول الله ﷺ: أنا أحق من وفى بذمته، ثم أمر به فقتل۔ (۲)

”ایک مسلمان نے ایک اہلِ کتاب کو قتل کر دیا اور وہ مقدمہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لئے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اہلِ ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قاتل کے بارے میں قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔“

حضور نبی اکرم ﷺ اقلیتوں کے بارے میں مسلمانوں کو ہمیشہ متنبہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک دن آپ ﷺ نے معاہدین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

۲۔ أبن أبي حاتم، الجرح والتعديل، ۱: ۲۰۱

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۴: ۷، رقم: ۴۵۵۸

۴۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۸: ۱۱۵

۵۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۲: ۲۸۵، رقم: ۲۳۴۱

(۲) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۸: ۳۰

۲۔ شافعي، المسند، ۱: ۳۴۳

۳۔ أبو نعيم، مسند أبي حنيفه، ۱: ۱۰۴

۴۔ شافعي، الأم، ۷: ۳۲۰

۵۔ شيباني، المبسوط، ۴: ۴۸۸

۳۔ من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنّة وإن ريحها توجد من مسيرة أربعين عاما۔ (۱)

”جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جنت سے بہت دُور رکھا جائے گا دراصل یہ تنبیہات اس قانون پر عمل درآمد کروانے کے لئے ہیں جو اسلام نے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے عطا کیا۔

غیر مسلموں کے جو بیرونی وفود حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آتے ان کی حضور نبی اکرم ﷺ خود میزبانی فرماتے۔ چنانچہ جب مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان کی مہمان نوازی خود اپنے ذمہ لی اور فرمایا:

۴۔ إنّهم كانوا لأصحابنا مكرمين، وإنّي أحب أن أكافئهم۔ (۲)

”یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے لئے ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے میں نے پسند کیا کہ میں بذات خود ان کی تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی کروں۔“

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجزيه، باب إثم من قتل معاهدا بغير جرم، ۳: ۱۱۵۴، رقم: ۲۹۹۵

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الديات، باب من قتل معاهدا، ۲: ۸۹۶، رقم: ۲۶۸۶

۳۔ ربيع، المسند، ۱: ۳۶۷، رقم: ۹۵۶

۴۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۸: ۱۳۳

۵۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۰۴، رقم: ۳۶۹۳

۶۔ صنعاني، سبل السلام، ۳: ۶۹

۷۔ شوكاني، نيل الأوطار، ۷: ۱۵۵

(۲) ۱۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۵۱۸، رقم: ۹۱۲۵

۲۔ صيداوي، معجم الشيوخ، ۱: ۹۷

۳۔ ابن كثير، السيرة النبوية، ۲: ۳۱

ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا چودہ رکنی وفد مدینہ منورہ آیا۔ آپ ﷺ نے اس وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور اس وفد میں شامل مسیحیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنی نماز اپنے طریقہ پر مسجد نبوی میں ادا کریں۔ چنانچہ یہ مسیحی حضرات مسجدِ نبوی کی ایک جانب مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے۔[(۱)]

حضور نبی اکرم ﷺ کی ان تعلیمات کی روشنی میں چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی ہر اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو حقوق کا تحفظ حاصل ہے۔

اقلیتوں سے حضور نبی اکرم ﷺ کے حسنِ سلوک کا نتیجہ تھا کہ ان کا برتاؤ بھی آپ ﷺ کے ساتھ احترام پر مبنی تھا۔ ایک جنگ میں آپ ﷺ کا حلیف ایک یہودی جب مرنے لگا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تیری بڑی جائیداد ہے اس کا وارث کون ہوگا؟ اس یہودی نے کہا: محمد رسول اللہ (ﷺ) میری جائیداد کے وارث ہوں گے۔ یہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں سے حسنِ سلوک کا ایک غیر مسلم کی طرف سے اعتراف تھا۔

آپ ﷺ کا اہلِ کتاب کے علاوہ مشرکین (بت پرست اقوام) سے بھی جو برتاؤ رہا اس کی بھی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ مشرکینِ مکہ و طائف نے آپ ﷺ پر بے شمار مظالم ڈھائے، لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ ﷺ کے ایک انصاری کمانڈر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا:

الیوم یوم الملحمۃ۔

''آج لڑائی کا دن ہے۔''

یعنی آج کفار سے جی بھر کر انتقام لیا جائے گا تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور ان سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس کے سپرد کر دیا اور ابوسفیان سے فرمایا:

الیوم یوم المرحمۃ۔[(۲)]

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۳۵۷

۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۴: ۴

(۲) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۹

۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، ۲: ۵۹۷

۳۔ حلبی، انسان العیون، ۳: ۲۲

’’(آج لڑائی کا نہیں بلکہ) آج رحمت کے عام کرنے (اور معاف کر دینے) کا دن ہے۔‘‘

پھر آپ ﷺ نے اپنے مخالفین سے پوچھا کہ بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟ اُنہوں نے کہا کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خطا کار بھائیوں کے ساتھ برتاؤ کیا تھا آپ ﷺ سے بھی وہی توقع ہے۔ اس جواب پر آپ ﷺ نے وہی جملہ ارشاد فرمایا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لئے فرمایا تھا:

لا تثریب علیکم الیوم، إذھبوا فأنتم الطلقاء۔(۱)

’’یعنی تم سے آج کوئی پوچھ گچھ نہیں تم سب آزاد ہو۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کا بڑا دُشمن ابوسفیان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من دخل دار أبي سفیان فھو آمن۔(۲)

’’جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا وہ امن میں ہے۔‘‘

اللہ تعالی نے حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کو اس طرح پورا کیا کہ جو بھی اس دن ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اسے امان مل گئی۔

مکہ مکرمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کرنے میں سب سے زیادہ دو اشخاص کا دخل تھا۔ وہ ابولہب کے بیٹے تھے جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ایذائیں دی تھیں۔ فتح مکہ کے روز یہ

---

(۱) ۱۔ سیوطی، الجامع الصغیر، ۱: ۲۲۰، رقم: ۳۶۸
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۱۸
۳۔ مناوی، فیض القدیر، ۵: ۱۷۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجھاد، باب فتح مکۃ، ۳: ۱۴۰۶، رقم: ۱۷۸۰
۲۔ أبو داؤد، السنن، کتاب الخراج، باب ما جاء فی خبر مکۃ، ۳: ۱۶۲، رقم: ۳۰۲۱
۳۔ ابن أبي شیبہ، المصنف، ۷: ۳۹۸، رقم: ۳۶۹۰۰
۴۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵: ۳۷۶
۵۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۶۰، رقم: ۲۳۳
۶۔ أبو عوانہ، المسند، ۴: ۲۹۰

دونوں گستاخ کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے جا چھپے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کو خود کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے سے نکالا اور معاف کر دیا۔[۱]

ا۔ اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کا مساوی مقام

امام ابو یوسف اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''کتاب الخراج'' میں لکھتے ہیں کہ عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں تعزیرات اور دیوانی قانون دونوں میں مسلمان اور غیر مسلم اقلیت کا درجہ مساوی تھا۔[۲]

حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد میں ایک دفعہ ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قصاص کے طور پر اس مسلمان کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

أنا أحق من أوفی بذمته۔[۳]

''غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے۔''

دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے أنا أکرم من وفی ذمته فرمایا۔[۴]

آپ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل درآمد کے بے شمار نظائر دور خلافت راشدہ میں بھی ملتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مسلمان کو پکڑ کر لایا گیا جس نے ایک غیر مسلم کو قتل کیا تھا۔

---

(۱) زیلعي، نصب الرایه، ۳: ۳۳۶

(۲) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۸۷

(۳) ۱۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۰

۲۔ شافعي، المسند، ۱: ۳۴۳

۳۔ مبارکپوري، تحفة الأحوذي، ۴: ۵۵۷

۴۔ زیلعي، نصب الرایة، ۴: ۳۳۶

(۴) ۱۔ دار قطني، السنن، ۳: ۱۳۴

۲۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۰

۳۔ عسقلاني، ۲: ۲۶۲، رقم: ۱۰۰۹

۴۔ صنعاني، سبل السلام، ۳: ۲۳۵

۵۔ شوکاني، نیل الأوطار، ۷: ۱۵۳

پورا ثبوت موجود تھا۔ اس لئے حضرت علی ﷛ نے قصاص میں اس مسلمان کو قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ قاتل کے ورثاء نے مقتول کے بھائی کو معاوضہ دے کر معاف کرنے پر راضی کر لیا۔ حضرت علی ﷛ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے اسے فرمایا:

لعلهم فزعوك أو هددوك۔

”شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرا دھمکا کر تجھ سے یہ کہلوایا ہو۔“

اس نے کہا نہیں بات دراصل یہ ہے کہ قتل کئے جانے سے میرا بھائی تو واپس آنے سے رہا اور اب یہ مجھے اس کی دیت دے رہے ہیں جو پسماندگان کے لئے کسی حد تک کفایت کرے گی۔ اس لئے خود اپنی مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے میں معافی دے رہا ہوں۔ اس پر حضرت علی ﷛ نے فرمایا: اچھا تمہاری مرضی۔ تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔ لیکن بہرحال ہماری حکومت کا اُصول یہی ہے کہ:

من كان له ذمتنا فدمه، كدمنا، وديته، كديتنا۔ (۱)

”جو ہماری غیر مسلم رعایا میں سے ہے اس کا خون اور ہمارا خون برابر ہے اور اس کی دیت ہماری دیت ہی کی طرح ہے۔“

۲۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت علی ﷛ نے فرمایا:

إذا قتل المسلم النصراني قتل به۔ (۲)

”اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو قتل کیا تو مسلمان (عوضاً) قتل کیا جائے گا۔“

۳۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

دية اليهودي والنصراني والمجوسي مثل دية الحر المسلم۔ (۳)

---

(۱) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۸: ۳۴

۲۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۸۷

(۲) ۱۔ شيباني، الحجة، ۴: ۳۴۹

۲۔ شافعي، الأم، ۷: ۳۲۰

(۳) ۱۔ شيباني، الحجة، ۴: ۳۲۲

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۴۰۷، رقم: ۲۷۴۴۸

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۹۵، ۹۷، ۹۹

''یہودی، عیسائی اور مجوسی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔''

اسی قول کی بنا پر فقہانے یہ اصول تشکیل دیا کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو بلا ارادہ قتل کر دے تو اس کی دیت بھی وہی ہوگی جو مسلمان کو بلا ارادہ قتل کرنے سے لازم آتی ہے۔(۱)

۴۔ ایک دفعہ حضرت عمرو بن عاص والی مصر ﷺ کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی۔ خلیفۂ وقت امیر المؤمنین حضرت عمر ﷺ کے پاس جب اس کی شکایت ہوئی تو اُنہوں نے سرِ عام گورنر مصر کے بیٹے کو اس غیر مسلم مصری سے سزا دلوائی اور ساتھ ہی فرمایا:

متى استعبدتم النّاس وقد ولدتهم أمهاتهم احرارا۔(۲)

''تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔''

۵۔ حضرت عمر ﷺ کے زمانہ خلافت میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا، اس پر حضرت عمر ﷺ نے ان کے نام ایک خط لکھا:

فكتب فيه عمر بن الخطاب ﷺ أن يدفع إلى أولياء المقتول فإن شاؤوا قتلوا وإن شاؤوا اعفوا فدفع الرجل إلى ولي المقتول إلى رجل فقتله۔(۳)

''آپ نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کیا جائے۔ اگر وہ چاہیں قتل کردیں ورنہ معاف کردیں۔ چنانچہ وہ مقتول کے وارث کو دے دیا گیا اور اس نے اسے

۴۔ ابن رشد، بداية المجتهد، ۲: ۳۱۰

۵۔ صنعانی، سبل السلام، ۳: ۲۵۱

۶۔ زیلعی، نصب الراية، ۴: ۳۶۸

(۱) ۱۔ حصكفي، الدرالمختار، ۲: ۲۲۳

۲۔ ابن عابدين شامي، رد المحتار، ۳: ۲۷۳

(۲) ہندی، کنز العمال، ۲: ۴۵۵

(۳) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸: ۳۲

۲۔ شافعي، الأم، ۷: ۳۲۱

۳۔ شيباني، الحجة، ۴: ۳۳۵

۴۔ زيلعي، نصب الراية، ۴: ۳۳۷

قتل کر دیا۔"

۶۔ حضرت عثمان ﷺ کے زمانہ میں عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قتل کا فتویٰ دے دیا گیا تھا، کیونکہ انہوں نے ہرمزان، جفینہ اور ابولولو کی بیٹی کو اس شبہ میں قتل کر دیا تھا کہ شاید وہ حضرت عمر ﷺ کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔(۱)

۷۔ حضرت عثمان ﷺ کے دور میں ابن شاس جذامی نے شام کے کسی علاقے میں ایک شخص کو قتل کر دیا، معاملہ حضرت عثمان ﷺ تک پہنچنے پر آپ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ صحابہ کرام ﷺ کی مداخلت پر آپ نے ایک ہزار دینار دیت مقرر کی۔(۲)

۸۔ عظیم محدث ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں:

إنّ دية المعاهد في عهد أبي بكر وعمر وعثمان ﷺ مثل دية الحر المسلم۔(۳)

"بیشک ابوبکر، عمر اور عثمان ﷺ کے دور میں ذمی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔"

۲۔ اقلیتوں کے لیے مساوات کا حق

اسلامی ریاست میں تعزیرات میں ذمی اور مسلمان کا درجہ مساوی ہے۔ جرائم کی جو سزا مسلمان کو دی جائے گی وہی ذمی کو بھی دی جائے گی۔ ذمی کا مال مسلمان چرائے یا مسلمان کا مال ذمی چرائے دونوں صورتوں میں سزا یکساں ہوگی۔(۴) دیوانی قانون میں بھی ذمی اور مسلمان کے درمیان کامل مساوات ہے۔ حضرت علی ﷺ کے ارشاد - أموالهم كأموالنا(۵) - کے معنی ہی یہ ہیں کہ ان

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۵: ۱۷

۲۔ عسقلانی، الدراية في تخريج الهداية، ۲: ۲۶۳

(۲) شافعي، المسند، ۱: ۳۴۴

(۳) ۱۔ شيباني، الحجة، ۴: ۳۵۱

۲۔ شافعي، الأم، ۷: ۳۲۱

(۴) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۰۸۔ ۱۰۹

(۵) ابن قدامه، المغني، ۹: ۲۸۹

کے مال کی ویسی ہی حفاظت ہونی چاہیے جیسی مسلمانوں کے مال کی ہوتی ہے۔ اس باب میں ذمیوں کے حقوق کا اتنا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ان کی شراب یا ان کے خنزیر کو بھی تلف کر دے تو اس پر ضمان لازم آئے گا۔ الدرالمختار میں ہے:

ویضمن المسلم قیمة خمره وخنزیره إذا اتلفه۔(۱)

''مسلمان اس کی شراب اور اس کے سور کی قیمت ادا کرے گا اگر وہ اسے تلف کر دے۔''

ذمی کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا، اس کو گالی دینا، مارنا پیٹنا یا اس کی غیبت کرنا، اسی طرح ناجائز ہے جس طرح مسلمان کے حق میں ناجائز ہے:

ویجب کف الأذی عنه وتحرم غیبته کالمسلم۔(۲)

''غیر مسلم سے اذیت کو روکنا اسی طرح واجب ہے جس طرح مسلمان سے اور اس کی غیبت کرنا بھی اسی طرح حرام ہے۔''

۳۔ اقلیتوں کے لیے شخصی رازداری کا حق

مملکت اسلامیہ میں ہر فرد کو نجی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے کہ کوئی شخص بغیر اس کی اجازت اور رضا مندی کے اس کے گھر میں داخل نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ ہر شخص کا مکان نجی اور پرائیویٹ معاملات کا مرکز اور اس کے بال بچوں کا مستقر ہوتا ہے۔ اس کے حق پر دست درازی خود فرد کی شخصیت پر دست درازی ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں۔ گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کی صریح ممانعت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ

---

(۱) ۱۔ حصکفی، الدرالمختار، ۲: ۲۲۳

۲۔ شامی، رد المحتار، ۳: ۲۷۳

(۲) ۱۔ حصکفی، الدر المختار، ۲: ۲۲۳

۲۔ شامی، رد المحتار، ۳: ۲۷۳۔۲۷۴

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ٭[1]

”اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کہا کرو یہ تمہارے لئے بہتر (نصیحت) ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کرو٭ پھر اگر تم ان (گھروں) میں کسی شخص کو موجود نہ پاؤ تو تم ان کے اندر مت جایا کرو یہاں تک کہ تمہیں (اس بات کی) اجازت دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس پلٹ جایا کرو، یہ تمہارے حق میں بڑی پاکیزہ بات ہے، اور اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو خوب آگاہ ہے٭“

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی نجی زندگی اور شخصی رازداری کا حق اسی طرح حاصل ہے جس طرح مسلمانوں کو، اس لئے کہ اسلامی قانون نے ان کے لئے یہ اُصول طے کیا ہے کہ جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ ان کو بھی حاصل ہوں گے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر ڈالی گئی ہیں وہ ان پر بھی ہیں۔ حضرت علی ؓ کے بقول ان سے جزیہ اس لئے لیا جاتا ہے تاکہ ان کے جان و مال کی اسی طرح حفاظت کی جا سکے جس طرح ہمارے جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے۔[2]

۴۔ مذہبی آزادی کا حق

اسلام خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دیتا ہے لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں پر اپنے عقائد بدلنے اور اسلام قبول کرنے کے لئے دباؤ نہیں ڈالتا، نہ کسی جبر و اکراہ سے کام لیتا ہے۔ دعوتِ حق اور جبر و اکراہ بالکل الگ حقیقتیں ہیں۔ اسلام کے پیغامِ حق کے ابلاغ کا حکم قرآنِ حکیم نے یوں بیان کیا ہے:

۱۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ٭[3]

”(اے رسولِ معظم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ

---

(۱) النور، ۲۴: ۲۷۔ ۲۸

(۲) ابن قدامہ، المغنی، ۹: ۲۸۹

(۳) النحل، ۱۶: ۱۲۵

بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو بیشک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہےo''

اسلام نے ایسے طریقِ دعوت سے منع کیا جس سے کسی فریق کی مذہبی آزادی متاثر ہوتی ہو، دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

۲۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔[۱]

''دین میں کوئی زبردستی نہیں بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔''

شریعت کی یہ حکمت عملی ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے مذہب و مسلک پر برقرار رہنے کی پوری آزادی ہو گی۔ اسلامی مملکت ان کے عقیدہ و عبادت سے تعرض نہ کرے گی۔ اہلِ نجران کو حضور نبی اکرم ﷺ نے جو خط لکھا تھا اس میں یہ جملہ بھی درج تھا:

ولنجران وحاشيتهم جوار الله وذمة محمد النبيّ رسول الله على أنفسهم وملتهم وأرضهم وأموالهم وغائبهم وشاهدهم وبيعهم وصلواتهم لا يغيروا أسقفاعن أسقفيته ولا راهبا عن رهبانية ولا واقفا عن وقفانيته وكل ما تحت أيديهم من قليل أو كثير۔[۲]

''نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اُس کے رسول محمد ﷺ کی پناہ حاصل ہے۔ ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر و غائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحبِ منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیرِ ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی۔''

مختلف ادوار میں گرجا گھر اور کلیسا اسلامی حکومت میں موجود رہے ہیں۔ کبھی بھی انہیں ادنیٰ گزند تک نہیں پہنچایا گیا بلکہ حکومت نے ان کی حفاظت کی ہے اور غیر مسلموں کو ان میں عبادات کی

(۱) البقرہ، ۲: ۲۵۶

(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۱: ۲۲۸، ۳۵۸

۲۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۷۸

انجام دہی کے لئے سہولیات فراہم کی ہیں۔

اقلیتوں کے شخصی معاملات بھی ان کی شریعت (personal law) کے مطابق طے کیے جائیں گے، اسلامی قانون ان پر نافذ نہیں کیا جائے گا۔ جن افعال کی حرمت ان کے مذہب میں بھی ثابت ہے ان سے تو وہ ہر حال میں منع کئے جائیں گے، البتہ جو افعال ان کے ہاں جائز اور اسلام میں ممنوع ہیں انہیں وہ اپنی بستیوں میں آزادی کے ساتھ کر سکیں گے اور خالص اسلامی آبادیوں میں حکومتِ اسلامیہ کو اختیار ہوگا کہ انہیں آزادی دے یا نہ دے:

ولا يمنعون من إظهار شيء مما ذكرنا من بيع الخمر والخنزير والصليب وضرب الناقوس في قرية أو موضع ليس من أمصار المسلمين ولو كان فيه عدد كثير من أهل الإسلام وإنّما يكره ذلک في أمصار المسلمين وهي التي يقام فيها الجمع والاعياد والحدود، وأما إظهار فسق يعتقدون حرمته كالزنا وسائر الفواحش التي هي حرام في دينهم فإنّهم يمنعون من ذلک سواء كانوا في أمصار المسلمين أو في أمصارهم۔[1]

’’جو بستیاں اور مقامات مسلمانوں کے شہروں میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب و خنزیر بیچنے اور صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا۔ خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو۔ البتہ یہ افعال مسلمان آبادی کے شہر میں مکروہ ہیں جہاں جمعہ وعیدین اور حدود قائم کی جاتی ہوں۔ رہا وہ فسق جس کی حرمت کے وہ بھی قائل ہیں، مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو ان کے دین میں بھی حرام ہیں تو اس کے اظہار سے ان کو ہر حال میں روکا جائے گا خواہ مسلمانوں کے شہر میں ہوں یا خود ان کے اپنے شہر میں۔‘‘

یعنی اقلیتیں اپنی قدیم عبادت گاہوں کے اندر رہ کر اپنے تمام مذہبی اُمور بجا لا سکتے ہیں، حکومتِ اسلامیہ اس میں دخل دینے کی مجاز نہیں ہے۔ تاہم اس ذیل میں اقلیتوں کو مسلمانوں کے شعائرِ مذہبی کے احترام کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے:

أيّما مصر مصرته العرب فليس للعجم أن يبنوا فيه بناء بيعة ولا يضربوا فيه ناقوسا ولا يشربوا فيه خمراً ولا يتّخذوا فيه خنزيراً أيّما مصر كانت

(۱) كاساني، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۳

العجم مصرته يفتحه الله على العرب فنزلوا على حكمهم فللعجم ما في عهدهم وللعجم على العرب أن يؤفوا بعهدهم۔(۱)

"جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ نئی عبادت گاہیں اور کنائس تعمیر کریں، یا ناقوس بجائیں، شرابیں پئیں اور سور پالیں۔ باقی رہے وہ شہر جو عجمیوں کے آباد کئے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ نے عربوں (یعنی مسلمانوں) کے ہاتھ پر فتحیاب کیا اور انہوں نے مسلمانوں کے حکم پر اطاعت قبول کر لی تو عجم کے لئے وہی حقوق ہیں جو ان کے معاہدے میں طے ہو جائیں اور عرب پر ان کا ادا کرنا لازم ہے۔"

فتنہ ارتداد کی قانونی حیثیت

وہ مسلمان جو دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے اس کا معاملہ اقلیتوں سے مختلف ہو گا۔ اگر کوئی مسلمان احکام اسلام کا پابند ہونے اور اس کے عقیدہ پر ایمان لانے کے بعد اگر اس سے پلٹتا ہے تو وہ گویا اس ارتداد سے فتنہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور مملکت سے بغاوت کرتا ہے جو موجب سزا ہے۔ اس لئے کہ وفائے عہد سے برگشتگی ملکی قانون سے بغاوت اور بہت بڑا جرم ہے اور یہ امر دورِ جدید کے قانون میں بھی معروف و متعین ہے۔ جسکی سزا اکثر ریاستی قوانین میں موت مقرر کی گئی ہے۔

ارتداد کی سزا کے نظائر دنیا کے اکثر آئینی و دساتیری قوانین میں موجود ہیں۔ اسلام نے مرتد کو بھی سزا دینے سے قبل راہ راست کی قبولیت کا موقع پانے کا حق عطا کیا ہے۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ فرماتے ہیں:

وإذا ارتد المسلم عن الإسلام عرض عليه الإسلام فإن أسلم وإلّا قتل مكانه إلا أن يطلب أن يوجله، فإن طلب ذلك أجل ثلاثة أيام۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۶: ۴۶۷، رقم: ۳۲۹۸۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۹: ۲۰۲

۳۔ ابن قدامه، المغني، ۹: ۲۸۳

۴۔ مقدسی نے "الفروع (۶:۲۵۰)" میں مختصراً ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

۵۔ زرعي، أحكام أهل الذمة، ۳: ۱۱۸۱، ۱۱۹۵، ۱۲۳۵

۶۔ ابن ضويان، منار السبيل، ۱: ۲۸۳

(۲) شيباني، السير الصغير: ۳۸

"اگر کوئی مسلمان اسلام سے برگشتہ ہو جائے تو اسے دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے گی۔ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو خوب، بصورت دیگر اسے فوراً قتل کر دیا جائے گا، تاہم اگر وہ غور وفکر کے لئے کچھ مہلت طلب کرے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی۔"

اگر ارتداد کا ارتکاب عورت نے کیا ہو تو اسے مرد مرتد کی نسبت رجوع الی الحق کے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں گے:

ولا تقتل المرتدة ولكنّها تحبس أبدا حتّى تسلم بلغنا عن ابن عباس أنّه قال: إذا ارتدت المرأة عن الإسلام حبست ولم تقتل وبلغنا عن رسول الله ﷺ أنّه نهى عن قتل نساء المشركين في الحرب فادر القتل عنها بهذا ومالها وكسوتها كله لها. وأفعالها في البيع والشرئ والعتق والهبة كلها جائزة۔(1)

"مرتد ہو جانے والی عورت کو سزائے موت نہیں دی جائے گی بلکہ اسے عمر قید کی سزا دی جائے گی یا اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک وہ دوبارہ اسلام قبول نہ کر لے۔ ہم تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان پہنچا ہے کہ جب کوئی عورت ارتداد اختیار کرے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید کیا جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی میدانِ جنگ میں مشرکین کی عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اس معاملے میں بھی میں انہیں قتل سے بچانا چاہوں گا۔ اس کی املاک و اموال اس کی ملکیت رہیں گے اور اس کے خرید وفروخت، غلاموں کی آزادی، اور ہدیہ سے متعلق معاہدے و افعال معتبر ہوں گے۔"

وإذا رفعت المرتدة إلى الإمام فقالت: ما ارتددت، وأنا أشهد أن لا إله إلّا الله وأن محمدا رسول الله كان هذا توبة منها۔(2)

"جب کسی مرتدہ کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ اپنے ارتداد کا انکار کرتے ہوئے کہے: میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو یہ اس کی توبہ تصور کی جائے گی (اور اسے سزا نہیں ہو

(۱) شیبانی، السیر الصغیر: ۴۱
(۲) شیبانی، السیر الصغیر: ۴۲

گی)۔"

۵۔ اقلیتوں کے لیے معاشی آزادی کا حق

غیر مسلم پر اسلامی حکومت میں کسبِ معاش کے سلسلہ میں کسی قسم کی پابندی نہیں ہے، وہ ہر کاروبار کر سکتا ہے جو مسلمان کرتے ہوں۔ سوائے اس کاروبار کے جو ریاست کے لئے اجتماعی طور پر نقصان کا سبب ہو۔ وہ جس طرح مسلمانوں کے لئے ممنوع ہوگا، اُسی طرح ان کے لئے بھی ممنوع ہو گا، مثلاً سودی کاروبار، جو بالآخر پوری سوسائٹی کے لئے ہلاکت کا باعث بنتا ہے یا دیگر اس نوعیت کے کام وغیرہ۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل نجران کو لکھا:

إما أن تذروا الربا وإما أن تأذنوا بحرب من الله ورسوله۔[1]

"سود چھوڑ دو یا اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

احکام القرآن میں آیت وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کے تحت امام جصاص فرماتے ہیں:

فسوى بينهم وبين المسلمين في المنع من الربا۔[2]

"اللہ تعالیٰ نے ان (ذمیوں) اور مسلمانوں کے درمیان سود کی ممانعت کو برابر قرار دیا ہے۔"

اس اُصول کے علاوہ جو تجارت ان کو پسند ہو کریں، یہاں تک کہ وہ اپنے محلوں اور شہروں میں خنزیر اور شراب بھی رکھ سکتے ہیں، ان کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

ويضمن المسلم قيمة خمره وخنزير إذا أتلفه۔[3]

---

(۱) جصاص، احکام القرآن، ۴: ۸۹

(۲) جصاص، احکام القرآن، ۴: ۸۹

(۳) ۱۔ علاؤ الدین حصکفی، الدر المختار، ۲: ۲۲۳

۲۔ ابن عابدین شامی، رد المحتار، ۳: ۲۷۳

”یعنی اگر کوئی مسلمان غیر مسلم اقلیتی فرد کی شراب یا خنزیر کو نقصان پہنچائے گا تو اسے اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔“

لیکن یہ چیزیں وہ مسلمانوں کے شہروں میں نہ لائیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کے ہاتھ بیچیں گے۔[۱] پیشوں کے اعتبار سے وہ کوئی بھی پیشہ اختیار کر سکتے ہیں اور مسلمانوں کو اُجرت پر ان سے کام کروانے کی کسی قسم کی ممانعت نہیں ہے۔ اسلام میں کسی پیشہ کی وجہ سے کسی غیر مسلم سے کسی بھی نوعیت کی کوئی دوری رکھنے کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا، تجارتی معاملات میں جو ٹیکس مسلمان دیتے ہیں وہ ان کو بھی دینا ہوگا۔

۶۔ اِجتماعی کفالت میں اقلیتوں کا حق

جس طرح اسلامی بیت المال کسی مسلمان کے معذور ہو جانے یا بوجہ عمر رسیدگی اور غربت کے محتاج ہو جانے پر کفالت کی ذمہ داری لیتا ہے اسی طرح اسلامی بیت المال پر ایک غیر مسلم کے معذور ہونے یا عاجز ہونے کی صورت میں اس کی کفالت لازم ہے۔

کتاب الاموال میں ابوعبید نے حضرت سعید بن میتب ؓ سے ایک روایت نقل کی ہے:

أن رسول الله ﷺ تصدق صدقه علی أهل بيت من اليهود فهي تجری عليهم۔[۲]

”رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ایک گھرانہ کو صدقہ دیا اور (حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی) وہ انہیں دیا جاتا رہا۔“

حضرت زید بن ہاد ؓ سے روایت ہے:

إنّ صفية زوج النبيّ ﷺ، تصدقت علی ذوی قرابة لها، فهما يهوديان، فبيع ذلک بثلاثين ألفا۔[۳]

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۳

(۲) ۱۔ أبو عبید، کتاب الاموال: ۱۹۹۲

۲۔ زیلعی، نصب الرایة، ۲: ۳۹۸

۳۔ عسقلانی، الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة، ۱: ۲۶۶

(۳) أبوعبید، کتاب الاموال: ۱۹۹۳

”بے شک حضور نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے رشتہ داروں کو صدقہ دیا حالانکہ وہ دونوں یہودی تھے۔ جو تیس ہزار (درہم) کے عوض فروخت کیا گیا۔“

عمرو بن میمون، عمرو بن شرجیل اور مرۃ ہمذانی سے روایت کیا گیا ہے کہ:

إنّهم كانوا يعطون الرهبان من صدقة الفطر۔(۱)

”وہ راہبوں کو صدقہ فطر میں سے دیتے تھے۔“

اسی طرح کتاب الخراج میں ہے:

وجعلت لهم أيما شيخ ضعف عن العمل أو أصابته آفة من الآفات أو كان غنيا فافتقر وصار أهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما أقام بدار الهجرة ودار الإسلام۔(۲)

”اگر ان کے ضعیف العمر اور ناکارہ لوگوں یا آفت رسیدہ یا بعد از غنی فقیر ہو جانے والوں، کہ ان کے مذہب کے لوگ ان کو خیرات دینے لگیں، سے جزیہ ہٹا لیا جائے گا اور مسلمانوں کے بیت المال سے ان کے نان و نفقہ کا بندوبست کیا جائے گا جب تک وہ اسلامی ملک میں رہیں۔“

عملی طور پر اس کی تاریخ اسلامی میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ غیر مسلم اقلیتوں کے معذور افراد کو اسلامی بیت المال سے باقاعدہ الاؤنس ملتا رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک یہودی کو دیکھا جو اندھا ہو چکا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے ماہانہ وظیفہ مقرر فرما دیا۔ اجتماعی کفالت کے حق اور حقوق عامہ میں اسلامی حکومت کی نگاہ میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے بلکہ وہ بالکل برابر کے شہری ہیں۔

۷۔ روزگار کی آزادی کا حق

اسلام میں ہر جائز ذریعہ روزگار کو مستحسن قرار دیا گیا ہے حدیث مبارکہ ہے:

(۱) أبو عبيد، كتاب الاموال: ۱۹۹۶

(۲) ۱۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۵۵

۲۔ حميد الله، الوثائق السياسية: ۳۱۷، وثيقه: ۲۹۱

ما أكل أحد طعاما قط، خيرا من أن يأكل من عمل يديه، وإنّ نبيّ الله داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يديه۔[1]

’’کوئی بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر اور کوئی کھانا نہیں کھا سکتا اور اللہ کے نبی داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے‘‘

اسلامی مملکت میں اقلیتوں سمیت ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ تجارت، صنعت و زراعت غرضیکہ جو کام بھی وہ کرنا چاہے کرسکتا ہے، بشرطیکہ ان چیزوں کے قریب نہ جائے، جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے، جیسے سودی معاملات ہیں اور جائز حدود میں بھی اخلاقی قدروں کا لحاظ رکھے، اپنے کام کی وجہ سے کسی دوسرے کی تجارت یا صنعت کے درپے آزار نہ ہو۔ یہ اسلامی شریعت میں ناجائز ہے۔ جب فرد جائز کام کرے گا تو اس کا حاصل اور ثمر اس کا حق ہوگا، اس لئے کہ یہ اس کی محنت اور پسینہ کی کمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰیo[2]

’’اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہوگی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)o‘‘

حکومت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی فرد کو جائز کاموں کے کرنے سے روک دے، البتہ اگر کوئی شرعی ضرورت ہو تو ایسا کرسکتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنے ملازمین کو تجارت اور کمائی کرنے سے روک سکتی ہے، تاکہ وہ اپنے اثر و نفوذ اور منصب کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ اس لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کی مالیت کا محاسبہ کرتے تھے، اگر ان میں سے کوئی یہ جواز پیش کرتا کہ میں نے تجارت سے نفع کما کر یہ دولت اکٹھا کی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب كسب الرجل، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶

۲۔ بخاري، التاريخ الكبير، ۷: ۴۲۹

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۴، رقم: ۱۲۲۴

۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۳۳

۵۔ نووي، تهذيب الأسماء واللغات: ۱۸۱

۶۔ صنعاني، سبل السلام، ۳: ۵

(۲) النجم، ۵۳: ۳۹

نحن إنّما بعثناكم ولاة ولم نبعثكم تجارا۔ (۱)

''ہم تمہیں والی بنا کر بھیجتے ہیں تاجر بنا کر نہیں۔''

۸۔ تحفظ اور سلامتی کا حق

اسلامی ریاست اقلیتوں کے تحفظ اور سلامتی کی ذمہ دار ہے۔ اگر اسلامی ریاست کا کسی دوسری قوم سے معاہدہ ہو تو اس قوم کے تحفظ و سلامتی کی ذمہ داری بھی اسلامی ریاست پر ہوگی:

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ۔ (۲)

''اور اگر وہ (مقتول) اس قوم میں سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہے تو خون بہا (بھی) جو اس کے گھر والوں کے سپرد کیا جائے اور ایک مسلمان غلام/باندی کا آزاد کرنا (بھی لازم) ہے۔''

اقلیتوں کی جان کی حرمت حضور نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتی ہے:

دية اليهودي والنصراني وكل ذمي مثل دية المسلم۔ (۳)

''یہودی، عیسائی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے۔''

خلفائے راشدین کے دور میں اس اُصول پر عمل کیا جاتا رہا اور ذمیوں کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر ادا کی جاتی تھی۔

دورانِ فتوحات غیر مسلم اقوام سے جو معاہدات ہوئے ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ غیر مسلم رعایا کے تحفظ، سلامتی اور بنیادی ضروریات کی حکومت ذمہ دار ہوگی۔ چنانچہ حیرہ کے باشندوں کو جو پروانہ امان دیا گیا اس کا ایک حصہ یہ ہے:

''جو غیر مسلم بوڑھا ہو جائے اور کام نہ کر سکے یا کوئی ناگہانی آفت اسے ناکارہ بنا دے یا

(۱) محمد حسین ہیکل، الفاروق، ۲: ۲۰۲

(۲) النساء، ۴: ۹۲

(۳) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۹۷۔ ۹۸

۲۔ ابن رشد، بداية المجتهد، ۲: ۳۱۰

پہلے دولتمند ہو، بعد میں کسی حادثہ کی وجہ سے غریب ہو جائے تو ایسے آفت رسیدہ لوگوں سے نہ صرف یہ کہ حکومت کوئی ٹیکس وصول نہیں کرے گی بلکہ ان کو اور ان کے اہل و عیال کو سرکاری خزانہ سے گزارہ الاؤنس بھی مہیا کیا جائے گا۔''(۱)

تاریخِ اسلام میں اس اُصول کی متعدد عملی مثالیں ملتی ہیں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے یہودی کو بڑی خستہ حالت میں دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ انصاف کا تقاضا نہیں کہ ہم اس کی جوانی میں تو اس سے فائدہ اُٹھائیں اور اُسے بڑھاپے میں اس طرح رسوا ہونے دیں چنانچہ آپ نے حکم صادر فرمایا کہ اس بوڑھے کو زندگی بھر اس کی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ملک کے گورنروں کو لکھا کہ وہ غیر مسلم کے رعایا کے مستحق اور غریب افراد کو بیت المال سے پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ تنخواہیں دیں۔(۲)

اسی طرح غیر مسلموں کو وظائف دینے کی کئی مثالیں تاریخِ اسلام میں موجود ہیں۔ ہر دور میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے اسلام کے قوانین پر عمل کیا جاتا رہا اور جب کبھی سرکش امراء نے اس کے خلاف عمل کیا ہے تو علماء وفقہا نے انہیں اس سے باز رکھنے یا کم از کم ان سے اس کی تلافی کرانے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ولید بن عبدالملک اموی نے دمشق کے کنیسہ یوحنا کو زبردستی عیسائیوں سے چھین کر مسجد میں شامل کرلیا۔ بلاذری کے مطابق:

فلما استخلف عمر بن عبدالعزیز شکی النصاری إلیه ما فعل الولید بهم فی کنیستهم فکتب إلی عامله یأمره برد ما زاده فی المسجد۔(۳)

''جب حضرت عمر بن عبدالعزیز تختِ خلافت پر متمکن ہوئے اور عیسائیوں نے ان سے ولید کے کنیسہ پر کیے گئے ظلم کی شکایت کی تو انہوں نے اپنے عامل کو حکم دیا کہ مسجد کا جتنا حصہ گرجا کی زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اسے منہدم کر کے عیسائیوں کے حوالہ کر دو۔''

جب ولید بن یزید نے رومی حملہ کے خوف سے قبرص کے ذمی باشندوں کو جلا وطن کر کے شام میں آباد کیا تو اس پر فقہائے اسلام اور عام مسلمان سخت ناراض ہوئے اور اسے گناہ عظیم سمجھا۔ پھر جب یزید بن ولید نے ان کو دوبارہ قبرص میں لے جا کر آباد کر دیا تو اسے عوام الناس نے بنظر

(۱) أبویوسف، کتاب الخراج: ۱۵۵

(۲) أبویوسف، کتاب الخراج: ۱۵۰

(۳) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۵۰

احسن دیکھا اور کہا کہ یہی انصاف کا تقاضا ہے۔ اسماعیل بن عیاش کا بیان ہے:

فاستقطع ذلک المسلمون واستعظمه الفقهاء فلمّا ولی یزید بن الولید بن عبد الملک ردّ هم إلی قبرص فاستحسن المسلمون ذلک من فعله ووراوه عدلاً۔(۱)

''اس فعل کو عام مسلمانوں اور فقہا نے غلط قرار دیا اور جب یزید بن الولید بن عبد الملک آیا تو اس نے قبرص کے باشندوں کو واپس کر دیا اس کے اس عمل کی عام مسلمانوں نے تعریف کی اور اسے عدل و انصاف پر مبنی قرار دیا۔''

بلاذری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جبلِ لبنان کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے بغاوت کر دی۔ اس پر صالح بن علی بن عبداللہ نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک فوج بھیجی، جس نے ان کے ہتھیار اُٹھانے والے مردوں کو قتل کر دیا اور باقی لوگوں میں سے ایک جماعت کو جلا وطن کیا اور ایک جماعت کو وہیں آباد رہنے دیا۔ امام اَوزاعیؒ اس زمانہ میں زندہ تھے۔ اُنہوں نے صالح کو اس ظلم پر سخت تنبیہ کرتے ہوئے بغاوت میں حصہ نہ لینے والوں کو قتل کرنے اور گھروں سے نکالنے کی مذمت کی اور ایک طویل خط لکھا، جس کے چند فقرے یہ ہیں:

ما قدمت علمت فکیف تؤخذ عامة بذنوب خاصة حتّی یخرجوا من دیارهم وأموالهم وحکم اللہ تعالیٰ: "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" وأحق الوصایا أن تحفظ وترعی وصیة رسول اللہ ﷺ: "من ظلم معاهدا وکلفه فوق طاقته فأنا حجیه۔"(۲)

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ عام لوگوں کو بعض خاص لوگوں کے جرم کی سزا کیوں کر دی جا سکتی ہے اور کس بنا پر انہیں ان کے گھروں اور انکی جائیدادوں سے بے دخل کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ کا یہ حکم ہے کہ ''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا'' اور یہ ایک واجب التعمیل حکم ہے۔ تمہارے لئے بہترین نصیحت یہ ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو یاد رکھو: ''جو کوئی کسی معاہد پر ظلم کرے گا اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار

(۱) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۸۰

(۲) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۸۶

ڈالے گا اس کے خلاف میں خود مدعی بنوں گا۔“

۹۔ تمدنی اور معاشرتی آزادی کا حق

اسلامی ریاست میں اقلیتیں اپنی قومی اور تہذیبی روایات کے مطابق رہ سکیں گی۔ یہاں تک کہ ان کے شخصی معاملات یعنی نکاح طلاق بایں حد کہ نکاح محرمات بھی اگر ان کے تہذیبی شعائر میں رائج ہو تو اس سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت فرمایا کہ خلفائے راشدین نے اہلِ ذمہ کو نکاحِ محرمات کی کیوں اجازت دے دی تھی اور شاید آپ اس پر پابندی لگانا چاہتے تھے کیونکہ یہ فعل شناعت کے اعتبار سے اس قدر شنیع ہے کہ فطرتِ سلیمہ اسے ہرگز قبول نہیں کرتی۔ جواب میں حضرت حسن بصریؒ نے لکھا:

إنّما بذلوا الجزية ليتركوا على ما يعتقدون وإنّما أنت متبع ولا مبتدع والسلام۔(۱)

”انہوں نے جزیہ اس لئے دیا ہے کہ انہیں ان کے اعتقادات پر چھوڑ دیا جائے اور آپ تو خلفائے راشدین کی پیروی کرنے والے ہیں نہ کہ نئی راہ بنانے والے۔“

اسلامی ریاست میں سوائے حرم کے وہ جہاں چاہیں سکونت اختیار کر سکتے ہیں اور اسی طرح ترک سکونت کا بھی انہیں اختیار ہے۔ حرم سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور اس میں مشرک کے داخلہ پر پابندی نص سے ثابت ہے اس لئے وہ وہاں نہ رہ سکیں گے۔

اسلامی معاشرے میں مسلمانوں پر بھی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اقلیتوں سے نیکی، انصاف اور حسن سلوک پر مبنی رویہ اختیار کریں:

لَا يَنْهٰكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ○(۲)

”اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں

(۱) سرخسی، المبسوط، ۵: ۳۹

(۲) الممتحنۃ، ۶۰: ۸

جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بیشک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہےo‘‘

۱۰۔ اِسلامی رِیاست میں اَقلیتوں کی حفاظت

اِسلامی ریاست میں اقلیتوں کو دفاعی ذمہ داریاں ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کا دفاع اِسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اسلامی حکومت غیر مسلموں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے گی چونکہ اسلامی ریاست اقلیتوں کو جان و مال اور آبرو کا تحفظ فراہم کرتی ہے اور ان پر کوئی دفاعی ذمہ داری بھی عائد نہیں کرتی لہٰذا اس کے عوض اقلیتیں اسلامی ریاست میں مالیاتی طور پر contribute کرتے ہیں جسے اسلامی قانون میں جزیہ کہا گیا ہے۔ اسلامی ریاست میں اقلیتوں پر جزیہ عائد کرنے کے معاملے میں بھی عدل و انصاف اور حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔[۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امرائے لشکر کو لکھا:

ألا يضربوا الجزية على النساء ولا على الصبيان وأن يضربوا الجزية على من جرت عليه الموسى من الرجال۔[۲]

’’عورتوں اور بچوں پر جزیہ عائد نہ کریں اور صرف ان مردوں پر جزیہ عائد کریں، جن کے

---

(۱) ۱۔ كاساني، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۱

۲۔ شربيني، مغني المحتاج، ۴: ۲۴۳

۳۔ منصور بن يونس، كشاف القناع، ۳: ۹۲

۴۔ وهبه زحيلي، الفقه الإسلامي وأدلته، ۶: ۴۴۶

(۲) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۳۳۱، رقم: ۱۹۲۷۳

۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۶: ۸۵، رقم: ۱۰۰۹۰

۳۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۶: ۴۲۸، ۴۲۹، رقم: ۳۲۶۳۶، ۳۲۶۴۰

۴۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۹: ۱۹۵، ۱۹۸

۵۔ ابن حزم، المحلى، ۷: ۳۴۷

۶۔ ابن قدامه، المغني، ۸: ۴۷۶، ۵۰۷

۷۔ عسقلاني، تلخيص الحبير، ۴: ۱۲۳

بال اُگ آئے ہوں (یعنی بالغ ہوگئے ہوں)۔"

حضرت عمر ؓ کا ایک مقام سے گزر ہوا تو آپ نے ایک بوڑھے نابینا یہودی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے اس سے پوچھا:

فما ألجاک إلى ما أرى؟ قال: أسأل الجزية والحاجة والسن. فأخذ عمر بيده وذهب به إلى منزله فرضخ له بشيء من المنزل. ثم أرسل إلى خازن بيت المال فقال: أنظر هذا وضرباءه، فوالله ما أنصفناه أن أكلنا شبيبته ثم نخذ له عند الهرم۔(۱)

"تمہیں اس پر کس بات نے مجبور کیا؟ اس نے کہا کہ بوڑھا ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دینا ہے۔ حضرت عمر ؓ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لائے اور اسے اپنے گھر سے کچھ دیا، پھر اسے بیت المال کے خازن کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس کا اور اس جیسے اور لوگوں کا خیال رکھو اور ان سے جزیہ لینا موقوف کر دو۔ کیونکہ یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے کہ ہم نے ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کیا اور اب بڑھاپے میں ان کو اس طرح رسوا کریں۔"

جزیہ کی مقدار مقرر کرنے میں بھی ذمیوں پر تشدد کرنا ممنوع ہے۔ حضرت عمر ؓ کی وصیت ہے کہ **لا یکلفوا فوق طاقتھم** جتنا مال دینا ان کی طاقت سے باہر ہو انہیں اس کے ادا کرنے کی تکلیف نہ دو۔(۲)

جزیہ کے عوض ان کی املاک کا نیلام نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت علی ؓ کا حکم ہے:

لا تبیعن لھم فی خراجھم حماراً ولا بقرۃ ولا کسوۃ شتاء ولا صیف۔(۳)

"خراج میں ان کا گدھا یا ان کی گائے یا ان کے سردی و گرمی سے بچانے والے کپڑے نہ بیچنا۔"

---

(۱) ۱۔ ابن قدامه، المغني، ۸: ۵۰۹

۲۔ أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۰

(۲) بیهقي، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۰۶

(۳) ابن قدامه، المغني، ۹: ۲۹۱

ایک اور موقع پر اپنے عامل کو بھیجتے وقت حضرت علیؓ نے فرمایا:

لا تبيعن لهم كسوة شتاء ولا صيفا، ولا رزقا يأكلونه، ولا دابة يعملون عليها، ولا تضربن أحدا منهم سوطا واحدا في درهم ولا تقمه على رجله في طلب درهم، ولا تبع لأحد منهم عرضا في شيء من الخراج، فإنّا أنّما أمرنا أن نأخذ منهم العفو، فإن أنت خالفت ما أمرتك به يأخذك الله به دوني، وإن بلغني عنك خلاف ذلك عزلتك۔[1]

"ان کے جاڑے اور گرمی کے کپڑے اور ان کے کھانے کا سامان اور ان کے جانور جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں خراج وصول کرنے کی خاطر نہ بیچنا، نہ کسی کو درہم وصول کرنے کیلئے کوڑے مارنا، نہ کسی کو کھڑا رکھنے کی سزا دینا اور نہ خراج کے عوض کسی چیز کا نیلام کرنا۔ کیونکہ ہم، جو ان کے حاکم بنائے گئے ہیں، ہمارا کام نرمی سے وصول کرنا ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کے خلاف عمل کیا تو اللہ میرے بجائے تمہیں سزا دے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا۔"

حضرت عمرؓ نے شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہؓ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں منجملہ اور احکام کے ایک یہ بھی تھا کہ:

وامنع المسلمين من ظلمهم والإضرار بهم وأكل أموالهم إلا بحلها۔[2]

"مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے اورانہیں ضرر پہنچانے اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے منع کرنا۔"

شام کے سفر میں حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ان کے عامل جزیہ وصول کرنے کے لئے ذمیوں کو دھوپ میں کھڑا کر کے اور ان کے سروں پر تیل ڈال کر سزائیں دے رہے ہیں۔ اس پر آپؓ نے فرمایا:

فرعوهم، لا تكلفوهم مالا يطيقون، فإنّي سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تعذّبوا النّاس فإنّ الّذين يعذّبون النّاس في الدّنيا يعذّبهم الله يوم القيامة

---

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۷

(۲) أبويوسف، كتاب الخراج: ۱۵۲

وأمر بهم فخلی سبیلهم۔(۱)

''ان کو چھوڑ دو، تم ان کو تکلیف نہ دو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے، میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کو عذاب نہ دو بیشک وہ لوگ جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں اللہ انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا۔ آپ ﷺ کے حکم پر انہیں چھوڑ دیا گیا۔''

ہشام بن حکم نے حمص کے ایک سرکاری افسر عیاض بن غنم کو دیکھا کہ وہ ایک قبطی کو جزیہ وصول کرنے کے لئے دھوپ میں کھڑا کر رہا ہے۔ اس پر انہوں نے اسے ملامت کی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

إنّ الله یعذب الّذین یعذبون النّاس في الدّنیا۔(۲)

''اللہ ﷻ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔''

فقہائے اسلام نے نادہندگان کے حق میں صرف اتنی اجازت دی ہے کہ انہیں تادیباً قید بے مشقت کی سزا دی جاسکتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے:

ولکن یرفق بهم ویحبسون حتّی یؤدّوا ما علیهم۔(۳)

''اور ان سے نرمی سے پیش آیا جائے گا اور ادائیگی جزیہ تک انہیں قید کیا جائے گا۔''

---

(۱) أبویوسف، کتاب الخراج: ۱۳۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة، باب الوعید الشدید، ۴: ۲۰۱۸، رقم: ۲۶۱۳

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج، باب فی التشدید، ۳: ۱۰۶، رقم: ۳۰۴۵

۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۲۳۶، رقم: ۸۷۷۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۶۸

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۹، رقم: ۵۶۱۲، ۵۶۱۳

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۱۷۱، رقم: ۴۴۱

۷۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۰۵

۸۔ هیثمی، موارد الظمآن: ۳۷۷، رقم: ۱۵۶۷

(۳) أبویوسف، کتاب الخراج: ۱۳۳

جو ذمی محتاج اور فقیر ہو جائیں انہیں صرف جزیہ ہی معاف نہیں کیا جائیگا بلکہ ان کے لئے اسلامی خزانہ سے وظائف بھی مقرر کئے جائیں گے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے اہل حیرہ کو جو امان نامہ لکھ کر دیا تھا اس میں لکھتے ہیں:

وجعلت لهم أيما شيخ ضعف عن العمل أو أصابته آفة من الآفات أو كان غنياً فافتقروا صار أهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله۔(۱)

"میں نے ان کیلئے یہ حق بھی رکھا ہے کہ جو کوئی شخص بڑھاپے کے سبب از کار رفتہ ہو جائے یا اس پر کوئی آفت نازل ہو جائے، یا وہ پہلے مال دار تھا پھر فقیر ہو گیا یہاں تک کہ اس کے ہم مذہب لوگ اس کو صدقہ وخیرات دینے لگے، تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائیگا اور اسے اور اس کے بال بچوں کو ریاست کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔"

اگر کوئی ذمی مر جائے اور اس کے حساب میں مکمل جزیہ یا جزیہ کا بقایا واجب الادا ہو تو وہ اس کے ترکہ سے وصول نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے ورثا پر اس کا بار ڈالا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس پر قرض نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:

إن وجبت عليه الجزية فمات قبل أن تؤخذ منه أو أخذ بعضها وبقي البعض لم يؤخذ بذلک ورثته ولم تؤخذ من تركته لإن ذلک ليس بدين عليه۔(۲)

"اگر اس پر جزیہ واجب ہو تو اس کی کل یا کچھ ادائیگی سے قبل وہ مر جائے تو اس پر بقیہ واجب الادا جزیہ وارثوں سے وصول نہیں کیا جائیگا کیونکہ یہ اس پر قرض نہیں ہے۔"

۱۱۔ عسکری خدمات سے اِستثناء کا حق

اسلامی ریاست میں ذمی فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہیں اور دشمن سے ملک کی حفاظت تنہا مسلمانوں کے فرائض میں شامل ہے چونکہ ان سے جزیہ اسی حفاظت کے معاوضہ میں وصول کیا جاتا

(۱) ا۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۵۵
۲۔ حميد الله، الوثائق السياسة: ۳۱۷، وثيقه: ۲۹۱

(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۲

ہے، اس لئے اسلام نہ تو ان کو فوجی خدمت کی تکلیف دینا جائز سمجھتا ہے اور نہ ان کی حفاظت سے عاجز ہونے کی صورت میں جزیہ وصول کرنا۔ اگر مسلمان ان کی حفاظت نہ کر سکیں تو انہیں ذمیوں کے اموال جزیہ سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ جنگِ یرموک کے موقع پر رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ پر ایک زبردست فوج جمع کی اور مسلمانوں کو شام کے تمام مفتوح علاقے چھوڑ کر ایک مرکز پر جمع ہونے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت ابوعبیدہ ﷺ نے اپنے امراء کو لکھا کہ:

> ''جو کچھ جزیہ وخراج تم نے ذمیوں سے وصول کیا ہے انہیں واپس کر دو اور ان سے کہو کہ اب ہم تمہاری حفاظت سے عاجز ہیں اس لئے تم اپنے معاملے کے لحاظ سے آزاد ہو۔ اس لئے ہم نے جو مال تمہاری حفاظت کے معاوضہ میں وصول کیا تھا اسے واپس کرتے ہیں۔''

اس حکم کے مطابق تمام لشکروں کے امراء نے جمع شدہ رقم واپس کر دی۔ (۱)

۱۲۔ اَقلیتوں سے معاہدے کی پاسداری

اگر اقلیتوں نے اسلامی ریاست سے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اسلامی ریاست اسے ہر حال میں پورا کرنے کی پابند ہوگی:

> **العقد فهو أنّه لازم في حقّنا حتّى لا يملك المسلمون نقضه بحال من الأحوال وأما في حقّهم فغير لازم۔** (۲)

> ''عقد ذمہ مسلمانوں کی جانب ابدی لزوم رکھتا ہے، یعنی وہ میثاق کرنے کے بعد پھر توڑ دینے کے مختار نہیں ہیں۔ لیکن دوسری جانب ذمیوں کو اختیار ہے کہ جب تک چاہیں اس پر قائم رہیں اور جب چاہیں توڑ دیں۔''

ذمی خواہ کیسے ہی بڑے جرم کا ارتکاب کرے اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا، حتیٰ کہ جزیہ بند کر دینا، مسلمان کو قتل کرنا، یا کسی مسلمان عورت کی آبروریزی کرنا بھی اس کے حق میں ناقضِ ذمہ نہیں ہے۔ البتہ صرف تین صورتیں ایسی ہیں جن میں عقدِ ذمہ باقی نہیں رہتا، ایک یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے دوسری یہ کہ وہ دار الاسلام سے نکل کر دشمنوں سے جا ملے، تیسری یہ کہ حکومتِ اسلامیہ کے خلاف

---

(۱) ۱۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۵۰

۲۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۱۶۱

(۲) كاساني، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۲

علانیہ بغاوت کر دے۔ (۱)

۱۳۔ جنگی قیدیوں کے حقوق

اسلام نے جنگی قیدیوں سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے۔ جنگِ بدر کے ایک قیدی کا بیان ہے: اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم کرے، یہ اپنے اہل وعیال سے اچھا کھانا ہمیں کھلاتے تھے اور اپنے گھر کے لوگوں سے کہیں زیادہ ہماری آسائش کا خیال رکھتے تھے۔

مخالفین سے یہ سلوک اس لئے کیا جاتا تھا کہ اسلام دُشمن کو بھی تکریم انسانیت کا مستحق سمجھتا ہے اور کسی کے فکر اور عقیدے میں جبر و جور کے ذریعے تبدیلی پسند نہیں کرتا، اس کا واضح ارشاد ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ (۲)

''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔''

جب دین کے معاملے میں جبر روا نہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ غیر مسلموں کو انسانی حقوق سے محروم کر دیا جائے؟

۱۴۔ معاہداتِ نبوی اور اقلیتوں کے حقوق

حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جن غیر مسلم قبائل نے غیر مسلم ہوتے ہوئے جزیرۃ العرب میں اسلامی حکومت کی رعایا کے طور پر رہنا پسند کیا حضور نبی اکرم ﷺ نے اُن سے کئی معاہدے کیے جو اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کی مختلف جہات کا اظہار کرتے ہیں ان میں سے چند معاہدات حسب ذیل ہیں:

نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے اہلِ نجران کے لئے ہے۔

۱۔ ان کے پھلوں، سونے چاندی، غلام اور اُن اشیاء کے ساتھ ہر قسم کے مال کے عوض میں ان پر

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۳

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۵۶

مندرجہ ذیل خراج عائد کیا جاتا ہے۔

ا) دو ہزار یمنی حلے (دو قسطوں میں) ماہ رجب میں ایک ہزار، ماہ صفر میں ایک ہزار۔

ب) اور ایک حلہ کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی۔

۲۔ مقررہ مقدار خراج میں کسی شے کی کمی اور دوسری شے کی بیشی پر جمع و منہا لازم ہوگا۔

۳۔ اگر اہلِ نجران عائد شدہ نصاب (حلہ جات اور چاندی) کے عوض میں اجناس داخل کرنا چاہئیں۔ تو بدل مبدل منہ دونوں کی قیمت میں کمی بیشی کا لحاظ ضرور ہوگا۔

۴۔ اہلِ نجران پر میرے تحصیلداروں کی مہمان نوازی اور تکریم بیس سے لے کر تیس دن تک واجب ہے۔ اس کے بعد اُنہیں اپنے ہاں روکا نہ جائے۔

۵۔ ہماری طرف سے یمن اور معرہ پر حملہ کے وقت اُنہیں ہم کو:

الف۔ تیس گھوڑے

ب۔ ۳۰ زرہیں عاریۃً دینا ہوں گی۔

جن کے اتلاف پر ان کی قیمت اور شکست و ریخت کے ہمارے تحصیل دار ذمہ دار ہوں گے۔

۶۔ اہلِ نجران کے ساتھ ان کے ہمسایہ حلیفوں کے لئے بھی محمد رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے مندرجہ ذیل اشیاء میں تلافی کے ذمہ دار ہیں۔

الف۔ وطن اور وطن کے باہر ہر دو جگہوں میں ان کے اموال و نفوس کے اتلاف پر۔

ب۔ ان کے مذہب اور ان کے قرابت داروں کی تذلیل و تحقیر پر۔

۷۔ ان کے پادری، گوشہ نشینوں اور کاہنوں پر گرفت نہ ہوگی۔

۸۔ ان کی ماتحتی کی وجہ سے ان پر کسی قسم کی کمتری عائد نہ ہوگی۔

۹۔ وہ قبل از اسلام کے قتل کے مواخذہ سے بری ہیں۔

۱۰۔ وہ ہماری جنگوں میں شرکت سے مستثنیٰ ہیں۔

۱۱۔ ہمارا لشکر ان پر حملہ نہ کرے گا۔

۱۲۔ ہماری عدالت میں دعوے پیش کرنے پر ان سے انصاف کیا جائے گا۔

۱۳۔ ان میں سے جو شخص اپنے خاندان سے سود لے گا وہ ہماری ذمہ داری سے محروم ہے۔

۱۴۔ کسی فرد کی دوسرے فرد کے عوض میں گرفت نہ ہوگی۔[۱]

بالکل اسی طرح کا ایک عہد نامہ اہلِ نجران سے ہوا کہ جس میں مذہبی آزادی کی اس سے بھی زیادہ وضاحت کی گئی ہے۔ جس کو بلاذری نے فتوح البلدان میں تحریر کیا ہے۔ جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ لکھ کر دیا:

ولنجران وحاشيتها جوار الله وذمة محمد النبيّ رسول الله (ﷺ) على أنفسهم وملّتهم وأرضهم وأموالهم وغائبهم وشاهدهم وغيرهم وبعثهم وأمثلتهم لا يغير ما كانوا عليه ولا يغير حق من حقوقهم وأمثلتهم لا يفتن اسقف من اسقفيته ولا راهب من رهبانيته ولا واقه من وقاهيته على ما تحت أيديهم من قليل أو كثير وليس عليهم رهق۔[۲]

''اہلِ نجران اور ان کے حلیفوں کے لئے اللہ اور محمد رسول اللہ (ﷺ) ان کی جانوں ان کے مذہب ان کی زمینوں ان کے اموال۔ ان کے موجود اور غیر موجود، ان کے مواشی اور قافلے اور اُن کے استھان وغیرہ کے ذمہ دار ہیں اور جس دین پر وہ ہیں اس سے ان کو نہ پھیرا جائے گا۔ ان کے حقوق اور اُن کی عبادت گاہوں کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔ کسی پادری، راہب یا سردار کو اس کے عہدے سے نہ ہٹایا جائے اور ان کو کوئی خوف نہ ہوگا۔''

ان معاہدات سے اقلیتوں کے حقوق کا جو خاکہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ:

(الف) اسلامی حکومت کے ماتحت رہنے والی غیر مسلم رعایا کو مساوی قانونی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

(ب) ان کے مذہب سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاسکتا۔

(ج) ان کے اموال، ان کی جان اوران کی عزت و آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔

---

(۱) بلاذری، فتوح البلدان: ۸۹، ۹۰

(۲) بلاذری، فتوح البلدان: ۸۹، ۹۰

د) اسلامی حکومت کے اندرونی استحکام کی خاطر خلیفہ یا سربراہ مملکت **لا یفتن واقه من واقهیة** کے ماتحت انہیں انتظامی اُمور کے عہدے جس حد تک مناسب سمجھے تفویض کرسکتا ہے۔

ہ) اپنے مذہبی عہدے دار وہ خود متعین کرنے کے مجاز ہیں اور ان کی عبادت گاہیں قابلِ احترام ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ **لا یغیر حق من حقوقھم وأمثلتھم** تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان کی عبادت گاہوں میں کسی قسم کا تغیر نہ کیا جائے اور ان کا احترام بہر حال قائم رکھا جائے گا۔

ان سب چیزوں کے عوض غیر مسلم رعایا اسلامی حکومت کو کیا دے گی؟ وہی کچھ جو مسلم رعایا دیتی ہے۔ جو محاصل مسلم دے گا اس کا نام زکوٰۃ وعشر ہوگا اور جو محاصل غیر مسلم رعایا دے گی وہ جزیہ یا خراج کہلائے گا۔ یہ اسلامی بیت المال میں جمع ہونے والی رقوم کی الگ الگ دو مدّوں کے نام ہیں، اس میں کسی کہتری یا برتری کا کوئی تصور نہیں ہے، جزیہ محافظت کی جزا ہے جسے ادا کرنے کے بعد غیر مسلم رعایا جنگی خدمات سے مستثنیٰ ہو جاتی ہے اور اسلامی حکومت ان کے مال، جان اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

۱۵۔ خلافتِ صدّیقی اور اقلیتوں کے حقوق

وہ معاہدات جو دورِ صدیقی میں ہوئے اگرچہ ان کی تعداد کثیر ہے۔ یہاں ان میں سے چند ایسے معاہدے نقل کئے جاتے ہیں جن میں تمام کا خلاصہ آ جاتا ہے۔

حضرت خالد بن ولید ﷺ جب، حسب فرمان خلیفۂ اوّل، دمشق اور شام کی سرحدوں سے عراق اور ایران کی طرف لوٹے تو راستے میں باشندگانِ عانات کے ساتھ یہ معاہدہ کیا:

(ا) اہلِ عانات سے معاہدہ

۱۔ ان کے گرجے اور خانقاہیں منہدم نہیں کی جائیں گی۔

۲۔ وہ ہماری نماز پنجگانہ کے سوا ہر وقت اپنا ناقوس بجا سکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔

۳۔ وہ اپنی عید پر صلیب نکال سکتے ہیں۔

۴۔ مسلمان مسافر کی تین دن ضیافت کریں اور،

۵۔ وقت پڑنے پر مسلمانوں کی جان و مال کی نگہداشت کریں۔[1]

(۲) اہلِ حیرہ سے معاہدہ

اہلِ حیرہ سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو معاہدہ کیا اس کی دفعات حسب ذیل ہیں:

۱۔ کسی کافر کی مسلمانوں کے خلاف اعانت مت کرو۔

۲۔ مسلمانوں کی مخالفت نہ کرو۔

۳۔ ہمارے دُشمن کو ہمارے خفیہ راز مت بتاؤ۔

۴۔ اگر وہ ان دفعات کی پابندی نہ کریں گے تو ہماری طرف سے بھی ان کی امان دہی کا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔

۵۔ اور ایفائے عہد کی صورت میں جس میں ادائے ٹیکس (جزیہ) بھی شامل ہے۔ ہم ان کی کسی بھی وقت امانت اور حمایت میں سبقت کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔

۶۔ اگر وہ ہمارے ماتحت رہے تو ان کے لئے جملہ مراعات ہوں گی، جو اہلِ ذمہ کے لئے ہیں۔

درج ذیل اشخاص کا جزیہ (محاصل) معاف ہے:

۱۔ ان بوڑھوں کا جو کام کاج نہیں کر سکتے۔

۲۔ آسمانی آفات کے ہاتھوں تباہ شدگان کا۔

۳۔ اس فقیر کا جو خیرات پر گذر اوقات کرتا ہے۔

۴۔ متذکرہ بالا تین قسم کے اشخاص کو اسلامی بیت المال سے وظیفہ ملے گا، بشرطیکہ وہ مفتوحہ علاقے سے کسی غیر جگہ منتقل نہ ہوں (اگرچہ وہ غیر مسلم ہی رہیں)۔

۵۔ لباس میں ذمی لوگ فوجی لباس کے سوا جو چاہیں پہنیں۔

۶۔ فوجی لباس پہننے کی صورت میں مقدمہ چلے گا اگر وہ عدالت کو مطمئن نہ کر سکے تو جرم کے مطابق ان کو سزا دی جائے گی۔

۷۔ اگر وہ مسلمانوں سے کسی قسم کی اعانت کے طلب گار ہوں، خواہ مال ہی ہو اس سے دریغ نہ کیا

---

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۴۵

جائے گا۔[1]

(۳) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہدایات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت سی ہدایات ہمیں ملتی ہیں جو آپ نے لشکر اسلام کے سپہ سالاروں کو تحریری طور پر یا زبانی دیں۔ ان میں سب سے جامع ہدایات وہ ہیں جو آپ نے شام بھیجی جانے والی فوج کے سالاروں کو دی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

أوصيكم بتقوى الله اغزوا في سبيل الله فقاتلوا من كفر بالله فإنّ الله ناصر دينه ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تجبنوا ولا تفسدوا في الأرض ولا تعصوا ما تؤمرون......ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنها ولا تعقروا بهيمة ولا شجرة تثمر ولا تهدموا بيعة ولا تقتلوا الولدان ولا الشيوخ ولا النساء وستجدون أقواما حبسوا أنفسهم في الصوامع فدعوهم وما حبسوا أنفسهم له وستجدون آخرين اتخذ الشيطان فى رؤوسهم أفحاصا فإذا وجدتم أولئک فاضربوا اعناقهم۔[2]

’’میں تمہیں اللہ ﷻ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اللہ کے راستے میں جہاد کرو جن لوگوں نے خدا کو ماننے سے انکار کردیا ہے ان سے جنگ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت فرمائے گا غلول (مالِ غنیمت میں چوری) نہ کرنا، غداری نہ کرنا، بزدلی نہ دکھانا زمین میں فساد نہ مچانا اور احکامات کی خلاف ورزی نہ کرنا، ...... کھجور کے درخت نہ کاٹنا اور نہ انہیں جلانا چوپایوں کو ہلاک نہ کرنا اور نہ پھلدار درخت کو کاٹنا، کسی عبادت گاہ کو مت گرانا اور نہ ہی بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنا، تمہیں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جنہوں

---

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۵۵

(۲) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۹: ۸۵، رقم: ۱۷۹۰۴

۲۔ مالك، الموطأ، ۲: ۴۴۷

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵: ۱۹۹

۴۔ هندي، كنز العمال، ۱: ۲۹۶

۵۔ ابن قدامه، المغني، ۸: ۳۵۱۔۳۵۲، ۴۷۷

نے گرجا گھروں میں اپنے آپ کو محبوس کر رکھا ہے اور دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ ان کے علاوہ تمہیں کچھ دوسرے لوگ ملیں گے جو شیطانی سوچ کے حامل ہیں (یہ لوگ گرجا گھروں کے خدام کہلاتے ہیں لیکن لوگ جنگ میں ان کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں) جب تمہیں ایسے لوگ ملیں تو ان کی گردنیں اڑا دو‘‘

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تخربوا عامرا ولا تذبحوا بعيرا ولا بقرة إلّا لمأكل۔[1]

’’کسی آباد جگہ کو مت اجاڑو اور کسی گائے یا اونٹ کو ہلاک نہ کرو سوائے اسکے کہ اس کے گوشت کی تمہیں ضرورت ہو‘‘۔

۱۶۔ خلافتِ فاروقی اور اقلیتوں کے حقوق

حضرت عمر فاروق ﷺ کے دورِ خلافت میں بھی اقلیتوں کے حقوق کا قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق تحفظ کیا گیا۔ آپ کے دورِ خلافت میں بھی اقلیتوں سے کئی معاہدے ہوئے جن میں سے اہم اہلِ ماہ بہراذان سے معاہدہ ہے:

اہلِ ماہ بہراذان سے معاہدہ

حضرت نعمان بن مقرن نے اہلِ ماہ بہراذان سے سیدنا حضرت عمرِ فاروق ﷺ کے دورِ خلافت میں معاہدہ کیا، جس کی توثیق آپ نے فرمائی۔ اس معاہدے میں اقلیتوں کے متعلق درج ذیل دفعات شامل تھیں:

۱۔ ان کے اموال، نفوس اور اراضی ہر ایک پر ان کا قبضہ بدستور تسلیم کیا جاتا ہے۔

۲۔ انہیں نہ تو ان کے دین سے ہٹایا جائے گا اور نہ ان کی شریعت سے تعرض کیا جائے گا۔

۳۔ اُنہیں ہر سال ایک مرتبہ جزیہ (حکومتی محاصل) ادا کرنا ہوگا، یہ جزیہ ہمارے مقرر کردہ امیر کو دینا ہوگا۔ جزیہ کے عوض ان کی حمایت و حفاظت کی جائے گی۔

---

(۱) ۱۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۹۰

۲۔ ابن حزم، المحلی، ۷: ۲۹۴، ۲۹۶، ۲۹۷

۳۔ هندی، کنز العمال، ۱: ۲۹۶

۴۔ جزیہ ہر شخص کی وسعت مالی کے مطابق ہوگا۔

۵۔ جزیہ کے مکلّف صرف بالغ مرد ہوں گے۔

۶۔ اُنہیں نو وارد مسافروں کی رہنمائی کرنا ہوگی۔

۷۔ گذرگاہوں کی حفاظت ان کے ذمہ ہوگی۔

۸۔ مسلمان فوجی دستوں کی ایک دن کی مہمانی اور قیام کا انتظام کرنا ہوگا۔

۹۔ اگر اُنہوں نے کسی معاملہ میں دھوکا دیا یا اُن شرائط میں کمی کی تو امان کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آخری لمحے تک اقلیتوں کا خیال تھا۔ حالانکہ ایک اقلیتی فرقہ ہی کے فرد نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ اس کے باوجود آخری وقت ارشاد فرمایا:

أوصی الخلیفة من بعدی بذمة الله وذمة رسوله ﷺ أن یوفی لھم بعھدھم وأن یقاتل من ورائھم وأن لا یکلفوا فوق طاقتھم۔(۲)

”یعنی میں اپنے بعد والے خلیفہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ میں آنیوالوں (اقلیتوں) کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان سے کئے ہوئے وعدے پورے کریں اور ان کی حفاظت کے لئے لڑے اور اُن کو اُن کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ

---

(۱) حمید الله، الوثائق السیاسة: ۳۵۸، وثیقه: ۳۳۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی قبر النبی ﷺ، ۱: ۴۶۹، رقم: ۱۳۲۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب قصة البیعة، ۳: ۱۳۵۶، رقم: ۳۴۹۷

۳۔ ابن أبی شیبه، المصنف، ۷: ۴۳۶، رقم: ۳۷۰۵۹

۴۔ بیھقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۵۰

۵۔ بیھقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۰۶

۶۔ أزدی، الجامع، ۱۱: ۱۰۹

۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۳۳۹

دے۔"

حضرت عمر ﷺ باہر سے آنے والے لوگوں سے وہاں کی اقلیتوں کے بارے میں برابر پوچھتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ بصرہ سے آنے والے اقلیتوں کے ایک وفد سے دریافت فرمایا:

لعل المسلمين يفضون إلى أهل الذمة بأذى ...... فقالوا: ما نعلم إلّا وفاء۔(۱)

"شاید مسلمان اقلیتوں کو کچھ تکالیف دیتے ہیں ...... (تو اہلِ ذمہ نے) کہا ہم نے عہد کی پابندی کے علاوہ ان میں کچھ نہیں دیکھا۔"

یعنی مسلمانوں نے ہم سے جو معاہدہ کیا ہے اُسے پورا کر رہے ہیں۔

۱۷۔ خلافتِ عثمانی اور اقلیتوں کے حقوق

خلافتِ راشدہ کا تیسرا دور شروع ہی ایک ایسے المناک حادثہ سے ہوا کہ ایک غیر مسلم نے خلیفۂ وقت پر قاتلانہ حملہ کیا اور خلیفہ جانبر نہ ہو سکے، آپ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ ﷺ نے غصہ میں آ کر قتل کی سازش میں ملوث تین آدمیوں کو قتل کر دیا، جن میں سے ایک مسلمان اور دو غیر مسلم عیسائی تھے، حضرت عبید اللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ خلیفہ ثالث نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے اس معاملہ کے بارے میں صحابہ کرام سے رائے لی، تمام صحابہ کی رائے یہ تھی کہ عبید اللہ کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن بعد میں خون بہا پر مصالحت ہو گئی اور خون بہا (دیت) کی رقم تینوں مقتولین کے لئے برابر برابر مقرر کی گئی۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست میں مسلمانوں اور غیر مسلم اقلیتوں کے خون کی حرمت برابر ہے۔ حضرت عثمان ﷺ کا زمانہ خلافت بھی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے شاندار ریکارڈ کا حامل ہے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں کوفہ کے گورنر ولید بن عقبہ کے دربار میں ایک یہودی شعبدہ بازی کے کرتب دکھا رہا تھا، حضرت جندب بن کعب ازدی بھی تماشائیوں میں تھے، آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا تھا، آپ نے ان شعبدوں کو شیطانی اثر سمجھا اور یہودی کو قتل کر دیا۔ ولید نے اسی وقت آپ کو گرفتار کر لیا اور قصاص میں قتل کرنے کے لئے جیل بھیج دیا۔ آپ نے داروغہ جیل ابوسنان سے پوچھا

(۱) طبری، تاریخ الأمم والملوک، ۲: ۵۰۳

(۲) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۵: ۱۷

کہ کیا تو بھاگنے میں میری مدد کرے گا۔ اس نے کہا: ہاں اور پھر حضرت جندب کو جیل سے بھاگنے میں مدد دیتے ہوئے کہا: یہاں سے بھاگ جا اللہ تعالیٰ تیرے بارے مجھ سے کچھ نہ پوچھے گا۔

جب ولید نے آپ کو قتل کرنے کے لئے طلب کیا تو معلوم ہوا کہ آپ تو بھاگ گئے ہیں۔ ولید نے داروغہ کو نگرانی میں کوتاہی کرنے کے جرم میں قتل کر دیا۔(۱)

۱۸۔ خلافتِ مرتضوی اور اقلیتوں کے حقوق

حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا دور بہت پر آشوب تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ کے دور خلافت میں اقلیتوں کے حقوق کو کوئی گزند نہیں پہنچنے دی گئی۔ ایک دفعہ آپ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں قاتل مسلمان تھا اور مقتول غیر مسلم تھا۔ آپ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دینے کا حکم دیا اور حضرت عمر ؓ کے فتویٰ پر فیصلہ کیا۔ مگر مقتول کے وارثوں نے دیت لے کر قاتل کو چھوڑ دینا چاہا۔ جب حضرت علی ؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے مقتول کے ورثاء کو بلا کر پوچھا کہ تمہارے اُوپر کوئی دباؤ تو نہیں ڈالا گیا، تو اُنہوں نے عرض کیا کہ نہیں ہم پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ تب آپ نے وہ دیت دلا دی جو مسلمانوں کی دیت کے برابر تھی اور فرمایا:

من كان له ذمتنا فدمه كدمنا وديته كديتنا۔(۲)

”یعنی جو غیر مسلم ہماری ذمہ داری میں ہے اس کا خون ہمارے خون جیسا ہے اور اس کی دیت بھی ہماری یعنی مسلمانوں کی دیت کے برابر ہے۔“

اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں قرآن وسنت کی عطا کی گئی تعلیمات اور دورِ نبوت و دورِ خلافتِ راشدہ میں اقلیتوں کے حقوق کے احترام وتحفظ کے ان روشن نظائر سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی

(۱) ۱۔ بیهقي، السنن الكبرىٰ، ۸: ۱۳۶

۲۔ مزي، تهذيب الكمال، ۵: ۱۴۶

(۲) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۸: ۳۴

۲۔ شافعي، المسند، ۱: ۳۴۴

۳۔ شيباني، الحجة، ۴: ۳۵۵

۴۔ زيلعي، نصب الراية، ۴: ۳۳۷

۵۔ شافعي، الأم، ۷: ۳۲۱

ہے کہ مسلم ریاست میں اقلیتوں کو وہ تحفظ اور حقوق حاصل ہیں جن کا تصور بھی کسی دوسرے معاشرے میں نہیں کیا جاسکتا۔

معروف مستشرق واٹ اس کا اعتراف یوں کرتا ہے:

The Christian were probably better off as Dhimis under Muslim Arab rulers than they had been under the Byzantine Greek.(1)

"(مسلمانوں کے دور اقتدار میں) عیسائی، عرب مسلم حکمرانوں کے اقتدار میں بطور ذمی اپنے آپ کو یونانی بازنطینی حکمرانوں کی رعیت میں رہنے سے زیادہ محفوظ اور بہتر سمجھتے تھے۔"

باب نہم

سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت
اَمنِ عالَم کے تناظر میں

تاریخ انسانی اس امر کی گواہ ہے کہ انسانی تہذیب وتمدن کو ترقی اور صحتمندانہ پیش رفت کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے امن اور بقائے باہمی کی فضا وہ بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر انسانیت کو کسی پہلے سے موجود ادوار سے بہتر دور میں داخل کرنا ممکن نہیں۔ اسلام کے دورِ اولیں اور سیرت الرسول ﷺ کا اس تاریخی تناظر میں مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ بین الاقوامی امن کے قیام کی بنیادیں اور قابل اعتماد ضمانت سیرت الرسول ﷺ سے ملنے والی فکری اور عملی تعلیمات سے ممکن ہے۔ آج دنیا کو ایک ایسے بین الاقوامی نظام کی شدید ضرورت ہے جو ظلم سے پاک ہو اور عادلانہ امن قائم کر سکے۔ جہاں اقوامِ عالم کے مذہبی، ثقافتی، سماجی، معاشرتی، عمرانی اور اقتصادی امتیازات کے جواز کو تسلیم کیا جاتا ہو اور اس کے قانون کی بنیاد اس مشترکہ ضرورت پر ہو کہ دنیا میں زندگی کو انصاف اور آزادی کے ماحول میں منظم کیا جا سکے۔ اس طرح کا عالمی نظام اس وقت ہی موثر ہو سکتا ہے جب اس کے قواعد وضوابط کے نفاذ کے لئے ضروری قوت نافذہ میسر ہو اور اس کی پشت پر ایک بین الاقوامی قانون اور عدالتی نظام موجود ہو۔ جس میں بین الاقوامی انصاف سب کے لئے خواہ وہ حکومتیں ہوں یا ادارے، گروہ ہوں یا افراد قابل حصول ہوں۔

جب تک اس طرح کی اعلیٰ اقدار اور مستقل اُصولوں پر مبنی بین الاقوامی نظام وجود میں نہیں آ جاتا دنیا میں قیام امن کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قومیت پر مبنی ریاست کی روایت نے جو دورِ جدید کے سیاسی منظرنامے پر اپنی نوعیت کی ایک نئی پیش رفت ہے، اس کی موجودگی میں عالمی عدل اور امن کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قومیتی ریاستیں اپنی ترجیحات اور مفادات میں عالمی انسانی برادری کی ترجیحات اور مفادات کو شامل نہیں کر لیتی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر ہم انسانیت کے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے امکانات کا جائزہ لیں اور اس کے لئے گزشتہ دو تین صدیوں میں کی جانے والی کوششوں کو بھی پیشِ نظر رکھیں تو یہ حقیقت امرِ واقعہ کے طور سامنے آتی ہے کہ بین الاقوامی اخلاقیات، بین الاقوامی قانون اور فلسفہ قانون کے میدان میں بھی دنیا اسلامی ورثہ کی محتاج ہے۔ کیونکہ اسلام کے مزاج میں یہ امر شامل ہے کہ ایک پر امن عالمی نظام قائم کرنا اور اس کے لئے راستہ ہموار کرنا اسلام اور اس کے پیروکاروں

کی بنیادی ذمہ داری ہے، کیونکہ یہ ہی وہ ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہو کر وہ اُلوہی اطاعت کا تقاضہ پورا کر سکتے ہیں۔ اس کے بغیر وہ اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ تمام معاملات زندگی کا نظام عدل اور اُخوت کی بنیادوں پر استوار نہیں کر لیتے۔ اسلام جو عالمی نظام قائم کرنا چاہتا ہے اس میں فتنہ اور فساد ہمیشہ کے لئے شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ امن کے ساتھ اسلام کی وابستگی مکمل، مطلق، آفاقی اور ہمہ گیر ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور خصوصاً دورِ رسالت ﷺ کی ارتقائی صورت اور آپ کی طرف سے مختلف فریقوں کے ساتھ کیے جانے والے معاہدات اور مواثیق اور طے پانے والے اُمور اس امر کی ضمانت فراہم کرتے ہیں کہ اسلام کی امن کے ساتھ وابستگی کتنی گہری ہے۔ اسلام کا بین الاقوامی قانون، ملت یا مذہبی معاشرہ کو تشخص کا بنیادی ڈھانچہ قرار دیتا ہے۔ اسلام کا عالمی نظام عیسائی، یہودی، صابی، ہندو اور بدھ مذہبی فرقوں پر مشتمل رہا ہے۔ اسلام کے نظام میں انسانوں کی قبائلی تقسیم اور قوم پرستی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ ہر گروہی عصبیت خواہ وہ نسل، دولت، زبان یا ثقافتی تفریق پر مبنی ہو ایک شر ہے۔ سب انسان اللہ کے تخلیق ہونے کے ناطے مساوی ہیں اور ان تمام تفریقوں سے بالاتر ہیں۔ یہودی پہلا غیر مسلم گروہ تھے یکم ہجری کی اولین اسلامی آئین میں باقاعدہ شناخت کے تحت ان کی سیاسی اور سماجی حیثیت کو تسلیم کیا گیا۔ اس کے بعد اس فہرست میں عیسائی، صابی اور ہندو بدھ بھی شامل ہو گئے۔ جنہوں نے اپنی اپنی مذہبی وابستگیوں کی بنیاد پر ہی اپنا تشخص برقرار رکھا اور اسلام نے ان کے تشخص کو تسلیم کیا۔ ان تمام سیاسی، سماجی اور معاشرتی گروہوں کو ان کی علیحدہ انفرادی، ثقافتی، مذہبی، اخلاقی اور سیاسی وسماجی شناخت کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام نے ایک ملت قرار دیا۔ جو ایک پرامن بین الاقوامی برادری کی مستحکم اساس بن سکتی ہے۔

بین الاقوامی امن کے قیام کی مستحکم بنیادیں اس وقت تک استوار نہیں کی جاسکتیں جب تک اندرون ملک اور بیرون ملک کسی بھی قوم، مذہب یا ملک کی حکمت عملی مبنی بر عدل نہ ہو۔ اسلام اس تناظر میں بھی ایک امتیازی شان کا حامل ہے۔ تاریخ اسلام خصوصاً دورِ رسالت مآب ﷺ اور دورِ خلافتِ راشدہ اندرون ملک قیام امن کے حوالے سے اس شاندار تاریخی ریکارڈ کا حامل ہے جس کی نظیر تاریخ نہیں پیش کر سکتی۔ بیرون ملک قیام امن کے امکانات کا اندازہ کسی بھی ملک کے بین الممالک تعلقات کی نوعیت سے کیا جا سکتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے آئینی اور قانونی اقدامات جو مختلف ممالک، قبائل اور ریاست مدینہ سے باہر گروہوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے لیے کیے گئے نہ صرف اسلام بلکہ تاریخِ عالم میں قانون بین الممالک کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔ ان سے تاریخ انسانی پہلے شناسا نہ تھی۔

اسلام کے بین الاقوامی کردار اور مختلف ممالک کے ساتھ ربط کار کو سمجھنے اور اس کے بارے میں پیدا ہونے والے مغالطوں کے ازالے کے لئے چند ایک بنیادی اصطلاحات کا جائزہ لینا ضروری ہوگا۔

ا۔ جہاد

اسلام کے نصب العین کے فروغ اور اس کی تکمیل کے لئے اپنے فرائض کی ادائیگی، منکرات کے خاتمے اور اصلاح احوال کے لئے جدوجہد کرنا ہر مسلمان پر لازمی ہے۔ ہر مسلمان کے کردار سے اسلام یہ توقع کرتا ہے کہ وہ خیر کے فروغ اور شر کے قلع قمع کے لئے یا تو عملی طور پر کردار ادا کرے یا زبانی طور اس کے لئے فضا سازگار کرے یا اپنے ارادے اور رویے کے ذریعے ایسے ماحول سے الگ تھلگ رہے جہاں خیر کے فروغ اور شر کے قلع قمع کے امکانات کم تر ہوں۔ جہاد اندھا دھند خونریزی کا نام نہیں۔ بلکہ یہ بیک وقت خارجی عمل بھی ہے اور داخلی عمل بھی۔ داخلی عمل ہوتے ہوئے جہاد کا مقصد خود فرد کے کردار کا اپنا استحکام، اس کی باطنی تعمیر اور شخصیت کے انحرافات کی اصلاح ہے۔ گویا جہاد صرف مسلح جنگ ہی کا نام نہیں بلکہ یہ فرد اور معاشرے کو راہ راست پر گامزن کرنے کے لئے مناسب فضا فراہم کرنے کا نام ہے۔

۲۔ دار الاسلام

اس سے مراد وہ علاقے ہیں جہاں مسلمانوں کو مکمل امن، تحفظ اور آزادی حاصل ہو۔

۳۔ در العہد

دارالعہد سے مراد وہ غیر مسلم ریاستیں ہیں جو باہمی داخلی خود مختاری کے اصول کو تسلیم کرنے کے ساتھ باہمی احترام، ریاستی معاہدات کی پابندی اور طے شدہ عالمی ضابطوں پر کار بند رہتے ہوئے مسلمان ممالک کے ساتھ تعلقات استوار کریں اور کسی طرح بھی ان کے امن وسلامتی اور خود مختاری و سالمیت کے لئے خطرہ نہ ہوں۔

۴۔ دارالحرب

یہ دار الاسلام کی ضد ہے۔ اس سے مراد وہ غیر مسلم علاقے یا ریاستیں ہیں جو مسلمانوں کی دشمن اور ان کی آزادی کے لئے خطرہ ہوں۔

اسلامی قانون کی بنیادی اصطلاحات کی وضاحت سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مسلم خارجہ تعلقات اور قانون بین المما لک جو اسلام نے دیا ہے محض شخصی قانون نہیں بلکہ اسے اقلیمی اور ملکی قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ مسلم ماہرین قانون نے اسلامی ریاست کے خارجہ تعلقات کا مربوط نظام تشکیل دیا۔ ذمہ، دارالاسلام، دار الحرب اور دار العہد کی اصطلاحات سے متعلق تفصیلات کا جائزہ لیا جائے تو اقلیمی، ریاستی اور شخصی قوانین کے مسلم تصورات ایک ایسے نظریاتی نظام حکمرانی کے اندر پہلو بہ پہلو رو بہ عمل نظر آتے ہیں جس کی حیثیت بنیادی طور پر ایک آئینی یا باہم قرار یافتہ معاہدہ کی ہے۔ اس کے اندر حکومتی ڈھانچہ میں کثرت پسندانہ نظم اور سیاسی قوت کے عدم ارتکاز (Decentralization) کا تصور پایا جاتا ہے۔ شخصی اور ملکی دونوں قوانین سے متعلق ان مسلم تصورات کی بنیاد پر غیر مسلم طبقوں کو اسلامی ریاست میں اپنے مذہبی اور شخصی اُمور میں آزادی اور حق خود اختیاری حاصل رہا ہے۔

غیر مسلم فرقوں کے وہ اُمور جو قانونِ عامہ یعنی پبلک لا کے دائرے میں آتے ہیں یا جن صورتوں میں قوانین کا باہمی تضاد اور تصادم ہو ان حالتوں میں شریعتِ اسلامی کو ہی عام قانون کی حیثیت حاصل تھی۔ مدینہ کی اولین اسلامی ریاست کی ابتدائی دور یعنی اھ سے ۵ھ تک حضور نبی اکرم ﷺ اور یہودی قبائل کے درمیان انہی اصولوں پر معاہدہ طے پایا تھا۔ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ کیا گیا سمجھوتہ جو تقریباً ۱۰ھ میں طے پایا اور حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات تک برقرار رہا۔ نجرانی باشندوں کو علاقائی خود اختیاری (Regional Inependence) حق خود اختیاری (Political Autonomy) اور حق خود انتظامی (Administrative Autonomy) بھی حاصل تھا۔

ا۔ قانونِ اِسلام اور قیامِ اَمن کی اَہمیت

سیرت الرسول ﷺ کا مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ آپ جو معاشرہ قائم فرمانا چاہتے ہیں اس کے خدو خال ”کونوا عباد اللہ إخوانا“ فرما کر آپ نے نمایاں کر دیے۔ اس فرمان کے مطابق اللہ کی بندگی کے بعد اہم ترین امر باہمی اُخوت ومحبت اور رواداری ہے۔ گویا اسلام کسی درجہ پر بھی بغض وحسد اور فتنہ وفساد کی اجازت نہیں دیتا، خواہ یہ انفرادی سطح کا معاملہ ہو یا اجتماعی سطح کا۔

(ا) قیامِ اَمن کی تاکید

زندگی کے تمام گوشوں کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھنے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے اُمت کو یہ تاکید فرمائی کہ وہ آپس میں اُنس ومحبت کو فروغ دیں اور قتل وخون ریزی کے جذبہ کو نہ در آنے دیں:

لا ترجعوا بعدی کفارًا یضرب بعضکم رقاب بعض۔[1]

’’میرے بعد کافروں کا سا شعار نہ اختیار کر لینا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردن مارنے لگیں۔‘‘

مسلمان کے ساتھ بھی خیر خواہی کے سلسلہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

والّذي نفسي بيده لا يؤمن عبد حتّٰی يحبّ لأخيه ما يحب لنفسه۔[2]

’’قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کوئی بندہ اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے دوسرے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔‘‘

یہی تعلیم قرآن حکیم میں بھی کئی مقامات پر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○[3]

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب العلم، باب الإنصات للعلماء، ۱: ۵۶، رقم: ۱۲۱

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الإيمان، باب بيان معنی قول النبي ﷺ: لا ترجعوا بعدي کفارًا يضرب بعضکم رقاب بعض، ۱: ۸۱، رقم: ۶۵

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الفتن عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء لا ترجعوا بعدي کفارًا يضرب بعضکم رقاب بعض، ۴: ۴۸۶، رقم: ۲۱۹۳

۴۔ نسائي، السنن، کتاب تحريم الدم، باب تحريم القتل، ۷: ۱۲۶، رقم: ۴۱۲۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ۱: ۱۴، رقم: ۱۳

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الإيمان، باب الدليل علی أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ۱: ۶۷، رقم: ۴۵

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله ﷺ، باب منه، ۴: ۶۶۷، رقم: ۲۵۱۵

۴۔ نسائي، السنن، کتاب الإيمان وشرائعه، باب علامة الإيمان، ۸: ۱۱۵، رقم: ۵۰۱۷

(۳) آل عمران، ۳: ۱۳۴

"اور (اہلِ ایمان) غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔"

جبکہ آپس کی ناچاقی اور پھوٹ کو باہمی اتفاق اور امن و امان سے بدلنے کے لیے یوں تلقین فرمائی گئی:

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۝ (۱)

"ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں سوائے اس شخص (کے مشورے) کے جو کسی خیرات کا یا نیک کام کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دیتا ہے اور جو کوئی یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے تو ہم اس کو عنقریب عظیم اجر عطا کریں گے۝"

اسی طرح قرآن حکیم نے اہلِ حق کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ سراپا امن، محبت اور پیکرِ اُخوت ہوتے ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝ (۲)

"اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۝"

(۲) سماجی رویے میں نرم خوئی کی تلقین

حضور نبی اکرم ﷺ نے غیظ و غضب اور کبر و غرور کی جگہ رفق و ملاطفت اور لینت و حسنِ خلق کی تعلیم دی ہے۔ کیونکہ اس سے ہی امن و امان اور اخلاق کے قوانین کو قوت حاصل ہوتی ہے اور قوم و ملک فتنہ و فساد سے بڑی حد تک محفوظ رہتے ہیں۔ اگر ایک فریق سخت ہو اور دوسرا اس کے مقابلہ میں نرمی کی پالیسی اختیار کر لے تو یقیناً مشتعل جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ آپ ﷺ نے

(۱) النساء، ۴: ۱۱۴

(۲) الفرقان، ۲۵: ۶۳

رفق کے پہلو کو اختیار کر کے فرمایا:

إنّ الله رفيق يحبّ الرّفق ويعطي على الرّفق ما لا يعطي على العنف وما لا يعطي على ما سواه۔(۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ نرم خو ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور وہ نرمی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو وہ سختی اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں پر نہیں عطا فرماتا۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

لا يدخل الجنّة الجواظ ولا الجعظري۔(۲)

”جنت میں اجڈ اور بدخلق داخل نہیں ہوگا۔“

(۳) تکبر و غرور کی ممانعت

سماجی رویوں میں غرور، خرمن امان اور اخلاق کو تباہ کر دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يدخل الجنّة أحد في قلبه مثقال حبّة من خردل من كبر۔(۳)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، ۴: ۲۰۰۳، رقم: ۲۵۹۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۱۲، رقم: ۹۰۲

۳۔ هيثمي، موارد الظمان، ۱: ۴۷۳، رقم: ۱۹۱۴

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق، ۴: ۲۵۳، رقم: ۴۸۰۱

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۲۷، رقم: ۱۸۰۲۲

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۳: ۵۳، رقم: ۱۴۷۶

۴۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۱۷۴، رقم: ۴۸۰

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في الكبر، ۴: ۳۶۰، رقم: ۱۹۹۸

۲ أبو داود، السنن، كتاب اللباس، باب ما جاء في الكبر، ۴: ۵۹، رقم: ۴۰۹۱

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الزهد، باب البراءة من الكبر والتواضع، ۲: ۱۳۹۷، رقم: ۴۱۷۳

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۰، رقم: ۲۲۴

''کوئی ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا۔''

آپ نے تکبر کی بجائے تواضع اور انکساری کی تعلیم دی۔ اس سے ہی دنیا و آخرت دونوں میں بلندی حاصل ہوتی ہے اور بہت سارے فتنوں سے نجات ملتی ہے۔ حضرت عمر ﷛ نے فرمایا:

فإنّي سمعت رسول الله ﷺ يقول: من تواضع لله رفعه الله فهو في نفسه صغير وفي أعين النّاس عظيم ومن تكبر وضعه الله فهو في أعين النّاس صغير وفي نفسه كبير حتّى لهو أهون عليهم من كلب أو خنزير۔(۱)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند کرتا ہے۔ چنانچہ وہ خود تو اپنی نظر میں چھوٹا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں باوقعت ہو جاتا ہے اور جو شخص کبر و غرور اختیار کرتا ہے اللہ اسے ذلیل کرتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگوں کی نگاہ میں ذلیل و خوار ہوتا ہے اور اپنی نظر میں بڑا بلکہ وہ ان لوگوں کی نظر میں کتے اور سور سے بھی گیا گذرا ہوتا ہے۔''

(۴) سماجی رویوں میں غصہ کی ممانعت

امن و امان اور سکون و اطمینان کو جو چیز برباد کرتی ہیں ان میں بے موقع غصہ بھی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے بھی سختی سے منع فرمایا۔ کیونکہ غصہ انسان کو حدِ اعتدال پر نہیں قائم رہنے دیتا۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ کرو، اس نے بار بار اپنا سوال دہرایا۔ مگر آپ نے یہی جواب دیا:

لا تغضب۔(۲)

---

(۱) ۱۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۲۱۹، رقم: ۳۳۵

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۹۶، رقم: ۳۴۴۶۱

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۲۷۶، رقم: ۸۱۴۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ۵: ۲۲۶۷، رقم: ۵۷۶۵

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في ←

"غصہ نہ کیا کرو۔"

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو اکھاڑے پر کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے آپ پر قابو رکھے۔ (۱)

(۵) نقضِ امن اور قتل کی سزا

اسلام نے نقضِ امن کے بڑے سبب یعنی قتل کی شدید مذمت کی اور اس کے لیے سخت ترین سزا مقرر کی۔ اسلام نے ایسے موقع کے لئے قصاص کی سزا نافذ کی ہے، ارشاد ربانی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى۔ (۲)

"اے ایمان والو! تم پر ان کے خون کا بدلہ (قصاص) فرض کیا گیا ہے جو ناحق قتل کیے جائیں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔"

اسلام کا قانونِ قصاص عدل و انصاف کے اُصول پر مبنی ہے۔ اس آیت کے سلسلہ میں ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں:

وهذه الآية تدل على قتل الحرّ بالعبد والمسلم بالذمی والرّجل بالمرأة لما بيناه من اقتضاء أوّل الخطاب إيجاب عموم القصاص في سائر القتلى۔ (۳)

كثرة الغضب، ۴: ۳۷۱، رقم: ۲۰۲۰

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۶، رقم: ۱۰۰۱۲

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ۵: ۲۲۶۷، رقم: ۵۷۶۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب، ۴: ۲۰۱۴، رقم: ۲۶۰۹

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۱: ۱۸۸، رقم: ۲۰۲۸۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۶، رقم: ۷۲۱۸

(۲) البقرة، ۲: ۱۷۸

(۳) جصاص، أحكام القرآن، ۱: ۱۳۴

’’یہ آیت بتاتی ہے کہ غلام کے بدلہ میں آزاد، ذمی کے بدلہ میں مسلمان اور عورت کے بدلے میں مرد قتل کیا جائے گا، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ خطاب کے ابتدائی حصہ کا اقتضاء تمام مقتولین میں قصاص کا وجود ہے۔‘‘

قصاص میں عدل و مساوات کی صراحت اس آیت قرآنی میں موجود ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ لا وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ لا وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ۔[1]

’’اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے عوض آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے عوض کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں (بھی) بدلہ ہے۔‘‘

حضرت انس ﷛ کا بیان ہے کہ ایک مسلمان عورت کو ایک یہودی نے قتل کر ڈالا اس کے قصاص میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اس قاتل یہودی کو قتل کیا۔[2]

اسی طرح حدیث میں ہے کہ خدمت نبوی میں ایک مسلمان پیش کیا گیا جس نے ایک ذمی کافر کو قتل کر دیا تھا، آپ کے حکم سے قصاص میں وہ قاتل مسلمان قتل کیا گیا۔[3]

اسلام نے قصاص کا عادلانہ قانون نافذ کر کے ظلم پر مبنی روش کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں قصاص کا قانون بیان ہوا ہے وہاں ورثاء مقتولین کو زیادتی سے بھی منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت ’’كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ‘‘ کے ساتھ یہ بھی اعلان فرمایا گیا:

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○[4]

’’پس جو کوئی اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے○‘‘

---

(۱) المائدة، ۵: ۴۵

(۲) ا۔ بخاري، الصحيح، كتاب الخصومات، باب ما يذكر في الإشخاص والخصومة بين المسلم واليهود، ۲: ۸۵۰، رقم: ۲۲۸۲

۲۔ طحاوی، شرح معاني الآثار، ۳: ۱۹۰

(۳) ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۴۰۸، رقم: ۲۷۴۶۰

(۴) البقرة، ۲: ۱۷۸

جہاں مشرکین سے قتال کا ذکر کیا گیا وہاں یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ زیادتی نہ ہونے پائے:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ○(۱)

''حرمت والے مہینے کے بدلے حرمت والا مہینہ ہے اور (دیگر) حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کا بدل ہیں، پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو مگر اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے○''

(۲) قانونِ قصاص کی حکمت

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وفي شرع القصاص لكم وهو قتل القاتل حكمة عظيمة وهي بقاء المهج وصونها لأنّه إذا أعلم القاتل أنّه يقتل انكف من صنيعه فكان في ذالك حياة النفوس۔(۲)

''قصاص کی مشروعیت یعنی قاتل کو قتل کر ڈالنے میں عظیم الشان حکمت ہے اور وہ جان کی حفاظت اور اس کی بقاء ہے۔ اس طرح سے کہ جب قاتل کو یہ یقین ہو جائے گا کہ وہ بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا تو وہ اپنے ارادۂ جرم سے رک جائے گا اور اس طرح یہ چیز لوگوں کے لئے باعث حیات بن جائے گی۔''

ابو العالیہ کا بیان ہے:

جعل الله القصاص حياة، فكم من رجل يريد أن يقتل فتمنعه مخافة أن يقتل۔(۳)

(۱) البقرة، ۲: ۱۹۴

(۲) ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۲۱۱

(۳) ۱۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۲۱۲

۲۔ سيوطي، الدر المنثور، ۱: ۴۲۲

''اللہ تعالیٰ نے قصاص میں زندگی رکھی ہے اس لئے کہ کتنے ہی ہیں جو قتل کا ارادہ کرتے ہیں مگر یہ خوف ان کو روک دیتا ہے کہ پھر وہ بھی بدلے میں قتل کیا جائے گا۔''

الغرض اسلام کے قانون قصاص کا مقصود یہ ہے کہ قتل اور اس طرح کے دوسرے جرائم کے مرتکب اپنے جرائم کی سزا پائیں اور دوسرے اس سزا کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور آئندہ ظلم و زیادتی کی جرات نہ کریں۔ نیز مقتولین کے ورثاء و معاوین اور مجروحین کا غیظ وغضب اور جذبۂ انتقام ٹھنڈا پڑ جائے اور ان میں ردعمل اور انتقام کی آگ بھڑک کر خرمنِ امن و امان کو خاکستر نہ بنائے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قصاص کو ''حیات'' سے تعبیر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝[1]

''اور تمہارے لئے قصاص (یعنی خون کا بدلہ لینے) میں ہی زندگی (کی ضمانت) ہے اے عقلمند لوگو! تاکہ تم (خونریزی اور بربادی سے) بچو۝''

(۷) قیامِ اَمن اور حکومت کی ذِمّہ داریاں

آپ نے ارشاد فرمایا:

أهل الجنّة ثلاثة: ذو سلطان مقسط متصدق موفق ورجل رحيم رقيق القلب لكلّ ذي قربى ومسلم۔[2]

''جنتی تین ہیں: صاحب توفیق عدل پرور اور نرم خو بادشاہ اور وہ مہربان شخص جو اپنے تمام رشتہ داروں اور ہر مسلمان کے لئے نرم دل ہو۔''

۲۔ اسلام میں انسانی جان کی حرمت

کسی بھی معاشرے میں امن وسلامتی کے بنیادی لوازمات یہ ہیں:

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الصفات التی يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النّار، ۴: ۲۱۹۷، رقم: ۲۸۶۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۶۲، رقم: ۱۷۵۱۹

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۱۲، رقم: ۷۳۵۹

۱۔ افرادِ معاشرہ کی جان محفوظ ہو

۲۔ ان کی عزت و آبرو کو کوئی خطرہ نہ ہو

۳۔ ان کی جائداد و ملکیت اور اثاثے محفوظ ہوں

(ا) انسانی جان کے احترام پر بیعت

حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانی جان کی قدر و قیمت کا جو معیار قائم فرمایا اس کا تصور بھی مشکل ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ جب اسلام میں داخل ہونے والوں سے بیعت لیتے تو جہاں دوسری ضروری باتوں کا اقرار لیا کرتے تھے وہاں اس کا بھی مسلمان ہونے والے سے اقرار لیتے کہ وہ قتل نہ کرینگے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں ان نقباء میں سے ہوں جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی تھی،حضور نبی اکرم ﷺ جن چیزوں کی بیعت لیا کرتے تھے ان میں اور چیزوں کے علاوہ یہ بات بھی داخل تھی کہ جس شخص کا قتل کرنا حرام ہے اسے قتل نہ کروں گا۔حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بايعناه على أن لا نشرك بالله شيئًا ولا نزني ولا نسرق ولا نقتل النفس الّتي حرم الله ولا ننهب۔(۱)

”ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم نہ تو اللہ کا کسی کو شریک بنائیں گے نہ زنا کریں گے،نہ چوری کرینگے نہ اس شخص کو قتل کریں گے جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور نہ لوٹ مار کریں گے۔“

یعنی اسلام امن و سلامتی کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ یہ امر بنیادی عقائد میں داخل ہے کہ جس

---

(۱) ۱۔ بخاری، كتاب الديات، باب قول الله تعالى: ومن أحياها، ۶: ۲۵۱۹، رقم: ۶۴۷۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحدود، باب الحدود كفارات لأهلها، ۳: ۱۳۳۳، رقم: ۱۷۰۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۲۱، رقم: ۲۲۷۹۴

۴۔ أبو عوانة، المسند، ۴: ۱۵۵، رقم: ۶۳۵۰

طرح آدمی توحید کا اقرار کرے اسی کے ساتھ اسکے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قتل ناحق چوری، ڈکیتی اور فتنہ وفساد سے بھی الگ تھلگ رہنے کا اقرار کرے۔

(۲) اولاد کے سلسلہ میں عورتوں سے بیعت

قرآن حکیم میں جہاں عورتوں کی بیعت کا تذکرہ ہے، وہاں یہ بیان بھی موجود ہے کہ وہ عورتیں وعدہ کرتی تھیں کہ:

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ۔(۱)

''اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔''

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ اس بات پر بیعت کرو کہ تم سب شرک سے گریزاں رہو گے، چوری نہ کرو گے زنا میں مبتلا نہ ہو گے اور اپنے بچوں کو قتل نہ کرو گے، اور اسی طرح کی اور باتیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے:

فبايعناه على ذالک۔(۲)

''پس ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے ان چیزوں پر بیعت کی۔''

اللہ تعالیٰ نے قتلِ اولاد سے صراحت کے ساتھ منع کیا اور بتایا کہ وہ خدشہ غلط ہے جس کی وجہ سے ماں باپ اپنی اولاد پر ستم ڈھاتے اور جان سے مار ڈالتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

---

(۱) الممتحنة، ۶۰: ۱۲

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإيمان، باب علامة الإيمان حبّ الأنصار، ۱: ۱۵، رقم: ۱۸

۲۔ نسائي، السنن، كتاب البيعة، باب البيعة على الجهاد، ۷: ۱۴۲، رقم: ۴۱۶۲

۳۔ دارمي، السنن، ۲: ۲۹۰، رقم: ۲۴۵۳

۴۔ أبو عوانة، المسند، ۴: ۱۵۳، رقم: ۶۳۴۲

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔[۱]

’’اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔‘‘

دوسری جگہ اسی مسئلہ کو اس طرح بیان فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝[۲]

’’اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ہی انہیں (بھی) روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے ۝‘‘

(۳) حرمتِ خون میں مساوات

آپ کی عطا کردہ تعلیمات میں انسانی جانوں کا احترام مساوات کا حامل ہے۔ اس میں آزاد و غلام، امیر و غریب، سلطان و گدا کسی کی کوئی تمیز نہیں، سب کے لئے حکم برابر ہے اور سب کی جان لائق صد احترام ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

المسلمون تتكافأ دماءهم۔[۳]

’’مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔‘‘

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

گفت آں حضرت مسلمانان برابر است محو نہا ایشاں در قصاص ودیت فضل نیست دراں شریف رابر و فہج و کبیر را بر صغیر و عالم را بر جاهل و مرورا برزن بر خلاف عادت جاهلیت۔[۴]

---

(۱) الأنعام، ۶: ۱۵۱

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۱

(۳) ربیع، المسند، ۱: ۲۶۰، رقم: ۶۶۴

(۴) عبد الحق، أشعة اللمعات، ۳: ۲۳۷

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمام مسلمان مسئلہ قصاص و دیت میں برابر ہیں۔ اس باب میں نہ شریف کو کمینہ پر فضیلت ہے، نہ بڑے کو چھوٹے پر، نہ عالم کو جاہل پر، اور نہ مرد کو عورت پر جیسا کہ جاہلیت میں تھا (اسلام مساوات کا قائل ہے)۔"

(۴) قتل: سب سے بڑا گناہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا، أيّ الذنب أكبر عند الله (خدا کے یہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟) فرمایا: یہ کہ تم خدا کا کسی کو شریک و ہمسر بناؤ، ان کا بیان ہے کہ پھر میں نے سوال کیا ثم أيّ (کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے)؟ آپ نے فرمایا:

ثم أن تقتل ولدک مخافة أن يطعم معک۔(1)

"پھر یہ کہ تو اپنے بچہ کو اس اندیشہ سے قتل کر ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔"

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

أن أكبر المعاصي الشرک وهذا ظاهر لا خفاء فيه وأن القتل بغير حق يليه ولذا قال أصحابنا أكبر الكبائر بعد الشرک القتل وكذا۔(2)

"سب سے بڑا گناہ شرک ہے یہ ظاہر ہے اور اس میں کوئی خفا نہیں اور پھر قتل ناحق ہے جو اسی کے لگ بھگ ہے اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے کہا کہ شرک کے بعد اکبر الکبائر قتل ناحق ہے۔"

---

(1) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: يا أيها الرسول بلغ ما أنزل إليك من ربّك، ٦: ٢٧٣٩، رقم: ٧٠٩٤

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب كون الشرك أقبح الذنوب وبيان أعظمها بعده، ١: ٩١، رقم: ٨٦

۳۔ نسائي، السنن، كتاب تحريم الدم، باب ذكر أعظم الذنب واختلاف يحيى وعبد الرحمٰن على سفيان، ٧: ٩٠، رقم: ٤٠١٥

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الطلاق، باب في تعظيم الزنا، ٢: ٢٩٤، رقم: ٢٣١٠

(2) نووي، شرح صحيح مسلم، ١: ٦٣

ایک دفعہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سات مہلک چیزوں سے اجتناب کرو۔ عرض کیا گیا: وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

الشرك بالله وقتل النّفس الّتي حرم الله إلّا بالحق۔ (۱)

’’اللہ کا شریک بنانا اور اس شخص کو قتل کرنا جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا، ہاں حقِ شرعی کے ساتھ۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے مختلف انداز میں قتل اور خوں ریزی کی قباحتیں واضح فرمائیں۔ ایک دفعہ آپ نے خون ناحق کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

لا يزال المؤمن في فسحة من دينه ما لم يصب دمًا حرامًا۔ (۲)

’’مومن جب تک ناحق خوں ریزی میں مبتلا نہیں ہوتا، اپنے دین کے باب میں کشادگی میں رہتا ہے۔‘‘

قرآن نے جہاں حرام کاموں کی تفصیل بیان کی ہے وہاں ان حرام کاموں میں قتل ناحق کو بھی شمار کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ (۳)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، ۵: ۲۲۳۰، رقم: ۵۶۳۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها، ۱: ۹۲، رقم: ۸۸

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۱۳، رقم: ۲۳۵۵۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الديات، باب قول الله تعالى: ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم، ۶: ۲۵۱۷، رقم: ۶۴۶۹

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۳۹۰، رقم: ۸۰۲۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۹۴، رقم: ۵۶۸۱

۴۔ طبراني، المعجم الكبير، ۹: ۲۲۱، رقم: ۹۰۷۱

(۳) الأنعام، ۶: ۱۵۱

’’اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے (قتل کرنا) اللہ نے حرام کیا ہے بجز حقِ (شرعی) کے یہی وہ (اُمور) ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لوo‘‘

عرب میں بچیاں زندہ درگور کر دی جاتی تھیں، بچے فاقہ کے خطرہ سے قتل کر دیئے جاتے تھے اور یہی نہیں بلکہ ذرا سی بات پر خاندان کٹ مرتا تھا، حضور نبی اکرم ﷺ نے پوری قوت سے ان کے ان رویوں کی اصلاح فرمائی۔

(۵) قتل میں تعاون کی ممانعت

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من أعان علی قتل مسلم بشطر کلمة لقي الله یوم یلقاه مکتوب علی جبهته آیس من رحمة الله۔ (۱)

’’جو شخص کسی مسلمان کے قتل میں کوئی مدد کرے گا، خواہ وہ ایک کلمہ ہی سے کیوں نہ ہو، تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا: خدا کی رحمت سے مایوس۔‘‘

قتل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان خود اپنا ہاتھ خون آلود نہ کرے، مگر اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر کسی دوسرے کو اس سلسلہ میں استعمال کرے اور اس کے ذریعہ کسی بے گناہ کا سر ختم کرنے کی ناپاک کوشش کرے۔ حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ایسے قتل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

قسمت النّار سبعین جزء فللآمر تسع وستون وللقاتل جزء۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ أبو یعلی، المسند، ۱۰: ۳۰۶، رقم: ۵۹۰۰

۲۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۸: ۲۲، رقم: ۱۵۶۴۳

۳۔ سیوطي، الدر المنثور، ۲: ۶۲۷

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۶۲، رقم: ۲۳۱۱۶

۲۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۴: ۳۴۹، رقم: ۵۳۶۰

۳۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۲۹۹

۴۔ سیوطي، الدر المنثور، ۲: ۶۳۱

’’آگ ستر حصوں میں بانٹ دی گئی ہے، ان میں سے انہتر حصے اس کے لئے ہوگی جو قتل کا حکم دیتا ہے، اور ایک حصہ اس قاتل کے لئے جو دوسرے کے کہنے سے قتل کرے۔‘‘

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن قاتل و مقتول رب ذوالجلال کے روبرو لائے جائیں گے مقتول عرض کرے گا: اے رب! قاتل سے پوچھئے کہ اس نے مجھے کس قصور پر قتل کیا۔ قاتل قتل کا حکم دینے والے کی طرف اشارہ کر کے جواب دے گا کہ پروردگارِ عالم! اس نے مجھے حکم دیا تھا، اس موت کے بعد قاتل و آمر دونوں کے ہاتھ پکڑے جائیں گے، اور دونوں کو ایک ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔(۱)

(۶) اسلام اور امتناعِ قتل

اسلام نے قتل اور خوں ریزی کو اولاً ترغیب و ترہیب کے ذریعہ بند کرنے کی کوشش کی پھر ان مفاسد پر روشنی ڈالی جو خون ناحق سے پیدا ہوتے ہیں، ساتھ ہی امن و امان سے اس کا جو گہرا رشتہ ہے اسے اُجاگر کیا تاکہ انسان گناہ سے اپنے آپ کو بچائے، قتل کی حرمت کے سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَـلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ○(۲)

’’تم کسی جان کو قتل مت کرنا جسے (قتل کرنا) اللہ نے حرام قرار دیا ہے سوائے اس کے کہ (اس کا قتل کرنا شریعت کی رو سے) حق ہو، اور جو شخص ظلماً قتل کر دیا گیا تو بیشک ہم نے اس کے وارث کے لئے (قصاص کا) حق مقرر کر دیا ہے سو وہ بھی (قصاص کے طور پر بدلہ کے) قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے، بیشک وہ (اللہ کی طرف سے) مدد یافتہ ہے (سو اس کی مدد و حمایت کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی)○‘‘

یعنی گناہگاروں میں مبغوض ترین یہی لوگ ہیں۔ حضرت ابوہریرہ ﷺ کا بیان ہے کہ جن دنوں باغیوں نے خلیفہ اسلام حضرت عثمان غنی ﷺ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا تھا۔ میں کسی طرح آپ کی خدمت میں پہنچ گیا اور درخواست کی کہ حضرت میں امداد کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ

(۱) هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۲۹۹

(۲) بني إسرائيل، ۱۷: ۳۳

ﷺ کا بیان ہے کہ میری باتیں سن کر آپ نے فرمایا:

أیسرّک أن تقتل النّاس جمیعًا وإیّای معهم۔

’’کیا آپ کو یہ بات خوش کرے گی کہ آپ تمام لوگوں کو قتل کر ڈالیں اور ان کے ساتھ مجھے بھی۔‘‘

حضرت ابوہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جواب دیا، حضرت یہ تو ہرگز پسند نہیں ہے۔ حضرت عثمان ﷺ نے میرا یہ جواب سن کر فرمایا:

واللہ، لئن قتلت رجلا واحدًا لکأنّما قتلت النّاس جمیعًا۔(۱)

’’پس سن لیجئے کہ اگر آپ نے کسی ایک کو قتل کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے گویا تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔‘‘

حضرت ابوہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں واپس چلا آیا، تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عثمان غنی ﷺ نے خود جام شہادت نوش فرمانا تو قبول کیا مگر تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی انسان قتل کے جرم میں مبتلا ہو رہا ہو تو ایسے موقع پر ایک مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ قاتل کا ہاتھ تھام لے اور اس کو اس جرم عظیم سے جس طرح ممکن ہو روکے:

لا یقفن أحدکم موقفا یقتل فیه رجل ظلمًا فإنّ اللعنة تنزل علی من حضر حین لم یدفعوا عنه ولا یقفن أحد منکم موقفًا یضرب فیه أحد ظلمًا فإنّ اللعنة تنزل علی من حضره حین لم یدفعوا عنه۔(۲)

---

(۱) ۱۔ سعید بن منصور، السنن، ۲: ۳۸۶، رقم: ۲۹۳۷

۲۔ نعیم بن حماد، الفتن، ۱: ۱۶۸، رقم: ۴۳۷

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۴۸

۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۷۰

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱۱: ۲۶۰، رقم: ۱۱۶۷۵

۲۔ منذري، الترغیب والترھیب، ۳: ۲۰۷، رقم: ۳۷۰۵

۳۔ ھیثمي، مجمع الزوائد، ۶: ۲۸۴

''جہاں ظلم وجور سے ایک انسان قتل کیا جا رہا ہو تم میں سے کوئی کھڑا رہ کر منہ تکتا نہ رہے بلکہ مدافعت کرے، اس لئے کہ موجود ہونے کے باوجود اس کی طرف سے جو مدافعت نہیں کرتا وہ قابل لعنت ہے، اس پر لعنت برستی رہتی ہے اسی طرح جہاں ظلماً ایک شخص کو زد و کوب کیا جا رہا ہے وہاں تم میں سے کوئی خاموش کھڑا نہ رہے، کیونکہ موجود ہونے کے باوجود جو اسے نہیں بچاتا وہ مستحقِ لعنت ہے اس پر لعنت نازل ہوتی ہے۔''

جس طرح ایک مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ظالم کو ظلم اور قاتل کو قتل کرنے سے روک دے، اسی طرح مظلوم ومقتول کی جان بچانا بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔

(۷) اِنسانی جان کے قتل کا جواز

صرف تین صورتیں ہیں جن میں انسانی جان کا قتل جائز ہے، ایک یہ کہ کسی کو کوئی ناحق قتل کر دے۔ دوسرے یہ کہ کوئی شادی شدہ زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے، تیسرے ارتداد یعنی کوئی دین برحق سے پھر جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من بدّل دينه فاقتلوه۔(۱)

''جو اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے اس کو قتل کر دو۔''

لا يحل دم أمرئ مسلم من هذه الأمّة إلّا بإحدى ثلاث: رجل قتل فيقتل به والثيب الزاني، والمفارق للجماعة۔(۲)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب حكم المرتد والمرتدة واستتابتهم، ۶: ۲۵۳۷، رقم: ۶۵۲۴

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الحدود عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في المرتد، ۴: ۵۹، رقم: ۱۴۵۸

۳۔ نسائي، السنن، كتاب تحريم الدم، باب الحكم في المرتد، ۷: ۱۰۴، رقم: ۴۰۶۰

۴۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الحدود، باب المرتد عن دينه، ۲: ۸۴۸، رقم: ۲۵۳۵

(۲) ۱۔ دار قطني، السنن، ۳: ۸۳، رقم: ۶

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۳۹۳، رقم: ۸۰۴۱

''اس اُمت کے ان تین افراد کے علاوہ کسی کا خون بہانا جائز نہیں: وہ شخص جس نے قتل کیا اور اس کے قصاص میں اسے قتل کر دیا گیا، شادی شدہ زانی اور تیسرا وہ شخص جو (دین سے پھرتے ہوئے) جماعتِ (اسلام) سے کٹ جائے۔''

(۸) انسانی جان کے احترام کا انفرادی پہلو

خودکشی کی ممانعت

قتل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان خود اپنے کو ہلاک کر ڈالے، یعنی خودکشی کر لے، اس صورت میں بھی چونکہ انسانی جان ضائع کی جاتی ہے اس لئے اسلام نے اس کو بھی پوری شدت سے منع کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا○ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ط وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيْرًا○ (۱)

''اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے○ اور جو کوئی تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا تو ہم عنقریب اسے (دوزخ کی) آگ میں ڈال دیں گے، اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے○''

لَا تَقْتُلُوْا کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں، مگر ظاہر الفاظ سے خودکشی کی ممانعت بھی ثابت ہوتی ہے اور مفسرین نے یہ معنی بھی لکھے ہیں۔ اس سلسلہ میں کافی احادیث موجود ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ومن قتل نفسه بشيء في الدّنيا عذب به يوم القيامة۔ (۲)

۳۔ أبو نعيم، الفتن، ۱: ۱۶۲

(۱) النساء، ۴: ۲۹، ۳۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، ۵: ۲۲۴۷، رقم: ۵۷۰۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۱۰

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الأيمان والنذور، باب النذر فيما لا يملك، ۷: ۱۹، رقم: ←

’’جو شخص جس چیز سے دنیا میں خودکشی کرے گا قیامت میں اسی کے ساتھ اسے عذاب دیا جائے گا۔‘‘

ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

ومن ذبح نفسه بشيء ذبح به يوم القيامة۔(۱)

’’جو جس چیز سے اپنے آپ کو دنیا میں ذبح کرے گا وہ اسی چیز سے قیامت میں ذبح کیا جائے گا۔‘‘

خودکشی کی سزا

ایک حدیث مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے خودکشی کرنے والے کا انجام بیان کیا ہے۔ خودکشی کرنے والا خودکشی کی جو صورت بھی اختیار کرے گا وہ اس کے لیے دائمی عذاب کا باعث رہے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من تردى من جبل فقتل نفسه فهو في نار جهنم يتردى فيها خالدًا مخلدًا فيها أبدًا، ومن تحسى سمًا فقتل نفسه فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالدًا مخلدًا فيها أبدًا، ومن قتل نفسه بحديدة فحديدته في يده يجأ بها في بطنه في نار جهنم خالدًا مخلدًا فيها أبدًا۔(۲)

۳۸۱۳

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الأيمان والنذور، باب ما جاء في الحلف بالبراء ة وبملة غير الإسلام، ۳: ۲۲۴، رقم: ۳۲۵۷

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه، ۱: ۱۰۵، رقم: ۱۱۰

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲: ۷۲، رقم: ۱۳۲۷

۳۔ ابن الجعد، المسند، ۱: ۱۸۷، رقم: ۱۲۱۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الطب، باب شرب السم والدواء به وبما يخاف منه والخبيث، ۵: ۲۱۷۹، رقم: ۵۴۴۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه، ۱: ۱۰۳، رقم: ۱۰۹

''جو شخص پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو مار ڈالتا ہے وہ مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں گرتا چلا جائے گا جس میں اسے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اور جو شخص زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں وہ اس کو ہمیشہ پیتا رہے گا اور جو اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے مار ڈالتا ہے تو اس کا وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی دہکتی آگ میں اسے ہمیشہ اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔''

اپنا گلا گھونٹنے کے متعلق ارشاد نبوی ہے:

الذی یخنق نفسه یخنقها فی النار۔(۱)

''جو شخص اپنا آپ گلا گھونٹا ہے جہنم کی آگ میں (اسی طرح) گھونٹا رہے گا۔''

اپنے آپ کو بھالا، نیزہ اور بندوق کی گولی مار لینا، اس کے متعلق ارشاد نبوی ہے:

والّذي یطعن نفسه طعنها في النّار۔(۲)

''اور جو اپنے کو نیزہ مار کر ہلاک کرتا ہے وہ جہنم کی آگ میں اپنے کو نیزہ مارتا رہے گا۔''

(۹) اِنسانی جان کے احترام کا سماجی پہلو

قتل کے سماجی اثرات

قتل و خوں ریزی کے سد باب کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اپنی آپ مثال

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الطب عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في من قتل نفسه بسم أو غیره، ۴: ۳۸۶، رقم: ۲۰۴۳

۴۔ نسائي، السنن، کتاب الجنائز، باب ترك الصلاة علی من قتل نفسه، ۴: ۶۶، رقم: ۱۹۶۵

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الجنائز، باب ما جاء في قاتل النفس، ۱: ۴۵۹، رقم: ۱۲۹۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۳۵، رقم: ۹۶۱۶

۳۔ منذري، الترغیب والترهیب، ۳: ۲۰۵، رقم: ۳۶۹۸

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۳۵، رقم: ۹۶۱۶

۲۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۴: ۳۵۰، رقم: ۵۳۶۲

۳۔ منذري، الترغیب الترهیب، ۳: ۲۰۵، رقم: ۳۶۹۸

ہیں، اور اس سلسلہ میں جو مؤثر سے مؤثر اسلوب بیان ہو سکتا ہے وہ سب آپ ﷺ نے اختیار فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا یزال المؤمن معنقًا صالحًا ما لم یصب دمًا حرامًا فإذا أصاب دمًا حرامًا بلح۔(1)

''مومن اس وقت تک ہمیشہ نیکیوں کی طرف تیزی کرنے والا اور نیکوکار ہوتا ہے جب تک وہ حرام خون نہیں کرتا مگر جب وہ اس گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے تو پھر وہ سست پڑ جاتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان مہلک اُمور میں سے جن میں انسان اپنے آپ کو ڈال کر بچا نہیں سکتا اور اس کی ہلاکت ضروری ہے، یہ بھی ہے کہ کوئی ناحق خون بہائے جس کی کوئی شرعی وجہ نہ ہو۔

(۱۰) انسانی جان کے احترام کا اجتماعی پہلو

انسانی جان کا احترام

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلام کے آغاز میں ہی اجتماعی سطح پر قتل کے رجحانات کے سد باب کے لیے اقدامات فرمانے شروع کر دیے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان نقباء میں سے ہوں جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی تھی، آپ ﷺ جن چیزوں کی بیعت لیا کرتے تھے ان میں اور چیزوں کے ساتھ یہ بات بھی داخل تھی کہ جس شخص کا قتل کرنا حرام ہے اسے قتل نہ کروں گا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

بایعناہ علی أن لا نشرک باللہ شیئًا ولا نزني ولا نسرق ولا نقتل النفس الّتي حرم اللہ ولا ننهب۔(2)

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الفتن والملاحم، باب في تعظیم قتل المؤمن، ۴: ۱۰۳، رقم: ۴۲۷۰

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۹: ۹۵، رقم: ۹۲۲۹

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۸: ۲۲، رقم: ۱۸۶۴۰

(۲) ۱۔ بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: ومن أحیاها، ۶: ۲۵۱۹، رقم: ۶۴۷۹

’’ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم نہ تو اللہ کا کسی کو شریک بنائیں گے نہ زنا کریں گے، نہ چوری کرینگے نہ اس شخص کو قتل کریں گے جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور نہ لوٹ مار کریں گے۔‘‘

خونِ مسلم کا احترام

یہ اسلام میں انسانی جان کی حرمت اور قدر و قیمت ہے کہ گو حدود تعزیرات کے قوانین ہجرت کے بعد نازل ہوئے، لیکن انسانی جان کی حرمت کا حکم مکہ مکرمہ میں ہی نازل ہو چکا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۝[1]

’’اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اسکی سزا دوزخ ہے کہ مدتوں اس میں رہے گا اور اس پر اللہ غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کے لئے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۝‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كلّ ذنب عسى الله أن يغفره إلّا الرجل يقتل المؤمن متعمدًا أو الرجل يموت كافرًا۔[2]

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحدود، باب الحدود كفارات لأهلها، ۳: ۱۳۳۳، رقم: ۱۷۰۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۲۱، رقم: ۲۲۷۹۴

۴۔ أبو عوانة، المسند، ۴: ۱۵۵، رقم: ۶۳۵۰

(۱) النساء، ۴: ۹۳

(۲) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب تحريم الدم، باب تعظيم الدم، ۷: ۸۱، رقم: ۳۹۸۴

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الفتن والملاحم، باب في تعظيم قتل المؤمن، ۴: ۱۰۳، رقم: ۴۲۷۰

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۹۹، رقم: ۱۶۹۵۳

’’ہر گناہ کے متعلق امید ہے کہ اللہ اسے معاف کر دے، سوائے اس شخص کے جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا اور دوسرا وہ جو حالتِ کفر میں مرا۔‘‘

ایک دفعہ مومن کی جان کی قدر و قیمت کا اظہار کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قتل المؤمن أعظم عند الله من زوال الدّنیا۔(۱)

’’مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے تہ و بالا ہونے سے بڑھ کر ہے۔

ایک دوسرے موقع سے آپ نے مسلمان کی جان کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی:

أنّ أھل السّماء وأھل الأرض اشترکوا في دم مؤمن لأکبّھم الله في النّار۔(۲)

’’اگر تمام زمین وآسمان کی مخلوق ایک مومن کے قتل میں ملوث ہو تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔‘‘

ایک حدیث ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

زوال الدّنیا کلّھا أھون علی الله من الرّجل المسلم۔(۳)

’’ساری دنیا کی بربادی ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک بالکل بے قیمت ہے۔‘‘

(۱۱) انسانی جان کے احترام کا بین الاقوامی پہلو

نفس انسانیت کے احترام کی تلقین

حضور نبی اکرم ﷺ نے بنی نوع انسانیت کے احترام و اکرام کے بارے فرمایا:

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب تحریم الدم، باب تعظیم الدم، ۷: ۸۲، رقم: ۳۹۸۹
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴: ۳۳۱، رقم: ۴۳۴۹

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الدیات عن رسول الله ﷺ، باب الحکم في الدماء، ۴: ۱۷، رقم: ۱۳۹۸
۲۔ سیوطي، الدر المنثور، ۲: ۶۳۱

(۳) عسقلانی، فتح الباری ۱۲: ۱۹۶

اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اللهَ يَقُوْلُ: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْاط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ. فَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَبْيَضَ، وَلَا لِاَبْيَضَ عَلٰى اَسْوَدَ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰى.(۱)

''لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو، تم میں زیادہ عزت و تکریم والا اللہ کی نظروں میں وہی ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔'' چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عربی کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت حاصل ہے، نہ کالا، گورے سے افضل ہے اور نہ گورا کالے سے۔ ہاں! بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔''

نفس انسانیت کا احترام آپ کی پیغمبرانہ جدوجہد کا مرکز ومحور رہا۔ حتی کہ آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

أَلاَ! وَ إِنَّ قَتِيْلَ الْخَطَإِ الْعَمَدِ قَتِيْلَ السَّوْطِ وَالْعَصَا، مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهَا أَوْلَادُهَا۔(۲)

''سن لو! جو خطأً قتل ہوا ہو وہ کوڑے اور لاٹھی سے عمداً قتل کیے جانے والے کے مشابہ ہے، (اس کی دیت) جن میں سے چالیس ایسے اونٹ ہوں گے جن کے پیٹ میں بچے ہوں

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۱۲، رقم: ۱۶
ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۵۹۵، رقم: ۵۶۴۱
ہندی، کنز العمال، ۲: ۵۶، رقم: ۳۰۴۳

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب القسامۃ، باب ذکر الاختلاف علی خالد الحذاء ۸: ۴۲، رقم: ۴۷۹۸
۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الدیات، باب دیۃ شبۃ العمد مغلظۃ، ۲: ۸۷۷، رقم: ۲۶۲۷
۳۔ أمام احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۴، رقم: ۶۵۳۳
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۳۶۴، رقم: ۶۰۱۱

(گابھن ہوں)۔‘‘

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ! اِنَّ اللهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نِخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَ تَعَظُّمِهَا بِالْآبَآءِ، اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ، وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ (۱)

’’اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباؤ اجداد پر فخر وغرور زائل کر دیا، سب انسان آدم سے پیدا ہوئے اور آدم مٹی سے بنائے گئے۔‘‘

یٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰىكُمْ ط اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌo (۲)

’’اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہےo‘‘

یہ نفسِ انسانی کا احترام اور انسانی جان کی حرمت کا تصور ہی تھا کہ جانی دشمنوں سے انتقام لینے کی بجائے آپ نے ان سے فرمایا:

’’اے گروہِ قریش! میں تمہارے بارے میں جو کچھ کرنے والا ہوں اس کے متعلق تم کیا رائے رکھتے ہو؟‘‘

سب نے کہا:

’’بہتر رائے رکھتے ہیں، آپ شریف بھائی ہیں، شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔‘‘

فرمایا:

---

(۱) ۱۔ ابن حبان، الثقات، ۲: ۵۵

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الحجرات، ۵: ۳۸۹، رقم: ۳۲۷۰

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۲۳، رقم: ۱۰۷۹۱

(۲) ۱۔ الحجرات، ۴۹: ۱۳

اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ (۱)

''جاؤ! اب تم آزاد ہو۔''

(۱۲) امن عالم کے لیے ہدایات

حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانیت کے لئے امن کے رہنما اصول عطا فرمادیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اَلاَ! کُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ، وَدِمَاءَ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَآئِنَا دَمُ ابْنِ الرَّبِيْعَةِ بْنِ الْحَارِثِ، وَكَانَ مُسْتَرْضَعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ، فَقَتَلَهُ هُذَيْلٌ۔ (۲)

''دور جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں تلے روند دیا۔ زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں، میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن حارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں۔''

اَلاَ! کُلُّ مَاثِرَةٍ تعد وتدعی و دَمٍ و مَال تَحْتَ قَدَمِيَّ هَا تَيْنِ۔ (۳)

''سن لو! ہر موروثی اِستحقاق، ہر خون اور مال جس کا دعویٰ کیا جائے وہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔''

---

(۱) ۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۵: ۷۳، ۷۴

۲۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ۲: ۱۶۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب حجۃ النبی، ۲:۸۸۶، رقم:۱۲۱۸

۲۔ دارمی، السنن، ۲:۶۸، رقم:۱۸۵۰

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۴:۳۱۰، رقم: ۱۴۵۷

(۳) ۱۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۱۰۳، رقم: ۷۶

۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الدیات، باب دیۃ شبۃ العمد مغلظۃ، ۲:۸۷۸، رقم: ۲۶۲۸

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳:۴۱۰، رقم: ۱۵۴۲۵

و أن يثرب حرام جوفها لأهل هذه الصحيفة۔[۱]

''اور یثرب کا جوف (یعنی میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے) اس دستور والوں کے لیے حرم (دار الامن) ہوگا (یعنی یہاں آپس میں جنگ کرنا منع ہوگا)۔''

۳۔ قیامِ امن کی جہات

حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر سطح پر قیام امن کی بنیاد حقوق کے احترام اور ادائیگی پر رکھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

المؤمن من أمنه الناس علی أموالهم وأنفسهم۔[۲]

''مومن وہ ہے کہ جس سے لوگوں کو اپنی جان اور مال کا خوف نہ ہو''

دوسرے مقام پر فرمایا:

لتؤدن الحقوق إلی أهلها يوم القيامة حتّی يقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء۔[۳]

''اہل حقوق کو ان کے حقوق قیامت کے دن مل کر رہیں گے یہاں تک کہ سینگ والی بکریوں کو ظلم کا بدلہ مل کر رہے گا جو اس نے بے سینگ کی بکریوں کے ساتھ کیا تھا۔''

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۳: ۳۱
۲۔ ابن كثير، السيرة النبوية، ۲: ۳۲۰

(۲) ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، ۲: ۱۲۹۸، رقم: ۳۹۳۴

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم، ۴: ۱۹۹۷، رقم: ۲۵۸۲
۲۔ ترمذي، السنن، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول اللهA، باب ما جاء في شأن الحساب والقصاص، ۴: ۶۱۴، رقم: ۲۴۲۰
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۵، رقم: ۷۲۰۳
۴۔ أبو يعلی، المسند، ۱۱: ۳۹۵، رقم: ۶۵۱۳

یعنی اس قدر معمولی معمولی باتوں کی بھی گرفت ہوگی۔ یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ مظلوم وکمزور پر ظالم یا سرمایہ دار ظلم کرے اور وہ قیامت والے دن بچ جائے۔

(۱) قیامِ امن کی انفرادی جہت

حُسنِ اخلاق کی تلقین

حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشرتی اور سماجی سطح پر قیامِ امن کا آغاز افرادِ معاشرہ کی اخلاقی تربیت سے فرمایا۔ جو کسی بھی مہذب معاشرے کے قیام کے لیے خشتِ اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے حُسنِ اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

إنّ من أحبّكم إليّ أحسنكم أخلاقاً۔[۱]

’’تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں حسنِ خلق میں بڑھا ہوا ہے۔‘‘

دوسری حدیث میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:

إنّ من خيارکم أحسنكم أخلاقاً۔[۲]

’’بلاشبہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو تم میں سب سے عمدہ اخلاق رکھتا ہے۔‘‘

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر مکارمِ اخلاق کی اشاعت نہ ہو تو دنیا فتنوں کی آماجگاہ بن جائے اور اطمینان وسکون کا نام ونشان مٹ جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ برائی کا جواب بھلائی سے دو جو تم سے بدخلقی کا سلوک کرے تم اس کے ساتھ اخلاقِ حسنہ کے ساتھ پیش آؤ۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب مناقب عبد الله بن مسعود، ۳: ۱۳۷۲، رقم: ۳۵۴۹

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۳۵۰، رقم: ۷۶۹۷

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۲۳۳، رقم: ۷۹۸۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، ۳: ۱۳۰۵، رقم: ۳۳۶۶

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۷۰، رقم: ۴۰۰۲

اتق الله حيثما كنت واتّبع السيئة الحسنة تمحها وخالق النّاس بخلق حسن۔(۱)

''تم جہاں کہیں رہو اللہ تعالٰی سے ڈرتے رہو اور برائی کے (سرزد ہو جانے کے بعد) نیکی بجا لاؤ کہ وہ برائی کو مٹا ڈالے اور لوگوں کے ساتھ حُسنِ اخلاق کا برتاؤ کرو۔''

تعلقات میں بسا اوقات اپنے ملنے والوں سے اذیت بھی پہنچتی ہے ایسے وقت میں اسلام کی تعلیم ہے کہ صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

المؤمن الّذى يخالط النّاس ويصبر على أذاهم أعظم أجرًا من المؤمن الّذي لا يخالط النّاس ولا يصبر على أذاهم۔(۲)

''وہ مسلمان جو لوگوں سے اختلاط رکھتا ہے اور ان کی اذیت برداشت کرتا ہے وہ مرتبہ میں اس سے بڑھ کر ہے جو نہ تو لوگوں سے راہ و رسم رکھتا ہے اور نہ انکی اذیت پر تحمل سے کام لیتا ہے۔''

ان احادیث سے واضح ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے افراد معاشرہ کو اُخوت ومحبت، رفق و ملاطفت بہی خواہی و خیر خواہی اور خلوص وللّٰہیت کی تعلیم دی ۔ ان تعلیمات کی حکمت یہ ہے کہ جہاں بھی اس طرح کا ماحول پیدا ہو جائے گا، وہاں امن و امان کا قیام یقینی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی ملک اور خطہ میں آپ کے عطا کردہ ضابطوں پر عمل ہو، اوروہاں بدامنی اور فتنہ و فساد کا کوئی اندیشہ پیدا ہو۔

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في معاشرة الناس، ۴: ۳۵۵، رقم: ۱۹۸۷

۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۴۱۵، رقم: ۲۷۹۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۵۳، رقم: ۲۱۳۹۲

۴۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۱۲۱، رقم: ۱۷۸

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء، ۲: ۱۳۳۸، رقم: ۴۰۳۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۳، رقم: ۵۰۲۲

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۹۳، رقم: ۲۶۲۲۰

(۲) قیامِ اَمن کی سماجی جہت

i. انسانی حقوق کی حرمت

حضور نبی اکرم ﷺ نے جس سماجی شعور کا ابلاغ فرمایا اس میں انسانی حقوق کی حرمت ایک لازمی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق بالخصوص انسان سے بہت محبت رکھتا ہے اور اس کی تکلیف و اذیت کو جو خود انسانوں کی طرف سے ہو، گوارا نہیں فرماتا:

إنّ الله تعالیٰ یقول: یا ابن آدم، مرضت فلم تعدني. قال: یا رب، کیف أعودک وأنت رب العالمین؟ قال: أما علمت أن عبدی فلاناً مرض فلم تعده أما علمت أنک لو عدته لوجدتني عنده یا ابن ادم، استطعمتک فلم تطعمني قال: یا رب، وکیف أطعمک وأنت رب العالمین؟ قال: أما علمت أنّه استطعمک عبدي فلان فلم تطعمه أما علمت أنّک لو أطعمته لوجدت ذالک عندی یا ابن ادم، استسقیتک فلم تسقني قال: یا رب، کیف أسقیک وأنت رب العالمین، قال: استسقاک عبدی فلان فلم تسقه أما إنّک لو سقیته وجدت ذلک عندي۔[1]

”اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے میری عبادت نہ کی، وہ حیرت سے جواب میں کہے گا پروردگار عالم! میں تیری عبادت کیسے کرتا، تو تو ساری دنیا کا خود پالنہار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تیرے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوگیا اور تم نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تمہیں خبر نہیں تھی کہ اگر اس کی عیادت کو تم جاتے تو مجھے اس کے پاس پاتے۔ اے اولاد آدم! میں نے تم سے کھانے کا مطالبہ کیا! لیکن تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ بول اٹھے گا، اے رب! میں کیسے کھلاتا تو تو خود

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل عیادة المریض، ۴: ۱۹۹۰، رقم: ۲۵۶۹

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۵۰۳، رقم: ۲۶۹

۳۔ إسحاق بن راھویه، المسند، ۱: ۱۱۵، رقم: ۲۸

۴۔ منذري، الترغیب والترھیب، ۲: ۳۷، رقم: ۱۳۰۶

سارے عالم کی پرورش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا یہ بات نہیں پیش آئی کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا چاہا اور تم نے اسے نہیں کھلایا، کیا تم کو خبر نہیں تھی کہ اگر تم اسے کھلاتے تو تم مجھے وہاں موجود پاتے۔ اے آدم کے بیٹو! میں نے تم سے پانی کی خواہش کی اور تم نے پانی نہیں پلایا۔ بندہ چیخ پڑے گا، پروردگار! تو رب العالمین ہے، میں تجھے کس طرح پانی پلاتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے توجہ نہیں دی حالانکہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو یقیناً تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا۔“

ii. مسلمانوں کا باہمی ربط و تعلق

حضور نبی اکرم ﷺ نے عام مومنین کو باہم اُلفت و محبت اور اُخوت و ہمدردی کی یوں تلقین فرمائی:

تری المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضوا تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى۔(۱)

”مومنین آپس میں باہمی رحم دلی، پیار و محبت اور نرم رویہ کی وجہ سے ایک جسم کی مانند ہوتے ہیں کہ جب اس کا ایک عضو درد میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے درد کی وجہ سے پورا جسم درد اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“

مسلمانوں کے باہمی حقوق کی نشاندہی کی گئی اور ان کو بتلایا گیا کہ ایک دوسرے کی بہی خواہی کا کیا فائدہ ہے:

المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته ومن فرّج عن مسلم كربة فرّج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵

۲۔ طبراني، مسند الشاميين، ۱: ۲۹۳، رقم: ۵۱۲

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المظالم والغضب، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ۲: ۸۶۲، رقم: ۲۳۱۰

←

’’ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر نہ ظلم کرے اور نہ اس سے کنارہ کش ہو اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کی تکمیل کی سعی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے اور جو کوئی مسلمان کی ایک مصیبت دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت سے اس کو نجات دے گا اور جو کسی مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔‘‘

iii. قیام امن اور باہمی تعاون

حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر موقع پر یہ تعلیم دی کہ افراد معاشرہ میں باہمی اخوت و محبت اور باہمی تعاون کا جذبہ کارفرما ہو۔ اگر باپ ماں ہیں تو اپنی اولاد سے محبت کریں اور ان کی پرورش میں ہر قسم کی تکالیف برداشت کریں، اگر اولاد ہیں تو والدین کا احترام و اکرام اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کریں، اگر بھائی ہیں تو دوسرے بھائی کی مصیبت میں کام آئیں، اگر دوست ہیں تو دوسرے دوست کی مدد و دلجوئی کریں، اگر پڑوسی ہیں تو اپنے دوسرے پڑوسیوں کی دیکھ بھال کریں۔ بیوہ و بے کس کی امداد، یتیموں کی خبر گیری اور دوسرے اہلِ حق کے حقوق ادا کریں۔ اگر حاکم ہیں تو رعایا کی راحت و آسائش کا انتظام کریں، انہیں ہر طرح کے مصائب و آلام اور مظالم سے بچانے کی تدبیر اختیار کریں اور ان میں جنگ و جدل کی نوبت نہ آنے دیں۔ رعایا کا فرض ہے کہ وہ قانون کی خلاف ورزی نہ کرے بلکہ اچھے کاموں میں حاکم سے تعاون کرے اور حاکم مسلم اور غیر مسلم رعایا کی جان و مال اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور اگر غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے ہے تو مسلمانوں کا دینی فرض ہے کہ نہ ان پر ظلم کریں اور نہ ان کو کسی پر ظلم و تعدی کرنے کا موقع دیں اور عالمگیر عدل و مساوات اور عالمگیر اُخوت و محبت کا برتاؤ کریں۔ مختصر یہ ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں ایسی روش کارفرما ہو کہ کسی انسان کی حریتِ فکر مجروح نہ ہونے پائے، مذہبی آزادی پامال نہ ہو، قتل و عصمت دری، لوٹ مار، فتنہ و فساد اور مردم آزادی کا نام و نشان تک باقی نہ ہو، بلکہ ہر شعبہ حیات میں امن و سلامتی ہو اور صلح و آشتی کا جذبہ کارفرما ہو۔

٢۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، ٤: ١٩٩٦، رقم: ٢٥٨٠

٣۔ ترمذي، السنن، کتاب الحدود عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في الستر علی المسلم، ٤: ٣٤، رقم: ١٤٢٦

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○(1)

’’اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ (نافرمانی کرنے والوں کو) سخت سزا دینے والا ہے ○‘‘

iv. قیامِ امن اور اہلِ قرابت سے تعلق

سماجی امن کے قیام کے لیے آپ ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ بڑوں کی عزت کی جائے اور چھوٹوں سے شفقت و محبت کا برتاؤ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ليس منّا من لم يرحم صغيرنا ولم يعرف شرف كبيرنا۔(2)

’’جو شخص ہمارے چھوٹوں پر مہربانی نہ کرے اور نہ ہمارے بڑوں کی بزرگی کا لحاظ و پاس کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔‘‘

والدین جو اس دنیا میں انسان کو جنم دینے کے ذریعہ اور اس کے مربی ہیں، ان کے ادب و احترام کا سبق دیتے ہوئے ارشادِ ربانی ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○(3)

---

(۱) المائدہ، ۵: ۲

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في رحمة الصبيان، ۴: ۳۲۲، رقم: ۱۹۲۰

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في الرحمة، ۴: ۲۸۶، رقم: ۴۹۴۳

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۱۳۱، رقم: ۲۰۹

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۸۵، رقم: ۶۷۳۳

(۳) بني اسرائیل، ۱۷: ۲۳، ۲۴

''اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو، اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں ''اف'' بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو، اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز وانکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت وشفقت سے) پالا تھاo''

اولاد کے سلسلہ میں والدین کو ہدایت کی گئی:

يَاۤأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔(۱)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''

حضور اکرم ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

اذا أعطى الله أحدكم خيرًا فليبدأ بنفسه وأهل بيته۔(۲)

''جب اللہ تم میں کسی کو مال و دولت سے نوازے تو اس کو چاہیے کہ اس کا خرچ اپنی ذات اور اپنے بال بچوں سے شروع کرے۔''

عام لوگوں کو تنبیہ کی گئی کہ وہ کسی کے گھر میں فتنہ پیدا کر کے لعنتی نہ بنیں:

لعن رسول الله ﷺ من فرّق بين الوالدة و ولدها وبين الأخ وبين أخيه۔(۳)

---

(۱) التحریم، ۶:۶۶

(۲) ۱۔ مسلم، كتاب الاماره، باب الناس تبع لقريش والخلافه في قريش، ۳:۱۴۵۳، رقم ۱۸۲۲

۲۔ أبو عوانة، المسند، ۴:۳۷۳، رقم ۶۹۹۶

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲:۱۹۸، رقم ۱۸۰۳

۴۔ أبو يعلى، المسند، ۱۳:۴۵۷، رقم ۷۴۶۶

(۳) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب التجارات، باب النهي عن التفريق بين ←

’’آنحضرت ﷺ نے ان پر لعنت کی ہے، جو اولاد والدین کے درمیان یا بھائی کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی سعی کرتے ہیں۔‘‘

v. کمزور افرادِ معاشرہ سے حسنِ سلوک

حضور نبی اکرم ﷺ نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

من لائمکم من مملوکیکم فأطعموهم مما تأکلون واکسوهم مما تکسون۔[(۱)]

’’تمہارے مملوک میں سے جن کی تم سے موافقت ہو، ان کو تم ہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ کپڑے پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔‘‘

خدام کے بارے میں کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ ان کے کس قدر قصور قابل درگذر ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

اعفوا عنه کل یوم سبعین مرة۔[(۲)]

’’روزانہ ستر مرتبہ اس سے درگذر کیا کرو۔‘‘

vi. یتیموں کی نگہداشت

نابالغی کی حالت میں جس کے والد کا انتقال ہوگیا ہو اور بظاہر وہ بے سہارا رہ گیا ہو اس کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۝[(۳)]

السبي:۷۵۶، رقم: ۲۲۵۰

۲۔ دار قطني، السنن، ۳:۶۷، رقم: ۲۵۵

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۷۰

(۱) بزار، المسند، ۹: ۳۵۷

(۲) أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب، في حق مملوك ۴: ۳۴۱، رقم: ۵۱۶۴

(۳) النساء، ۴: ۱۰

’’بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جاگریں گے۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ـ(۱)

’’اور یتیم کے مال کے قریب مت جانا مگر ایسے طریق سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو‘‘

یتیم و مساکین کے ساتھ قساوت قلبی سے پیش آنے اور اظہار بے تعلقی کو تکذیب دین سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس طرح اس شرمناک طرزِ عمل سے روکا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ؕ فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ ۙ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ؕ(۲)

’’کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟ تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے) اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)‘‘

مملوک اور یتیم کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

فأكرموهم ككرامة أولادكم وأطعموهم مما تأكلون۔(۳)

’’ان کے لیے اسی طرح عزت کا ذریعہ بنو جس طرح تم اپنی اولاد کے لئے بنتے ہو اور جو تم خود کھاتے ہو ان کو بھی وہی کھلایا کرو۔‘‘

vii. ماتحتوں کے حقوق کا احترام

ماتحتوں اور خدام کے حقوق کے احترام کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) الانعام، ۶:۱۵۲

(۲) الماعون، ۱۰۷:۱-۳

(۳) ابن أبي عاصم، الزهد، ۱:۱۳۶

أخوانكم جعلهم الله تحت أيديكم فمن جعل الله أخاه تحت يديه فليطعمه مما يأكل و ليلبسه مما يلبس ولا يكلفه من العمل ما يغلبه. متفق عليه۔(۱)

''وہ تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ماتحت کر رکھا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ جس کے تحت اسکے بھائی کو کر دیں، اس کا فرض ہے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے اس کو بھی وہی پہنائے اور ایسا کام نہ کرے جس سے مغلوب ہو جائے۔''

viii. مظلوم کی دستگیری کی تلقین

آپ نے مظلوم کی اعانت اور دستگیری کی تلقین فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ مظلوم کی فریاد اور شکایت کو صدا بصحرا نہ سمجھیں:

إياک ودعوة المظلوم فإنما يسأل الله حقه وأن الله لا يمنع ذا حق حقه۔(۲)

''مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کے لیے درخواست کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ یقینی طور پر حق والے کو اس کا حق عطا کرتا ہے، روکتا نہیں۔''

جبکہ ظالم کی مدد بھی ظلم ہے، اسلام نے اس فعل کی سخت مذمت کی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم فقد خرج من الإسلام۔(۳)

''جو شخص کسی ظالم کو قوت پہنچانے کے لیے جان بوجھ کر اس کا ساتھ دیتا ہے، وہ (کمال)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب ما ینهی من السباب واللعن، ۵: ۲۲۴۸، رقم: ۵۷۰۳

۲۔ مسلم الصحیح، کتاب الإیمان باب إطعام المملوک مما یأکل، ۳: ۱۲۸۳، رقم: ۱۶۶۱

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی حق المملوک، ۴: ۳۴۰، رقم: ۵۱۵۷

(۲) دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۳۸۹، رقم: ۱۵۶۸

(۳) شیبانی: الأحاد والمثانی، ۵: ۲۹۵، رقم: ۲۸۲۳

ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے۔‘‘

(۳) قیام امن کی قومی جہت

i. فتنہ گروں اور اہل فساد کی مذمت

وہ لوگ جو زمین پر فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں اور لوگوں کا سکون زندگی برباد کرتے ہیں ان کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝(۱)

’’بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں (یعنی مسلمانوں میں خونریز رہزنی اور ڈاکہ زنی وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا پھانسی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا (وطن کی) زمین (میں چلنے پھرنے) سے دور (یعنی ملک بدر یا قید) کر دیے جائیں۔ یہ (تو) ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۝‘‘

ii. فساد انگیزی: اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں فتنہ گر اور فساد پیدا کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کا مرتکب قرار دیا گیا ہیں۔ قانون اسلام میں ایسے افراد کو سزا کا مستوجب گردانا گیا ہے:

أما المحارب فهو كل من كان دمه محقونًا قبل الحرابة وهوالمسلم والذمي۔(۲)

’’اللہ و رسول ﷺ سے لڑنے والا وہ ہے جس کا خون اس لڑائی سے پہلے محفوظ ہو اور وہ

(۱) المائدة، ۵: ۳۳

(۲) ابن رشد، بداية المجتهد، ۲: ۳۴۱

مسلمان اور ذمی ہے۔"

اما الحرابة فاتفقوا على أنها إشهار السلاح وقطع السبيل خارج المصر واختلفوا فيمن حارب داخل المصر قال مالك خارج المصر وداخله سواء۔(۱)

"لڑائی اور بدامنی یہ ہے کہ ہتھیار سونتے یا رہزنی کرے اگر یہ معاملہ آبادی سے باہر ہو تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رہزنی اور بدامنی ہے اور اگر آبادی کے اندر ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں آبادی کے اندر یا باہر دونوں حکم میں برابر ہیں۔"

iii. فتنہ گر کا دہرا جرم

فتنہ گر دوہرے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے حقوق کو پامال کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کی اور اس کی حدوں کو توڑا، اور انسانوں کی جان یا مال یا دونوں کو نقصان پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ کے حق کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر شرعی حد جاری کی جائے اور انسانی حقوق کا مطالبہ ہے کہ اس سے بدلہ لیا جائے، زخم وقتل کا بھی اور مال و دولت کا بھی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

قال: إذا حارب الرجل فقتل وأخذ المال قطعت يده ورجله من خلاف وصلب فإن قتل ولم يأخذ المال قتل وإن أخذ المال ولم يقتل قطعت يده ورجله من خلاف وإذا لم يقتل ولم يأخذ المال نفي۔(۲)

"(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی رہزنی کرے اور بدامنی پھیلائے تو دیکھا جائے گا) کہ اگر اس نے قتل کا ارتکاب بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا، پھر قتل کیا جائے گا اور پھانسی پر چڑھایا جائے گا اور اگر اس نے صرف قتل کیا ہے اور مال نہیں لیا ہے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اگر صرف مال چھینا ہے اور قتل نہیں کیا ہے تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے گا اور اگر صورت یہ پیش آئی

(۱) ابن رشد، بداية المجتهد، ۲: ۳۴۰

(۲) ۱۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۶: ۴، رقم: ۲۹۰۱۸

۲۔ جصاص، أحكام القرآن، ۲: ۴۰۸

ہے کہ اس نے نہ قتل کیا اور نہ مال لیا صرف ڈرایا دھمکایا ہے تو اسے جلا وطن کر دیا جائے گا۔"

iv. فتنہ گروں کی جلا وطنی

اسلام نے فتنہ گروں کے لیے جلاوطنی کی سزا بھی رکھی ہے۔ کہ ایسے مجرموں کو اسلامی مملکت سے خارج کر دیا جائے۔ اس کی صورت ملک سے اخراج بھی ہو سکتی ہے اور قید و بند بھی:

واختلف في النفي فقال أصحابنا هو حبسه حيث يرى الإمام۔(۱)

"نفی یعنی جلا وطنی کے باب میں اختلاف ہے لیکن ہمارے علمائے احناف فرماتے ہیں کہ نفی یعنی جلاوطنی سے مراد یہاں قید کرنا ہے۔ حاکم وقت جہاں مناسب سمجھے قید کر دے۔"

قرآن کا لفظ ہے يُنفَوْا مِنَ الْاَرْضِ روئے زمین سے جلا وطن کر دیئے جائیں، اس جلاوطنی کی سزا بھی ہو جائے اور اس کے شر سے مسلمان و ذمی محفوظ بھی ہو جائیں۔

لأنه معلوم أن المراد بما ذكره زجره عن إخافة السبيل وكف أذاه عن المسلمين۔(۲)

"یہ معلوم ہے کہ جو کچھ مذکور ہوا اس کی مراد یہ ہے کہ رہزنی سے روکا جائے اور مسلمانوں کو اس کی اذیت سے بچایا جائے۔"

جیل ہی ایسی جگہ ہے کہ اس کی سزا بھی ہو جائے گی اور اس کے شر و فساد سے دوسرے لوگ محفوظ و مامون بھی ہو جائیں گے۔ ابو بکر حصاصؒ فرماتے ہیں:

نثبت أن معنى النفي هو نفيه عن سائر الأرض إلا موضع حبسه الذي لا يمكنه فيه العبث والفساد۔(۳)

"پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ نفی (جلاوطن) کا معنی یہ ہے کہ اسے تمام آبادی سے جلاوطن کر دیا جائے، سوائے قید خانہ کے جہاں اس کیلئے فتنہ اور فساد ممکن ہی نہیں ہے۔"

---

(۱) جصاص، احکام القرآن، ۲: ۴۱۲

(۲) جصاص، أحكام القرآن، ۲: ۴۱۲

(۳) جصاص، أحكام القرآن، ۲: ۴۱۲

v. قتل اور رہزنی کی سزا

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مفسدین اور رہزنوں نے اگر قتل اور لوٹ دونوں کا ارتکاب کیا ہے تو امام کو چار طرح کے اختیارات ہیں:

فإن قتلوا أخذوا المال فإن أبا حنيفة قال للإمام اربع خيارات: إن شاء قطع أيديهم وأرجلهم وقتلهم وإن شاء قطع أيديهم وأرجلهم وصلبهم وإن شاء صلبهم وإن شاء قتلهم وترك القطع۔(۱)

’’اگر رہزنی اور بدامنی پھیلانے والے قتل کا بھی ارتکاب کریں اور مال بھی لوٹ لیں تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام کو چار طرح کے اختیارات ہیں کہ ان میں سے جونسی صورت بھی اسے مناسب معلوم ہو، عمل میں لائے۔ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ کر قتل کر ڈالے یا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ کر پھانسی دے دے یا صرف پھانسی پر چڑھا دے یا صرف قتل کر ڈالے اور ہاتھ پیر نہ کاٹے۔‘‘

اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ سزا متعین ہے کہ پہلے اس کو پھانسی دی جائے گی پھر قتل کیا جائے گا اور قطع ید و رجل عمل میں نہ لایا جائے گا۔ امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب فسادی اور رہزن گرفتار ہو جائیں تو امام وقت کو پورا اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو سزا بیان کی ہے اسے وہ ان پر عائد کرے، اس کی کوئی قید نہیں ہے کہ ان فسادی اور رہزنوں نے قتل کیا ہو یا مال لوٹا ہو، یا دونوں کے مرتکب ہوئے ہوں، بلکہ ہر حال میں امام کو قتل و قطع کا اختیار ہے۔

الغرض ان فسادی مردم آزار اور راہزن کو ہر حال میں سزا ملے گی، تفصیل میں اختلاف ہے، سزا دینے میں نہیں اس میں سب کا اتفاق ہے اور ہونا بھی چاہیے کہ یہ رہزنی کر کے عوام الناس کا امن و امان غارت کرتے ہیں۔ رد المحتار علی در المختار میں ہے:

هُوالسَّرقةُ الكُبْرى مَنْ قَصَدَهُ وَلَو فِي المِصْرَ لَيْلًا به يُفْتى وهو مَعْصُوم على شخصٍ معصومٍ ولوذميًا۔(۲)

(۱) جصاص، أحكام القرآن، ۷: ۴۰۹

(۲) شامي، رد المحتار، ۳: ۳۳۲

''رہزنی جو کوئی بھی کرے سرقہ کبری ہے اگرچہ رات میں آبادی ہی کے اندر ہو اور اسی قول پر فتوی ہے، اس حال میں کہ وہ محفوظ الدم ہو اور جس پر حملہ آور ہو وہ بھی محفوظ الدم ہو خواہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہو۔''

علامہ ابن عابدینؒ شامی لکھتے ہیں:

وعبّر بمن لِيُفيد أنّه لا يُشترط كَوْنُ القاطع جماعةً فيشملُ ما إذا كان واحدًا له منعة بقُوته ونَجْدَتِهِ۔(۱)

''لفظ ''مَنْ'' کے ساتھ تعبیر سے منشاء یہ ہے کہ ڈاکو کا جماعت کی شکل میں ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اگر ایک شخص بھی یہ کام کرے گا جس کے پاس طاقت وقدرت ہو تو اس پر بھی یہ حکم عائد ہوگا۔''

فساد کرنے والے مرد ہوں یا عورتیں، غلام ہوں یا آزاد بلا استثناء سب کی سزا ہوگی۔تاہم عورت کی لاش کے ساتھ اتنی رعایت ہوگی کہ وہ پھانسی پر لٹکائی نہیں جائے گی۔

وشَمِلَ العَبْد وكذا المرأةُ في ظاهر الرِّواية إلا أنها لا تُصْلب۔(۲)

''یہ سزا غلام کو بھی شامل ہے اور عورت کو بھی ظاہر روایت یہی ہے، صرف فرق یہ ہے کہ عورت پھانسی پر لٹکائی نہیں جائے گی۔''

اسلام مفسدین کا دشمن ہے جب تک وہ اپنے اعمال بد سے تائب نہ ہو جائیں وہ ایک لحہ کے لیے بھی ایسے افراد کو معاف نہیں کرتا ہے۔ چنانچہ اگر یہ فتنہ پرداز اور مردم آزار افراد لوٹ مار اور قتل وخوں ریزی سے پہلے گرفتار ہو جائیں تو بھی سزا کے بعد جیل میں بند کر دیے جائیں گے اور اس وقت تک بند رکھے جائیں گے جب تک توبہ نہ کرلیں اور ان کی اصلاح احوال نہ ہو جائے:

فَأُخِذَ قَبْلَ أَخذ شيءٍ وقتل نفسٍ حُبِسَ وهو المرادُ بالنفيِ في الأية بعد التعزير لِمُباشرة مُنْكَرِ التَّخوِيف حتّٰى يَتُوبَ لا بِالقول بل بِظُهُور سيما الصُّلَحاءُ أو يموتَ۔(۳)

---

(۱) شامی، رد المحتار، ۳: ۳۳۲

(۲) شامی، رد المحتار، ۳: ۳۳۲

(۳) شامی، رد المحتار، ۳: ۳۳۲

''اگر مال وغیرہ لینے اور قتل کے ارتکاب سے پہلے وہ گرفتار کر لیے جائیں تو سزا کے بعد ان کو جیل خانہ میں بند کر دیا جائے اور جلاوطنی سے یہی مراد ہے اس لیے کہ انہوں نے خوف زدہ کرنے کا فعل کیا ہے اور یہ اس وقت تک بند رہیں گے جب تک توبہ نہ کر لیں اور اس توبہ کے لیے نیکوکار کے سے آثار کے پائے جانے کی ضرورت ہے صرف قول کافی نہیں ہے یا پھر توبہ نہ کرنے کی صورت میں جیل ہی میں موت سے ہم آغوش نہ ہو جائیں۔''

اور اگر فتنہ گر گروہ یا فرد نے عوام الناس کا مال لوٹ لیا ہے تو ان سے ہر ایک کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ ڈالے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں قطعاً کوئی رعایت نہ ہوگی۔

وإن أخذ مالا معصومًا بأن يكُونَ لمسلمٍ أو ذمي كما مرَّ وأصاب منه كُلا نصابٌ قطع يده و رِجله من خلافٍ إن كان صحيح الأطراف۔[1]

''اور اگر وہ محفوظ مال لیں بایں طور کہ وہ کسی مسلمان یا ذمی کا تھا اور ہر ایک کے حصہ میں مقدار نصاب یعنی دس درہم آ جائیں تو ان کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا بشرطیکہ وہ صحیح الاطراف ہوں۔''

اور اگر ان شر پسندوں نے حملہ کے بعد قتل بھی کر ڈالا اور مال بھی چھین لیا ہے تو پھر ان کی سزا بڑی دردناک ہوگی۔ قانون اسلام میں اس کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ پہلے ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے، پھر انہیں قتل کیا جائے اور قتل کے بعد پھانسی پر لٹکایا جائے۔

۲۔ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد وہ قتل کیے جائیں اور ان کو پھانسی دی جائے۔

۳۔ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد پھانسی دی جائے اور ان کو قتل نہ کیا جائے۔

۴۔ ان کو قتل کیا جائے، پھر پھانسی دی جائے اور ہاتھ پیر کاٹے نہ جائیں۔

۵۔ صرف قتل کیے جائیں۔

۶۔ صرف پھانسی دی جائے۔

درمختار کی عبارت اس طرح ہے:

---

(۱) شامی، رد المحتار، ۴: ۱۱۴

إن قتل وأخذ المال خير الإمام بين ستة أحوالٍ إن شاء قطع من خلافٍ ثم قتل أوقطع ثم صلب أو فعل الثلاثة، أو قتل وصلب أو قتل فقط وصلب فقط۔[1]

''اگر رہزن (ڈاکو) قتل بھی کرے اور مال بھی لے لے، تو امام کو اختیار ہے کہ وہ ان چھ طریقوں میں سے کوئی ایک اختیار کرے اگر چاہے دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ کر قتل کر ڈالے یا قطع ید و رجل کے بعد پھانسی دے دے یا ہاتھ پاؤں بھی کاٹے قتل بھی کرے اور پھانسی بھی دے، یا قتل کرے اور پھانسی دے یا صرف قتل کرے یا فقط پھانسی دے۔''

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں کاٹے نہ جائیں اور بقیہ سزا میں امام کو اختیار ہے، اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ پھانسی ہر حال میں دی جائے ہاتھ پاؤں کاٹنے میں البتہ اختیار ہے۔

امام ابو یوسف کا مؤقف ہے کہ ہر حال میں پھانسی ضروری ہے خواہ اور چیز ہو یا نہ ہو۔امام طحاوی کہتے ہیں پہلے قتل پھر پھانسی اور امام کرخی کہتے ہیں پہلے پھانسی پھر قتل اور فقہاء نے اسی کو اصح قرار دیا ہے اور امام طحاوی سے روایت ہے کہ پہلے قتل کیا جائے پھر پھانسی پر اس کی لاش لٹکائی جائے تا کہ مثلہ نہ ہونے پائے۔[2]

vi. فتنہ گروں کو سزا کا اصلاحی پہلو

فقہاء کی رائے کے مطابق اگر پہلے اس کو پھانسی دی جائے گی تو اس کی لاش تین دن تک اسی پر چھوڑ دی جائے گی، تا کہ باعث عبرت ہو اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ مسلسل چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ خود لاش ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائے:

ويترک ثلاثة أيامٍ من موته ثم يخلى بينه و بين أهله ليدفنوه ولا أكثر منها على الظاهر و عن الثاني يترک حتى يتقطّع۔[3]

''مرنے کے بعد سے تین دن تک اس کی لاش پھانسی پر چھوڑ دی جائے، پھر اس کے اہل وعیال کو موقع دیا جائے کہ وہ اسے دفن کر ڈالیں، ظاہر روایت کے مطابق تین دن سے

(۱) شامی، رد المحتار، ۴: ۱۱۴

(۲) شامی، رد المحتار، ۳: ۱۱۴

(۳) شامی، رد المحتار، ۴: ۱۱۵

زیادہ نہیں چھوڑی جائے گی اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ وہ لاش پھانسی پر ہی چھوڑ دی جائے گی تاکہ وہ خود ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جائے۔"

vii. فتنہ گروں اور رہزنوں کی نماز جنازہ نہیں

فتنہ گروں اور رہزنوں کی سزا آخرت تک بڑھی ہوئی ہے۔ اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ امن و امان تباہ کرنے والوں کو نہ غسل دیا جائے اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے البتہ دفن کر دیا جائے:

وهي فرض على كل مسلمٍ خلا أربعة منهم بغاة و قطاع طريقٍ فلا يغسّلوا ولا يصلى عليهم۔(۱)

"نماز جنازہ چار شخصوں کے علاوہ اور تمام مسلمانوں کی فرض ہے ان چار میں باغی اور ڈاکو بھی ہیں ان کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔"

ایسا برتاؤ اس وجہ سے اس کے ساتھ کیا گیا کہ اس نے اللہ تعالٰی کے قانون کی خلاف ورزی کی اور امن و راحت جیسی قیمتی دولت برباد کرنے کی سعی کی، اس لئے یہ اس سزا کا مستحق قرار پایا کہ اس کی توہین و تذلیل کا مظاہرہ ہر ہر پہلو سے ہوتا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رہزنی اور فساد انگیزی کی قدر برا عمل ہے۔

viii. فتنہ انگیز گروہ کو سزا

فتنہ انگیزی اور فساد کے جرم کا ارتکاب اگر گروہ نے کیا ہے تو پورے گروہ کو سزا دی جائے گی۔ ردمحتار میں ہے:

وتجري الأحكام المذكورة على الكلِّ بمباشرة بعضهم الأخذ والقتل والإخافة۔(۲)

"اگر جماعت میں سے کسی سے بھی اخذ مال، قتل اور ڈرانا پایا جائے گا تو تمام پر احکام مذکورہ جاری ہوں گے۔"

امام ابن تیمیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر وہ سیکڑوں کی تعداد میں ہوں گے تو بھی سب کے سب قتل کئے جائیں گے۔ اس لئے کہ خلفاء راشدین سے یہی ثابت ہے۔

---

(۱) شامی، رد المحتار، ۲: ۲۱۰

(۲) شامی، رد المحتار، ۴: ۱۱۵

وهذا هو المأثور عن الخلفاء الراشدين۔[1]

”خلفاء راشدین سے یہی منقول و ماثور ہے۔“

پھر انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ آپ نے رہزنوں کی جماعت کے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جو اونچی جگہ بیٹھ کر راہگیروں کو دیکھا کرتا تھا کہ کون شخص کدھر سے آ رہا ہے اور ادھر ڈاکو لوٹ مار میں مشغول تھے۔

ix. رہزنوں اور فتنہ گروں کو سزا کی حکمت

اسلام نے اتنی شدید سزا مقرر ہی اس لیے کی کہ زندگی بھر کے لئے ان کے ساتھ یہ علامت موجود رہے اور دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں:

وهذا الفعل قد يكون أزجر من القتل فإن الأعراب وفسقة الجند وغيرهم إذا رأوا دائمًا من هو بينهم مقطوع اليد والرجل ذكروا بذالک جرمة فارتدعوا......۔[2]

”یہ سزا کبھی قتل سے بڑھ کر عبرت انگیز ہوتی ہے اس لئے کہ غیر مہذب، گنوار اور ڈاکو وغیرہ جب اپنے سامنے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے آدمیوں کو دیکھیں گے تو ان کے جرم کو یاد کریں گے اور اس کے ارتکاب سے باز رہیں گے۔“

(۴) قیامِ امن کی بین الاقوامی جہت

i. نسل انسانی سے حسن سلوک

حضور نبی اکرم ﷺ نے عام انسانی برادری کے ساتھ رحم و کرم کی تاکید فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

لا يرحم الله من لا يرحم الناس۔[3]

---

(۱) ابن تيمية، السياسة الشرعية، ۱: ۶۸

(۲) ابن تيمية، السياسة الشرعية، ۱: ۶۹

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى، ۶: ۲۶۸۶، رقم: ۶۹۴۱

←

”جو لوگوں پر مہربانی نہیں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا۔“

بیواؤں کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

الساعي علی الأرملة والمسکين کالمجاهد في سبيل اللہ أو القائم الليل الصائم النهار۔ (۱)

”بیوہ عورتوں اور محتاجوں کی خدمت و اعانت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر ہے اور اس نیکوکار کے برابر ہے جو (عمر بھر) ساری رات عبادت کرے اور دن کو روزے رکھے۔“

عام زندگی میں باہمی تکریم کی تعلیم دیتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا:

إذا کنتم ثلاثة فلا يتناجی اثنان دون الآخر حتی تختلطوا بالناس من أجل أن يحزنه۔ (۲)

”جس وقت تم تین ہو اس وقت دو مل کر بات مت کرو کہ ایک تنہا رہ جائے جب تک تم لوگوں میں خلط ملط نہ ہو جاؤ اس لئے کہ دو کے باہم گفتگو کرنے اور تیسرے کے تنہا رہ جانے کی صورت میں اسے رنج ہوگا۔“

انسانیت اور کائنات انسانی کے ساتھ رواداری و محبت کے سلسلہ میں فرمایا:

الراحمون يرحمهم الرحمٰن ارحموا من في الأرض يرحمکم في السماء۔ (۳)

۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۲۱۴، رقم: ۲۵۳۵۶

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب النفقات، باب فضل النفقه، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۸
۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزهد، باب الإحسان، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۲
۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۱۰۰، رقم: ۳۰۴
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۱، رقم: ۸۷۱۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب السلام، باب تحريم مناجاة، ۴: ۱۷۱۸، رقم: ۲۱۸۴

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في الرحمة الناس، ۴: ۳۲۳، رقم: ۱۹۲۴
۲۔ أبي داؤد، السنن، کتاب الادب، باب في الرحمة، ۲: ۳۰۷، رقم: ۴۹۴۱

''مہربان اور ترس کھانے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے، لہٰذا تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا (اللہ تعالیٰ) تم پر رحم فرمائے گا۔''

نیک حکمران اور بڑوں کی تکریم کے حوالے سے آپ نے فرمایا:

إن من إجلال الله إكرام ذی الشيبة المسلم و حامل القرآن غير الغالی فيه والجافي عنه و إكرام السلطان المسقط۔(۱)

''بوڑھے مسلمان کی تعظیم وتکریم اور اسی طرح اس حامل قرآن کی تعظیم وتکریم جو غلو سے پاک ہے اور مصنف بادشاہ کی تکریم، اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم سے ہے۔''

پیٹھ پیچھے دوسرے کی غیبت سے روکنے کے اجر کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا:

من ذب عن لحم أخيه بالمغيبة كان حقًا على الله أن يعتقه من النار۔(۲)

''جو شخص پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کی غیبت سے روکتا ہے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جہنم کی آگ سے آزاد کردے۔''

ہر ایک کے مرتبہ کے لائق مدارات کے سلسلہ میں آپ کا ارشاد ہے:

أنزلو الناس منازلهم۔(۳)

''لوگوں کو ان کے مرتبہ کے مطابق رکھو۔''

عالمگیر ہمدری کو ابھارتے ہوئے آپ نے فرمایا:

ليس المؤمن الذی يشبع وجاره جائع۔(۴)

(۱) أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب فی تنزيل الناس منزلهم، ۲: ٦٧٧، رقم: ۴۸۴۳

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ٦: ۴٦١، رقم: ۲٧٦۵۰

(۳) أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب فی تنزيل الناس منازلهم، ۲: ٦۸۸، رقم: ۴۸۴۲

(۴) ۱۔ بیهقی، السنن الكبرىٰ، ۱۰: ۳

۲۔ أبو يعلى، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲٦۹۹

''وہ شخص ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔''

ii. مردم آزاری کی حرمت

اسلام میں انسان کی دل آزاری اور توہین سے منع کیا گیا، اس لئے کہ اگر ایک طرف اس سے دوسروں کی ذات ذلیل ہوتی ہے تو دوسری طرف یہی چیز لڑائی کا پیش خیمہ بھی بنتی ہے، ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ج وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○(1)

''اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ اُن (تمسخر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں اُن (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں، اور نہ آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو، کسی کے ایمان (لانے) کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے، اور جس نے توبہ نہیں کی سو وہی لوگ ظالم ہیں○''

iii. اِسلام میں جنگ اور انتقام کا تصور

اسلام نے ایسے وقت ہی تلوار اٹھانے کی اجازت دی ہے جب یہ استیصال فتنہ اور قیام امن کے لیے ناگزیر ہو۔حضور نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ زندگی صبر وتحمل سے گزاری۔

۳۔ أبن حمید، مسند، ۱: ۲۳۱، رقم: ۶۹۴

۴۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۱: ۱۵۴، رقم: ۱۲۷۴۱

۵۔ طحاوي، شرح معاني الآثار، ۱: ۲۷

۶۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷

۷۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۱۸۴، رقم: ۷۳۰۷

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱۱

کفارِ مکہ نے وہ ساری اذیتیں پہنچائیں جو ایک غیر مہذب، درندہ صفت اور کافر و مشرک قوم پہنچا سکتی تھی اور اسلام کی تبلیغ میں قریش نے جیسی مزاحمت کی اہل ایمان کو جس طرح ستایا اور دین قبول کرنے والوں کے ساتھ جیسے وحشیانہ مظالم کیے اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی۔

مگر آپ ﷺ نے شروع ہی سے یہ روش اختیار کی کہ امن و امان عدل و مساوات اور انسانی اخوت کا چہرہ کہیں سے داغدار نہ ہونے پائے۔ عفت و ناموس، شفقت اور سکون و اطمینان کا دامن کہیں سے بھی تار تار نہ ہو۔ چنانچہ اسلام نے زمانہ جنگ و انتقام میں بھی امن و عدل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا ہے، مجرم قوم کے وہ افراد جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے یا جن کو دنیا کے جھگڑوں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، آپ ﷺ نے ان کو تکلیف دینے کی اجازت نہیں دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی جنگ میں عورتوں بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور گوشہ نشینوں پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں ہے، خواہ ان کا خونی رشتہ اسی ظالم قوم سے کیوں قائم نہ ہو، یہاں مجرم وہی ہے جو مقابلہ میں آئے یا جو ان کو مدد پہنچائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

نهى رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبيان۔(1)

”حضور نبی اکرم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

یہ اسلام کی ہی خصوصیت ہے کہ وہ دارالحرب یعنی دشمنوں کے ملک پر حملہ آور ہونے کے وقت بھی ان لوگوں کو گزند پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا جو جنگی تدبیروں میں شریک نہیں ہیں۔

امام ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں:

أن أهل الحرب إذا تترسوا بصبيانهم فكان المسلمون لا يستطيعون رميهم إلا بإصابة صبيانهم فحرام عليهم رميهم في قول هولاء وكذلك إن تحصنوا بحصن وجعلوا فيه الولدان فحرام علينا رمي ذلك الحصن

(1) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجهاد، باب قتل النساء، ٣: ١٠٩٨، رقم: ٢٨٥٢

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد، باب تحريم قتل النساء، ٣: ١٣٦٤، رقم: ١٧٤٤

٣۔ أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب في قتل النساء، ٢: ٦١، رقم: ٢٦٦٢

عليهم إذا كنا نخاف من ذلك إصابة صبيانهم ونسائهم۔(۱)

''حربی کافر جب اس طرح اپنے بچوں کو ڈھال بنالیں کہ مسلمانوں کے لئے تیر اندازی بغیر بچوں کو مارے ہوئے ممکن نہ ہو تو ایسی حالت میں ان ائمہ کا قول کے مطابق تیر اندازی حرام ہے، اسی طرح اگر حربی کافر قلعہ بند ہو جائیں اور اسی میں اپنے بچوں کو ڈال لیں تو ہم مسلمانوں پر یہ حرام ہے کہ اس قلعہ پر تیر اندازی کریں اور اسے برباد کریں اگر بچوں اور عورتوں کی جانوں کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔''

iv. حضور نبی اکرم ﷺ کا دشمنوں سے سلوک

مکی دور میں اہل مکہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ہر طرح کی اذیت پہنچائی، اس کے بعد بھی ان لوگوں نے آپ کو چین نہیں لینے دیا اور دن رات دین اسلام کو بیخ و بن سے اکھیڑ پھینکنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ ۸ ھ میں فتح مکہ کے سال جب آپ فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، تو آپ ﷺ نے یہ اعلان فرمایا:

من دخل دار أبي سفيان فهو آمن ومن أغلق بابه، فهو آمن۔(۲)

''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ حالتِ امن میں ہے جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے وہ بھی حالتِ امن میں ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ حالتِ امن میں ہے۔''

اور یہ صرف اعلان ہی نہ تھا بلکہ اس حکم پر پورا پورا عمل ہوا، اور اہل مکہ نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا حدیث میں ہے کہ جوں ہی یہ اعلان ہوا اہل مکہ اپنے گھروں اور مسجد حرام میں چھپ گئے۔ پورے مکہ کی آبادی صرف چار افراد ایسے تھے جو قانون کی مخالفت کے سبب امن سے محروم رہے۔ تمام اہل مکہ کو حضور نبی اکرم ﷺ نے امن سے نوازا، اور ان کے سارے قصور سے درگذر فرمایا۔ فتح مکہ کے دن قریش اپنے گناہوں اور زیادتیوں کی وجہ سے بے حد خائف تھے۔ اور اپنی جگہ یقین کئے ہوئے تھے کہ سب کو ان کے جرائم کی سزا دی جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ کا بیان ہے:

---

(۱) طحاوی، شرح معانی الآثار، ۳: ۲۲۲، رقم: ۴۷۷۹

(۲) أبو داود، السنن، كتاب الخراج، باب ما جاء في خبر مكه، ۲: ۱۷۷، رقم ۳۰۲۲

ثم دخل صناديد قريش من المشركين الكعبة وهم يظنون أن السيف لا يرفع عنهم۔(١)

''سردارانِ قریش کعبۃ اللہ میں اس یقین کے ساتھ داخل ہوئے کہ تلوار ان کو معاف نہیں کرے گی۔

ان ہی کا بیان ہے کہ جس وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے خانہ کعبہ کے دروازے پر آ کر سوال کیا کہ تم میرے متعلق کیا خیال رکھتے ہو؟ تو انہوں نے بیک زبان کہا ''آپ اپنے چھوٹوں کے بردبار بھائی اور اپنے بڑوں کے مہربان بھتیجے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

أقول كما قال يوسف لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم وهو أرحم الراحمين۔(٢)

''میں یوسف علیہ السلام کی طرح اعلان کرتا ہوں کہ آج تمہارے لئے کوئی سرزنش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائیں وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس اعلان کے بعد خوشی ایک ایک لہر دوڑ گئی اور انہوں نے ایک نئی زندگی محسوس کی ان کے الفاظ یہ ہیں:

فخرجوا كأنما نشروا من القبور۔(٣)

''وہ تمام (سردارانِ قریش) کعبہ سے اس طرح نکلے جیسے وہ قبروں سے نکل کر نئی زندگی پانے پر خوش وخرم ہوں۔''

v. جنگ کی اجازت صرف استیصال فتنہ کے لیے ہے

فتنہ اور فساد موجب ہلاکت ہے اور ہلاکت سراسر ظلم ہے۔اس لیے اسلام اس طرزِ عمل کو برداشت نہیں کرتا اور جنگ کا مقصد بھی فتنہ کا خاتمہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

---

(١) طحاوی، شرح معانی الآثار، ٣: ٢٢٥

(٢) طحاوی، شرح معانی الآثار، ٣: ٢٢٥

(٣) طحاوی،شرح معانی الآثار، ٣: ٢٢٥

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔(۱)

''اور ان سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی کے تابع ہو جائے۔''

اسلام کسی حال میں زیادتی اور ظلم و تعدی کو پسند نہیں کرتا ہے بلکہ اس کی جگہ صلح و سلامتی اور امن و امان کو ترجیح دیتا ہے۔ انتقام و مکافات اور جنگ کے سلسلہ میں بھی یہی پہلو اس قانون میں قابل عمل ہے۔ اس باب میں کمال احتیاط کے پیش نظر اسلام کی تاکید ہے کہ جو کچھ کیا جائے اور جو قدم اٹھایا جائے وہ بغیر سوچے سمجھے ہرگز نہ ہو، بلکہ پورے غور و فکر کے بعد ہو، اس لئے کہ قتال و جنگ میں جلد بازی جائز نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ لا فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا۔(۲)

''اور اگر اللہ چاہتا تو (ان کے دلوں کو ہمت دیتے ہوئے) یقیناً انہیں تم پر غالب کر دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے، پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کر لیں اور تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے (بھی صلح جوئی کی صورت میں) ان پر (دست درازی کی) کوئی راہ نہیں بنائی۔''

پھر اگر فریق مخالف صلح پر آمادگی ظاہر کرے تو اسے قبول کر لینا چاہیے اپنی قوت کے گھمنڈ پر خون ریزی کو ہرگز ترجیح نہ دینا چاہیے۔

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○(۳)

''اور اگر وہ (کفار) صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ بیشک وہی خوب سننے والا جاننے والا ہے○''

اسی طرح اگر کوئی اپنے اسلام کو ظاہر کرے تو فوراً تسلیم کر لینا چاہیے، اگرچہ مکمل ثبوت

(۱) البقرہ، ۲: ۱۹۳

(۲) النساء، ۴: ۹۰

(۳) انفال، ۸: ۶۱

تمہارے سامنے نہ ہو رد نہ کرنا چاہیے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ج تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ (۱)

’’اور اس کو جو تمہیں سلام کرے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے، تم (ایک مسلمان کو کافر کہہ کر مارنے کے بعد مالِ غنیمت کی صورت میں) دنیوی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو تو (یقین کرو)۔

ان اصولوں اور ضوابط سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام سراپا امن و امان اور سلامتی ہے، اس کے قوانین میں جنگ اور خون ریزی کی اجازت انتہائی مجبوری کی صورت میں ہے۔ اور وہ بھی اس وقت جب اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی باقی نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَالَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا ج وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا ○ (۲)

’’اور (مسلمانو!) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں (غلبہء دین کے لئے) اور ان بے بس (مظلوم و مقہور) مردوں، عورتوں اور بچوں (کی آزادی) کے لئے جنگ نہیں کرتے جو (ظلم و ستم سے تنگ ہو کر) پکارتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جہاں کے (وڈیرے) لوگ ظالم ہیں اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا کارساز مقرر فرما دے اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا مددگار بنا دے!○‘‘

مظلوموں کی اعانت و نصرت اور مفسدوں اور ظالموں کا قلع قمع کرنا ضروری ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو زمین ظلم و فساد سے بھر جائے گی۔

(۱) النساء، ۴: ۹۴

(۲) النساء، ۴: ۷۵

اسلام میں جنگ کا مقصد

حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات کے مطابق جنگ کا مقصد دنیا سے فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کا سدّ باب، انسانی برادری اور انسانی نسل کی حفاظت اور ظلم و استحصال کا خاتمہ اور امنِ عالم کا قیام ہے، جہاں جہاد کی قرآن نے اجازت دی ہے وہاں اس کی بھی صراحت کی ہے:

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○[1]

’’یہ (سب کچھ) اس لئے (ہوتا رہتا) ہے کہ اللہ ہی سچا (خالق اور رب) ہے اور بیشک وہی مُردوں (بے جان) کو زندہ (جاندار) کرتا ہے اور یقیناً وہی ہر چیز پر بڑا قادر ہے ○‘‘

جنگ کے اسی تصور کی وضاحت ان آیات سے بھی ہوتی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ○[2]

’’تم ان سے جنگ کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان (کے مقابلہ) پر تمہاری مدد فرمائے گا اور ایمان والوں کے سینوں کو شفا بخشے گا○‘‘

اسی سورۂ توبہ میں ایک دوسری آیت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ○[3]

’’اور تم (بھی) تمام مشرکین سے اسی طرح (جوابی) جنگ کیا کرو جس طرح وہ سب کے سب (اکٹھے ہو کر) تم سے جنگ کرتے ہیں، اور جان لو کہ بیشک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے○‘‘

ان آیتوں میں یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ جنگ انہی سے کی جائے گی جو جنگ و جدال

---

(۱) الحج، ۲۲: ۶

(۲) التوبہ، ۹: ۱۴

(۳) التوبہ، ۹: ۳۶

میں پہل کرنے والے، قتل و خونریزی کے دلدادہ اور سراپا فتنہ و فساد ہیں جن کی نگاہوں میں نہ قسم اور عہد و پیمان کی کوئی قیمت ہے نہ فضائل اخلاق کے لئے کوئی اصول ہے۔

vii. پرامن ممالک سے تعلقات کا حکم

اسلام ایک بین الاقوامی برادری تشکیل دینے والا دین ہے۔درج ذیل آیت مبارکہ غیر مسلموں اور غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات کی استوازری کے لیے دستور کی حیثیت رکھتی ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝[1]

''اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بیشک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ۝ اللہ تو محض تمہیں ایسے لوگوں سے دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں (یعنی وطن) سے نکالا اور تمہارے باہر نکالے جانے پر (تمہارے دشمنوں کی) مدد کی۔ اور جو شخص اُن سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں ۝''

یعنی غیر مسلم ممالک یا ان کی جو جماعتیں محارب و مخالف کی حیثیت نہیں رکھتی ہیں، ان سے تعلقات بہتر رکھے جائیں گے اور جو ممالک یا جماعتیں محارب و مخالف ہوں گے ان میں اسلام اور مسلمانوں کو برداشت کرنے کا جذبہ نہیں ہوگا، ان سے اجتناب اور بوقت ضرورت مقابلہ کیا جائے گا۔

viii. اسلام کی بین الاقوامی رواداری

یہ امر بہت ہی واضح ہے کہ اسلام جنگ اس لئے نہیں کرتا کہ کسی کو اس دین حق کے قبول کرنے پر مجبور کردے۔ اس کا مطمع نظر یہ ہے کہ دنیا سے ظلم و تعدی ختم ہو، عدل و مساوات کی حکومت ہو اور ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

(۱) الممتحنہ، ۶۰: ۸۔ ۹

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝(۱)

”آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور ان لوگوں کا ذبیحہ (بھی) جنہیں (الہامی) کتاب دی گئی تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے، اور (اسی طرح) پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں میں سے پاکدامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی (تمہارے لئے حلال ہیں) جب کہ تم انہیں ان کے مَہر ادا کر دو، (مگر شرط) یہ کہ تم (انہیں) قیدِ نکاح میں لانے والے (عفت شعار) بنو نہ کہ (محض ہوس رانی کی خاطر) اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے، اور جو شخص (احکامِ الٰہی پر) ایمان (لانے) سے انکار کرے تو اس کا سارا عمل برباد ہوگیا اور وہ آخرت میں (بھی) نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۝“

سورہ مائدہ کی یہ آیت اسلام کی کشادہ دلی، اعلیٰ ظرفی اور بین الاقوامی رواداری کی مظہر ہے۔اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت اور ان کی عورتوں سے شادی کی اجازت، دوسری قوموں سے تعلقات کی استواری ہے، نہ کہ ان سے علیحدگی ۔شرف انسانیت کا علمبردار دین ہونے کے ناطے ’الخلق عیال اللہ‘ کے اصول کے تحت بین الاقوامی اسلامی برادری کا قیام اسلام کی اولیں ترجیحات کا حصہ ہے۔

حاصل کلام

اجتماعی زندگی میں انسانی خون کی قدر و قیمت کا اندازہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے:

أول ما يقضى بين الناس يوم القيامة في الدماء۔(۲)

(۱) المائدہ، ۵: ۵

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب القسامۃ، باب المجازہ بالدماء، ۳: ۱۳۰۴، رقم: ۱۶۷۸

”قیامت میں جس مسئلہ کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کا معاملہ ہوگا۔“

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

فیه تغلیظ أمر الدماء۔(۱)

”اس حدیث میں خون کی اہمیت کا بیان ہے۔“

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

أی أول القضاء یوم القیامة القضاء فی الدماء أی فی أمر المتعلق بالدماء و فیه عظم أمر القتل لأن الابتداء إنما یقع بالأهم۔(۲)

”قیامت میں پہلا فیصلہ خون کا ہوگا، یعنی ان مقدمات کا فیصلہ سنایا جائے گا جو خون سے متعلق ہوں گے۔ اس حدیث میں مسئلہ قتل کی اہمیت کا اظہار ہے، اس لئے کہ کاموں میں اہم معاملہ سے ابتدا ہوتی ہے۔“

عبادات اور انفرادی چیزوں میں قیامت کے دن پہلے نماز سے متعلق سوال ہوگا اور اجتماعی امور اور حقوق العباد میں سب سے پہلے خون کا مقدمہ پیش ہوگا۔ کیونکہ بندوں پر مظالم کے سلسلہ میں سب سے بڑا ظلم یہی ہے۔

ابن العربی فرماتے ہیں:

ثبت النهی عن قتل البهیمة بغیر حق والوعید فی ذالک فکیف بقتل الآدمی فکیف بالمسلم فکیف بالتقی الصالح۔(۳)

”جب چوپایوں کے ناحق مار ڈالنے کی ممانعت ہے اور اس سلسلہ میں وعیدیں ہیں تو پھر سوچئے کہ انسان کے ناحق قتل کی کتنی اہمیت ہوگی اور اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے قتل کی اور اس سے بڑھ کر خدا ترس اور نیکوکار کے قتل کی۔“

ان فرامین سے یہ امر مترشح ہے کہ اسلام میں انسانی جان کی بڑی قیمت ہے اور اس کی

---

(۱) نووی، شرح مسلم، ۱۱:۱٦۸

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۱۲: ۱۸۹، رقم: ٦۴۷۱

(۳) عسقلانی، فتح الباری، ۱۲: ۱۸۹، رقم: ٦۴۷۱

حفاظت ہر شخص کا دینی، اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے۔

مزید برآں حضور نبی اکرم ﷺ نے جس انداز سے امن و امان کی تبلیغ کی، قتل وخوں ریزی کا دروازہ بند کیا، اور کائنات انسانی کو انسانی جان کی قدر و قیمت سے آگاہ فرمایا اس کی نکتہ کمال آپ کا وہ فرمان ہے جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

فان دماءکم وأموالکم حرم علیکم وأعراضکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا۔(۱)

''اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں حرام کردی ہیں اور ان چیزوں کو ایسی عزت بخشی ہے جو عزت تمہارے اس شہر میں، اس مہینہ اور اس دن کو حاصل ہے۔''

اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے بار دگر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

ألا هل بلغت قالوا نعم۔

''کیا میں نے پیغام حق پہنچا نہیں دیا؟ سبھی نے بیک زبان جواب دیا جی ہاں ضرور۔''

اس واضحیت کے بعد آپ نے سب حاضرین کو تلقین فرمائی

اَلاَ! فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ۔(۲)

''سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی جو یہاں موجود نہیں تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔''

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے زندگی کے آخری بڑے اور نمایاں موقع پر حاضرین کو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبة أیام منی، ۲: ۶۲۰، رقم: ۱۶۵۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات، باب تغیظ تحریم الدماء والأعراض والأموال، ۳: ۱۳۰۵، رقم: ۱۶۷۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبة أیام منی ۲: ۶۲۰، رقم: ۱۶۵۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب القسامة، باب تغیظ، ۳: ۱۳۰۵، رقم: ۱۶۷۹

اور پھر ان کے ذریعے سے قیامت تک کے اہل ایمان اور انسانیت کو قیام امن کی تعلیم ہی نہ دی بلکہ انہیں اس امر کا بھی پابند کر دیا کہ وہ اپنے عمل اور کردار سے قیام امن کو زندگی کی ہر سطح پر ممکن بنائیں اور اس عمل کے فروغ و ابلاغ کا مجسم ذریعہ بھی بن جائیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کرہ ارضی کو مرکز امن بنانے کے لئے سیرت رسول ﷺ سے عطا ہونے والے اس منشور سے زیادہ جامع، اثر آفریں اور نتیجہ خیز ضابطہ میسر نہیں آ سکتا۔

مآخذ ومراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین السید محمود (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)۔ روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني۔ بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۳۔ آمدی، سیف الدین ابی الحسن علی بن ابی علی بن محمد (۵۵۱۔۶۳۱ھ/۱۱۵۶۔۱۲۳۳ء)۔ الإحكام في أصول الأحكام۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۴۔ ابن اثیر، ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔۶۳۰ھ/۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ أسد الغابة في معرفة الصحابة۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۵۔ ابن اثیر، ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔۶۳۰ھ/۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ الکامل في التاریخ۔ بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۹۷۹ء

۶۔ احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ بن محمد شیبانی (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ الزھد۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۳۹۸ھ۔

۷۔ احمد بن حنبل، ابوعبداللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۸۔ أزدی، ربیع بن حبیب بن عمر بصری، الجامع الصحیح مسند الإمام الربیع بن حبیب۔ بیروت، لبنان، دارالحکمۃ، ۱۴۱۵ھ۔

۹۔ ابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، (۸۵۔۱۵۱ھ)۔ السیرۃ النبویۃ۔ معھد الدراسات والابحاث للتعریب۔

۱۰۔ ابن أبي أصیبعہ، موفق الدین أبو العباس احمد بن القاسم بن خلیفۃ السعدی الخزرجی (۶۰۰۔۶۶۸ھ)۔ عیون الأنباء في طبقات الأطباء۔ بیروت، لبنان: مکتبۃ الحیاۃ، ۱۹۶۵ء۔

۱۱۔ اسماعیلی، ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل اسماعیلی (۲۷۷۔۳۷۱ھ)۔ **معمجم الشيوخ أبي بكر الإسماعيلي**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب، مکتبۃ العلم والحکم، ۱۴۱۰ھ۔

۱۲۔ اندلسی، محمد بن علی بن احمد الوادیاشی (۷۲۳۔۸۰۴ھ)۔ **تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج**۔ مکۃ المکرمہ، سعودی عرب: دار حراء، ۱۴۰۶ھ۔

۱۳۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الأدب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۱۴۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **التاريخ الكبير**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۵۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الصحيح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۶۔ بزار، ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۵۔۲۹۲ھ/ ۸۳۰۔۹۰۵ء)۔ **البحر الزخار**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ علوم القرآن، ۱۴۰۹ھ + مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم۔

۱۷۔ بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/ ۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ **شرح السنة**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۱۸۔ بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/ ۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ **معالم التنزيل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۹۔ بیضاوی، ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی (۷۹۱ھ)۔ **أنوار التنزيل**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۲۰۔ بلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر البلازری (۲۷۹ھ) ۔**فتوح البلدان**۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۲۱۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **الاعتقاد**۔ بیروت، لبنان، دار الآفاق الجدید، ۱۴۰۱ھ۔

۲۲۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۲۳۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الدار، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۲۴۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ شعب الإیمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۲۵۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ المدخل إلی السنن الکبری۔ الکویت، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۴۰۴ھ۔

۲۶۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۲۷۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الشمائل المحمدیة والخصائص المصطفویة۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۱۲ء۔

۲۸۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ اقتضاء الصراط المستقیم۔ لاہور، پاکستان: المکتبۃ السلفیۃ، ۱۹۷۸۔

۲۹۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ السیاسة الشرعیة في إصلاح الراعي والرعیة۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۳۰۔ ابن جارود، ابو محمد عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری (۳۰۷ھ)۔ المنتقی من السنن المسندة۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتاب الثقافیۃ، ۱۴۱۸ھ/۱۹۸۸ء۔

۳۱۔ جرجانی، ابو قاسم حمزہ بن یوسف (۴۲۸ھ)۔ تاریخ جرجان۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۳۲۔ جصاص، احمد بن علی الرازی ابو بکر (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ أحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث، ۱۴۰۵ھ۔

۳۳۔ ابن جعد، ابو الحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/ ۷۵۰۔۸۴۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۳۴۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ زاد المسیر في علم التفسیر۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۴ھ۔

۳۵۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ صفوۃ الصفوۃ۔ بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء

۳۶۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ العلل المتناھیۃ۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۳۷۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔ ۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ مناقب أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۸۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ المنتظم في تاریخ الملوک والأمم۔ بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۳۵۸ھ۔

۳۹۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ الوفا بأحوال المصطفی ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۴۰۔ ابن ابی حاتم، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس ابو محمد الرازی التمیمی (۳۲۷ھ)۔ الجرح والتعدیل۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث العربی، ۱۲۷۱ھ۔

۴۱۔ حارث، ابن ابی اسامہ (۱۸۶۔۲۸۲ھ)۔ بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویہ، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۴۲۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت۔ لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱/ ۱۹۹۰ء۔

۴۳۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی

الصحیحین۔ مکہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع۔

۴۴۔ ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ الثقات۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۳۹۵ھ۔

۴۵۔ ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۴۶۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ الإصابة في تمييز الصحابة۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۴۷۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ تغليق التعليق على صحيح البخاري۔ بیروت، لبنان: المكتب الاسلامی + عمان، اُردن: دار عمار، ۱۴۰۵ھ۔

۴۸۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ تلخيص الحبير في أحاديث الرافعي الكبير۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب، ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء۔

۴۹۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ تهذيب التهذيب۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۵۰۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ الدراية في تخريج أحاديث الهداية۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ۔

۵۱۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ فتح الباري شرح صحيح بخاري۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۵۲۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ لسان الميزان۔ بیروت، لبنان، مؤسسۃ الأعلمی المطبوعات ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء۔

۵۳۔ ابن حزم، علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ الإحکام في أصول الأحکام۔ فیصل آباد، پاکستان: ضیاء السنہ ادارۃ الترجمہ والتعریف، ۱۴۰۴ھ۔

۵۴۔ ابن حزم، علی بن احمد بن سعید بن حزم أندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ المحلیٰ بالآثار۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدیدۃ۔

۵۵۔ حسام الدین ہندی، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/۱۹۷۹۔

۵۶۔ حسن ابراہیم، ڈاکٹر حسن۔ تاریخ الإسلام۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ النھضۃ المصریہ، ۱۹۶۴ء۔

۵۷۔ حسینی، ابراہیم بن محمد (۱۰۵۴۔۱۱۲۰ھ)۔ البیان والتعریف۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربي، ۱۴۰۱ھ۔

۵۸۔ حصکفی، صدر الدین موسیٰ بن زکریا (۶۵۰ھ)۔ مسند الإمام أبي حنیفۃ۔ کراچی، پاکستان: میر محمد کتب خانہ۔

۵۹۔ حصکفی، علامہ الشیخ علاء الدین الحصکفی (۱۰۸۸ھ۔۱۶۷۷ء)۔ الدر المختار علی ھامش الرد۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۸۶ھ۔

۶۰۔ حکیم ترمذی، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر۔ نوادر الأصول في أحادیث الرسول۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۹۹۲ء۔

۶۱۔ حلبی، نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر بن برہان الدین حلبی قاہری شافعی (۹۷۵۔۱۰۴۴ھ)۔ إنسان العیون فی سیرۃ الأمین المامون (السیرۃ الحلبیۃ)۔ بیروت، لبنان، دار الکتب العربیہ، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء۔

۶۲۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الراشدۃ۔ بیروت، لبنان: دار الإرشاد، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء۔

۶۳۔ حمیدی، ابو بکر عبداللہ بن زبیر (۲۱۹ھ/۸۳۴ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبي۔

۶۴۔ ابن حیان، ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الأنصاری (۲۷۴۔ ۳۶۹ھ)۔ طبقات المحدثین بأصبهان والواردین علیها۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۲ھ۔

۶۵۔ ابن حیان، عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حبان اصبهانی، ابو محمد (۲۷۴۔۳۶۹ھ)۔ العظمة۔ ریاض، سعودی عرب: دار العاصمہ، ۱۴۰۸ھ

۶۶۔ ابن خزیمہ، ابو بکر محمد بن إسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۶۷۔ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مهدی بن ثابت (۳۹۲۔ ۴۶۳ھ/ ۱۰۰۲۔ ۱۰۷۱ء)۔ تاریخ بغداد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۶۸۔ خطیب تبریزی، ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (۷۴۱ھ)۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء۔

۶۹۔ ابن خلاد، ابو الحسن بن عبد الرحمٰن بن خلاد رامهرمزی (۵۷۶ھ)۔ أمثال الحدیث المرویة عن النبي ﷺ۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتاب الثقافیۃ، ۱۴۰۹ھ۔

۷۰۔ خلال، احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال، ابوبکر (۲۳۴۔۳۱۱ھ)۔ السنة۔ ریاض، سعودی عرب: ۱۴۱۰ھ

۷۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد الحضرمی (۷۳۲۔۸۰۸ھ)۔ مقدمه کتاب العبر ودیوان المبتدا والخبرفی العرب والبربر ومن عاصر هم من ذوی الشأن الاکبر، (المعروف: مقدمه ابن خلدون)۔ دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان، ۲۰۰۳م۔

۷۲۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد الحضرمی (۷۳۲۔۸۰۸ھ)۔ تاریخ ابن خلدون۔ بیروت، لبنان: دار القلم، ۱۹۸۴ء

۷۳۔ خوارزمی، ابو المؤید محمد بن محمود (۵۹۳۔۶۶۵ھ)۔ جامع المسانید۔ بیروت، لبنان۔

۷۴۔ دارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربي، ۱۴۰۷ھ۔

۷۵۔ دارقطنی، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۷۶۔ ابوداود، سلیمان بن أشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۷۷۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۷۸۔ ابن ابی الدنیا، عبداللہ بن محمد ابوبکر القرشی (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ مکارم الاخلاق۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ القرآن، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۷۹۔ دیلمی، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔ ۱۱۱۵ء)۔ الفردوس بمأثور الخطاب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۸۰۔ ذہبی، ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والأعلام۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۸۱۔ ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ تذکرة الحفاظ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۸۲۔ ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ سیر أعلام النبلاء۔ بیروت، لبنان، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۳ھ۔

۸۳۔ ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ میزان الاعتدال في نقد الرجال۔ بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء۔

۸۴۔ رازی، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ التفسیر الکبیر۔ تہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

۸۵۔ ابن راشد، معمر الأزدی (۱۵۱ھ)۔ الجامع۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۸۶۔ ابن راہویہ، ابو یعقوب إسحاق بن إبراہیم بن مخلد بن إبراہیم بن عبداللہ (۱۶۱۔ ۲۳۷ھ

/۷۷۸۔۸۵۱ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء۔

۸۷۔ ابن رجب حنبلی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ التخويف من النار والتعريف بحال دار البوار۔ دمشق، شام: مکتبۃ دار البیان، ۱۳۹۹ھ۔

۸۸۔ ابن رجب حنبلی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ جامع العلوم و الحكم في شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۸ھ۔

۸۹۔ ابن رشد، ابو ولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد القرطبی (۵۹۵ھ)۔ بداية المجتهد۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۹۰۔ رویانی، ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی (۳۰۷ھ)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۹۱۔ زرعی، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب (۶۹۱۔ ۷۵۱ھ)۔ نقد المنقول بين المردود والمقبول۔ بیروت، لبنان: دار القاری، ۱۴۱۱ھ۔

۹۲۔ زرقانی، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری أزہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ شرح المواهب اللدنية۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء۔

۹۳۔ زرقانی، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری أزہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ شرح الموطأ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ۔

۹۴۔ عبد العظیم زرقانی، محمد۔ مناهل العرفان في علوم القرآن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء۔

۹۵۔ زرکشی، محمد بن بہادر بن عبد اللہ ابو عبد اللہ (۷۴۵۔۷۹۴ھ)۔ البرهان في علوم القرآن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۱ھ۔

۹۶۔ زمخشری، امام جار اللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷۔۵۳۸ھ)۔ الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل۔ قاہرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء۔

۹۷۔ ابن زید، ابواسماعیل حماد بن اسحاق بن اسماعیل (۲۶۷ھ)۔ تركة النبي ﷺ والسبل التي وجهها فيها۔۱۴۰۴ھ۔

۹۸۔ زیلعی، ابومحمد عبداللہ بن یوسف حنفی (۷۶۲ھ)۔ نصب الراية لأحاديث الهداية۔ مصر، دارالحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۹۹۔ سبکی، تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی بن علی بن تمام بن یوسف بن موسیٰ بن تمام انصاری (۶۸۳۔۷۵۶ھ/۱۲۸۴۔۱۳۵۵ء)۔ شفاء السقام في زيارة خير الأنام۔ حیدر آباد، بھارت: دائرہ معارف نظامیہ، ۱۳۱۵ھ۔

۱۰۰۔ سخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن (۸۳۱ھ۔۹۰۲ھ)۔ استجلاب إرتقاء الغرف بحب أقربا الرسول وذوى الشرف۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبہ فہد الوطنیۃ، ۱۴۲۱ھ۔

۱۰۱۔ سرخسی، امام شمس الدین (م ۴۸۳ھ)۔ کتاب المبسوط۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۱۰۲۔ ابن سعد، ابوعبداللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ الطبقات الكبرى۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۱۰۳۔ ابوسعود، محمد بن عمادی (۸۹۸۔۹۸۲ھ/۱۴۹۳۔۱۵۷۵ء)۔ إرشاد العقل السليم إلى مزايا القرآن الكريم (تفسیر ابی سعود)۔ بیروت، لبنان: داراحیاء التراث العربی۔

۱۰۴۔ سعید بن منصور، ابوعثمان الخراسانی (۲۲۷ھ)۔ السنن۔ ریاض، سعودی عرب: دار العصیمی، ۱۴۱۴ھ۔

۱۰۵۔ ابن سلام، ابی عبدالقاسم بن سلام (۲۲۴ھ)۔ کتاب الأموال۔ قاہرہ، مصر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

۱۰۶۔ سلمی، ابومحمد عز الدین عبدالعزیز بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ)۔ قواعد الأحكام في مصالح الأنام۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الریان، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء۔

۱۰۷۔ ابن سلیمان، خیثمہ بن سلیمان القرشی الطرابلسی (۲۵۰۔۳۴۳ھ)۔ من حديث خيثمة بن سليمان القرشي الطرابلسي۔ بیروت، لبنان: دار بیروت الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

١٠٨۔ سمرقندی، ابو محمد محمد بن احمد(٥٣٩ھ)۔ تحفة الفقهاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤٠٥ھ۔

١٠٩۔ سمعانی، منصور بن محمد بن عبدالجبار السمعانی ابو المظفر (٤٢٦۔٤٨٩ھ)۔ التفسیر۔ ریاض، سعودی عرب: دار الوطن، ١٤١٨ھ/ ١٩٩٧م۔

١١٠۔ سندی، نور الدین بن عبدالھادی، ابو الحسن (١١٣٨ھ)۔ حاشیه علی سنن النسائي۔ حلب، شام: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، ١٤٠٦ھ/ ١٩٨٦ء۔

١١١۔ ابن السّنّی، احمد بن محمد الدینوری (٢٨٤۔٣٦٤ھ)۔ عمل الیوم واللیلة۔ بیروت، لبنان: دار ابن حزم، ١٤٢٥ھ/ ٢٠٠٤ء۔

١١٢۔ سہیلی، ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن احمد بن ابو الحسن خثعمی (٥٠٨۔٥٨١ھ)۔ الروض الأنف في تفسیر السیرة النبویة لابن هشام۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤١٨ھ/ ١٩٩٧ء۔

١١٣۔ سیوطی، جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (٨٤٩۔٩١١ھ/ ١٤٤٥۔ ١٥٠٥ء)۔ الإتقان في علوم القرآن۔ لبنان، مطبعہ أمیر، منشورات الرضی بیدار۔

١١٤۔ سیوطی، جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (٨٤٩۔٩١١ھ/ ١٤٤٥۔ ١٥٠٥ء)۔ الجامع الصغیر في أحادیث البشیر النذیر۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

١١٥۔ سیوطی، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (٨٤٩۔٩١١ھ/ ١٤٤٥۔ ١٥٠٥ء)۔ الدر المنثور في التفسیر بالمأثور۔ بیروت، لبنان: دار المعرفة۔

١١٦۔ شاشی، ابو سعید ہیثم بن کلیب بن شریح (٣٣٥ھ/ ٩٤٦ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبة العلوم والحکم، ١٤١٠ھ۔

١١٧۔ شافعی، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (١٥٠۔٢٠٤ھ

/ ۷۶۷_۸۱۹ء)۔ الأم۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۳ھ۔

۱۱۸۔ شافعی، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰_۲۰۴ھ / ۷۶۷_۸۱۹ء)۔ المسند۔ بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ

۱۱۹۔ شافعی، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰_۲۰۴ھ / ۷۶۷_۸۱۹ء)۔ أحکام القرآن۔ بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۰ھ۔

۱۲۰۔ شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی (۱۱۱۴_۱۱۷۴ھ/۱۷۰۳_۱۷۶۲ء)۔ الفوز الکبیر۔ لاہور، پاکستان: مکتبۃ العلمیہ۔

۱۲۱۔ ابن شاہین، ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان (۲۹۷_۳۸۵ھ)۔ ناسخ الحدیث و منسوخہ۔ الزرقاء: مکتبۃ المنار، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸۔

۱۲۲۔ شربینی، الشیخ محمد الشربینی الخطیب (م: ۹۷۷ھ)۔ مغنی المحتاج إلی معرفۃ معانی ألفاظ المنہاج۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث العربی، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۲۳۔ شریف رضی۔ نہج البلاغۃ(خطبات علی بن أبی طالب ﷺ)۔ کراچی، پاکستان: محفوظ بک ایجنسی، ۲۰۰۰ء۔

۱۲۴۔ شعرانی، عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد بن موسیٰ (۸۹۸_۹۷۳ھ/ ۱۴۹۳_۱۵۶۵ء)۔ کشف الغمۃ عن جمیع الأمّۃ۔ میدان الأزہر، مصر: مکتبۃ و مطبعہ محمد علی صبیح واَولادہ۔

۱۲۵۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳_۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰_۱۸۳۴ء)۔ درالسحابۃ فی مناقب القرابۃ والصحابۃ۔ لاہور، پاکستان: مکتبہ سید احمد شہید، ۱۴۰۴ھ۔

۱۲۶۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳_۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰_۱۸۳۴ء)۔ نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۲۷۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳_۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰_۱۸۳۴ء)۔ فتح القدیر۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۲۸۔ شہرستانی، ابو الفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر احمد (۴۷۹_۵۴۸ھ)۔ الملل والنحل۔

بیروت، لبنان: دار المعرفۃ، ۲۰۰۱ء۔

۱۲۹۔ شیبانی، محمد بن حسن (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ **الموطأ**۔ کراچی، پاکستان: میر محمد کتب خانہ۔

۱۳۰۔ شیبانی، ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ **الآحاد والمثاني**۔ ریاض، سعودی عرب: دار الرایہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۱۳۱۔ شیبانی، محمد بن الحسن بن فرقد ابوعبد اللہ (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ **الأصل المعروف بالمبسوط**۔ کراچی، پاکستان: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ۔

۱۳۲۔ شیبانی، ابوعبد اللہ محمد بن حسن (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ **الحجة**۔ لاہور، پاکستان: دار المعارف نعمانیہ۔

۱۳۳۔ ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ **المصنف**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۱۳۴۔ صنعانی، محمد بن اسماعیل الامیر (م ۷۷۳۔۸۵۲ھ)۔ **سبل السلام شرح بلوغ المرام**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربي، ۱۳۷۹ھ۔

۱۳۵۔ صیداوی، محمد بن احمد بن جمیع، ابو الحسین (م ۳۰۵۔۴۰۲ھ)۔ **معجم الشیوخ**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۳۶۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **مسند الشاميين**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء۔

۱۳۷۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۳۸۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الصغير**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۳۹۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الكبير**۔ موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء الحدیثہ۔

١۴٠۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (٢٦٠۔٣٦٠ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الكبير۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

١۴١۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (٢٢۴۔٣١٠ھ/ ۸٣۹۔۹٢٣ء)۔ تاريخ الأمم والملوك۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١۴٠۷ھ۔

١۴٢۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (٢٢۴۔٣١٠ھ/ ۸٣۹۔۹٢٣ء)۔ جامع البيان عن تأويل أي القرآن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ١۴٠۵ھ۔

١۴٣۔ طبری، ابو جعفر احمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم (٦١۵۔ ٦۹۴ھ/ ١٢١۸۔١٢۹۵ء)۔ الرياض النضرة في مناقب العشرة۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ١۹۹٦ء۔

١۴۴۔ طحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (٢٢۹۔٣٢١ھ/ ۸۵٣۔۹٣٣ء)۔ شرح معاني الآثار۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٣۹۹ھ۔

١۴۵۔ طحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (٢٢۹۔٣٢١ھ/ ۸۵٣۔۹٣٣ء)۔ مشكل الآثار۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

١۴٦۔ طیالسی، ابوداود سلیمان بن داود جارود (١٣٣۔٢٠۴ھ/ ۷۵١۔۸١۹ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

١۴۷۔ ابن عابدین شامی، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی (١٢۴۴۔ ١٣٠٦ھ)۔ رد المحتار على الدر المختار على تنوير الأبصار۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ١٣۸٦ھ۔

١۴۸۔ ابن ابی عاصم، ابوبکر بن عمرو بن ضحاک بن مخلد شیبانی (٢٠٦۔٢۸۷ھ/ ۸٢٢۔۹٠٠ء)۔ الزهد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث، ١۴٠۸ھ۔

١۴۹۔ ابن ابی عاصم، ابوبکر بن عمرو بن ضحاک بن مخلد شیبانی (٢٠٦۔٢۸۷ھ/ ۸٢٢۔ ۹٠٠ء)۔ السنة۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ١۴٠٠ھ۔

١۵٠۔ ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (٣٦۸۔۴٦٣ھ/ ۹۷۹۔١٠۷١ء)۔ الاستيعاب في معرفة الأصحاب۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ١۴١٢ھ۔

۱۵۱۔ ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ الاستیعاب في معرفة الأصحاب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء۔

۱۵۲۔ ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ التمهيد۔ مغرب (مراکش): وزات عموم الأوقاف و الشؤون الإسلامیہ، ۱۳۸۷ھ۔

۱۵۳۔ ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ جامع بيان العلم و فضله۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

۱۵۴۔ ابو عبد اللہ، احمد بن إبراہیم بن کثیر دورقی (۱۶۸۔۲۴۶ھ)۔ مسند سعد بن أبي وقاص۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۵۵۔ عبد اللہ، بن احمد بن حنبل (۲۱۳۔۲۹۰ھ)۔ السنة۔ دمام: دار ابن قیم، ۱۴۰۶ھ۔

۱۵۶۔ عبد بن حمید، ابو محمد بن نصر الکسی (م ۲۴۹ھ/۸۶۳ء)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنہ، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء۔

۱۵۷۔ عبد الحق، محدث دہلوی، شیخ (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ أشعة اللمعات شرح مشكوة المصابيح۔ سکھر، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۷۶ء۔

۱۵۸۔ عبد الرزاق، ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ تفسير القرآن۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۱۰ھ۔

۱۵۹۔ عبد الرزاق، ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ المصنف۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۶۰۔ عجلونی، ابو الفداء إسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔۱۱۶۲ھ/۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ كشف الخفا ومزيل الألباس۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۶۱۔ ابن عدی، عبد اللہ بن عدی بن عبد اللہ بن محمد ابو احمد الجرجانی (۲۷۷ھ۔۳۶۵ھ)۔ الكامل في ضعفاء الرجال۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء۔

۱۶۲۔ ابن عساکر، ابو قاسم علی بن حسن بن ھبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔ ۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ تاریخ دمشق الکبیر (المعروف بہ: تاریخ ابن عساکر)۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۶۳۔ ابن عساکر، ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ تھذیب تاریخ دمشق الکبیر۔ بیروت، لبنان، دارالمیسرہ، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۱۶۴۔ عظیم آبادی، ابو الطیب محمد شمس الحق۔ عون المعبود شرح سنن أبي داود۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ۔

۱۶۵۔ ابوعوانہ، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۱۶۶۔ عینی، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔ ۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔ ۱۴۵۱ء)۔ عمدۃ القاري شرح علی صحیح البخاري۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۱۶۷۔ غزالی، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (۴۵۰۔۵۰۵ھ)۔ إحیاء علوم الدین۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ۔

۱۶۸۔ غزالی، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (۴۵۰۔۵۰۵ھ)۔ قسطاس المستقیم (المعروف بہ: مجموعۃ رسائل إمام غزالی)۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۱۶۹۔ فاکہی، ابوعبد اللہ محمد بن اسحاق بن عباس مکی (۲۷۲ھ/ ۸۸۵ء)۔ أخبار مکۃ في قدیم الدھر وحدیثہ۔ بیروت، لبنان: دارخضر، ۱۴۱۴ھ۔

۱۷۰۔ فریابي، ابو بکر جعفر بن محمد بن حسن (۲۰۷۔۳۰۱ھ)۔ دلائل النبوۃ۔ مکہ المکرمہ، سعودی عرب: دار حراء، ۱۴۰۶ھ۔

۱۷۱۔ قاضی عیاض، ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض یحصبی (۴۷۶۔۵۴۴ھ/ ۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ الشفاء بتعریف حقوق

المصطفی ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۱۷۲۔ قاضی عیاض، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض (۴۷۶۔۵۴۴ھ/۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ۔ ملتان، پاکستان: عبدالتواب اکیڈمی۔

۱۷۳۔ ابن قانع، عبد الباقی (۲۶۵۔۳۵۱ھ)۔ معجم الصحابة۔ مدینہ منورہ، مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، ۱۴۱۸ھ۔

۱۷۴۔ ابن قتیبہ، عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ ابو محمد الدینوری (۲۱۳۔۲۷۶ھ)۔ تأویل مختلف الحدیث۔ بیروت، لبنان: دار الجلیل، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۲ء۔

۱۷۵۔ ابن قدامہ، ابو محمد عبد اللہ بن احمد المقدسی (۶۲۰ھ)۔ المغني في فقه الإمام احمد بن حنبل الشیباني۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۱۷۶۔ قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ الجامع لأحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۷۷۔ قزوینی، عبدالکریم بن محمد الرافعی۔ التدوین في أخبار قزوین۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۷ء۔

۱۷۸۔ قضاعی، ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر (۴۵۴ھ)۔ مسند الشهاب۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۷۹۔ قنوجی، صدیق بن حسن القنوجی (۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ)۔ أبجد العلوم الوشي المرقوم في بیان أحوال العلوم۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۷۸ء۔

۱۸۰۔ ابن قیسرانی، ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد مقدسی (۴۴۸۔۵۰۷ھ/ ۱۰۵۶۔۱۱۱۳ء)۔ تذکرة الحفاظ۔ ریاض، سعودی عرب: دار الصمیعی، ۱۴۱۵ھ۔

۱۸۱۔ کاسانی، علاء الدین (۵۸۷ھ)۔ بدائع الصنائع۔ بیروت، لبنان، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء۔

۱۸۲۔ ابن کثیر، ابو الفداء إسماعیل بن عمر (۷۰۱-۷۷۴ھ/۱۳۰۱-۱۳۷۳ء)۔ البداية والنهاية۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء۔

۱۸۳۔ ابن کثیر، ابو الفداء إسماعیل بن عمر (۷۰۱-۷۷۴ھ/۱۳۰۱-۱۳۷۳ء)۔ تفسير القرآن العظيم۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۸۴۔ کلاعی، ابو الربیع سلیمان بن موسی الکلاعی الأندلسی (۵۶۵-۶۳۴ھ)۔ الاکتفاء في مغازي رسول الله ﷺ والثلاثة الخلفاء۔ بیروت، لبنان، مکتبۃ الھلال، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء۔

۱۸۵۔ کنانی، احمد بن ابی بکر بن إسماعیل (۷۶۲-۸۴۰ھ)۔ مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه۔ بیروت، لبنان، دار العربیۃ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۸۶۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹-۲۷۳ھ/۸۲۴-۸۸۷ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء۔

۱۸۷۔ مالک، ابن انس بن مالک ﷺ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث أصبحی (۹۳-۱۷۹ھ/۷۱۲-۷۹۵ء)۔ المدونة الكبرى۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۱۸۸۔ مالک، ابن انس بن مالک ﷺ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث أصبحی (۹۳-۱۷۹ھ/۷۱۲-۷۹۵ء)۔ الموطأ۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء۔

۱۸۹۔ ابن مبارک، ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن واضح مروزی (۱۱۸-۱۸۱ھ/۷۳۶-۷۹۸ء)۔ كتاب الزهد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۹۰۔ مبارک پوری، محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم (۱۲۸۳-۱۳۵۳ھ)۔ تحفة الأحوذي في شرح جامع الترمذي۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۹۱۔ ابو محاسن، ابو محاسن یوسف بن موسیٰ حنفی۔ معتصر من المختصر من مشكل الآثار۔ بیروت، لبنان: عالم الکتاب۔

۱۹۲۔ المحاملی، حسین بن إسماعیل الضبی ابو عبد اللہ (۲۳۵-۳۳۰ھ)۔ أمالي المحاملي۔ دمام، اردن: دار ابن القیم، ۱۴۱۲ھ۔

۱۹۳۔ مروزی، محمد بن نصر بن الحجاج، ابو عبداللہ (۲۰۲۔۲۹۴ھ)۔ السنة۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الکتب الثقافیة، ۱۴۰۸ھ۔

۱۹۴۔ مزی، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف۔ ممبئی، بھارت: الدار القیمہ + بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۹۵۔ مزی، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ تهذیب الکمال۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۹۶۔ مسلم، ابن الحجاج ابو الحسن القشیر ی النیسابوری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربي۔

۱۹۷۔ مقدسی، محمد بن عبد الواحد حنبلی (۶۴۳ھ)۔ الأحادیث المختارة۔ مکہ المکرّمہ، سعودی عرب: مکتبة النهضة الحدیثیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۹۸۔ دانی، ابو عمرو عثمان بن سعید دانی (۳۷۱۔۴۴۴ھ)۔ السنن الواردة في الفتن۔ الریاض: سعودی عرب، ۱۴۱۶ھ۔

۱۹۹۔ مناوی، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۲۰۰۔ ابن مندہ، ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن یحیٰ (۳۱۰۔۳۹۵ھ/۹۲۲۔۱۰۰۵ء)۔ الإیمان۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۶ھ۔

۲۰۱۔ منذری، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔۱۲۵۸ء)۔ الترغیب والترهیب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۲۰۲۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی قاسم بن حبقہ أفریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ/ ۱۲۳۲۔۱۳۱۱ء)۔ لسان العرب۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۲۰۳۔ نسائی، احمد بن شعیب، ابوعبدالرحمٰن (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان:

دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۲۰۴۔ نسائی، احمد بن شعیب، ابوعبدالرحمٰن (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۲۰۵۔ ابونعیم، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اِسحاق بن موسیٰ بن مہران اَصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ تاریخ أصبهان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۲۰۶۔ ابونعیم، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اِسحاق بن موسیٰ بن مہران اَصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۲۰۷۔ ابونعیم، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اِسحاق بن موسیٰ بن مہران اَصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ المسند المستخرج على صحيح مسلم۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء۔

۲۰۸۔ نعیم بن حماد، المروزی، ابوعبد اللہ (م ۲۸۸ھ)۔ الفتن۔ قاہرہ، مصر: بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ۱۴۰۸ھ۔

۲۰۹۔ نووی، ابو زکریا، یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔ ۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ شرح النووی علی صحیح المسلم۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء۔

۲۱۰۔ نووی، ابو زکریا، یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔ ۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ تهذيب الأسماء واللغات۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۶ء۔

۲۱۱۔ نووی، ابو زکریا، یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔ ۶۷۷ھ/ ۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ رياض الصالحين من كلام سيد المرسلين ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الخیر، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۲۱۲۔ واسطی، اسلم بن سہل رزاز (م ۲۹۲ھ)۔ تاریخ واسط۔ بیروت، لبنان: عالم الکتاب، ۱۴۰۶ھ۔

۲۱۳۔ وھبۃ الزحیلی: الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی۔ **الفقہ الإسلامی وأدلتہ**۔ دمشق، شام، دارالفکر ۱۹۷۸ء۔

۲۱۴۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک حمیری (۲۱۳ھ/۸۲۸ء)۔ **السیرۃ النبویۃ**۔ بیروت، لبنان: دارالجیل، ۱۴۱۱ھ۔

۲۱۵۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک ہشام الحمیری (م۲۱۳ھ/۸۲۸ء)۔ **السیرۃ النبویہ**۔ بیروت، لبنان: دارابن کثیر، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء۔

۲۱۶۔ ہناد، ہناد بن سری کوفی (۱۵۲۔۲۴۳ھ)۔ **الزہد**۔ کویت: دار الخلفاء للکتاب الإسلامی، ۱۴۰۶ھ۔

۲۱۷۔ ہیثمی، نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

۲۱۸۔ ہیثمی، نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ **موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۲۱۹۔ ہیکل، محمد حسین۔ **الفاروق عمر**۔ قاہرہ، مصر: دارالمعارف۔

۲۲۰۔ یاقوت بغدادی، یاقوت بن عبداللہ الحموی، ابوعبداللہ (۶۲۶ھ)۔ **معجم البلدان**۔ بیروت، لبنان: داراحیاء التراث، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

۲۲۱۔ یحیٰ بن آدم، یحی بن آدم القرشی (۲۰۲ھ)، **کتاب الخراج**، بیروت، لبنان، دارالمعرفہ

۲۲۲۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح الکاتب العباسی (م۲۸۷ھ/۸۹۷ء)۔ **تاریخ الیعقوبی**۔ بیروت، لبنان: دارصادر۔

۲۲۳۔ ابو یعلی، احمد بن علی بن مثنی بن یحیٰ بن عیسٰی بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۲۲۴۔ ابو یعلی، احمد بن علی بن مثنی بن یحیٰ بن عیسٰی بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المعجم**۔ فیصل آباد، پاکستان: إدارۃ العلوم الأثریۃ، ۱۴۰۷ھ۔

۲۲۵۔ ابو یوسف، قاضی یعقوب بن ابراہیم الانصاری (م ۱۸۲ھ)۔ کتاب الآثار۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۵۵ھ۔

۲۲۶۔ ابو یوسف، قاضی یعقوب بن ابراہیم الانصاری(م ۱۸۲ھ)۔ کتاب الخراج۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ

۲۲۷۔ کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور

228. A. J. Arberry, *Aspects of Islamic Civilization*. London 1964.

229. Abd Allah Ahmad Na'im, *Human Rights and Religious Values*. Essays presented at a workshop held at the Free University, Amsterdam, Apr. 21-23, 1993.

230. Arnold J. Toynbee, *A Study of History, Abridgement of Volumes I-VI By D. C. Somervell*, Oxford University Press, 1947.

231. Charles Gray Shaw, *Trends of Civilization and Culture*, American Book, 1931, p-76

232 Christian Stracke, *The Clash of Civilizations and the Remaking of the World Order*, Journal of International Affairs, 1997.

233. Dimitri Gutas, *Greek Thought-Arabic Culture, The Graeco-Arabic translation movement in Baghdad and early Abbasid society*, Routledge, London, 1999, p.185-88.

234. Draper, *History of Intellectual Development of Europe*

235. Esin Atil, *Art of the Arab World*, Smithsonian Institution Washington, DC, 1975.

236. *European Convention for the Protection of Human Rights*, 1950. Art. 4, 5, 8-11

237. G. E. Von Grunebaum, *Classical Islam: A History, 600 AD to 1258 AD*, Aldine Transaction, London.

238. George Sarton, *A Guide to the History of Science* A First Guide for the Study of the History of Science, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952.

239. Gustave Edmund Von Grunebaum, *Classical Islam: A History*,

600-1258.

240. Josef W. Meri, Jere L. Bacharach, *Medieval Islamic Civilization*, Routledge, London, 2006.

241. Levine, Andrew, *Human Rights & Freedom, The Philosophy of Human Rights*, ed. S. Rosenbaum. Aldwych Press, London.

242. Michael H. Hart, *The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History*, Citadel Press Book, NY, 1992.

243. Murad Wahbah, *Islam and Civilization: Proceedings of the First International Islamic Philosophy Conference*, Ain Shams University Press, 1982.

244. Philip J. Adler, Randall L. Pouwels, *World Civilizations*, Thomas Learning Inc., High Holborn House, 50-51 Bedford Row, London, WCIR 4LR, UK, 2006.

245. Philip Marfleet, *The "Clash" Thesis: War and Ethnic Boundaries in Europe*, Arab Studies Quarterly, Vol. 25, 2003

246. Seighart, Paul, *The International Law of Human Rights*, Clareedon Press, Oxford, 1985..

247. Simon Murden, *Culture in World Affairs in John Baylis & Steve Smith's The Globalization of World Politics*, OUP, 2001.

248. *The African Charter on Human and People's Rights*, 1981.

249. *The American Declaration of Rights and Duties of Man*, 1948.

250. *The International Covenant on Civil and Political Rights*, 1966.

251. *The International Covenant on Civil and Political Rights*, 1966.

252. Thomas Arnold & A. Guillaume, *The Legacy of Islam*, OUP, 1931.

253. *Universal Declaration of Human Rights*, 1948.

254. Van Boven, *Survey of the Positive International Law of Human Rights*.

255. Watt Montgomery Watt, *Islamic Political Thought: The Basic Concepts*, Edinburgh University Press, 22-George Square, Edinburgh, 1968, 1987.

256. Will Durant, *The Age of Faith*: A History of Medieval Civilization Christian, Islamic, and Judaic--from Constantine to

Dante: A.D. 325-1300, Simon & Schuster, NY, 1950

257. William Spencer, Islamic Fundamentalism in the Modern World. The mill brook press Inc, 2 old New Milford road, Brookfild Connecticut 06804, 1995